کتاب الاموال

(جلد اوّل)

تصنیف

امام ابو عبید القاسم بن سلّام رحمۃ اللہ علیہ

تقدیم و ترجمہ و تحشیہ

عبدالرحمٰن طاہر سورتی

ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی
اسلام آباد

ناشر ——— ادارۂ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد (پاکستان)

مطبع ——— خورشید پرنٹرز، اسلام آباد

تعداد ——— ایک ہزار

قیمت ——— 15.00 روپیہ

فہرست مضامین

موضوع

امام کے رعیّت پر اور رعیّت کے امام پر باہمی حقوق ۱۱۳ تا ۱۱۷

خیر خواہی ــــ احساس ذمہ داری و جواب دہی ــــ ادائی حقوق ــــ امارت امانت ہے ــــ نیکی میں (باہمی) تعاون ــــ فائلوں کا ڈھیر لگا لینے کی ممانعت ــــ حکام کی قانون فراموشی رعایا کو ظالم بنا دیتی ہے ــــ اقامتِ حق ــــ حاکم و رعایا کے فرائض ــــ خلیفہ برحق ــــ عوام کی شکایات کا ازالہ ــــ ہر اقدام پر اللہ کو یاد رکھو۔

باب

بیت المال کے ذرائع آمدنی ۱۱۸ تا ۱۳۱

(یعنی ائمہ کی زیرِ نگرانی آنے والے ان اموال کی قسمیں جنہیں وہ رعایا کی فلاح و بہبود کے لئے خرچ کریں گے)

اور کتاب وسنت سے اس کے بنیادی احکام

اموال میں رسول اللہؐ کے خصوصی حقوق ــــ (۱) خصوصی فئے: مسلمانوں کی فوج کشی کے بغیر حاصل ہونے والی فئے ــــ (۲) صَفِی ــــ (۳) خمس الخمس (۲۵/۱ واں حصہ) ــــ بنو نضیر کی املاک ــــ فدک ـ صَفِی ـ شرائطِ امان میں صفی کا ذکر ــــ وفد عبدالقیس کو ہدایات میں صَفِی کا ذکر ــــ خمس الخمس (۲۵/۱ واں حصہ) ــــ خمس الخمس کے مصارف ــــ حق بیت اللہ کے بعد باقیماندہ مالِ غنیمت کو پانچ حصّوں میں تقسیم کرنے کا بیان ــــ اللہ و رسولؐ کی مختلف نادیئیں ــــ مختلف آیاتِ قرآنی سے حضرت عمرؓ کا غنیمت، صدقہ اور فئے کے مصارف پر استنباط ــــ صدقہ (زکوٰۃ) کیا ہے ــــ صدقہ کا مصرف ــــ فئے کی تعریف (اس میں جزیہ، خراج، چنگی (عشور) شامل ہے) ــــ فئے کے مصارف ــــ خمس کی تعریف ــــ خمس کا مصرف۔

فصل

۱۳۲ تا ۱۴۱

فئے کی شکلیں اور اُس کے ذرائع آمد ـــــ جزیہ کا بیان۔
جزیہ کی تعریف ، اس کے قبول کرنے کے متعلق مسنون طریقہ ، نیز یہ کہ جزیہ فئے میں شامل ہے ـــــ اسلامی ریاست میں کلمہ کی شہادت جان و مال کی ضمانت کا سبب ہے ـــــ وصولی جزیہ کا حکم اسلام کی آخری تعلیمات میں سے ہے ـــــ "عن ید" کی تفسیر ـــــ بادشاہوں کو اسلام قبول کرنے یا جزیہ دینے کی دعوت ـــــ رسول اللہ ؐ کا گرامی نامہ بنام منذر بن ساوی ـــــ اسپینین کے نام رسول اللہ ؐ کا گرامی نامہ ـــــ اہل یمن کے نام رسول اللہ کا گرامی نامہ ـــــ ہرقل پادشاہ روم کے نام رسول اللہ ؐ کا گرامی نامہ ـــــ کسریٰ و قیصر و نجاشی کے نام رسول اللہ ؐ کے مرسلہ نامہائے گرامی کا ایک ہی مضمون تھا ـــــ فوج (یا دستہ) روانہ کرتے وقت امیر و مجاہدین کو رسول اللہ ؐ کی وصیت ـــــ قلعہ کے محاصرہ پر حضرت سلمان رضؓ کا سنت پر مبنی طریق کار ـــــ

فصل

۱۴۲ تا ۱۴۹

فئے ، خمس اور صدقہ (زکوٰۃ کی وصولی) کے قوانین (یہی وہ اموال ہیں جو رعایا کی فلاح و بہبود کے لئے ائمہ کی زیر نگرانی رہتے ہیں)

باب

عرب اہل کتاب سے جزیہ لینے کا بیان ـــــ جزیہ لینے میں اہل کتاب اور مشرک عربوں میں تفریق ـــــ بنو تغلب کے ساتھ جزیہ کی خصوصی شکل ـــــ حضرت عمر رضؓ کا جبلۃ بن الایہم کو تین صورتوں میں سے ایک قبول کرنے کا اختیار دینا ـــــ مشرکین عرب اور مشرکین عجم میں تفریق ـــــ

کی قیمت کا کام آنے والا دیگر سامان لے لینا ـــــ کمزور اور کمائی سے لاچار ذمیوں کا بیت المال سے وظیفہ ـــــ

باب

۱۷۰ تا ۱۷۳

ذمی کے اسلام قبول کرنے یا جزیہ ادا کئے بغیر مرجانے پر ادائی جزیہ کی صورت ـــــ اسلام قبول کر لینے کے بعد جزیہ باقی نہیں رہتا ـــــ خراج کی زمین اسلامی ریاست کی ملکیّت ہے ـــــ علاماتِ اسلام ـــــ شروع سال یا آخر سال میں اسلام لانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا ـــــ عہدِ اموی میں مسلمانوں سے جزیہ لینے کی غلطی ـــــ مرنے والے ذمی پر واجب الادا جزیہ اس کے پسماندگان سے وصول کرنے پر اختلاف ـــــ

باب

۱۷۴ تا ۱۷۶

جزیہ میں شراب و خنزیر (نیز شراب و خنزیر پر جزیہ) لینے کا بیان ـــــ جزیہ کی رقم کے عوض سور یا شراب لینے کی کراہت ـــــ مسلمانوں کے نزدیک حرام اشیاء چونکہ غیر مسلموں کا مال ہوتی ہیں لہٰذا انہیں ذمیوں کی اس ضمانت پر کہ وہ اسے فروخت کر کے نقد دلا دیں گے، جزیہ کی رقم کے عوض قبول کیا جا سکتا ہے ـــــ اس ضمن میں چنگی اور جزیہ و خراج میں فرق ـــــ حرام چیز کی قیمت بھی حرام ہے ـــــ حرام چیزوں پر چنگی لینے میں اختلاف ـــــ

باب

۱۷۷ تا ۱۷۹

وصولی جزیہ کا طریقہ، ذمیوں کا شناختی لباس، اور اُن کی گردنوں پر مہر لگانے کا بیان ـــــ ہر گاؤں میں جزیہ مقرر کرنے کے لئے زمیندار ـــــ مسلمانوں اور ذمیوں کے وضع و قطع میں تمیز پیدا کرنا ـــــ ذمیوں پر کچھ پابندیاں لگانا ـــــ

۱۸۰ تا ۱۹۷

فصل

صلح کے ذریعہ مفتوحہ علاقوں کے احکام و قواعد

باب

فوجی قوت کے ذریعہ مفتوحہ علاقہ کا بیان جو فئے اور غنیمت دونوں میں شامل ہوگا
—— مفتوحہ علاقوں کے متعلق تین قسم کے احکام —— (i) جن اراضی کے مالک
اسلام قبول کرلیں —— (ii) معین خراج کے عوض صلح —— (iii) فوجی قوت کے ذریعہ
مفتوحہ علاقہ —— اور یہی مؤخرالذکر وہ زمینیں ہیں جن کے بارے میں مسلمانوں
میں اختلاف ہوا —— آیا وہ غنیمت بنالی جائیں یا اُن کا فیصلہ امام کی مرضی
پر ہو؟ —— بہ زور وقوت مفتوحہ اراضی کے احکام —— مفتوحہ علاقہ
مسلمانوں میں تقسیم کردینے کے متعلق آثار —— خیبر کی مثال —— یعنی امام کا
مفتوحہ علاقہ پر کسی مصلحت کے تحت وہاں کے باشندوں کو نصف پیداوار ادا کرتے
رہنے کی شرط پر بلاتعین مدت باقی رکھنا —— خیبر کے بارے میں امام
(عمر رض) کی صوابدید —— تقسیم مصر کا مطالبہ —— مفتوحہ علاقہ خُمس نکال کر
تمام مسلمانوں میں تقسیم ہوگا —— مفتوحہ علاقہ کی تقسیم کے خلاف احادیث و
روایات —— سواد عراق کی تقسیم کے مطالبہ پر امام (حضرت عمر رض) کا جواب
—— حضرت عمر رض کا مفتوحہ زمین کو عامۃ المسلمین کا اصل سرمایہ (فئے) قرار
دینا۔ بعد میں آنے والے مسلمانوں کی ضرورتوں کا خیال —— تقسیم کے خلاف
حضرت علی کا مشورہ —— حضرت معاذ رض کا مشورہ ——

فوجی طاقت کے ذریعہ مفتوحہ علاقہ کو غنیمت یا فئے (امام کی صوابدید
کے مطابق) بنانا —— ہر دو فیصلہ کی تائید میں قرآنی آیات کریمہ —— حضرت
عمر رض کے فیصلہ کی ایک نئی توجیہ اور اس کی تاویل —— فیصلہ کا انحصار

امام کی صوابدید پر ہے
ایک اور رائے ـــــ فوجی طاقت کے ذریعہ مفتوحہ علاقہ کے متعلق تین احکام
(i) غنیمت (ii) فئے (iii) ازرہِ احسان مفتوحہ علاقہ وہاں کے باشندوں
کو دے دینا ـــــ فتح مکہ ـــــ مکہ کو نہ غنیمت قرار دیا گیا نہ فئے ـــــ
انفال و غنائم میں رسول اللہؐ کے خصوصی اختیارات ـــــ مکہ کی امتیازی حیثیت
ـــــ مکہ کے مکانات فروخت کرنے یا کرایہ پر دینے کی ممانعت ـــــ
حرم مکہ نہ غنیمت بن سکتا ہے نہ فئے ـــــ اہلِ مکہ کے لئے سخت حکم ـــــ
اسلام یا قتل ـــــ

باب

۱۹۸ تا ۲۰۸

فوجی قوت کے ذریعہ مفتوحہ علاقہ میں وہاں کے باشندوں کو بحال کر کے اُن پر خراج
لگا دینے کا بیان ـــــ زمین کی پیمائش پر معیّن رقبہ پر معیّن خراج ـــــ
سواد عراق میں خراج چُنگی اور جزیہ کی شرح ـــــ خراج کا معاملہ کرایہ سے مشابہ
ہے ـــــ قبالہ کی مکروہ شکل ـــــ خراج کی عمومی حیثیت ـــــ
سواد عراق کے حدود اربعہ ـــــ خراج کے معنے ـــــ سواد عراق کی زمین
فئے ہے، اور خراج زمین کے اصل مالک ہونے کی وجہ سے زمین پر لیا جاتا ہے
ـــــ خراج درختوں کے پھلوں کا معاوضہ نہیں ـــــ اندریں صورت
یہ ممنوعہ قبالہ کی صورت ہوگا ـــــ تیاری سے قبل پھل فروخت کرنے
کی ممانعت ـــــ کیا خیبر کی پیداوار کا معاملہ قبالہ تھا؟ ـــــ

باب

۲۰۹ تا ۲۲۰

فوجی قوت سے مفتوحہ ایسی زمین کی خریداری کا بیان جس پر امام نے وہاں
کے باشندوں کو بحال کر کے اسے خراجی زمین قرار دیا ہو ـــــ ذمیوں کے
غلام اور ان کی خراجی زمین خریدنے کی ممانعت ـــــ خراجی زمین کرایہ پر لینے

خراجی زمین مسلمانوں کی فئے ہے ——— کوئی ایسی کارروائی جس سے مسلمانوں کی فئے کو نقصان پہنچے جائز نہیں ———

باب

فوجی طاقت کے ذریعہ مفتوحہ علاقہ اور مسلمانوں کی ریاست میں ذمیوں کو کن امور کی اجازت اور کن کاموں کی ممانعت ہوگی ——— اسلام میں خصی کرنے اور نئے کینسہ تعمیر کرنے کی اجازت نہیں ——— غیراسلامی معاشرت سے بچنا ——— خنزیروں کو مار کر ان کی قیمت منہا کر دینا ——— شراب کی تجارت پر شدید پابندی ——— غیرمسلموں پر یہ پابندیاں مسلم آبادی کی حدود تک محدود تھیں ——— عربوں کی آبادی کا مفہوم مسلم آبادی ہے ———

رسول اللہ نے خیبر کا فیصلہ وقتی مصلحت کے تحت فرمایا تھا ! ——— سرزمین عرب سے مشرکین کے اخراج کا حکم ——— جزیرہ عرب میں دو دین نہیں رہیں گے ——— وہیں سے نکالنے کے لئے قانونی وجہ جواز ضروری تھا ——— مسلم علاقہ میں غیراسلامی ادیان کی تبلیغ پہ پابندی ———

صلحی علاقہ میں شرائط صلح کی پابندی کی جائے گی ——— وہ اسلامی مفتوحہ علاقے جہاں ان کے اصلی باشندوں کو آباد رہنے دیا جائے صلحی علاقہ کی طرح ہوں گے ——— مسلم اور ذمی کے مال میں فرق ——— (شراب کا سرکہ بنا لینا، ——— بتوں کی چاندی سے استفادہ اور سوروں کی قیمت حرام ———

باب

فوجی قوت کے ذریعہ مفتوحہ علاقوں کے (باشندوں) قیدیوں، غلاموں اور لونڈیوں کے بارے میں حکم ——— احسان کرتے ہوئے یا فدیہ کے عوض چھوڑ دینا یا قتل کر ڈالنا ——— احسان کے عمل پر حضورؐ کا عمل ——— (اہل مکہ کے ساتھ آپؐ کا سلوک) ——— استثناء ——— امان بخشی کا اعلان

قتل کے ساتھ غلام بنا لینے کا چوتھا قانون مروّج ہوا ——— قیدی عورتوں اور بچوّں کے لئے ایک ہی حکم ہے اور وہ ہے غلامی ——— احسان کرتے ہوئے چھوڑنے کا مطلب ہے ذمی بنا لینا ——— اسلام قبول کر لینے پر قیدی کا موقف ——— جنگ اور شکست سے قبل اور اُن کے بعد اسلام لانے میں فرق ——— قیدیوں کی تقسیم سے قبل امام کو اُن کے بارے میں اختیار ہے تقسیم کے بعد وہ سفارش کر سکتا ہے ——— جزیہ آزادی اور عہد و پیمان کا ثبوت ہے ——— مصر کے بزور مفتوحہ یا صلحی علاقہ ہونے میں اختلاف ہے ——— اس اختلاف کی توجیہ ———

فصل

۲۸۵ تا ۲۸۷

صلحی علاقوں کے احکام و قوانین۔ (ایسے علاقے فئے شمار ہوں گے غنیمت نہیں ———

باب

صلحی اقوام کے ساتھ شرائطِ صلح پوری کرنے، اس ضمن میں مسلمانوں کی ذمہ داریوں، نیز صلحی اقوام پر ناپسندیدہ اضافوں کا بیان ——— شرائطِ صلح کی پابندی کی تاکید اور ان پر اضافہ کی ممانعت ——— شرائطِ صلح میں اضافہ ممنوع ہے لیکن کمی کے امکانات ہیں ———

باب

۲۸۸ تا ۲۹۰

ذمیوں کی ان شرائطِ صلح کا بیان جن کے بعد انہیں اُن کے دین پر بحال رکھا جاتا ہے ——— جزیہ، فوجیوں کی خوراک اور مسلمان مسافروں کی مہمانی ——— معاہدین کے بال بچوں کی خریداری کا مسئلہ

باب

۱۱۳ تا ۳۱۵

عارضی صلح کی مقررہ میعاد ختم ہو چکنے کے بعد مسلمانوں کو کیا اقدام کرنا چاہیئے

——— میعاد کے خاتمہ پر معاہدہ جاری رکھنے یا ختم کر دینے کی اطلاع دی جائے گی ———

باب

۳۱۶ تا ۳۳۶

عہد شکنی کرنے پر صلح و معاہدہ کرنے والوں کا خون کب روا ہو جاتا ہے ؟

——— عہد نامہ کی کسی شق کی مخالفت پر عہد شکنی کرنے والے کا خون روا ہو جاتا ہے ——— خاندان ابی الحقیق کا واقعہ ——— بنی قریظہ کا واقعہ ——— مصر میں والیِ صعید کا واقعہ ——— عہد شکنی کا واضح ثبوت ضروری ہے ، محض شک و شبہ کافی نہیں ——— عربسوس کا واقعہ ——— چند لوگوں کی عہد شکنی کی سزا پوری قوم کو نہیں دی جائے گی ——— خواص کے عمل پر عوام کی گرفت نہیں ہوتی البتہ عوام کے عمل پر خواص کی گرفت ہو سکتی ہے ——— اہلِ قبرص کا معاملہ ——— اہلِ قبرص کے سلسلہ میں فقہاء کے نام عبدالملک کا سوالنامہ ——— لیث بن سعد کا جواب ——— سفیان بن عیینہ کا جواب ——— مالک بن انس کا جواب ——— موسیٰ بن اعین کا جواب ——— اسمٰعیل بن عیاش کا جواب ——— یحییٰ بن حمزہ کا جواب ——— قبرس کی قسم کی آبادی اہل ذمہ نہیں بلکہ اہل فدیہ ہے ——— خوارج کا واقعہ ———

خواص کے عمل پر عوام کی تائید کی مثال ——— فوجی قوت اور صلح کے ذریعہ مفتوحہ علاقوں کے مشکوک ہونے پر تمام علاقہ کو صلحی قرار دیا جائے گا ——— اگر مشرکین سرداروں کو عوام کا اعتماد حاصل نہ ہو تو ان سے کیا ہوا معاہدہ ان کے عوام کی توثیق کے بعد نافذ کرنا زیادہ مناسب

بن الولیبہ کا صلح نامہ ـــــــ الجزیرہ کے باشندوں کے نام عیاض بن غنم کا صلح نامہ ـــــ ارمینیا کے علاقہ تفلیس کے باشندوں کے نام حبیب بن مسلمہ کا عہد نامہ ـــــ اہل تفلیس کے نام مکتوب ـــــــــ

فصل

مصارفِ فئے

باب

فئے کی تقسیم نیز فئے کے مستحقین و غیر مستحقین کا بیان ـــــ فئے کا مستحق ہونے کے لئے مرکزِ اسلامی میں قیام اور جہاد میں حصہ لینا شرط ہے ـــــ ہر مسلم فئے کا مستحق ہے ـــــ استحقاق فئے میں اختلاف کرنے والوں کے اقوال ـــــ آخر میں مہاجر و غیر مہاجر مومن کے لئے فئے کے سلسلہ میں ایک حکم ہو گیا تھا ـــــ لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ ـــــ فتوحات سے قبل اور فتوحات کے بعد کے قرضوں میں فرق ـــــ آپؐ کا بعد کا عمل پہلے عمل کو نسخ کرتا ہے ـــــ

باب

فئے میں سے وظائف مقرر کرنے کا بیان نیز یہ کہ اس کی ابتدا کس سے کی جائے گی ـــــ حضرت عمرؓ کا قائم کردہ نظام ـــــ تقسیم وظائفِ فئے کی ترتیب اور رجسٹروں میں اندراج ـــــ اسبقیت میں قرابتِ رسولؐ کا اہتمام ـــــ نمایاں خدمات کی انجام دہی کے صلہ میں اعزاز ـــــ حضورؐ کی محبت کی وجہ سے افضلیت ـــــ

باب

شہریوں کے وظائف مقرر کرنے اور انہیں دیہاتیوں پر ترجیح دینے کا

بیان — جمعیت مسلمین (بدو) رہائش کی افضلیت —
شہری آبادی کو دیہاتی آبادی پر ترجیح اور اس کا سبب —
تین صورتیں جن میں دیہاتی مدد کے مستحق ہو جاتے ہیں —
سوال کرنا صرف تین آدمیوں کے لئے حلال ہے —
وظائف اسلام کی حفاظت و مدافعت کرنے والے شہریوں کو دئے جائیں گے
اور دوسروں کی ہنگامی حالات میں مدد کی جائے گی —
فئے اور صدقہ (زکواۃ) کا فرق —

باب

۳۹۷ تا ۳۹۸

غیر عرب (مسلم) اقوام کے لئے فئے سے وظائف کا اجراء — اسلام
لانے کے بعد عرب اور غیر عرب میں امتیاز نہیں ہوگا —

باب

۳۹۹ تا ۴۰۴

فئے سے عورتوں اور بچوں کے لئے وظائف اور روزینوں کا اجراء —
مرنے والے کا مال اس کے وارثوں کا ہوگا لیکن مرحوم کا قرض اور دیگر بار ذمہ داریاں
اسلامی ریاست پر ہوگا — بچہ پیدا ہوتے ہی فئے سے وظیفہ کا مستحق ہو جاتا
ہے — عمر کے ساتھ بچہ کے وظیفہ میں اضافہ — راستہ میں
پڑا ملنے والے بچے کا وظیفہ — دودھ پلائی کے اخراجات کا قسمہ داری
وارث پر ہے — دودھ پیتے بچہ کو وظیفہ دینے میں اختلاف —

باب

۴۰۵ تا ۴۰۸

فئے سے عورتوں اور غلاموں کے وظائف کا بیان — شادی شدہ
کو کنوارے سے دگنا — کنیز و غلام کا حصہ؟ —
غلام کو مستقل وظیفہ نہیں بلکہ کارکردگی کا صلہ ملتا تھا — مولیٰ اپنے سابقہ
آقا کے مساوی ہوگا —

باب

باب

باب

باب

باب

کارنامے انجام دینے میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لینے کی رعایت ــــــ قرآن مجید سیکھنے پر وظیفہ ــــ قرآن مجید پڑھانے پر وظیفہ ــــ صحابہ سے رشتہ داری کی بناء پر وظیفہ ــــــ

باب

۴۳۰ تا ۴۳۳

لوگوں کے درمیان فئے کے متعلق ابوبکر و عمر و علی (رضوان اللہ علیہم) کی آراء (حضرت عمرؓ کی دو رائیں) ــــ فئے کی تقسیم میں مساویانہ اور ترجیحی تقسیم کی عمدہ توجیہ

باب

۴۳۴ تا ۴۴۱

مسلمانوں کے لئے فئے کو زیادہ سے زیادہ بچانا اور انہیں فئے کی تقسیم میں ترجیح دینا ــــ اسلامی ریاست میں ملازم کو ضروریات سے زیادہ جمع جوڑ کی ممانعت ــــ حکومت کا عہدہ دار تنخواہ کے سوا کسی تحفہ و بخشش کا حقدار نہیں ــــ بیت المال سے انتظامیہ کی تنخواہ ــــ مال اللہ میں سے خلیفہ کا حقِ خدمت ــــ اسلامی ریاست یا عامۃ المسلمین کی ملکیت کی حفاظت کا خیال ــــ حکام کی آمدنی پر محاسبہ ــــ عمال و خلفاء کا عامۃ المسلمین کو فئے سے زیادہ سے زیادہ دینا اور خود احتیاط کرنا ــــ

فصل

۴۴۲ تا ۴۵۴

زمینوں کے متعلق احکام

(تقسیمِ اراضی، جاگیرداری، زمین کو قابلِ کاشت بنانا، رکھت اور ممنوعہ علاقہ، نیز پانی سے متعلق احکام)

باب

تقسیمِ اراضی اور جاگیرداری ــــ اسلامی ریاست غیر آباد زمینیں مسلمانوں میں تقسیم کرے گی ــــ آبادکاری کے لئے آبادکار کو زمین دینا

منشہ وار طور پر جاگیر دینا ـــــــ عمومی ضروریات کی چیزیں ـــــــ
ایک شخص کی ملکیت میں نہیں دی جائیں گی ـــــــ جاگیرداری محدود
ہو جس سے دوسروں کی حق تلفی نہ ہو سکے ـــــــ گھوڑے اور دیگر کار آمد
جانوروں کی پرورش کے لئے جاگیر بخشنا ـــــــ جاگیر بخشی ـــــــ
غیر مملوکہ غیر آباد زمین ہی جاگیر میں دی جائے گی ـــــــ ابو عبید کا محاکمہ
ـــــــ نفل ـــــــ گھاس، آگ اور پانی عوام کی مشترکہ ملکیت ہے ـــــــ
متعین مقصد کے لئے جاگیر بخشی ـــــــ جس زمین کا کوئی مالک نہ ہوتا وہی
زمین جاگیر میں دی جاتی تھی ـــــــ

باب ۷

۷۵۴ تا ۷۴۶

اراضی کی آبادکاری، انہیں حد بندی کر کے اپنی ملکیت بنا لینا، نیز دوسرے
کی آباد کردہ زمین میں دخل اندازی کا بیان ـــــــ

ـــــــ آبادکاری کی تین صورتیں ـــــــ غیر آباد علاقہ کے آبادکار اور
اس میں ناجائز دخل اندازی کرنے والے کے متعلق احکام ـــــــ مردہ و
غیر آباد زمین اسے آباد کرنے والے کی ملکیت ہو جائے گی ـــــــ کسی کی
آباد کردہ زمین میں ناجائز دخل اندازی کی ممانعت ـــــــ ملکیت زمین کے
اسباب ـــــــ دوسرے کی زمین ہتھیانے کے لئے اس میں باغات
لگانے والے کے متعلق فیصلہ ـــــــ دوسرے کی زمین پر بلا اجازت
کاشت کر لینے والے کے متعلق فیصلہ ـــــــ غیر کی زمین پر ناجائز تعمیر کرنے
والے کے لئے حکم ـــــــ جاگیر دار کی بے کار پڑی ہوئی زمین کو آباد کر لینے والے
کے بارے میں فیصلہ ـــــــ دوسروں کی دخل اندازی روکنے کے لئے
بطور اظہار ملکیت حد بندی قائم کر کے زمین بیکار چھوڑنے والے کے لئے
احکام ـــــــ طویل مدت (تین سال) تک زمین بے کار چھوڑنے
والے کی زمین حکومت کے تصرف میں آ جائے گی ـــــــ آبادکاری کی تفسیر ـــــــ

باب

باب

امام ابو عبیدؒ

نسب و ولادت

ابو عبید القاسم بن سلامؒ ہراۃ میں دوسری صدی ہجری کے نصف آخر کی پہلی دہائی میں پیدا ہوئے[1]

ابو عبید کے والد سلام خراسان میں آباد ہونے والے ان رومی غلاموں میں سے تھے جن کے مالک اہلِ ہراۃ تھے[2] اس لئے وہ خود بھی عربی بولتے تھے لیکن اس زمانہ میں عربی زبان کی قدر و اہمیت نیز دینی و دنیوی ضرورت اور اس کے شاندار مستقبل کو دیکھتے ہوئے انہوں نے دستور کے مطابق اپنے ذہین بیٹے کو عربی سیکھنے کے لئے مکتب کے عربی استاذ کی خدمت میں چھوڑ دیا، کہتے ہیں کہ وہ اپنے بیٹے کو اپنے آقا کے بیٹے کے ساتھ مدرسہ میں داخل کرانے لے گئے جہاں اُنہوں نے استاذ سے اپنی ٹوٹی پھوٹی عربی کا یہ جملہ کہا:

علمی القاسم فانها کیسة[3] آپ قاسم کو پڑھائیے کہ وہ بڑا ہوشیار ہے۔

کسے معلوم تھا کہ یہ بچہ جس کا باپ غلط عربی بول رہا تھا ایک دن نہ صرف صحیح عربی بولنے لگے گا بلکہ عربی زبان و ادب کا مستند عالم اور علوم عربیہ و علوم دینیہ کا امام بنے گا۔

---

[1] ۔ الفہرست لابن الندیم : ۱۰۶ میں ان کا نسب القاسم بن سلام بن مسکین بن زید دیا ہے لیکن تہذیب التہذیب ۷ : ۳۱۵ میں صرف سلام تک ہے اور سلام بن مسکین کے نام سے ابو محمد القاسم بن سلام کا ترجمہ ہے جو ابو عبید کے علاوہ ہے۔ اسی کی تائید بخاری کی التاریخ الکبیر ۴ : ۱۷۲ سے ہوتی ہے۔ [2] ابو عبید کی پیدائش ابن الجوزی نے ۱۵۰ھ میں اور ابو بکر زبیدی نے سن ۱۵۴ھ میں بتائی ہے اور خطیب بغدادی نے ان کی پوری عمر سٹرسٹھ برس بتائی ہے۔ دیکھیئے وفیات الاعیان : ۳ : ۲۲۶ و ۲۲۷۔ [3] ابن قتیبہ نے انہیں ازد قبیلہ کے خراسانیوں کا غلام بتایا ہے۔ (المعارف لابن قتیبہ ۵۴۹۔ اس لئے وہ ازدی کہلاتے ہیں۔ ہراۃ میں پیدائش کی وجہ سے ہَرَوی اور بغداد میں طویل اقامت کی وجہ سے بغدادی بھی کہلاتے ہیں[4] اس جملہ میں استاذ کے لئے اس نے مؤنث کا صیغہ "علمی" استعمال کیا پھر اپنے بیٹے قاسم کے لئے مؤنث ضمیر "ھا" اور اس کی خبر "کیسۃ" بھی مؤنث استعمال کی۔

تحصیلِ علم ابو عبیدؒ نے ابتدائی تعلیم "ہراۃ" میں حاصل کی۔ کوفہ و بصرہ میں جو اس زمانہ میں عربی زبان سے متعلق علوم کے لئے مرکزی حیثیت رکھتے تھے کسب فیض کیا، نیز بغداد میں طویل سکونت کی جہاں عربی ادب صرف و نحو قراءت اور حدیث و فقہ کی تعلیم مکمل کی۔

اساتذہ ابو عبیدؒ نے قرآن مجید کا علم اور اس کی مختلف قراءتیں (حروف) سیکھنے میں کسائی اسمٰعیل بن جعفر اور شجاع بن ابی نصر، سے استفادہ کیا، اور حدیث کی سماعت محدثین کی ایک جماعت سے کی، ان میں اسماعیل بن عیاش، اسماعیل بن جعفر، ہشیم بن بشیر۔ شریک ابن عبداللہ۔ مؤخر الذکر ان کے سب سے بڑے استاذ ہیں۔ اور عبداللہ بن المبارک، ابوبکر بن عیاش جریر بن عبدالحمید۔ سفیان بن عینیہ۔ عباد بن عباد۔ عباد بن العوام۔ یحیی القطان[۱] وغیرہم شامل ہیں۔ ان کے اساتذہ حدیث میں سب سے آخر میں وفات پانے والے ہشام بن عمار ہیں[۲]۔

ادب و لغت و نحو میں ابو عبید ابو زید، ابو عبیدۃ معمر بن مثنیٰ، اصمعی، یزیدی ابن الاعرابی ابو زیاد کلابی، اموی، ابو عمرو الشیبانی، کسائی، احمر اور فراء سے روایت کرتے ہیں[۳]۔

تلامذہ عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی، ابوبکر بن ابی الدنیا، عباس الدوری، حارث بن ابی اسامہ، احمد بن یوسف التغلبی، علی بن عبدالعزیز البغوی، محمد ابن یحییٰ بن سلیمان المروزی، احمد بن یحیی البلاذری۔ (مشہور مصنف فتوح البلدان) وغیرہم[۴] نیز ثابت بن عمرو بن حبیب مولی علی بن رابطہ مشعری۔ ان کا پورا نام علی بن محمد بن وصب ہے[۵]۔ اور محمد بن اسحٰق صغانی ابو عبید کے مشہور تلامذہ ہیں۔ سعید بن ابی مریم مصری ان کے ایسے استاد ہیں جو ان سے روایت بھی کرتے ہیں[۶]۔

---

[۱] یحیی القطان کا ذکر بخاری نے التاریخ الکبیر م: ۲۷۱ میں کیا ہے۔ نیز دیکھئے تاریخ بغداد ۱۲: ۴۰۹۔ [۲] ترجمہ ابی عبید کتاب الاموال ص ۲۴ نیز طبقات الشافعیہ الکبریٰ ۱: ۲۷۰

[۳] الفہرست لابن الندیم: ۱۰۶ و ۱۰۷ نیز ترجمہ ابو عبید کتاب الاموال: ۲۵

[۴] ترجمہ ابی عبید کتاب الاموال ص ۲۴ نیز طبقات الشافعیہ الکبریٰ ۱: ۲۷۰

[۵] الفہرست: ۱۰۷۔

[۶] تہذیب التہذیب ۸: ۳۱۵

ان کے علاوہ ابوعبیدؒ کے وہ شاگرد جنہوں نے علم وادب میں نام پیدا کیا اور اساتذہ میں شمار ہوئے یہ ہیں۔ ابوعبدالرحمٰن احمد بن سہل - احمد بن عاصم، علی بن ابی ثابت، ابومنصور نصر بن داؤد صغانی، محمد بن وہب منازی، محمد بن سعید ہروی، محمد بن المغیرہ بغدادی، عبدالخالق بن منصور نیساپوری، احمد بن القاسم، ابراہیم بن عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن بغوی[1]

ابوعبید استاذ و اتالیق کی حیثیت سے

تعلیم سے فراغت کے بعد ابوعبیدؒ وطن واپس آئے - جب خراسان میں ان کی شہرت ہوئی تو اس زمانہ کے دستور کے مطابق وہاں کی علم دوست اور با اثر شخصیتوں نے انہیں اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت پر مامور کیا۔

چنانچہ ابوعبید رشید و مامون کے دور کے ایک بڑے جرنیل ہرثمہ بن اعین کی اولاد کے اتالیق مقرر ہوگئے۔ وہ مرو میں مامون کے دور کے مشہور جرنیل اور گورنر طاہر بن حسین کی اولاد کے اتالیق بھی رہے۔ یہاں ابوعبیدؒ کی ملاقات طاہر بن الحسین سے اس وقت ہوئی تھی جب طاہر خراسان جاتے ہوئے مرو میں ٹھہرے اور انہیں محفل شب کے لئے ایک عالم کی ضرورت ہوئی۔ انہیں بتایا گیا کہ یہاں ایک معلّم کے سوا کوئی اس مقصد کا آدمی نہیں ہے۔ پھر ابوعبیدؒ کو ان کی خدمت میں پہنچایا گیا۔ ملاقات کے بعد طاہر نے انہیں سب سے بڑا مؤرخ، لغوی، فقیہ اور نحوی پایا۔ محفل کے خاتمہ پر گورنر نے ابوعبیدؒ سے کہا: "تمہیں اس علاقہ میں چھوڑ دینا بہت بڑی ناانصافی ہوگی۔ پھر انہیں ایک ہزار دینار پیش کرتے ہوئے کہا: میں جنگ کے سلسلہ میں خراسان جا رہا ہوں آپ کی زندگی مجھے اتنی عزیز ہے کہ آپ کو اپنے ساتھ لے جا کر خطرہ میں نہیں ڈالنا چاہتا۔ آپ میری واپسی تک یہ رقم اپنے خرچ میں لائیے[2] بعد میں اسی جرنیل کے بیٹے عبداللہ بن طاہر نے ابوعبیدؒ کی بڑی قدر کی اور ان کے لئے ایک گرانقدر مشاہرہ بھی مقرر کر دیا۔

ابوعبیدؒ بغداد کے شارع بشر و بشیر میں بھی تعلیمی خدمات انجام دیتے رہے۔

آخر میں وہ ثابت بن نصر بن مالک خزاعی سے وابستہ رہے، جو ثغور شام کے

---

[1] - انباہ الرواۃ ۳ : ۲۱ : ۲۲ [2] - تاریخ بغداد - ۱۲ : ۴۰۵ - ۴۰۶

سرحدی علاقہ) میں گورنر تھے۔ وہاں عہدہ قضا کے ساتھ ابو عبیدؒ اُن کی اولاد کی تعلیم کے فرائض بھی انجام دیتے رہے۔

ابو عبیدؒ عربی زبان صرف و نحو۔ ادب و لغت اور حدیث کی تعلیم دیتے تھے۔ ابن یونس کہتے ہیں کہ وہ یحیٰی بن معین کے ہمراہ ۲۱۳ھ میں مصر گئے تھے اور وہاں بھی تصنیف و تدریس میں مشغول رہے[1]

ابو عبید کی زندگی میں تدریس و تعلیم کا اس قدر غلبہ رہا کہ بعض ادباء نے ان کا شمار ہی معلمین کے زمرہ میں کیا ہے[2]

ابو عبیدؒ کی شخصیت پُر کشش، باوقار و بارُعب تھی۔ آخری عمر میں مہندی لگانے کی وجہ سے ان کے سر اور داڑھی کے بال سُرخ رہتے تھے[3]

قضاء سے فراغت کے بعد آخر میں ابو عبیدؒ پھر بغداد میں قیام پذیر ہو گئے، جہاں وہ علمی مجالس منعقد کرتے تھے۔ ان مجالس میں مختلف علماء اس پختہ کار ماہر فن استاذ سے حدیث کی روایت کرتے اور غریب الحدیث پڑھتے اور ان کے علمی نکات سے استفادہ کرتے تھے۔

ابو عبید کی علمی مجلسیں عوامی ہوتی تھیں تاکہ عام طلبہ مستفید ہو سکیں۔ اگر کوئی اپنی برتری کی وجہ سے جُدا گانہ وقت طلب کرتا تو وہ انکار کر دیتے تھے۔

ابو عمرو بن طوسی کہتے ہیں کہ مجھ سے میرے والد نے کہا: ایک دن میں ابو عبیدؒ سے ملاقات کرنے کے لئے جا رہا تھا۔ راستہ میں یعقوب بن سکیت مل گئے اور مجھ سے پوچھنے لگے "کہاں جا رہے ہو؟" میں نے جواب دیا: "ابو عبیدؒ کے پاس" اس پر اُنہوں نے کہا: "تم اس سے زیادہ جانتے ہو" جب وہ ابو عبیدؒ سے ملے تو اُنہوں نے یہ سارا قصہ انہیں سُنایا۔ ابو عبیدؒ نے کہا "یہ آدمی بُرا مان گیا"۔ میں نے کہا: "کس بات پر؟"

---

[1] ۔ تہذیب التہذیب ۱۲: ۳۱۵ [2] دیکھئے المعارف لابن قتیبہ عنوان "المعلمین" ص ۵۴۹ نیز الجاحظ کی کتاب المعلمین، مؤخر الذکر کتاب کا حوالہ مراتب النحویین لابی الطیب عبدالواحد ابن علی اللغوی نیز معجم الادباء لیاقوت ۱۶: ۲۵۵ پر ہے۔

[3] ۔ وفیات الاعیان ۳: ۲۲۶

ابو عبیدؒ نے جواب دیا: "کچھ دن گذرے یہ میرے پاس آئے تھے اور درخواست کی تھی کہ مجھے "التریب المصنف" سنا دیجئے، میں نے انکار کر دیا اور کہا کہ جس طرح سب لوگ آکر درس میں شریک ہوتے ہیں آپ بھی انہیں میں شامل ہو جائیں اس بات پر وہ خفا ہو گئے"[1]

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم سے فراغت کے بعد ان کی زندگی کا ابتدائی اور آخری معتدبہ حصہ اتالیقی و معلمی میں گزرا اور اسی پر ان کی گزر بسر ہوتی تھی۔

عقائد و اخلاق

امام ابو عبیدؒ کے سینہ میں اسلام کی محبت سے سرشار دل تھا۔ وہ ایک عبادت گزار و تقویٰ شعار عالم اور کتاب و سنّت کے سختی سے پابند تھے۔ کتاب الاموال میں آپ جگہ جگہ دیکھیں گے کہ وہ کسی مسئلہ میں کتاب و سنّت کے صریح فیصلہ کی موجودگی میں کسی دوسرے کے قول کو ترجیح نہیں دیتے۔ جہاں کتاب و سنّت سے رہنمائی نہیں ملتی وہاں وہ فقیہ صحابی کے قول کو ما بعد کے فقہاء پر ترجیح دیتے ہیں۔

ان کی رائے میں صحیح السند حدیث جزءِ عقیدہ بن جاتی ہے، خواہ اس کی تاویل کتنی ہی مشکل ہو، ذیل کا واقعہ اس کے ثبوت کے لئے کافی ہے:

علماء کی کسی مجلس میں ایک اہلِ سنّت کا یہ موقف محل بحث تھا کہ وہ ان احادیث کی صداقت میں یقین نہیں رکھتا جن میں رؤیت الٰہی، کرسی اور اللہ کے دو قدموں کی جگہ۔ اللہ کا اپنے بندوں کی ناامیدی پر ہنسنا۔ اور جہنم کا بھر جانا، نیز اسی قسم کی دیگر عبارتیں مذکور ہیں۔ ابو عبیدؒ نے کہا کہ تم نے اس شخص کا مرتبہ میری نظر میں کم کر دیا، یہ امور برحق ہیں اس میں کوئی شک نہیں۔ ان احادیث کو ہم تک مستند و ثقہ راویوں نے پہنچایا ہے یہ الگ بات ہے کہ جب ہم میں سے کسی سے ان احادیث کی شرح و تفسیر کا مطالبہ کیا جائے تو ہم اس کی تفسیر نہیں کر سکیں گے اور نہ ہی کوئی اس کی تفسیر تک پہنچ سکا ہے۔[2]

ابو عبید خلفائے راشدین کو ان کی ترتیب کے مطابق برحق سمجھتے تھے۔ وہ کہتے کہ جب میں بصرہ یحییٰ القطان کی خدمت میں پہنچا تو میں نے دیکھا کہ ان کی زبان پر ابو بکرؓ و عمرؓ و علیؓ چڑھا ہوا ہے۔ میں نے ان سے عرض کی کہ میرے پاس دو اہل بدر کی گواہیاں موجود ہیں کہ حضرت عثمانؓ

---

[1] تاریخ بغداد ۱۲: ۴۰۸۔ [2] طبقات النحویین واللغویین: ۲۱۸

حضرت علیؓ سے افضل ہیں۔ انہوں نے دریافت کیا: وہ کون سی ہیں؟ میں نے کہا: آپ نے ہمیں شعبہ، عبدالملک بن میسرۃ۔ نزّال بن سبرۃ کی سند سے یہ بتایا ہے کہ عبداللہ بن مسعود نے ہمیں خطبہ دیتے ہوئے کہا: "ہمارا امیر (عثمانؓ) بچے ہوئے لوگوں میں سب سے بہتر ہے اور ہمارے اس دعویٰ میں کوئی کوتاہی نہیں"۔ پھر انہوں نے کہا: اور دوسرا کون ہے؟" میں نے کہا زہری حمید بن عبدالرحمٰن مسور بن مخرمہ کی وساطت سے روایت کرتے ہیں کہ مخرمہ نے عبدالرحمٰن بن عوف کو یہ کہتے سُنا: میں نے مہاجرین اولین لشکروں کے کمانڈروں اور رسول اللہؐ کے صحابہؓ سے مشورہ کیا تو میں نے کسی کو حضرت عثمانؓ کے مساوی نہ پایا۔" ابوعبیدؒ کہتے ہیں کہ اس کے بعد یحییٰ القطان نے " ابوبکرؓ وعمرؓ وعثمانؓ وعلیؓ کہنا شروع کر دیا اور اپنا پہلا طریقہ ترک کر دیا[1] ابوعبید حضرت عثمانؓ کے اضافہ کی اس اصلاح سے اتنے خوش تھے کہ اپنے اس عمل کو جنّت میں جانے کا ایک وسیلہ خیال کرتے تھے۔

جہمیہ اور رافضہ کے متعلق ابوعبیدؒ کی رائے

ابوعبیدؒ کہتے ہیں: میں مختلف عقائد و مذاہب کے لوگوں میں رہا، اہلِ کلام سے بھی میری بحثیں رہیں لیکن حجت و استدلال میں رافضہ سے زیادہ کمزور اور ان سے زیادہ گندے اور احمق لوگ میں نے نہیں دیکھے۔ ثغر[2] میں اپنی قضاء کے دوران میں نے ان میں سے تین افراد کو جن میں سے دو جہمی اور ایک رافضی یا دو رافضی اور ایک جہمی تھے علاقہ بدر کر دیا تھا اور یہ کہا تھا کہ تمہارے جیسے لوگوں کو سرحدوں میں بسنے کی اجازت نہیں ملنی چاہیئے[3] پھر ابوعبید نے کہا:

" انسان میں عقل ہونے کے معنی یہ ہیں کہ وہ دھوپ سے بچ کر سایہ میں چلے۔"

ابوعبید نہایت متدین نیکوکار، عبادت گزار اور سخی تھے۔ دین کی خدمت احیاء سنت۔ مملکت اسلامیہ کی مدافعت، ان کی زندگی کے مقاصد میں شامل تھے۔

الازہری نے اپنی تالیف التہذیب میں لکھا ہے کہ ابوعبیدؒ بڑے متدین، عالم و فاضل، فقیہ اور حامی سنت تھے[4]

---

[1] تاریخ بغداد۔ ۱۲: ۴۰۹ ۔ [2] ثغر سرحد کو کہتے ہیں۔ یہاں مراد وہ قدیم شامی سرحدی علاقہ ہے جہاں مسلمانوں کی رومیوں سے مسلسل جنگ ہوتی رہتی تھی۔ اسی علاقہ میں طرسوس بھی تھا جہاں ابوعبید قاضی رہے تھے۔ [3] طبقات النحویین: ۲۱۹ ۔ [4] تہذیب التہذیب: ج ۸: ۳۱۸

ابوبکرالانباری لکھتے ہیں: "ابوعبیدؒ رات کو تین حصوں میں تقسیم کرتے تھے۔ ایک تہائی تصنیف وتالیف میں، ایک تہائی سونے میں اور ایک تہائی عبادت وتہجد میں گذارتے۔"[۱]

ابوعبیدؒ کی طبیعت کے استغناء، وفا شعاری، دینی حمیت اور بلادِ اسلامیہ کی مدافعت کے اظہار کے لئے یہ ایک واقعہ بڑی اہمیت رکھتا ہے اور اسے تقریباً ابوعبیدؒ کے تمام سوانح نگاروں نے بیان کیا ہے:

ابوعبیدؒ جس زمانہ میں عبداللہ بن طاہر کے ساتھ تھے۔ ابوُدلف عجلی نے جو بڑا علم دوست حاکم تھا عبداللہ بن طاہر سے درخواست کی کہ وہ دو ماہ کے لئے ابوعبید کو اس کے پاس مہمان بھیج دیں تاکہ وہ ان سے علمی استفادہ کرسکے۔ چنانچہ عبداللہ بن طاہر نے ان کی یہ درخواست منظور کرلی۔ جب دو ماہ قیام کے بعد ابوعبیدؒ واپس ہونے لگے تو ابوُدلف نے انہیں تیس ہزار درہم پیش کئے۔ لیکن ابوعبیدؒ نے یہ کہتے ہوئے اُن کی یہ رقم قبول نہ کی: "میں ایک ایسے شخص کے ساتھ ہوں جس نے میری ضروریات کی اس حد تک کفالت کر رکھی ہے کہ اس کے بعد مجھے کسی دوسرے کے صلہ کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔" چنانچہ جب وہ عبداللہ بن طاہر کے پاس واپس آئے تو انہوں نے بجائے دراہم کے انہیں تیس ہزار دینار انعام میں دئے۔ ابوعبید نے یہ انعام وصول کرتے ہوئے کہا! اے امیر! میں آپ کا یہ گرانقدر صلہ قبول کرتا ہوں لیکن آپ نے اپنے الطاف وعنایات سے مجھے اس قدر نواز رکھا ہے کہ مزید کی حاجت نہیں رہتی۔ میری رائے یہ ہے کہ میں اس رقم سے ہتھیار اور گھوڑے خرید لوں اور انہیں ملکی حفاظت کے لئے دفاعی فنڈ میں دے دوں تاکہ مجھے اور آپ کو ثواب جزیل ملے یاقوت نے لکھا ہے کہ انہوں نے اس رقم سے ہتھیار خرید کر سرحد میں بھیج دئے۔[۲]

ابوعبید کے حلم کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ "عباس خیاط کہتے ہیں: میں ابوعبید کے ساتھ تھا کہ ان کا گذر اسحٰق موصلی کے مکان کی طرف سے ہوا۔ ابوعبیدؒ کہنے لگے: "اس مکان کا مکین علوم پر نظر رکھنے کے ساتھ ساتھ حدیث وفقہ وشعر کا کتنا بڑا عالم ہے!" اس پر میں نے کہا: مگر وہ تو آپ کے متعلق اس کے بالکل برعکس رائے رکھتے ہیں۔ ابوعبیدؒ

---

[۱] تہذیب التہذیب: ج ۸: ۳۱۶۔ [۲] معجم الادباء لیاقوت۔ ۱۶: ۲۵۶

نے دریافت کیا:" وہ کیا کہتے ہیں؟" میں نے کہا: "وہ کہتے ہیں کہ آپ نے اپنی کتاب "الغریب المصنف" میں بیس سے زائد حروف میں غلطی کی ہے۔" ابوعبیدؒ نے کہا: "یہ تو کچھ زیادہ نہیں۔ جس کتاب میں دس ہزار حروف ہوں اور صرف اتنی سی غلطیاں ہوں تو یہ بہت معمولی بات ہے۔ پھر یہ بھی تو ممکن ہے کہ تبادلہ خیال کرنے پر میں اپنے دلائل پیش کر سکوں، بعدازاں وہ اسحٰق کا ذکرِ خیر ہی کرتے رہے۔[1]

ابوعبیدؒ کی غیرت دینی وعلمی ذیل کے واقعہ سے عیاں ہوتی ہے:

ابوالعباس احمد بن یحییٰ البلاذری کہتے ہیں: "خراسان سے طاہر بن عبداللہ بن طاہر اپنے باپ کی زندگی میں جب کہ وہ نوجوان تھے حج کے لئے نکلے اور اسحٰق بن ابراہیم کے گھر میں مقیم ہوئے۔ اسحٰق نے تمام علماء کو ان کی خدمت میں حاضر ہونے کی دعوت دی تاکہ طاہر ان سے ملاقات کرلیں اور ان کا تلمذ حاصل کرسکیں۔ علماء حدیث وفقہ وہاں پہنچے ابن الاعرابی اور ابونصر تلمیذ اصمعی بھی پہنچے، لیکن ابوعبید نے وہاں حاضری دینے سے انکار کر دیا اور کہا: "علم کے پاس پہنچا جاتا ہے۔" اس پر اسحٰق ان سے خفا ہوگئے۔ طاہر کا باپ عبداللہ بن طاہر ابوعبیدؒ کو ماہانہ دو ہزار درہم دیا کرتے تھے۔ اسحٰق نے یہ واقعہ عبداللہ کو لکھ کر ان کا یہ وظیفہ بند کر دیا۔ اس پر عبداللہ نے اسحٰق کو لکھا: "ابوعبیدؒ نے بجا کہا ان کی اس غیرتِ علمی سے متاثر ہو کر ہم نے ان کا وظیفہ دُگنا کر دیا۔ لہٰذا تم ان کا باقیماندہ حساب دے دو۔ اور آئندہ جس کے وہ مستحق ہیں وہ دیتے رہو۔[2] روایت ہے کہ بعدازاں اسحٰق اُن کا یہ وظیفہ انہیں برابر دیتے رہے۔ اور اُن کی وفات کے بعد وہ وظیفہ ابوعبیدؒ کی اولاد کو ملتا رہا۔[3]

---

[1] معجم الادباء یاقوت ۱۶: ۲۵۸ یہ روایت تعداد کے فرق سے مختلف کتب تراجم میں ملتی ہے۔ مثلاً طبقات النحویین واللغویین میں بیس کے بجائے دو سو غلطیاں مذکور ہیں اور دس ہزار حروف کے بجائے ایک لاکھ حروف کا ذکر بھی ہے۔ دیکھئے صفحہ ۲۲۰۔ اسی کتاب کے اگلے صفحہ میں ابوبکر محمد سے روایت ہے کہ ان مختلف اقوال کی وجہ سے مجھے امیرالمومنین نے اس کتاب کے حروف گننے کا حکم دیا تو یہ سترہ ہزار نوسو ستر حروف نکلے۔ [2] معجم الادباء ۱۶: ۲۶۱۔ [3] تاریخ بغداد ۱۲: ۴۰۶ و ۴۰۷

ابو عبیدؒ عہدۂ قضا پر

قرآن و حدیث پر گہری نظر اور فقہی مسائل پر عبور حاصل ہونے کی وجہ سے ثابت بن نصر بن مالک نے اپنی طرسوس کی گورنری کے زمانہ میں ابو عبیدؒ کو وہاں کا قاضی مقرر کر دیا تھا۔ چنانچہ اٹھارہ برس تک ان کی حکومت کے دوران ابو عبیدؒ طرسوس کے قاضی رہے۔[1]

ابو عبیدؒ نے "ادب القاضی" کے نام سے مستقل ایک کتاب لکھی ہے۔ عہدۂ قضاء پر فائز ہونے کے دوران ان کے بعض فیصلے مختلف کتابوں میں منتشر ملتے ہیں۔[2]

ابو عبیدؒ کی جامع شخصیت

ابو عبید کے حالات کا مطالعہ کرنے سے یہ بات اُبھر کر سامنے آجاتی ہے کہ اُنہوں نے ابتداء میں علومِ عربیہ اور آخر میں علومِ دینیہ پر اپنی تمام علمی کوششیں صرف کر دی تھیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ علومِ آلیہ سے فراغت کے بعد علومِ عالیہ کی خدمت میں لگ گئے تھے۔ ابو عبیدؒ اس دَور کی پیداوار تھے۔ جب ایک بڑے عالم کے لئے ہمہ گیری اور مختلف علوم کا احاطہ ضروری سمجھا جاتا تھا۔ اس وقت اسلامی حکومت کا دائرہ وسیع ہو رہا تھا اور مفتوحہ علاقہ کی اکثریت اسلامی علوم اور عربی زبان سے واقف نہ تھی۔ انہوں نے عربی زبان و ادب پر عبور حاصل کیا۔ کوفہ و بصرہ کے مدارس سے استفادہ کیا۔ پھر عربی ادب و لغت پر توجہ دی اور بعد ازاں قرآن مجید، حدیث و فقہ ان کی توجہ کا مرکز بنے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ تراجم کی کتابوں میں علماء و مصنّفین نے ان پر اپنے اپنے نقطہ ہائے نظر سے تبصرہ کیا ہے۔ ادباء انہیں معلم و ادیب مانتے۔ لغویین انہیں اپنے زمرہ کے پیشرؤوں میں شمار کرتے، اور محدثین و فقہاء انہیں اپنی جماعت کا امام تسلیم کرتے ہیں۔

لیکن بایں ہمہ ہر انسان اپنی جُداگانہ طبیعت اور انفرادی شخصیّت رکھتا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ابو عبیدؒ ان تمام کمالات و جامعیت کے باوجود جس طرف زیادہ میلان رکھتے تھے وہ ادب اور بالخصوص فن لغت ہے۔ ہمیں ایک طرف تو حدیث و علل حدیث نیز فقہ میں ان کی مہارت نظر آتی ہے اور دوسری طرف ان کی عظیم الشان لغوی تصانیف ان کے جلیل القدر لغوی ہونے کا ثبوت فراہم کر رہی ہیں۔

---

[1] انباہ الرواۃ ۳ : ۱۹ [2] اخبار القضاۃ ۱ : ۲۳۱ - ج ۲ : ۲۸۹ و ۲۸۷

علماء حدیث، ادب ولغت کے آدمیوں کو جرح و تعدیل کے کڑے پیمانہ پر جانچنے کے قائل نہیں کیونکہ ایسی صورت میں ان میں سے اکثر کا ثقہ و صدوق ثابت ہونا مشکل ہو جاتا ہے، لیکن ابو عبیدؒ کی شخصیت ان مستثنیات میں سے ہے جو محدث وفقیہ بھی ہیں اور ادیب، نحوی، اور لغوی بھی اور پھر محدثین کے پیمانہ پر ثقہ، مشہور اور صدوق بھی۔

ابو عبیدؒ کی توجہ لغت و حدیث کی طرف اس حد تک تھی کہ حدیث والوں کو شکایت رہتی کہ وہ یکسوئی سے لغت میں انہماک کی وجہ سے حدیث میں کوتاہ رہے اور لغت والوں کو یہ شکایت رہتی کہ وہ حدیث میں انہماک کی وجہ سے لغت کی کما حقہ خدمت نہ کر سکے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم ان کے بارے میں محدثین اور لغویین کے متضاد تبصرے دیکھتے ہیں:۔

ابراہیم حربی کہتے ہیں:

"ابو عبیدؒ حدیث کے سوا ہر فن میں طاق تھے۔ اس لئے کہ فن حدیث تو صرف احمد (بن حنبل) اور یحیی (بن معین) کا حصہ ہے[1]"

ابو حاتم کہتے ہیں: میں نے ان کے پاس اہلِ حدیث (علماء حدیث وطلبہ حدیث) نہیں دیکھے لہٰذا ان سے کوئی روایت نہ لکھی۔ تاہم وہ صدوق ہیں[2]

جعفر بن محمد بن علی بن المدینی کہتے ہیں کہ میرے باپ محمد بیان کرتے ہیں کہ وہ اپنے والد علی بن المدینی کے ساتھ امام احمد بن حنبل کی عیادت کو گئے۔ احمد بن حنبل کی مجلس میں اس وقت یحییٰ بن معین اور محدثین کا ایک گروہ تھا کہ ابو عبیدؒ بھی وہاں آگئے، اس وقت یحیی بن معین نے کہا: "اپنی کتاب غریب الحدیث جو تم نے مامون کے لئے تیار کی ہے ہمیں بھی سناؤ"۔ ابو عبیدؒ نے کہا: "وہ کتاب لاؤ"۔ چنانچہ لوگ وہ کتاب لائے۔ ابو عبید نے وہ کتاب لے کر اس کی سندیں پڑھنا شروع کر دیں اور غریب الحدیث کا تفسیری متن چھوڑ دیا۔ اس پر علی بن المدینی نے کہا: "ابو عبیدؒ اسندیں ہمیں نہ سناؤ"۔ اس بارے میں ہم تم سے زیادہ مہارت رکھتے ہیں"۔ اس پر یحیی بن معین نے علی ابن المدینی سے دو بار کہا: "انہیں تمام و کمال مندرجات سنانے دیجئے۔ اس لئے کہ مجلس میں آپ کے ساتھ آپ کے صاحبزادے محمد ہیں اور ہم بھی ہیں جو ضرورت محسوس کرتے ہیں کہ اس کتاب کو

---

[1] ۔ تہذیب التہذیب ج ۸ : ۳۱۵ [2] ۔ تہذیب التہذیب ج ۸ : ۲۱۷

بتمام وکمال سنیں۔" ابو عبیدؒ نے کہا "میں نے یہ کتاب صرف مامون کو سنائی ہے اب اگر تم اسے پڑھنا چاہتے ہو تو پڑھ لو"۔ علی بن المدینی نے کہا "تم ہی ہمیں سنا دو ورنہ ہمیں اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

ابو عبیدؒ کا اس سے قبل علی بن المدینی سے تعارف نہ تھا چنانچہ انہوں نے یحییٰ بن معین سے دریافت کیا: "یہ کون ہیں ؟" انہوں نے جواب دیا "علی بن المدینی"۔ چنانچہ وہ اٹھ کر اُن سے بغلگیر ہوئے اور پھر انہوں نے اپنی کتاب ہمیں سنائی۔ اب جو اس مجلس میں موجود تھے انہیں اس کتاب کے روایت کرتے وقت "حدثنا" کا لفظ استعمال کرنے کی اجازت ہے دوسرے لوگوں کو یہ اجازت نہیں۔[1]

ابو عبیدؒ اگرچہ امراء و عمال سے داد وصول کرتے اور ان کی مالی اعانت قبول کر لیتے تھے تاہم وہ حکام و علماء کا مقام پہچانتے اور ان کے مراتب ملحوظ رکھتے تھے۔ روایت ہے کہ طاہر بن عبداللہ بن الحسین نے ابو عبید سے درخواست کی کہ وہ ان کے گھر آ کر انہیں کتاب "غریب الحدیث" پڑھا دیا کریں تو انہوں نے حدیث رسول اللہؐ کی تعظیم کے پیش نظر اپنے محسن کی یہ خواہش پوری نہ کی لیکن دوسری طرف جب علی بن المدینی اور عباس العنبری جیسے دو فضلاء نے ان سے غریب الحدیث سننے کا ارادہ ظاہر کیا تو وہ ان کے علمی مقام کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے خود اپنی کتاب اٹھا کر ان کے پاس پہنچتے تھے۔[2]

ابو عبیدؒ محدث و فقیہ کی حیثیت سے

امام ذہبی نے ابو عبیدؒ کے تذکرہ میں لکھا ہے "وہ وسیع العلم امام مجتہد تھے۔ ان کی تصانیف دیکھنے والا ہی علم اور حفظ حدیث میں ان کے عظیم مرتبہ کا اندازہ کر سکتا ہے حدیث کے وہ حافظ و نقاد تھے۔ اس ضمن میں ان کی معلومات متوسط ہیں۔ وہ فقہ اور فقہی اختلافات کے عالم، لغت عرب کے ماہر اور قراءات کے امام تھے۔ ان کی تصانیف میں سے مجھے "کتاب الاموال" اور "کتاب الناسخ والمنسوخ" دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے۔"[3]

نقد الرجال سے متعلق اپنی شہرہ آفاق تصنیف میں یہی امام ذہبی ابو عبیدؒ کے متعلق

---

[1] طبقات الحنابلہ ۱: ۲۵۹ [2] انباہ الرواۃ ۳: ۱۸ و ۱۹ [3] تذکرۃ الحفاظ ۲: ۵

تحریر کرتے ہیں :-

"جہاں تک مصنف ابو عبیدؒ قاسم بن سلام کا تعلق ہے وہ ثقہ اور مشہور رہیں[1]

ابو عبیدؒ نے فقہ میں امام شافعیؒ سے استفادہ کیا تھا۔ تاج الدین سبکی نے انہیں پہلے

طبقہ کے ایسے شافعی علماء میں شمار کیا ہے جنہوں نے امام شافعی کی مجلس میں شرکت کی تھی[2]

بلکہ ان کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جنہوں نے فقہ امام شافعیؒ سے حاصل کی تھی[3] وہ لکھتے ہیں

کہ ایک دفعہ امام شافعی اور ابو عبیدؒ میں "قرء" کے مفہوم کے تعین پر مناظرہ ہو گیا کہ آیا یہ لفظ

"حیض" کے لئے مستعمل ہوا ہے یا "طہر" کے لئے۔

یہ مناظرہ بغداد میں ہوا تھا امام شافعیؒ نے یہ موقف اختیار کیا تھا کہ "قرء" سے مراد

"حیض" ہے اور ابو عبیدؒ قائل تھے کہ اس سے مراد "طہر" ہے۔

کہتے ہیں کہ طرفین کے دلائل و شواہد اس قدر قوی تھے کہ جب وہ ایک دوسرے سے

الگ ہوئے تو ان میں سے ہر ایک دوسرے کا ہم خیال ہو چکا تھا۔

اس پر تبصرہ کرتے ہوئے رافعی لکھتے ہیں۔ شاید امام شافعیؒ پہلے یا بعد میں اس مسئلہ

میں امام ابو حنیفہؒ کے ہم خیال رہے ہوں لیکن سبکی کہتے ہیں: "اس مسئلہ سے متعلق مخالف کے دلائل و

شواہد معلوم کرنے کے لئے امام شافعیؒ نے وقتی طور پر یہ موقف اختیار کر لیا تھا یا پھر ممکن ہے

کہ یہ شافعیؒ کا قدیم قول ہو کیونکہ یہ مناظرہ بغداد میں ہوا تھا[4]

ابو عبیدؒ امام احمد بن حنبلؒ کے ہمعصر تھے۔ دونوں ایک دوسرے کی تعظیم و تکریم

کرتے اور ایک دوسرے کے مقام کو پہچانتے تھے تاہم ابو عبید امام احمد بن حنبلؒ کو اپنا بزرگ

سمجھتے تھے۔

ایک مرتبہ ابو عبید کی مجلس میں ایک مسئلہ زیر بحث تھا۔ اثرم نے اس کا جواب دیا

تو حاضرین مجلس میں سے ایک نے دریافت کیا: "یہ کس کا قول ہے؟۔ اس پر اثرم نے کہا:

"ایسے شخص کا جس سے بڑا عالم مشرق و مغرب میں مجھے نہیں ملتا۔ یعنی احمد بن

---

[1]۔ میزان الاعتدال ۲ : ۳۳۸ [2]۔ دیکھئے طبقات الشافعیہ الکبریٰ ج ۱ : ص ۲۷۰

[3]۔ دیکھئے القسم الاول۔ تہذیب الاسماء واللغات للنووی ج ۲ : ۲۵۷

[4]۔ طبقات الشافعیہ الکبریٰ ۱ : ۲۷۳ و ۲۷۴

حنبل کا۔" تو ابو عبیدؒ نے کہا "یہ بجا کہہ رہے ہیں"[1]

خود ابو عبید کہتے تھے: "علم دین چار علماء پر ختم ہوگیا۔ ۱۔ احمد بن حنبل پر، جو علم حدیث میں ان سب سے زیادہ فقیہ ہیں۔ ۲۔ ابن ابی شیبہ پر، جو سب سے بڑے حافظ (حدیث) ہیں۔ ۳۔ علی بن المدینی پر جو ان میں سب سے بڑے عالم (حدیث) ہیں اور ۴۔ یحییٰ بن معین پر جو ان میں سب سے بڑے کاتب (حدیث) ہیں۔[2]

ابو عبیدؒ کہتے ہیں: "میں نے قاضی ابو یوسفؒ، محمد بن الحسن (الشیبانی)[3] کی مجلسوں میں شرکت کی ہے لیکن کسی مسئلہ (کے بیان کرنے یا دریافت کرنے) میں امام احمد بن حنبل کی جو ہیبت مجھ پر طاری ہوتی ہے وہ کسی دوسرے سے نہیں ہوتی۔"[4]

ابو عبیدؒ اپنا ایک واقعہ یوں بیان کرتے ہیں:۔

"میں احمد بن حنبل سے ملاقات کے لئے ان کے مکان پر گیا۔ جب اندر اُن کے پاس پہنچا تو اُنہوں نے مجھ سے معانقہ کیا، اور مجھے اپنی مسندِ صدارت پر بٹھایا۔ میں نے کہا: یا ابا عبداللہ![5] کیا یہ قول نہیں ہے کہ صاحب خانہ مسندِ صدارت کا زیادہ حقدار ہوتا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: بے شک وہ خود بیٹھ سکتا ہے اور جسے چاہے بٹھا بھی سکتا ہے۔" میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ ایک علمی نکتہ حاصل ہوا۔ بعد ازاں میں نے کہا: "یا ابا عبداللہ! اگر میں آپ کا صحیح حق ادا کرتے ہوئے آپ کے پاس حاضر ہونا چاہوں تو مجھے روزانہ حاضری دینا چاہیئے۔" اس پر انہوں نے کہا: یہ مت کہو، میرے بہت سے دوست ہیں جن سے میں سال میں ایک بار ہی ملتا ہوں لیکن مجھے ان کی دوستی پر ان لوگوں کے مقابلہ میں زیادہ اعتماد ہے جن سے میں روزانہ ملاقات کرتا ہوں۔"

میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ دوسری حکمت حاصل ہوئی، پھر جب میں اُٹھنے لگا تو وہ

---

[1] ۔ مختصر طبقات الحنابلہ: ۹۰ [2] ۔ مناقب الامام احمد بن حنبل: ۱۱۲

[3] ۔ راوی نے یہاں اور غالباً یحییٰ بن سعید اور عبدالرحمٰن بن مہدی کے نام بھی لئے تھے، کا اضافہ کیا ہے۔

[4] ۔ مناقب الامام احمد بن حنبل: ۱۱۲

[5] ۔ یہ امام احمد بن حنبل کی کنیت ہے۔

بھی میرے ساتھ اُٹھ گئے۔ میں نے کہا: "یا اباعبداللہ! آپ تکلیف نہ فرمائیے" تو انہوں نے کہا: "شعبی سے روایت ہے کہ ملاقاتی سے ملاقات کی تکمیل میں یہ بھی شامل ہے کہ اس کے ساتھ گھر کے دروازہ تک چل کر جاؤ اور اسے سواری تک پہنچاؤ" میں نے اپنے دل میں کہا اے ابوعبید! یہ تیسرا علمی فائدہ ملا۔ چنانچہ وہ اُٹھ کر میرے ساتھ دروازہ تک گئے اور مجھے سواری پر بٹھایا۔ [۱]

دوسری طرف خود امام احمد بن حنبل کی نظر میں ابوعبید کا جو مقام تھا اس کی شہادت ذیل کے واقعات سے ملتی ہے۔

محمد بن ابی بشر کہتے ہیں کہ میں ایک مسئلہ دریافت کرنے کے لئے امام احمد بن حنبلؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے مجھ سے کہا: "تم ابوعبید کے پاس چلے جاؤ۔ ان کے پاس ایسا زور بیان اور تفصیلی علم ہے جو ان کے سوا کسی دوسرے سے تم نہیں سنو گے۔" چنانچہ میں ابوعبید کے پاس پہنچا اور ان سے متعلقہ مسئلہ دریافت کیا۔ انہوں نے مجھے اس کا تسلی بخش جواب دیا۔ بعد ازاں میں نے امام احمد بن حنبلؒ کی بات انہیں بتائی تو ابوعبیدؒ نے کہا: "بھتیجے! وہ تو اللہ کے عمال میں سے ہیں، اللہ نے ان کے عمل کا جامہ دنیا میں پھیلا کر آخرت میں ان کے لئے اپنا قرب عنایت فرما دیا ہے۔ دیکھتے نہیں وہ کتنے مقبول و ہر دلعزیز ہیں۔ یہ ہے وفا کا صلہ۔ میری آنکھوں نے سرزمین عراق میں کسی میں وہ خوبیاں یکجا نہیں دیکھیں جو ان میں ہیں۔ اللہ ان کو عطا کردہ حلم و علم و فہم میں اور برکت عطا فرمائے" [۲]

امام احمد بن حنبل کا قول ہے "ابوعبیدؒ کا علمی افادہ ہر روز ہمارے درمیان بڑھتا چلا جا رہا ہے۔" [۳]

تہذیب الاسماء واللغات (القسم الاول) میں حافظ ابوزکریا محی الدین بن شرف نووی نے لکھا ہے [۴]

---

[۱] - مناقب الامام احمد بن حنبل: ۱۱۲ نیز مختصر طبقات الحنابلہ: ۹۰ [۲] - مناقب الامام احمد بن حنبل: ۱۱۲

[۳] تاریخ بغداد: ۴۱۳

[۴] - دیکھئے عنوان ابوعبید ص ۲۵۷ - ۲۵۸

"ابو عبیدؒ نے اپنی تصنیف "الغریب المصنف" میں لکھا ہے کہ سب سے پہلے مجھ سے یہ کتاب سُننے والے یحییٰ بن معین ہیں اور لکھنے والے احمد بن حنبل ہیں [۱]
اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ ائمہ حدیث ابو عبید کو کس قدر قابلِ احترام فاضل قرار دیتے تھے۔

حدیث میں ان کے مستند اور قابلِ اعتماد راوی ہونے کے لئے یہ کافی ہے کہ امام بخاریؒ نے اپنی تصنیف "التاریخ الکبیر" میں ان کا ترجمہ لکھا ہے [۲]

ابن حجر کہتے ہیں کہ صحیح بخاری میں مجھے ابو عبیدؒ سے ایک روایت ملی ہے [۳]

امام بخاری نے اپنے رسالہ "القراءۃ خلف الامام" میں ان کا ذکر کیا ہے اور اپنی تصانیف "کتاب الادب" اور کتاب "افعال العباد" میں ابو عبید سے روایات نقل کی ہیں۔ ابو داود نے اپنی کتاب سنن ابی داؤد میں زکوٰۃ کی فصل میں اونٹوں کی عمر کی شرح کے ضمن میں ابو عبید کا ذکر کیا ہے [۴]

ابن حجر عسقلانیؒ نے ابن حبان کی الثقات سے یہ عبارت نقل کی ہے:۔

"ابو عبیدؒ دنیا کے ائمہ میں سے تھے۔ وہ صاحب حدیث و فقہ اور متدین و متقی تھے۔ علم ادب و تاریخ میں ان کی معلومات وسیع تھی۔ انہوں نے قدماء کے علمی کاموں کو جمع کرنے، انہیں مہذب و مرتب کرنے اور ان کا خلاصہ کرنے کے بعد انہیں تصنیفات کی شکل دی۔ انہوں نے مخالفین (سنّت) کا سر کچلا۔ حدیث سے شبہات کا سدّباب کیا اور حدیث کی تائید و نصرت کا بیڑا اُٹھایا۔"

احمد بن حنبلؒ کہتے ہیں! ابو عبید استاذ ہیں۔ یحییٰ بن معین کہتے ہیں: ابو عبید ثقہ ہیں۔ ابو داود کہتے ہیں: ابو عبید ثقہ و مامون ہیں۔ دارقطنی کہتے ہیں: امام ہیں اور پہاڑ ہیں۔ حاکم کہتے ہیں: ابو عبیدؒ امام ہیں اور سب کے نزدیک مقبول ہیں۔ [۵] علامہ ابن رشد نے

---

[۱] ۔ انباہ الرواۃ میں یہ واقعہ بجائے "الغریب المصنف" کے "غریب الحدیث" سے منسوب ہے اور یہی زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ [۲] التاریخ الکبیر ۴: ۱۷۲ [۳] تہذیب التہذیب ۸: ۳۱۷
[۴] تہذیب التہذیب ۸: ۳۱۶ [۵]۔ تہذیب التہذیب ۸: ۳۱۷

ابو عبیدؒ کو امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کی صف میں کھڑا کیا ہے۔[۱]

ابو عبیدؒ نے حدیث کی خدمت کا جو اہم پہلو اختیار کیا اس کا ہم عصر علماء سے تقابل ھلال ابن علاء الرقی نے ان الفاظ میں کیا ہے:

"اللہ تعالیٰ نے اپنے زمانہ کی چار شخصیتیں پیدا کر کے امت مسلمہ پر بڑا احسان فرمایا: امام شافعیؒ جنہوں نے فقہ حدیث میں کمال پیدا کیا۔ ۲۔ امام احمد بن حنبلؒ جنہوں نے (خلق قرآن) کے امتحان میں ثابت قدم رہ کر مثال قائم کی۔ ۳۔ یحییٰ بن معینؒ جنہوں نے حدیث میں جھوٹ کی آمیزش نہ ہونے دی۔ ۴۔ ابو عبیدؒ جنہوں نے حدیث کے غریب الفاظ کی شرح و تفسیر کر کے لوگوں کو فتنہ میں مبتلا ہونے سے بچا لیا۔

حدیث و فقہ میں ابو عبیدؒ کی لغوی مہارت نے علماء میں انہیں ایک امتیازی شان بخش دی تھی۔ ان کی اس حیثیت کو ابو قدامہ کے الفاظ میں ملاحظہ کیجئے:

"ابراہیم بن ابی طالب نے ابو قدامہ سے شافعی۔ احمد (بن حنبل) اسحٰق اور ابو عبیدؒ کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے کہا: "شافعی ان میں سب سے زیادہ ذہین و فہیم ہیں تاہم ان کے پاس حدیث کم ہے۔ احمد ان میں سب سے زیادہ تقویٰ شعار و پاکباز ہیں۔ اسحٰق ان میں سب سے زیادہ قوی الحافظہ ہیں اور ابو عبید کو ان سب سے زیادہ عربی لغات پر عبور حاصل ہے"[۲] ان کے اس امتیازی پہلو پر اسحٰق بن راہویہ کے یہ الفاظ مزید روشنی ڈال رہے ہیں:

"اللہ کو حق پسند ہے، واقعہ یہ ہے کہ ابو عبیدؒ مجھ سے زیادہ فقیہ و عالم ہیں۔ ہم ایک کمی محسوس کرتے ہیں جس کی تکمیل کے لئے ابو عبید کی طرف رجوع کرتے ہیں لیکن ابو عبید کو ہماری ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔[۳]

حمدان بن سہل کہتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن معین سے حدیث کی روایت کے سلسلہ میں ابو عبیدؒ (کی ثقاہت) کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے تعجب سے کہا: "تم میرے جیسے شخص

---

[۱]۔ بدایۃ المجتہد و نہایۃ المقتصد ۱: ۱۰۴ [۲]۔ تہذیب التہذیب ۸: ۳۱۵

[۳]۔ تہذیب التہذیب ج ۸: ۳۱۵

سے ابو عبیدؒ کے بارے میں دریافت کر رہے ہو، حالانکہ ابو عبیدؒ سے تو اور لوگوں کی ثقاہت کے متعلق دریافت کیا جاتا ہے [۱]

ابو عبیدؒ نے اپنی "کتاب المطہارۃ" میں دو ایسی احادیث بیان کی ہیں جنہیں ابو عبیدؒ کے علاوہ کسی نے روایت نہیں کیا اور ابو عبیدؒ سے بھی صرف محمد بن یحیٰی المروزی نے انہیں روایت کیا ہے، ان میں ایک حدیث تو یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وضو کے دوران داڑھی میں خلال فرماتے تھے۔ اور دوسری حدیث یہ ہے کہ جب حضرت عائشہ رضؓ نے عبدالرحمٰن کو وضو کرتے دیکھا تو کہا: "اے عبدالرحمٰن اچھی طرح وضو کرو۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ ایڑیاں خشک رکھنے والوں کے لئے تباہی ہے [۲]

ابو عبیدؒ مصنّف کی حیثیت سے

ابو عبیدؒ کامیاب مدرس و اتالیق ہونے کے ساتھ ساتھ ہی نہایت کامیاب مقبول اور مستند مصنّف تھے۔

یاقوت نے معجم الادباء [۱۱] میں جاحظ کی کتاب المعلمین کے حوالے سے لکھا ہے: ان کی تصانیف سے زیادہ صحیح اور مفید تر کتابیں کسی نے نہیں لکھیں۔"

ابو عبیدؒ نے قرآن مجید حدیث، فقہ ادب و لغت پر مختلف بیش قیمت تصانیف چھوڑیں جنہیں ان کے بعد آنے والے علماء نے سند قبولیت بخشا اور ان کے بعد آنے والے مصنفین نے کامل اعتماد کے ساتھ ان سے استفادہ کیا۔ ان کے اقتباسات اپنی تصانیف میں درج کئے ان کی بعض تصانیف کی شرحیں اور بعض کا اختصار بھی کیا گیا۔

قفطی نے انباہ الرواۃ میں لکھا ہے:

ان کی کتابیں پسند کی جاتی ہیں، ملک کے ہر علاقہ میں ان کی مانگ ہے۔ ان کے شاگرد و رواۃ ثقہ اور مشہور اور معزز و ناموررہیں [۳]

ابو عبید نہایت تحقیق اور محنت و جانفشانی سے کتابیں تصنیف کرتے تھے۔ یہی وجہ

۱۔ طبقات الشافعیہ الکبری ۱: ۲۷۱   ۲۔ تاریخ بغداد ۱۲: ۴۱۳ و ۴۱۴

۳۔ معجم الادباء ج ۱۶: ۲۵۴   ۴۔ انباہ الرواۃ ج ۳: ۱۳

ہے کہ جب ان کی کتابیں امراء و علماء کے ہاتھوں میں پہنچتیں تو انہیں گرانقدر صلے اور تعریفیں پیش کی جاتیں۔

اپنی تصنیف "غریب الحدیث" کو جس میں حدیث کے مشکل کلمات و عبارات کی شرح ہے۔ انہوں نے تقریباً چالیس سال کی طویل مدت میں مکمل کیا جب انہوں نے اپنی تصنیف مامون کے گورنر عبداللہ بن طاہر کو پیش کی تو انہوں نے اسے پسند کرتے ہوئے کہا:

"جس دماغ کی صلاحیتوں کا مالک ایسی نفیس کتاب تصنیف کر سکتا ہے وہ یقیناً اس بات کا مستحق ہے کہ اسے معاشی فکر سے بالکل آزاد کر دیا جائے"۔ چنانچہ عبداللہ بن طاہر نے ابو عبیدؒ کے لئے ماہانہ وظیفہ مقرر کر دیا [۱] یہی وہ گرانقدر تصنیف ہے جس نے جلیل القدر امام احمد بن حنبلؒ سے داد تحسین وصول کی تھی۔ احمد بن حنبل کے صاحبزادے عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو عبید کی تصنیف "غریب الحدیث" اپنے والد کو سنائی تو انہوں نے اسے پسند فرمایا اور کہا جزاہ اللہ خیراً [۲]

ابو عبیدؒ اپنی تصانیف طویل مدت اور پوری تحقیق کے بعد لوگوں کے سامنے لاتے تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے ان طلبہ سے جن پر کتاب غریب الحدیث پڑھنے کے لئے تین چار ماہ کی مدت گراں گذرتی تھی کہا تھا:

میں نے یہ کتاب چالیس برس میں مکمل کی اور اکثر ایسا ہوتا کہ مجھے کسی عالم یا کتاب سے کوئی نکتہ ملتا تو میں اس افادہ کو اپنی کتاب میں اس کی صحیح جگہ درج کر دیتا اور پھر رات بھر اس خوشی میں جاگتا رہتا، اور تم لوگوں کا یہ حال ہے کہ میرے پاس چار یا پانچ مہینے آکر ٹھہرتے ہو اور شکائیتیں کرنے لگتے ہو کہ بہت زیادہ قیام ہو گیا؟" [۳]

ابو عبید اس دور کے مصنف ہیں جب منتشر علمی کوششوں کو جمع کیا جا رہا تھا اور تنقیدی دور کا آغاز ہو چکا تھا۔ یہ دور مختلف جداگانہ موضوعات پر جامع رسائل لکھنے کا آخری دور اور جامع تصانیف کا ابتدائی دور کہلا سکتا ہے۔ ابو عبید کے متعلق متعدد علماء

---

[۱] ۔ تہذیب التہذیب ج ۸: ۳۱۷ ۔ اس وظیفہ کی مقدار بعض مؤرخوں نے دس ہزار درہم اور بعض نے پانچ سو درہم لکھی ہے ۔ دیکھئے تاریخ بغداد ۱۲: ۴۰۶ ۔ [۲] تہذیب التہذیب ۱۲: ۳۱۷
[۳] ۔ انباہ الرواۃ ۳: ۱۶ نیز مرآۃ الجنان ۲: ۸۳

کا یہ خیال ہے کہ انہوں نے کوئی ایسی تصنیف نہیں کی جو اپنے باب میں سب سے پہلی ہو بلکہ ان کی ہر کتاب کا مواد پچھلی کتابوں پر مبنی اور ان میں اضافہ و ترتیب پر مشتمل ہے۔ ہم بھی اس خیال کو بے اصل نہیں سمجھتے۔ لیکن ابو عبیدؒ کی اس قسم کی کوششوں کو نہ تو ہم ان کے لئے عیب "معیار" سمجھتے ہیں اور نہ اس سے ان کے علمی مرتبہ میں کسی قسم کی کمی ہوتی ہے۔ ہر بعد میں آنے والا اپنے متقدمین سے استفادہ کرتا ہے اور اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ اپنی کوششوں سے متقدمین کی مفید معلومات کو صحیح شکل میں جمع کر کے اس کا حصول متاخرین کے لئے آسان بنا دے نیز اس میں کوئی معنی خیز و مفید اضافہ کر کے ایک قدم آگے بڑھ جائے۔ اس پیمانہ پر ابو عبیدؒ ایک کامیاب مصنف ہیں جن سے ان کے زمانہ میں اور ان کے بعد لوگوں کو بڑا علمی فیض حاصل ہوا۔

ابو عبیدؒ کی تصانیف میں حدیث وفقہ ولغت یکجا ہونے کی وجہ سے محدثین وفقہاء اور لغویین وادباء سب ہی یکساں طور پر ان میں اپنی دلچسپی کا سامان پاتے ہیں۔

ابو عبیدؒ نے جن موضوعات پر قلم اُٹھایا ان پر ایسی معیاری کتابیں لکھیں کہ اس کے بعد ان موضوعات پر کام کرنے والے اسے نظر انداز نہ کر سکے، چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ لغت علوم القرآن اور علم الانساب، فقہ، مالیات نیز دیگر علوم سے متعلق بیشتر تصانیف میں جا بجا ابو عبید کے حوالے اور ان کی تصانیف کی عبارتوں کے اقتباسات ملتے ہیں۔

جاحظ اپنی کتاب المعلمین میں ابو عبیدؒ کی تصانیف کے متعلق لکھتا ہے۔

"ابو عبیدؒ القاسم بن سلام ان مصنفین میں سے ہیں جنہوں نے علم کے اصناف اپنی تصانیف میں جمع کر دیئے وہ استاد و اتالیق بھی رہے۔ ان کی کتابوں سے زیادہ صحیح اور مفید ترین کتابیں لوگوں نے نہیں لکھیں۔" [1]

---

[1] طبقات النحویین واللغویین : ۲۱۷

ابو عبیدؒ کی تصانیف

۱۔ غریب القرآن [1]
۲۔ معانی القرآن [2]
۳۔ کتاب القراءات [3]
۴۔ کتاب عدد آی القرآن [4]
۵۔ فضل القرآن و معالمہ و آدابہ [5]
۶۔ فضائل القرآن [6]
۷۔ رسالۃ فی ما ورد فی القرآن الکریم من لغات القبائل [7]
۸۔ ناسخ القرآن و منسوخہ [8]
۹۔ کتاب المجاز [9]
۱۰۔ غریب الحدیث [10]
۱۱۔ کتاب الایمان و النذور [11]
۱۲۔ کتاب الحیض [12]
۱۳۔ کتاب الطہارۃ [13]
۱۴۔ کتاب الحجر و التفلیس [14]
۱۵۔ کتاب فی الایمان و معالمہ و سننہ و استکمالہ و درجاتہ [15]
۱۶۔ کتاب الاموال [16]
۱۷۔ کتاب ادب القاضی [17]

---

[1] الفہرست لابن الندیم : ۱۰۶ [2] ایضاً [3] ایضاً [4] ایضاً

[5] بروکلمان ضمیمہ جلد ۱ : ۱۶۶ ۔ شاید یہ اور اس کے بعد کی کتاب (نمبر ۶) ایک ہی کتاب کے دو نام ہیں ۔ واللہ اعلم ۔ [6] الفہرست : ۱۰۷ ۔ [7] معجم المطبوعات العربیہ ۱ : ۱۲۱

[8] کشف الظنون ۲ : ۱۹۲۱ ، الفہرست میں ۱۰۷ میں اسے کتاب الناسخ والمنسوخ لکھا ہے ۔

[9] الفہرست : ۵۷ ۔ [10] الفہرست : ۱۰۶ ۔ [11] ایضاً : ۱۰۷ ۔ [12] ایضاً : ۱۰۷

[13] ایضاً : ۱۰۷ ۔ اسی کو ایضاح المکنون ۲ : ۳۱۲ "کتاب الطہارت" اور بعض مؤلفین نے "کتاب الطہور" لکھا ہے ۔ واللہ اعلم ۔ [14] الفہرست : ۱۰۷

[15] بروکلمان ۱ : ۱۶۷ ۔ [16] الفہرست : ۱۰۶

[17] ایضاً ، ۱۰۷ ، و ہدیۃ العارفین ۱ : ۸۲۵ پر اس کے آگے "علی مذہب الشافعی" کا اضافہ ہے ۔

۱۸ - کتاب الاحداث [1]
۱۹ - کتاب النسب [2]
۲۰ - کتاب الایضاح [3]
۲۱ - کتاب الخطب والمواعظ [4]
۲۲ - کتاب الاجناس من کلام العرب [5]
۲۳ - کتاب الامثال السائرۃ [6]
۲۴ - الغریب المصنف [7]
۲۵ - کتاب المذکر والمؤنث [8]
۲۶ - کتاب المقصور والممدود [9]
۲۷ - کتاب الشعراء [10]
۲۸ - خلق الانسان ونعوتہ [11]
۲۹ - کتاب الاضداد والضد فی اللغۃ [12]
۳۰ - کتاب النعم والبہائم والوحش والسباع والطیر والہوام وحشرات الارض [13]
۳۱ - کتاب فعل وافعل [14]
۳۲ - فصل المقال فی شرح الامثال [15]
۳۳ - معانی الشعر [16]
۳۴ - رسالۃ فیما اشتبہ اللفظ واختلف المعنی [17]

علمی لطیفہ | ایک شخص نے ابو عبید سے "رباب" کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے کہا: "رباب" ان بدلیوں کو کہتے ہیں جو بڑے بادلوں کے نیچے لٹکی ہوئی نظر آتی ہیں"۔ اور اس معنی کی تائید میں انہوں نے بطور شاہد عبد الرحمٰن بن حسان کا یہ شعر سنایا:

کان الرباب دوین السحاب + نعام تعلق بالا رجل

(ترجمہ) بادلوں سے ذرہ نیچے "رباب" ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ شتر مرغ ہوں جو

---

[1] الفہرست: ۱۰۶۔ [2] ایضاً: ۱۰۷۔ [3] بروکلمان ۱/ ی: ۱۶۷۔ [4] ایضاً: ۱۶۷
[5] الاعلام ۶: ۱۰۔ [6] الفہرست: ۱۰۶، یہ آستانہ سے التحفۃ البہیۃ والطرفۃ الشہیۃ نامی مجموعہ میں شائع ہو چکی ہے۔ [7] الفہرست: ۱۰۶۔ اس کے قلمی نسخے دار الکتب المصریہ وغیرہ میں ہیں۔ ایک جرمن مستشرق سپٹلر (SPITALER) اس کتاب کو نشر کرنے والے تھے (دیکھئے مقدمۃ الصحاح، مطبوعہ دار الکتاب العربی مصر: ۷۶-)
[8] ایضاً: ۱۰۶۔ [9] ایضاً: ۱۰۶۔ [10] الفہرست: ۱۰۶۔ [11] بروکلمان ا ی: ۱۶۷۔ [12] ایضاً
[13] ایضاً۔ [14] ایضاً۔ [15] ایضاح المکنون فی الذیل علی کشف الظنون ۲: ۱۹۹ میں "فصل المقال" لکھا ہے لیکن بروکلمان کی تصریح کے مطابق یہ البکری کی ابوعبید کی کتاب الامثال کی شرح ہے۔ اس کا نام "فصل المقال فی شرح الامثال" ہے، اور یہی صحیح ہے۔ [16] اس کا تذکرہ طبقات الشافعیۃ السبکی ۱: ۲۷۳ میں سبکی نے کیا ہے۔ وہاں اس کا اقتباس بھی دیا ہے۔ [17] بروکلمان ۱/ ی: ۱۰۷

ٹانگوں سے لٹکے ہوئے ہیں۔

سائل نے کہا: "یہ میں نہیں جانتا نہ میری مراد یہ رباب ہے"۔ اس پر ابو عبیدہ نے کہا۔ "پھر "رباب" ایک عورت کا نام ہے جس کا ذکر اس شعر میں ہے:

ان الذی قسم الملاحة بیننا وکسا وجوہ الغانیات جمالا

وھب الملاحة للرباب وزادھا فی الوجہ من بعد الملاحة خالا

(ترجمہ) وہ ذات جس نے ہمارے درمیان حسن و ملاحت تقسیم فرمائی اور حسینوں کے چہروں کو جمال بخشا۔ اسی ذات نے رباب کو ملاحت بخشی اور پھر اس ملاحت کے بعد اس کے چہرہ پر ایک تل کا اضافہ فرمایا۔

اس سائل نے کہا: "میں اس رباب" کے متعلق بھی دریافت نہیں کر رہا ہوں، تب ابوعبیدہ نے کہا: تو شاید تم اس شاعر کے شعر کی "رباب" چاہتے ہو۔!

رباب ربة البیت تصب الخل فی الزیت

لھا سبع دجاجات ودیک حسن الصوت

(ترجمہ) رباب گھر کی مالکہ ہے وہ سرکہ کو تیل میں ڈالتی ہے۔ اس کے پاس سات مرغیاں ہیں اور ایک خوش آواز مرغ ہے۔

تب اس سائل نے کہا: "ہاں۔ ہاں۔ بس اسی کو میں پوچھ رہا تھا"

اس پر ابوعبیدہ نے سائل سے دریافت کیا: "آپ کہاں سے تشریف لا رہے ہیں؟" اس نے کہا: "بصرہ سے"۔ انہوں نے دریافت کیا: "کس سواری سے آئے تھے، خشکی کے راستے یا دریا کے راستے؟" جواب ملا: "پانی کے راستے"۔ ابوعبیدہؒ نے پوچھا: "ملاح کو کتنا کرایہ ادا کیا؟"۔ اس نے جواب دیا: "چار درہم"۔ ابوعبیدہؒ نے کہا: "جلدی سے جا کر اس سے اپنا کرایہ واپس لے لو اور اس سے کہنا: "تمہیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ مجھ سے کرایہ وصول کرو جب کہ میرا کوئی وزن ہی کشتی پر نہ تھا۔ لاؤ میرا کرایہ مجھے واپس کر دو۔

آخری زمانہ حج اور وفات

آخری زمانہ میں بغداد کے قیام اور وہاں کے علمی تحقیقی مشاغل کے دوران ابوعبیدہ بیمار ہو گئے تو امیر

طاہر بن عبداللہ نے ان کا علاج کرنے کے لئے ایک سرکاری طبیب بھیجا تھا۔ ابوعبید نے جب اسے اپنی زخمی پنڈلیاں دکھائیں تو اس نے مرض کی تشخیص کرتے ہوئے کہا! "یہ پیت ہے جو دو جلدوں کے درمیان جمع ہوگیا ہے"۔ پھر طبیب نے ان سے دریافت کیا: "آپ کی عمر کتنی ہوگی؟" ابوعبید نے دریافت کیا: "اس سوال سے کیا فائدہ ہوگا؟" طبیب نے جواب دیا "تاکہ دوا برداشت کے مطابق دے سکوں"۔ چنانچہ انہوں نے اپنی عمر اڑسٹھ برس بتائی۔

بعد ازاں ابوعبیدؒ حج کرنے چلے گئے۔ حج سے فراغت کے بعد جب واپسی کا ارادہ کیا تو عراق جانے کے لئے ایک سواری کرایہ پر ٹھہرائی۔ رات کو خواب[۱] دیکھا کہ لوگ حضورؐ کی زیارت سے مشرف ہو رہے ہیں اور داخلہ دربانوں کی اجازت سے ہو رہا ہے۔ جب میری باری آئی اور میں اندر جانے لگا تو دربانوں نے مجھے روک دیا۔ میں نے احتجاج کرتے ہوئے کہا: "مجھے حضورؐ کی خدمت میں کیوں باریاب نہیں ہونے دیتے ہو" انہوں نے کہا: "چونکہ تم کل عراق جارہے ہو اس لئے نہ تم باریاب ہوسکو گے نہ آپؐ کو سلام کرسکو گے"۔ تب میں نے ان سے کہا: "میں اپنا ارادۂ سفر ملتوی کردیتا ہوں"۔ اس پر انہوں نے مجھ سے عہد لیا۔ پھر مجھے رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضری کی اجازت دے دی۔ چنانچہ میں آپ کی خدمت میں پہنچا آپ بستر پر تشریف فرما تھے۔ میں نے آپؐ کو سلام کرنے کے بعد آپؐ سے مصافحہ کیا۔ اس کے بعد صبح اٹھ کر ابوعبیدؒ نے اپنی سواری کا معاملہ منسوخ کرایا اور مکہ ہی میں قیام پذیر ہوگئے۔[۲]

ایک روز جب کہ ابوعبیدؒ مسجد حرام میں چت لیٹے تھے عائشہ مکیہ جو وہاں کی نیک اور عارفہ خاتون تھیں، ان کے پاس آئیں اور ان سے کہا: "ابوعبید تم اہلِ علم ہو۔ میری بات سنو، خبردار احرم کا ادب ملحوظ رکھو ورنہ اللہ تمہیں علماء و صلحاء کی فہرست میں شامل نہ فرمائے گا۔[۳]

---

[۱] بعض سوانح نگاروں کا کہنا ہے کہ ان کا انتقال مدینہ میں ہوا اور یہ خواب انہوں نے مدینہ میں دیکھا تھا۔
وفیات الاعیان ۳: ۲۲۷۔ [۲] معجم الادباء ۱۶: ۲۵۵ و ۲۵۶
[۳] ۔ شذرات الذہب ج ۲: ۵۵ نیز مرآۃ الجنان ۲: ۸۳ و ۸۴

ابو عبید نے اپنی زندگی کے آخری ایام مکہ میں گذارے۔ اور بالآخر محرم ۲۲۴ھ میں وہیں انتقال کیا اور دُورِ جعفر میں دفن ہوئے [1]

ابو سعید ضریر کہتے ہیں کہ جب ابو عبید کی وفات کی خبر عبد اللہ بن طاہر کے پاس آئی تو میں بھی ان کے پاس تھا اس وقت انہوں نے مرثیہ میں یہ اشعار کہے:

یا طالب العلم قد مات ابن سلام — وکان فارس علم غیر محجام

مات الذی کان فینا ربع اربعة — لم یلق مثلهم استاذ احکام

خیر البریة عبد اللہ اولهم — وعامر ولنعم التلو یا عام

هما الذان انافا فوق غیرهما — والقاسمان بن معن وابن سلام [2]

(ترجمہ) طالبین علم کے لئے یہ کتنی اندوہناک خبر ہے کہ ابو عبید جو میدانِ علم کا دبنگ شہسوار تھا وفات پا گیا۔ وہ ان چار اساتذہ فقہ و حدیث میں سے ایک تھے جن کی نظیر نہیں ملتی۔ ان میں سے پہلے خلقِ خدا میں سب سے بہتر حضرت عبد اللہ بن عباس رض ہیں اور ان کے بعد ان کے بہترین خلف عامر (بن شراحیل شعبی) تھے۔ دونوں بزرگ علماء میں چوٹی کی حیثیت رکھتے تھے۔ اور ان کے بعد اس بلندی پر قاسم بن معن اور قاسم بن سلاّم (ابو عبید) ہیں۔

---

[1] ۔ معجم الادباء ۱۶ : ۲۵۷

[2] ۔ طبقات الشافعیہ الکبری ۱ : ۲۷۲

از

عبدالرحمٰن طاہر سورتی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب الاموال کا موضوع

اسلامی مملکت کا مالیاتی نظام جس کی بناء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈالی اور جو خلفائے راشدین کے دور میں بتدریج ترقی کے منازل طے کرتا رہا اور پھر اسلامی دور کی ابتدائی دو صدیوں میں اسے جن تغیرات کا سامنا کرنا پڑا یہی کتاب الاموال کا موضوع ہے جس پر آپ کو امام ابو عبیدؒ تفصیلی مواد پیش کرتے ہیں۔ امام موصوف کو اس موضوع پر عبور حاصل ہے اور اپنے زمانہ سے آج تک اسلامی حکومت کے محاصل پر ان کی شخصیت مسلم رہی ہے، اور ان کی یہ تصنیف اس موضوع پر لکھنے والے متاخرین کے لئے حوالہ کی معتمد علیہ کتاب بنی رہی۔

کتاب الاموال کے اجزاء

امام ابو عبیدؒ کی اس گرانقدر تالیف کو اس کے راویوں نے چار سے لے کر چودہ اجزاء تک تقسیم کیا ہے لیکن ہم اس کے مضامین کو دو بڑے حصوں میں منقسم ہونے کی وجہ سے صرف دو حصوں میں تقسیم کر رہے ہیں، حصہ اول میں ان تمام آمدنیوں کا ذکر ہے جو اسلامی مملکت کو غیر مسلموں اور مفتوحہ علاقوں سے حاصل ہوتی ہیں۔ یعنی اس میں مسلمانوں سے حاصل ہونے والے صدقات (زکوٰۃ) کو چھوڑ کر مندرجہ ذیل دو بڑی

مدنیاں اور ان سے متعلقات کا ذکر ہے :

(۱) غنیمت اور اس سے حاصل ہونے والا خمس (⅕)

(۲) فئے : یہ لفظ اپنی جامعیت کی وجہ سے حکومت کو ملنے والے تمام اموال و اراضی ومحاصل پر حاوی ہے جو غیر مسلموں سے وصول ہوتا تھا، اور عامۃ المسلمین کے مفاد کے لئے حکومت کی تحویل میں رہتا تھا۔ غنیمت کا خمس بھی فئے کہلاتا ہے کیونکہ بیت المال میں پہنچ کر اس کا مصرف بھی فئے کی طرح ہوتا ہے۔

حصّہ دوم میں مسلمانوں سے وصول کئے جانے والے صدقات (زکوٰۃ) کا ذکر ہے اور اس موضوع پر ہم کتاب الاموال کے دوسرے حصّہ کے مقدمہ میں بحث کریں گے۔ انشاء اللہ

امام ابو عبیدؒ کے خیال میں یہی تین قسم کے اموال ہیں جو مملکت اسلامی میں حکومت اسلامی کے زیرِ انتظام رہتے ہیں اور ان کی وصولی اور اخراجات براہِ راست حکومت کے زیرِ نگرانی ہوگی۔

مالیات کے موضوع پر تصانیف

جیسا کہ ظاہر ہے مالیات کا موضوع حکومتوں کے لئے بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اس موضوع سے متعلق تحریروں کے سلسلہ کی ابتدا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ہی سے شروع ہوگئی تھی لیکن آگے چل کر جب دفاتر قائم ہوئے اور ان آمدنیوں کی وصولی نیز مفتوحہ علاقوں کا اہتمام و انصرام توسیع پذیر ہونے لگا تو دفتروں میں کام کرنے والوں اور حکام کو شدت سے تحریری ضابطہ کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔ تب بعض فقہائے حکام کے اشارہ پر اور بعض نے عوام کی ضرورت اور دفتری عمل کے شدید تقاضے پر اس موضوع سے متعلق جداگانہ کتابیں لکھنا شروع کردیں۔ ان میں سب سے پہلی مطبوعہ تصنیف جو ہمیں ملتی ہے امام ابو یوسفؒ متوفی سنہ ۱۸۲ھ کی "کتاب الخراج" ہے۔ اپنی اس کتاب کا سبب تالیف وہ اس طرح بیان

کرتے ہیں

ان امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ سالنی ان اصنع لہ کتاباً جامعاً یعمل بہ فی جبایۃ الخراج والعشور والصدقات والجوالی وغیر ذلک مما یجب علیہ النظر فیہ والعمل بہ و انما اراد بذلک رفع الظلم عن رعیتہ الصلاح لامرھم (۱)

مجھ سے امیر المومنین (ہارون الرشید) اللہ تعالیٰ ان کی تائید و نصرت فرمائے، نے یہ خواہش ظاہر فرمائی کہ میں ان کے لئے ایک جامع کتاب تصنیف کروں جس کے مطابق خراج وعشور وصدقات و جزیہ کی وصولی میں عمل کیا جائے نیز دیگر ایسے امور جو (حکومت کے لئے) قابل غور ہوں اور جن پر عمل کیا جانا ضروری ہو۔ اس سے امیر المومنین کی غرض وغایت صرف یہ ہے کہ رعایا پر ظلم نہ ہو سکے اور ان کے معاملات سدھر جائیں۔

ابو یوسفؒ کی کتاب الخراج کے بعد جو دوسری کتاب مطبوعہ شکل میں ہمیں ملتی ہے وہ یحییٰ بن آدم متوفی ۲۰۳ھ کی "کتاب الخراج" ہے، پھر ابو عبید متوفی ۲۲۴ھ کی "کتاب الاموال" کی باری آتی ہے جو اس موضوع پر اپنے دونوں پیش رو مصنفین سے زیادہ جامع و مبسوط ہے۔ یہ تمام تالیفات دوسری صدی کے اواخر اور تیسری صدی کے اوائل میں تکمیل پا چکی تھیں۔

الخراج فی الدولۃ الاسلامیۃ کے فاضل مصنف محمد ضیاء الدین الریس کا خیال ہے کہ ان تالیفات کی بنیادی غرض وغایت احکام فقہیہ بیان کرنا ہے لیکن اس ضمن میں بعض تاریخی واقعات سے استشہاد ضروری تھا تاکہ ان کے ذریعہ احکام کا استنباط کیا جائے اور یہ واقعات بیشتر رسول اللہؐ اور خلفاء راشدین کے عہد کے تھے کیونکہ یہی فقہ کی نظر میں ایسا مثالی دور تھا جس میں احکام کے اصول وضع کئے گئے تھے بنا بریں ان تالیفات میں مذکورہ عہد یعنی صدر اسلام سے متعلق بیشتر تاریخی

---

(۱) کتاب الخراج لابی یوسف : ۳

اقتصادی حقائق آگئے ہیں (۱)۔ جہاں تک ان تصانیف سے احکام فقہیہ کے بیان کا تعلق ہے فاضل مصنف کی یہ توجیہ قابل غور ہے کیونکہ احکام فقہیہ کے تمام دیگر ابواب چھوڑ کر صرف مالیات اور اس سے متعلق مملکت اسلامیہ کے انتظامی مسائل کو خصوصیت سے مرکز توجہ بنا کر انہیں جداگانہ کتابی صورت میں جمع کرنا بتا رہا ہے کہ ان تالیفات سے کسی خاص گروہ کو خصوصی دلچسپی تھی اور وہ اس ضرورت کو شدت سے محسوس کر رہا تھا۔ ورنہ فقہی مجموعوں میں تو یہ مالیاتی امور اپنے اپنے ابواب میں عموماً مدون ہوتے ہی رہے خود امام شافعیؒ نے اپنی مشہور تصنیف "کتاب الام" میں اس موضوع سے متعلق جملہ پہلوؤں پر تفصیلی بحث کی ہے اور امام مالک کی "موطا" میں بھی جا بجا اس موضوع پر مواد ملتا ہے بالخصوص کتاب الجہاد اور کتاب الزکاۃ میں۔ ہم امام ابو یوسفؒ کی کتاب سے پچھلے صفحات میں جو اقتباس پیش کر آئے ہیں اس سے واضح ہوتا ہے کہ حکومت کے لئے عدل و انصاف جاری کرنے اور رعایا کے حالات سدھارنے اور مفتوحہ علاقوں میں عدل قائم کرنے کے لئے اس قسم کی جداگانہ تالیف کی ضرورت محسوس کی جاتی تھی واقعہ یہی ہے کہ مملکت اسلامیہ کے مالیات سے متعلق انتظامی امور اور مفتوحہ علاقوں پر عدل و انصاف سے حکمرانی کے لئے سرکاری محکموں میں ملازمین اور حکام کے لئے اس قسم کی جداگانہ تالیف ازبس ضروری تھی تاکہ حکام و رعایا اپنی اپنی حدود سے واقف ہوں اور ظلم کا سدِ باب ہو اور ہمارا خیال ہے کہ ان تصانیف کے ذریعہ اس خلاء کو پُر کیا گیا ہو گا۔

کتاب الاموال کے اس حصہ کا موضوع نہایت اہم ہے اس کی ابتداء اس وقت سے ہوتی ہے جب رسول اللہؐ نے اسلام کی دعوت دی اور لوگوں کے ایک گروہ نے اسے قبول کر لیا اور دوسرے نے اسے قبول کرنے سے انکار کیا ان دونوں متقابل گروہوں کا آپس میں طریق کار یعنی مسلمانوں کا غیر مسلموں کے ساتھ طرزِ عمل، مخالفین کے ساتھ رسول اللہؐ اور مسلمانوں کا جنگ و امن میں اختیار کردہ رویہ دوسرے الفاظ میں دیگر

---

(۱) دیکھئے محولہ بالا کتاب کا صفحہ ۴

اقوام و ملل سے (بین الاقوامی سطح پر) مسلمانوں کا برتاؤ بھی اس کتاب کا ضمنی موضوع ہے۔ تبلیغ اسلام اور فتوحات کا سلسلہ جاری رہنے کی وجہ سے اس موضوع کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ مسلمانوں کے سامنے قدم قدم پر اس موضوع سے متعلق مسائل درپیش تھے اور ارباب حکومت نیز حکومت کے عملہ کو اسوۂ رسولؐ کے ذریعہ ان مسائل کو حل کرنا پڑتا تھا چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ اس موضوع پر قرآن مجید کے بعد رسولؐ اللہ کے ان مکاتیب و معاہدات میں بڑا مواد ملتا ہے جو آپؐ نے وقتاً فوقتاً مختلف علاقوں کے باشندوں کو روانہ فرمائے تھے (۱)۔ ان امور سے اس موضوع کی اقدمیت و اہمیت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے۔

السیر (۲) کے نام سے لکھی جانے والی تصانیف کا بھی یہی موضوع تھا۔ ان میں رسولؐ اللہ کا غزوات میں دشمنوں سے طرز عمل امن و صلح اور جنگ میں غیر مسلموں اور دشمنوں سے آپؐ کا برتاؤ، مفتوحہ علاقوں اور اس کے باشندوں سے حاصل ہونے والی غنیمت و فئے میں آپؐ کی سنت کا بیان ہوتا تھا اور چونکہ اپنی تعلقات میں جنگ اور

---

(۱) کتاب الاموال از صفحہ ۱۸۷ تا ۲۰۲

(۲) امام ابو حنیفہ رحؒ نے سیر کے موضوع پر اپنے تلامذہ کو ایک کتاب لکھوائی اس پر امام اوزاعی رحؒ نے ان سے اختلاف کیا پھر امام اوزاعی رحؒ کی مصنفہ سیر پر امام ابو یوسف رح کی تنقید "الرد علی سیر الاوزاعی" ہے اس سے بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ غیر مسلموں کے ساتھ مسلمانوں کے طرز عمل کا مسئلہ ابتداء ہی سے مسلم فقہاء کا موضوع بحث بنا رہا۔

لفظ "سیر" سیرۃ کی جمع ہے جس کے معنی چال چلن، طرز عمل، روش، رویہ اور برتاؤ یا سلوک کا انداز ہیں۔ پھر اس سے مراد وہ تمام قواعد و قوانین ہو گئے جو دو یا دو سے زیادہ آزاد و خود مختار قبائل و اقوام یا ممالک و ادیان کے باہمی تعلقات کے سلسلہ میں جاری کئے جائیں۔

فتوحات بھی شامل ہیں۔ لہٰذا ان دونوں صورتوں سے حاصل ہونے والی آمدنیوں کو "کتاب الاموال" کے اس حصہ میں بیان کیا گیا ہے۔

اس اعتبار سے دیکھا جائے تو کتاب الاموال کا یہ حصہ عصر حاضر میں اسلامی نقطۂ نظر سے بین الاقوامی قوانین بنانے میں بھی ہماری رہنمائی کر سکتا ہے۔

اسلامی مملکت میں سربراہ مملکت اور رعایا کے باہمی حقوق و فرائض

جیسا کہ بتایا جا چکا ہے امام ابو عبیدؒ اپنی اس تصنیف میں صرف ان آمدنیوں سے بحث کر رہے ہیں جو اسلامی مملکت کی تحویل و نگرانی میں آتی اور پھر مسلمانوں (یا جملہ رعایا) کی اجتماعی بہبود میں صرف ہوتی ہیں لہٰذا انہوں نے اپنی کتاب کا افتتاح ایک ایسے باب سے کیا جس کا موضوع "اسلامی مملکت میں سربراہ مملکت (امام) اور رعایا کے ایک دوسرے پر حقوق و ذمہ داریاں" ہیں یہ باب اگرچہ بہت مختصر ہے لیکن اس میں وہ تمام بنیادی ہدایات موجود ہیں جو ایک امام (سربراہ مملکت) کو امت مسلمہ میں مقبول اور عند اللہ کامیاب بنانے اور رعایا کو اس کی ذمہ داریاں یاد دلانے کے لئے کافی ہیں۔

اس باب میں وہ اسلامی مملکت کے سربراہ اور اس کے ماتحت عملہ نیز رعایا کی ذمہ داریوں کو بیان کرتے ہیں۔ انہیں احساس ذمہ داری دلانے کے لئے مختلف احادیث و آثار بیان کرتے ہیں۔ وہ مختصراً بتاتے ہیں کہ حکومت کے عملہ کو نہایت خدا ترسی سے اُمت، سربراہ مملکت اور اسلام کی بھلائی و خیر خواہی میں کوشاں رہنا چاہیئے۔ رعایا کو امام (سربراہ مملکت) کا اور سربراہ مملکت کو رعایا کا خیر خواہ ہونا چاہیئے۔ عوام کا کوئی حق تلف نہیں کرنا چاہیئے۔ حق دار کو حق پہنچانے اور انصاف و عدل قائم کرنے میں کوتاہی نہیں کرنا چاہیئے۔ اسلامی قانون نافذ کرنے میں امیر غریب قوی ضعیف قریبی رشتہ داروں اور غیروں میں کسی قسم کا کوئی امتیاز روا نہ رکھنا چاہیئے۔ امام پر یہ فرض ہے کہ وہ اللہ کی نازل کردہ کتاب کے مطابق فیصلے کر کے اپنے ذمہ لی ہوئی امانت ادا کرے۔ عوام کا شعور بلند کرے اور انہیں اسلامی تعلیم دے کر اس بات پر اُبھارے کہ

ملک میں جہاں اسلامی تعلیمات کی خلاف ورزی ہو رہی ہو وہ سب مل کر اسے دُور کرنے میں امام (سربراہ مملکت) کے ساتھ تعاون کریں حتیٰ کہ امام خود اپنے آپ کو بھی ان کے سامنے یہ کہتے ہوئے پیش کر دے :

وان انا زغت فقوّمونی (۱) اور اگر خود میں بھی صحیح راستہ سے اِدھر اُدھر ہٹ جاؤں تو مجھے بھی سیدھے راستہ پر لگا دو۔

سرکاری کارندوں کو ہدایت

امام ابوعبیدؒ دفتری عملہ کو ہدایت کرتے ہیں کہ وہ اپنے فرائض و اختیارات کو نہایت مستعدی سے فوری طور پر انجام دیں تاکہ ملک کے اِنتظامی کاموں میں رکاوٹ پیدا نہ ہو جو کبھی کبھی ابتری اور فساد کا موجب بن جاتی ہے اور دوسری طرف خود وہ کام جمع ہو کر آج کی زبان میں فائلوں کا ڈھیر اور دردِ سر بن جاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ آج کے کام کو کل پر ڈالنے کی عادت فوری طور پر ختم کر دی جائے وہ بتاتے ہیں کہ سرکاری افسروں کا کام حق کی اقامت ہے جو عبادت ہے اور جو گھڑی بھی اس خدمت میں گزرے وہ موجب برکت و سعادت ہے۔

امام عادل کی پہچان

ایک اثر (نمبر۳) کے بموجب ابو عبیدؒ "امام عادل" کی پہچان بتا رہے ہیں کہ وہ امن و عدل گستری کی وجہ سے مظلوموں کی ان شکایات کا ازالہ کر دیتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے کی جاتی ہیں۔ یہ اثر اگرچہ نہایت مختصر ہے لیکن ذرا اس کی جامعیت کا اندازہ لگائیے کس طرح اس عہد کے مسلمان اسلامی حکومت اور اس کے سربراہ کے فرائض پہچانتے تھے وہ جانتے تھے کہ عوام کی فلاح و بہبود رعیّت کا مفاد۔ مظلوموں کی داد رسی۔ امن و امان کی برقراری کی تمام تر ذمہ داریاں اسلامی حکومت کے سربراہ پر ہیں اور یہ اس کا فریضہ ہے کہ ریاست سے ہر قسم کی بے راہ روی نیز معاشی اور سماجی ناانصافیاں دُور

---

(۱) کتاب الاموال : ۵ ، از خطبہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ؛

کرے اور اللہ سے ڈرتا رہے اسے یاد رکھنا چاہیئے کہ وہ زمین پر اللہ کا منشا پورا کرنے کے لئے ہے جس کی رُو سے زمین پر عدل واحسان وخیر کا دور دورہ اور ظلم وجور وشر کا استیصال ہونا چاہیئے۔ جب کہ امام جائر (ظالم حاکم) کے دَور میں اللہ کے حضور لوگوں کی شکایات کا سلسلہ بڑھتا ہی چلا جاتا ہے جس کا لازمی نتیجہ رعایا میں بے چینی، گھبراہٹ اور فساد ہوتا ہے۔ ان ہدایات کے آخر میں وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس مشہور حدیث کو بیان کرتے ہیں جس میں آپؐ نے عادل امام کے ایک دن کے عادلانہ فیصلوں کو اپنے گھر میں عبادت گزار کی صد سالہ عبادتوں پر ترجیح دی ہے۔

بلاشبہ اسلامی ریاست میں امام کا فرض ہے کہ وہ رعایا کے حقوق کی نگرانی کرے ان پر ہونے والے ہر قسم کے ظلم وتعدی اور حق تلفی کو دُور کرے ان کے معاملات کی اصلاح کرے اور ان کے حالات سدھارے اور اپنے فرائض کی انجام دہی میں اسلام کے عطا کردہ وسیع اختیارات سے کام لے۔ یہ باب اگرچہ بہت مختصر ہے لیکن اس میں وہ تمام بنیادی ہدایات موجود ہیں جو ایک امام (سربراہ مملکت) کو امت میں مقبول اور عنداللہ کامیاب بنانے اور رعایا کو اس کی ذمہ داریاں یاد دلانے کے لئے کافی ہیں۔

خمس اور فئے کی وسعتیں

بعد ازاں ابو عبیدؒ فئے وغنیمت کی تفاصیل میں جاتے ہیں غنیمت وہ مال ہے جو جنگ کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے۔ اسلامی ریاست کے خزانہ میں گو غنیمت کا صرف خمس (۱/۵) جاتا ہے لیکن اس خمس کے لئے غنیمت کی تعریف ضروری ہے اور غنیمت کے اموال کی نشاندہی اس وقت ممکن ہوسکتی ہے جب جنگ وصلح کے قوانین معلوم ہوں، ان حدود کی نشاندہی ہو جہاں "غنیمت" کی سرحدیں "فئے" سے جا ملتی ہیں یا جہاں غنیمت فئے میں اور فئے غنیمت میں داخل ہوسکتی ہے۔

چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ ابو عبیدؒ نے اپنی کتاب میں جنگ اور صلح وامن کے احکامات نیز ان سے متعلقہ امور کی تفصیلی معلومات جمع کر دی ہیں جن سے جنگ میں

حاصل ہونے والے مالِ غنیمت، اراضی۔ قیدی۔ غلام لونڈیاں اور ان کے متعلق احکام پر پوری طرح روشنی پڑتی ہے۔

"فئے" کے ضمن میں امام ابو عبیدؒ غیر مسلموں سے حاصل ہونے والے جزیہ و خراج اور مفتوحہ اقوام سے وصول ہونے والی آمدنیوں سے متعلق شرح و بسط سے احکام بیان کرتے ہیں۔ اس ذیل میں وہ ذمیوں کے ساتھ اسلامی حکومت کے سلوک، غیر اسلامی علاقے اور اسلامی علاقے کے درمیان تجارتی تعلقات دارالحرب۔ دارالکفر اور دارالاسلام کے احکام غیر مسلموں سے اسلامی حکومت کے معاہدے بالخصوص وہ معاہدے جو علاقوں کی حوالگی کے وقت طے پاتے تھے نہایت تفصیل اور باوثوق ذرائع سے بیان کرتے ہیں ان تفصیلات سے ایک طرف تو عہدِ اسلام کی ابتدائی دو صدیوں میں جو مالیاتی نظام عملاً رائج رہا اس کی حقیقی اور اصل صورت سامنے آجاتی ہے اور دوسری طرف بہت سے دشمنانِ اسلام کے ان غلط بیانات کی تردید ہو جاتی ہے جو ان امور سے متعلق ان کی تصانیف میں پیش کئے جاتے ہیں لہٰذا اگر ہم یہ کہیں کہ ابتدائی عہد میں اسلامی مالیات بالخصوص جزیہ و خراج کے مسائل سمجھنے اور اس باب میں صحیح رہنمائی حاصل کرنے کے لیے امام ابو عبیدؒ کی یہ تصنیف ایک بے مثال جامع و مانع اور مستند ترین مرجع ہے تو اس میں کوئی مبالغہ نہ ہوگا۔

امام ابو عبید جب "فئے" کے تحت جزیہ سے بحث کرتے ہیں تو وہ اس موضوع سے متعلق ان تمام تفاصیل و جزئیات کو بھی سمیٹ لیتے ہیں جن کا تعلق کسی حیثیت سے بھی اس موضوع سے ہو چنانچہ وہ جزیہ کے ساتھ ذمیوں کی مختلف اقسام مثلاً فوجی قوت یا صلح کے ذریعہ مفتوحہ علاقوں کے ذمیوں نیز ان کی زمینوں ان سے متعلق مختلف تاریخی دستاویزات مکاتیب اور صلح نامے سب ہی سامنے لے آتے ہیں۔

ابو عبیدؒ کا اسلوب محاکمہ

ان تفاصیل کو پیش کرنے میں امام ابو عبیدؒ نے جو طریقہ اختیار کیا ہے وہ نہایت دلچسپ اور ان کا اپنا ایجاد کردہ ہے وہ پہلے ایک موضوع لے کر اس سے متعلق قرآن اور احادیث

رسول ؐ اللہ پیش کرتے ہیں پھر اس موضوع سے متعلق آثار جمع کر دیتے ہیں اگر مختلف اسناد سے احادیث و آثار کے متن یا سند کو تقویت حاصل ہوتی ہو تو انہیں بھی بیان کر دیتے ہیں بعد ازاں وہ مختلف احادیث و آثار کی اسناد اور متون پر محدثانہ نقد و تبصرہ کرتے ہوئے ان کے باہمی اختلافات میں تطابق پیدا کرتے یا پھر ان کی بہتر تاویل کرتے ہیں۔

موضوع سے متعلق تمام احادیث و آثار درج کرنے کے بعد وہ ان پر محاکمہ کرتے ہیں اور یہی محاکمہ ان کی کتاب کا وہ حصہ ہے جو ان کی محدثانہ و فقیہانہ بالغ نظری کی ترجمانی کرتا ہے جس میں وہ اپنے اجتہاد کے ذریعہ تعصب و تقلید سے بالاتر ہوکر روح اسلام کو مدنظر رکھتے ہوئے مختلف احادیث و آثار میں سے ایک کو دوسری پر ترجیح دیتے ہیں اور اس تمام محاکمہ میں ان کی فقیہانہ عظمت، لغوی بصیرت اور ادیبانہ مہارت نکھر کر قاری کے لئے وجہ جاذبیت بنتی ہے۔

ابو عبیدؒ اپنے محاکمہ میں شدت سے سنت رسول ؐ کا اتباع کرتے ہیں، حدیث رسول ؐ کی صحت ثابت ہونے کے بعد وہ کسی دوسرے قول کو اس کے سامنے باقی نہیں رکھتے بلکہ اکثر جلیل القدر صحابہؓ و تابعین کے آثار کو وہ مابعد کے فقہا کے اقوال پر ترجیح دے دیتے ہیں لیکن بایں ہمہ ان کے پاس ایک معیار ہے جس سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ابدی فیصلوں کو جو خالصتاً دینی حیثیت رکھتے ہیں ان وقتی فیصلوں سے جدا کر دیتے ہیں جو ایک سربراہ مملکت کی حیثیت سے آپ ؐ ہنگامی حالات اور مواقع کی مناسبت کو ملحوظ رکھتے ہوئے وقتاً فوقتاً کرتے رہتے تھے ابوعبید نے یہ معیار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں کا نہایت گہرا مطالعہ کرنے کے بعد قبول کیا ہے جب وہ دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی قسم کے دو موقعوں پر دو مختلف فیصلے فرماتے ہیں یا رسول ؐ اللہ کے بعد آپ کے خلفاء راشدین ویسے ہی موقع پر رسول ؐ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف فیصلہ کرتے ہیں تو وہ اس نکتہ پر پہنچ جاتے ہیں کہ اسلام نے سربراہ مملکت کو دین کے ابدی و غیر متبدل اصول دے کر ان حدود کے اندر ایسے خصوصی اور وسیع اختیارات دئے ہیں جن میں وہ حالات اور مسلمانوں کے اجتماعی مفادات کو

پیشِ نظر رکھتے ہوئے مناسب اقدامات کرتے رہنے کا حق رکھتا ہے۔ اس کی واضح مثالیں آپ ابو عبیدؒ کے ان محاکموں میں دیکھیں گے جہاں وہ جزیہ و خراج کے تعین یا مفتوحہ اراضی کو غنیمت یا فئے بنانے پر بحث کرتے ہیں یا پھر جہاں مختلف مسائل کے دوران وہ امام (سربراہ مملکت) کے وسیع اختیارات کی نشاندہی کرتے ہیں۔

ابو عبیدؒ کے ان محاکموں سے آج ہمیں جو سبق حاصل ہوتا ہے اس میں سب سے زیادہ اہمیت پیش آنے والے مسائل میں اجتہاد کی ضرورت و دعوت کو حاصل ہے۔ ابو عبیدؒ ہر مسئلہ میں حقیقت و صحت کو پانے کے لئے اجتہاد سے کام لیتے ہیں اور پوری قوت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل کی بہتر اور قابلِ عمل توجیہ و تاویل کرتے ہیں۔

ابو عبید کا مجتہدانہ مسلک

ابو عبید کسی مسلک یا امام کی تقلید نہیں کرتے تھے اور ان کے دور تک یہ روش موجود بھی نہ تھی آپ دیکھیں گے کہ اپنے موضوع سے متعلق وہ مدینہ کے جلیل القدر صحابہؓ کے علاوہ تابعین میں سے سعید بن المسیب، عروۃ بن الزبیر، سلیمان بن یسار، القاسم بن محمد، خارجہ بن زید، ابو بکر بن عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام اور ان کے بعد ابو بکر بن محمد بن عمرو بن حزم، محمد بن شہاب الزہری اور امام مالکؒ کے آثار و اقوال جمع کر دیتے ہیں۔

مکہ سے وہاں کے مشہور صحابہؓ کے علاوہ تابعین میں سے عطاء بن رباح، طاؤس بن کیسان (جو فقیہہ یمن بھی ہو گئے تھے) سفیان بن عیینہ کے آثار و اقوال جمع کر دیتے ہیں اور اس طرح وہ امام شافعیؒ کے استاد سے جا ملتے ہیں۔

کوفہ سے علقمہ بن قیس، شریح بن حارث، مسروق بن اجدع، عبدالرحمٰن بن ابی لیلی، ابراہیم نخعی، عامر الشعبی، سعید بن جبیر، سفیان ثوری، امام ابو حنیفہ، ابو یوسف، محمد بن الحسن وغیرہم کے اقوال و مذاہب نقل کر دیتے ہیں۔

بصرہ سے وہ حسن بصری، محمد بن سیرین، مسلم بن یسار، حفص بن سلیمان، عثمان بن سلیمان البتی وغیرہم کے اقوال لے آتے ہیں۔

شام سے وہ حضرات ابو الدرداءؓ عبدالرحمٰن بن غنم، سے لے کر عبدالرحمٰن بن عمرو اوزاعی

وغیرہم تک کے اقوال و مذاہب بیان کر دیتے ہیں۔
مصر سے وہ یزید بن حبیب اور لیث بن سعد وغیرہم کے اقوال و مذاہب پیش کر دیتے ہیں۔

اس طرح کتاب الاموال نہ صرف ائمہ اربعہ کے مسالک پر حاوی ہے بلکہ بہت سے ایسے اقوال و مسالک بھی اپنے اندر محفوظ کر لیتی ہے جو بعد میں رواج نہ پا سکے۔

تمام احادیث و آثار و اقوال فقہاء نیز ائمہ و ولاۃ کے فیصلوں کو یکجا کر دینے کے بعد ابو عبیدؒ کا ان پر بے لاگ اور عالمانہ تبصرہ و محاکمہ آج اہل تدبر و تفکر کے لئے نئی نئی راہیں کھول دیتا ہے۔

کتاب الاموال میں امام مالکؒ یا امام شافعیؒ سے بیشتر مسائل میں اتفاق دیکھ کر یہ فیصلہ درست نہیں ہوگا کہ ابو عبیدؒ کسی خاص مذہب فکر کے مقلد بنتے۔ حقیقت یہی ہے جس کی طرف ہم پہلے اشارہ کر چکے ہیں کہ اس دور کے علماء و فقہاء تقلید کے قائل نہ تھے، اساتذہ کا احترام ضرور کرتے تھے لیکن یہ احترام ان کے سامنے اپنی عقل و فکر پر تالا لگانے کے لئے نہیں ہوتا تھا۔ وہ ان سے اختلاف بھی کرتے تھے اور اس سلسلہ میں اپنے اجتہاد اور فہم کتاب و سنت پر اعتماد کرتے تھے۔ کتاب الاموال میں جا بجا آپ دیکھیں گے کہ کہیں وہ اہل عراق اور امام ابو حنیفہؒ اور ان کے شاگردوں کے اقوال کو اپنا لیتے ہیں اور کہیں وہ ان سب سے اختلاف کرتے ہوئے اپنے لئے علیحدہ راستہ انتخاب کر لیتے ہیں اور کہیں وہ امام مالکؒ و شافعیؒ کے اقوال پر تنقید کر دیتے ہیں۔

ہمارے خیال میں امام ابو عبیدؒ کا یہ فقیہانہ مسلک یقیناً تحریک حدیث سے پوری طرح متاثر تھا اور ان کی تحریروں میں وضاحت سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ وہ اپنے پیشرو فقہاء کی طرح ان "قواعد کلیہ" کے پابند تھے جو انہوں نے مسائل کے استنباط کے لئے مقرر کر لئے تھے بلکہ وہ قواعد کلیہ کی جگہ ان اصولوں کے متبع تھے جن کو امام شافعیؒ نے واضح طور پر اسلامی فقہ کے مآخذ قرار دیا تھا۔

مختصر یہ کہ ابو عبیدؒ جو نہ صرف حدیث و فقہ کے امام تھے بلکہ قاضی ہونے کی حیثیت سے وہ قوانین اسلام کے ترجمان بھی تھے ان کی یہ گرانقدر تصنیف جو خوش قسمتی سے اب اُردو زبان میں منتقل ہو کر قارئین کے سامنے آرہی ہے ابتدائی اسلامی عہد کے مالیاتی نظام کے ہر گوشہ سے متعلق اپنے دامن میں وسیع معلومات رکھتی ہے اس میں شک نہیں کہ اس کتاب میں یہ تمام معلومات قدیم اسلوب کے مطابق جمع کی گئی ہیں اور آج اس موضوع سے متعلق مختلف گوشوں میں سے کسی ایک پر کام کرنے والے کو اپنا گوہر مقصود تلاش کرنے کے لیئے اس بحر زخار میں فنی مہارت سے غوطہ زنی کرنا ہوگی ۔

اس تمہید کے بعد ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ آپ کو کتاب الاموال کے اس حصہ سے متعلق ان بنیادی مباحث سے متعارف کرادیں جن کو جان لینے کے بعد کتاب کو سمجھنے میں رہنمائی حاصل ہو سکے گی ۔

امام اور اس کے اختیارات

اس ضمن میں سب سے پہلے ہم "امام اور اس کے اختیارات" کا ذکر کریں گے ۔ امام کا لفظ ابو عبیدؒ نے اپنی کتاب میں جا بجا استعمال کیا ہے اور گہری نظر سے کتاب کا مطالعہ کرنے والے کو ایسا معلوم ہوگا کہ گویا یہ لفظ ابو عبیدؒ کی کتاب کا محور ہے ۔ بظاہر اس کی وجہ یہی ہے کہ یہ پوری کتاب اسلام کے مالیاتی نظام سے متعلق ہے اور اسلامی مملکت کا ایک نظام ہوتا ہے جس کی سربراہی "امام" کرتا ہے ۔

یوں تو عربی زبان میں "امام" کے معنی پیشوا و مقتدا کے ہیں اور متاخرین نے اس لفظ کے اسی مفہوم کو ملحوظ رکھتے ہوئے اسے ہر ماہر فن کے لیئے استعمال کیا ہے لیکن جب اسلامی حکومت قائم تھی تو یہ لفظ اسلامی مملکت کے اس با اختیار حکمران کے لیئے استعمال ہونے لگا جو مسلمانوں کے اجتماعی امور کا نگران ہوتا تھا ۔ ابو عبید کتاب الاموال میں یہ لفظ موخر الذکر معنے میں ہی استعمال کرتے ہیں (۱) امام کا یہ لفظ مرکزی سربراہ کے علاوہ کبھی کبھی اس

---

(۱) امام کی تفسیر خود ابو عبید نے یوں کی ہے : الامام : الذی یقوم بأمر المسلمین : وہ امام جو مسلمانوں کے معاملہ کا نگران و منتظم ہوتا ہے (دیکھئے کتاب الاموال : ۴۷) نمبر ۱۸۳)

کے ماتحت کسی شعبہ حکومت میں اس کے نمائندہ کے لیے بھی استعمال ہو جاتا ہے مثلاً لشکر کا سپہ سالار۔

ابو عبیدؒ کا "امام" وہ سربراہ اعلیٰ ہے جو عملاً اپنے منصب پر فائز ہو اور جس کے فیصلے قوت کے ساتھ نافذ ہوتے ہوں جو مختلف صوبوں کے ولاۃ و عمال کے تقرر و برطرفی کا اختیار رکھتا ہو اور جس کے سامنے وہ جواب دہ ہوتے ہوں اور وہ اپنے پیچیدہ و مشکل مسائل اس کے پاس بھیج دیتے ہوں جنہیں وہ بااثر و ماہر شخصیتوں سے شوریٰ کے بعد حالات کے مطابق حل کرتا رہتا ہو (۱)

ابو عبید کی نظر میں "امام" کتاب اللہ کی حدود میں محدود[۲] اور اپنی رعایا کو یہ حقوق دیتا ہے کہ جہاں وہ ان حدود سے متجاوز ہو رعایا اسے ان حدود میں لے آئے (۳) ایک مسئلہ کو حل کرنے کے لیے جہاں قرآن مجید میں متعدد صورتیں بتائی گئی ہوں ان میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کے لیے "امام" کو اختیار ہوتا ہے (۴) اس طرح اسے وقتی انتظامی امور میں رسول اللہ کے فیصلوں میں تغیر و تبدل کا بھی اختیار رہتا ہے مثلاً ابو عبیدؒ کے نزدیک قرآن مجید میں قیدیوں کے لیے چار احکام ملتے ہیں۔

المن والفداد والقتل والرق — احسان کرتے ہوئے انہیں چھوڑ دینا، فدیہ لیکر آزاد کر دینا، قتل کر دینا۔ غلام بنا لینا۔

---

(۱) امام کا شوریٰ کے ذریعہ مسائل کا حل خود رسول اللہ کے اسوہ سے عیاں ہے اس کی مثالیں کتاب الاموال: ۱۴۱ (نمبر ۳۰۶) نیز ۱۱۸ (نمبر ۳۱۴) میں دیکھیے، پھر حضرت عمرؓ کا وہ عمل ہے جو انہوں نے عراقی و مصری مفتوحہ زمین کو فئے یا غنیمت بنانے میں کیا تھا۔ دیکھئے کتاب الاموال: ۵۸ و ۵۹ (نمبر ۱۴۷ تا ۱۵۳)

(۲) کتاب الاموال: ۵ (نمبر ۱۱) (۳) ایضاً: ۵ (نمبر ۱۰)

(۴) اگرچہ وہ اپنے فیصلوں سے پہلے شوریٰ کا پابند ہوگا۔ مختلف فیہ امور میں ایک نظام قائم کرنے اور ایک فیصلہ کرنے کے لیے یہ صورت ناگزیر ہے، اس اعتبار سے امام سے مراد ایک مطلق العنان شخصیت نہ تھی بلکہ وہ ایک ایسے نظام کا نمائندہ ہوتا تھا جس کو مسلمانوں کے ارباب حل و عقد کی تائید حاصل ہوتی تھی۔

اور ابو عبید کہتے ہیں:

ان الامام مخیر فی الاسیر من الرجال فی اربعۃ احکام (۱) | کہ مرد قیدیوں پر ان چار احکام میں سے کسی ایک حکم کو نافذ کرنے کا اختیار امام کو ہوگا۔

سُنت کی دو قسمیں

معلوم ہوتا ہے ابو عبیدؒ کی نظر میں رسول اللہؐ کی سُنت کی دو حیثیتیں ہیں ایک مؤقتہ اور دوسری غیر مؤقتہ موخر الذکر انتظامی امور پر مشتمل ہوگی اور اس میں تغیر و تبدّل کار "امام" مجاز ہوگا جزیہ و خراج کی رقم کا تعین ابو عبیدؒ کے ہاں صدقہ (زکوٰۃ) کی طرح سنت مؤقتہ نہیں ہے (۲) بلکہ یہ رسول اللہؐ کے ان وقتی انتظامی فیصلوں میں سے تھے جن میں حالات کے تقاضوں اور مسلمانوں کے اجتماعی

---

(۱) کتاب الاموال: ۱۳۵ (نمبر ۳۶۲) نیز: ۱۲۸ (نمبر ۳۴۲)

(۲) ابو عبید کی طرح امام ابو یوسفؒ بھی سنت کی یہ دو حیثیتیں مانتے ہیں چنانچہ اس کی مثال گھوڑسوار مجاہد کو غنیمت سے حصہ دیئے جانے کے موقع پر وضاحت سے سامنے آجاتی ہے وہ رسول اللہؐ کی حدیث بیان کرتے ہیں جس میں گھوڑسوار مجاہد کو غنیمت کے حصوں میں سے تین حصے ملیں گے ایک سوار کے لئے اور دو گھوڑے کے لئے بعد ازاں وہ اپنے استاذ امام ابو حنیفہؒ کا مسلک بیان کرتے ہیں جو مجاہد کو ایک حصہ اور گھوڑے کو ایک حصہ دینے کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ میں ایک جانور کو مرد مسلم پر فضیلت نہیں دے سکتا۔ پھر وہ اپنی تائید میں حضرت عمرؓ کے ایک عامل کا عمل پیش کرتے تھے جس نے سوار کو ایک حصہ اور گھوڑے کو ایک حصہ دیا تھا اور جب یہ عمل حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو انہوں نے بھی اسے بحال رکھا تھا۔ . . . . امام ابو یوسف یہ دونوں فیصلے بیان کرنے کے بعد اس وقت کے امیر المؤمنین (امام) ہارون الرشید سے کہتے ہیں:

"فخذ یا امیر المومنین بای القولین رایت واعمل بما تری انہ افضل واخیر للمسلمین، فان ذالک موسع علیک ان شاء اللہ تعالیٰ | اے امیر المؤمنین! آپ ان ہر دو اقوال میں سے جسے مناسب تصور فرمائیں اختیار کرلیں اور جسے آپ مسلمانوں کے لئے افضل و بہتر سمجھیں اس پر عمل کرلیں اس باب میں آپ کو وسیع اختیارات حاصل ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ

(کتاب الخراج لابی یوسف: ۱۸ و ۱۹)

مفاد کو محفوظ رکھتے ہوئے (۱) "امام" تغیر و تبدل کر سکتا ہے۔ اپنی رائے کی تائید میں وہ حضرت عمرؓ کا رسول اللہؐ کے مقررہ جزیہ سے زیادہ لینے کا عمل پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں:

ولو علم عمر ان فیہا سنۃ مؤقتۃ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما تعداھا الی غیرھا (۱)

اور اگر حضرت عمرؓ کو یہ معلوم ہو جاتا کہ جزیہ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی مقررہ و متعینہ (موقتۃ) سنت ہے تو حضرت عمرؓ اسے چھوڑ کر کبھی دوسری شکل اختیار نہ کرتے۔

مسلمانوں کا اجتماعی مفاد

امام کے ان وسیع اختیارات کا کتاب الاموال میں جگہ جگہ اعادہ کیا گیا ہے ہر اس مقام پر جہاں مسلمانوں کا اجتماعی مفاد زیر غور ہوتا ہے اور پیش نظر حل طلب مسئلہ میں اختلاف کی گنجائش اور اجتہاد کی ضرورت ہوتی ہے۔ ابو عبیدؒ اس مسئلہ کو امام کی صوابدید پر موقوف قرار دیتے ہیں مثلاً وہ فوجی قوت کے ذریعہ مفتوحہ اراضی کے متعلق جیسے بعض فقہا صرف غنیمت قرار دیتے ہوئے پانچ حصوں میں تقسیم کرنے پر مصر ہیں اور بعض فئے قرار دیتے ہوئے مسلمانوں کی اجتماعی ملکیت قرار دیتے ہیں اپنا فیصلہ اس طرح دیتے ہیں۔

الا ان الذی اختارہ من ذلک ان یکون النظر فیہ الی الامام کما قال سفیان (۲)

"تاہم اس بارے میں جس رائے کو میں پسند کرتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ اس کا فیصلہ امام کی صوابدید پر موقوف رکھا جائے جیسا کہ سفیان (بن سعید) کا قول ہے۔

ابو عبید "صدقات" (زکوٰۃ) کے برخلاف خمس اور فئے کے تصرف میں امام کی صوابدید اور اس کے اختیار کو جائز قرار دیتے ہیں اس ضمن میں وہ قرآن مجید سے اپنی تائید میں جو نکتہ پیدا کرتے ہیں اس سے "امام" کی عظمت کا تصور آسمان کی بلندیوں تک پہنچ جاتا ہے وہ کہتے ہیں کہ خمس اور فئے کا حکم اس لئے صدقات سے مختلف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے

---

(۱) کتاب الاموال: ۴۲ (نمبر ۱۰۰)

(۲) کتاب الاموال: ۶۰

کلام پاک میں ان دونوں کے مصارف کے بیان کا آغاز ایک ہی لفظ سے کیا ہے چنانچہ خمس کے لئے ارشاد ہے :

واعلموا انما غنمتم من شیئ فان للہ خمسہ	اور جان لو کہ جو کچھ بھی غنیمت تمہیں حاصل ہو تو اس میں سے خمس (⅕) اللہ کے لئے ہے . . . .
(الانفال : ۴۱)	
فاستفتح الکلام بان نسبہ الی نفسہ ثم ذکر اھلہ بعد وکذلک قال فی الفیئ	ملاحظہ کیجئے یہاں اللہ تعالیٰ نے آغاز کلام اس طرح فرمایا کہ اس (خمس) کو اپنی طرف منسوب کیا اور پھر اس کے بعد خمس کے دیگر مستحقین کا ذکر فرمایا۔ اور یہی طریقہ بیان اللہ تعالیٰ نے فئے میں رکھا چنانچہ ارشاد فرمایا :
ما افاء اللہ علی رسولہ من اھل القری فللہ (۵۹ : ۷ الحشر)	(بستیوں والوں سے جو کچھ اللہ نے اپنے رسُول کی طرف پلٹایا (یعنی فئے) تو وہ اللہ کے لئے ہے . . .
	(الحشر ۵۹ : ۷)
فنسبہ جل ثناؤہ الی نفسہ ثم اقتص ذکر اھلہ فصار فیہ الخیار الی الامام فی کل شی یراد اللہ بہ فکان اقرب الیہ : (۱)	چنانچہ یہاں بھی اللہ جل ثناوہ نے فئے کو پہلے اپنی طرف منسوب فرمانے کے بعد پھر اس کے دیگر مستحقین کو بیان فرمایا بنا بریں ہر اس چیز میں جس سے اللہ مراد لیا جائے! امام کو اختیار حاصل ہوگا اور اس طرح امام اللہ سے زیادہ قریب رہے گا۔

اس عبارت سے ابو عبید کا مطلب یہ ہے کہ خمس اور فئے کی تقسیم کے سلسلہ میں قرآن مجید میں پہلے جو "اللہ" کا لفظ آیا ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ پہلے اللہ کے کاموں کے لئے خرچ کیا جائے گا اور اللہ کے کاموں کا تعین اسلامی مملکت میں "امام" ہی کرے گا۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ عدل و احسان ہمہ گیر خیر و فلاح بر و صلاح نیز مومنین کے غلبہ

---

(۱) کتاب الاموال : ۳۲۷

وعزت پر بار بار زور دیتا ہے اور یہی اس کے وہ پسندیدہ کام ہیں جنہیں مسلمانوں کا امام اوّلین حیثیت دے گا اور حالات کی مناسبت سے اپنے اجتہاد وصوابدید کے مطابق ان کاموں کو انجام دینے میں اپنی امکانی توانائی صرف کرے گا۔

ابوعبیدؒ کے نقطہ نظر سے یہ اختیار جو امام کو خمس اور فئے میں "اللہ" کا لفظ دیتا ہے صدقات (زکوٰۃ) کی تقسیم میں امام اس اختیار سے محروم ہے کیونکہ صدقات کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے آغاز میں "للہ" کہے بغیر براہِ راست مستحقین کا ذکر فرمایا ہے۔

انما الصدقات للفقراء والمساکین ... بے شک صدقات (زکوٰۃ) تو صرف فقراء و مساکین ... کے لئے ہیں۔

(التوبہ: ۶۰)

ولم یجعل لاحد فیھا خیاراً ان یصرفھا عن اھلھا الی من سواھم[1] اور صدقات میں اللہ تعالیٰ نے کسی کو یہ اختیار نہیں دیا کہ انہیں ان کے مستحقین سے ہٹا کر دوسروں کو دیدے۔

واقعہ یہ ہے کہ امام کے اس عظیم مقام کو تسلیم کرنے کے بعد ہی اُمت مسلمہ میں وحدت و اجتماعیت کا وہ تصور پیدا ہو سکتا ہے جو اسلامی تعلیمات کا مقصود و مطلوب ہے اور یہی وہ قوت ہے جس سے اُمتِ مسلمہ کی تمام خرابیاں اور اس کے انتشار و تفریق کا مداوا ممکن ہے۔

خمس اور فئے

اسلامی حکومت جن اموال کو اپنے تصرف میں لاتی ہے ان میں سے کتاب الاموال کے اس حصہ میں خمس اور فئے کا تفصیلی ذکر ہے اگرچہ یہ دونوں بڑی آمدنیاں ہمارے اس زمانہ میں بڑی حد تک ختم ہو چکی ہیں اور آج ایک اسلامی مملکت کو اپنے اخراجات کے لئے مناسب و موزوں متبادل ذرائع مہیا کرنے ہوں گے تاہم ان دونوں عنوانات کے تحت بہت سے ایسے مسائل زیر بحث آئے ہیں

---

(۱) کتاب الاموال: ۳۲۷

جن سے اسلامی حکومت کے دائرہ کار کا تعین ہونا اور مختلف حالات میں مالیاتی امور کے نظم ونسق پر روشنی پڑتی ہے۔ ہم پہلے غنیمت اور اس کے خمس سے متعلق بعض بنیادی امور سامنے لاتے ہیں اور پھر فئے پر گفتگو کریں گے۔

غنیمت اور اس کا خمس (۱/۵)

حکومتِ اسلامی جن اموال کو اپنے تصرف میں لاتی ہے ان میں سے ایک غنیمت کا خمس (۱/۵) ہے۔ لیکن خمس (۱/۵) لینے کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ پہلے غنیمت پوری کی پوری ایک جگہ جمع کی جائے تاکہ حکومت کی نگرانی میں اس کا خمس بیت المال میں پہنچے اور بقیہ چار (۴/۵) حصے عدل وانصاف سے مجاہدین اور لشکریوں میں تقسیم کئے جائیں۔

ابوعبید غنیمت کی تعریف اس طرح کرتے ہیں:

مانیل من اھل الشرك عنوۃ قسرا والحرب قائمۃ فھو الغنیمۃ التی تخمس ویکون سائرھا لاھلھا خاصۃ دون الناس (۱)

جو اموال مشرکین سے جنگ کے دوران فوجی قوت کے ذریعہ بزور حاصل کئے جائیں وہ غنیمت ہے جس کے پانچ حصے کئے جائیں گے اور یہ تمام کے تمام حصے دوسرے لوگوں کو چھوڑ کر خاص طور پر اس کے مستحقین میں خرچ ہوں گے۔

ابوعبیدؒ اپنی اس تعریف کے لحاظ سے تمام ایسے اموال کو غنیمت شمار کرتے ہیں جو جنگ کے ذریعہ حاصل ہوں اس بارے میں وہ منقولہ یا غیر منقولہ املاک میں فرق نہیں کرتے اگرچہ وہ سلف سے اس بارے میں مختلف آراء بیان کرتے ہیں، ایک رائے کے لحاظ سے فوجی قوت کے ذریعہ مفتوحہ زمین کو غنیمت قرار دے کر پانچ حصوں میں تقسیم کرکے اس میں سے چار حصے فاتحین میں اور خمس (۱/۵) ان کے مستحقین میں تقسیم کردئے جائیں گے اس رائے کی تائید میں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی "خیبر" کی کارروائی پیش کرتے ہیں (۲) دوسری رائے کے مطابق ایسی مفتوحہ اراضی فئے یعنی

---

(۱) کتاب الاموال: ۲۵۴

(۲) کتاب الاموال: ۵۵ تا ۵۷

یہاں ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ زمین کو علیحدہ کر کے بقیہ تمام منقولہ اشیاء کو غنیمت قرار دے رہے ہیں اور انہیں معمول کے مطابق تقسیم کر دینے کی ہدایت دے رہے ہیں۔ انہوں نے پہلے غنائم کے تحت مویشی اور دیگر اموال کو شامل کیا پھر ما افاء اللہ کے تحت زمینوں کو لیا۔

یحییٰ بن آدم قرشی نے بھی غنیمت کی ایک تعریف یوں کی ہے:

الغنیمۃ جمیع ما اصابوا من شئ قل ذلک اوکثر حتی الابر الا الارضین: (۱)	زمینوں کو چھوڑ کر تمام وہ اشیاء جو لشکر کو (دوران جنگ) ملیں خواہ وہ قلیل مقدار ہوں یا کثیر یہاں تک کہ سوئیاں بھی غنیمت کہلائیں گی۔

یہ واقعہ ہے کہ غنیمت کی تعریف میں ہمارے ہاں ائمہ فقہا سے مختلف اقوال منقول ہیں چنانچہ مذکورہ بالا تعریفوں کے ساتھ ہمیں اس سے مختلف تعریفیں بھی ملتی ہیں مثلاً آپ دیکھیں گے:

الغنیمۃ ما غلب علیہ المسلمون بالقتال حتی یاخذوہ عنوۃ (۲)	جنگ کے ذریعہ مسلمان جس مال پر غلبہ حاصل کریں اور اسے بزور لے لیں غنیمت کہلائے گا۔

اور تقریباً اسی مفہوم کو مندرجہ ذیل الفاظ ادا کر رہے ہیں:

الغنیمۃ ھی الموجف علیہا بالخیل والرکاب (۳)	جو کچھ گھوڑوں اور سواریوں کے حملہ کے ذریعہ حاصل ہو وہ غنیمت ہے۔

پھر اس مال غنیمت کو مختلف اقسام و احکام کا بتایا گیا ہے:

---

(۱) کتاب الخراج یحییٰ بن آدم القرشی: ۱۸

(۲) کتاب الخراج یحییٰ بن آدم القرشی ۔ ۱۷

(۳) کتاب الام للشافعی: ۴: ۶۴ (مطبوعہ بولاق)

زیادتی نہ ہو سکے ۔ الغرض امام کا منصب یہی ہے کہ وہ عامۃ المسلمین کی مصلحت میں کوشاں رہے اور اپنے اختیارات کو پورے اجتہاد اور شوریٰ کے بعد روبعمل لائے اور امکانی قوتوں سے کتاب اللہ و سنت کا منشا و مقصود بر لانے میں مصروف رہے اس طرح اگرچہ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں آنے والے امام نے اپنے سے پہلے امام کی اقتداء نہیں کی یا اس کے خلاف عمل کیا ہے لیکن کون کہہ سکتا ہے کہ دونوں کے منشأ و مقصود بھی مختلف تھے؟

غنیمت کے علاوہ دیگر اشیاء سے خمس ($\frac{1}{5}$)

ابو عبید خمسِ غنیمت میں اور بھی بعض آمدنیوں سے حاصل ہونے والے خمس شامل کر لیتے ہیں مثلاً پرانے دفینوں اور خزانوں سے حاصل ہونے والی دولت کا خمس ($\frac{1}{5}$) سمندر سے غوطہ خوری کے ذریعے نکلنے والی قیمتی اشیاء کا خمس ($\frac{1}{5}$) کانوں سے نکلنے والی دھاتوں پر خمس ($\frac{1}{5}$)(۱)

واضح رہے کہ اگرچہ ابو عبید نے خمس اور فئے کو علیحدہ علیحدہ بیان کیا ہے لیکن مآل دونوں کا ایک ہی ہے یعنی خمس ($\frac{1}{5}$) کے ذریعہ سے حاصل ہونے والی تمام آمدنیاں بہرحال فئے کی طرح اسلامی مملکت کے بیت المال کا حصہ بن کر حکومت اسلامی کے تصرف میں رہیں گی اور وہ مختار ہے کہ عامۃ المسلمین کے مفاد کو مدنظر رکھتے ہوئے جن مقامات پر ان محاصل کو خرچ کرنا بہتر سمجھے خرچ کر دے (۲)

ابو عبید کے سامنے ان علماء کے اقوال بھی ہیں جو سورۃ الانفال کی غنیمت سے متعلقہ آیت (نمبر ۴۱) کو منسوخ مانتے ہیں اس لئے کہ وہ غزوہ بدر کے بارے میں نازل ہوئی تھی اور سورۃ الحشر کی آیات فئے (نمبر ۷ تا ۹) کو اس کا ناسخ کیونکہ وہ بنی النضیر کے سلسلہ میں نازل ہوئی تھی (۳) لیکن ابو عبید ان ہر دو سورتوں کی آیات کو محکم مانتے ہیں اور ان کی رائے

---

(۱) اگرچہ ان میں سے وہ آمدنی جو مسلمانوں سے ملے گی "زکوٰۃ" شمار ہوگی اور غیر مسلموں سے ملنے والی آمدنی خراج (فئے) قرار پائے گی۔

(۲) کتاب الاموال : ۱۷ (۳) کتاب الاموال : ۲۲۲ ۔

جہاں تک غنیمت کا تعلق ہے سو اس کی بہت سی اقسام ہیں اور ان کے مختلف احکام ہیں اس لئے کہ یہی اصل ہے جس سے فئی نکلتی ہے بنا بریں اس کا حکم زیادہ عام ہے۔ یہ غنیمت مشتمل ہے چار اقسام پر دشمن کے بالغ مرد قیدیوں پر، ان کے عورتوں اور بچوں پر جو قبضہ میں آجائیں نیز زمینوں پر اور دیگر اموال پر۔

اما الغنیمۃ فہی اکثر اقساما و احکاما لانہا اصل تفرع عنہ الفئی فکان حکمہا اعم و تشتمل علی اقسام: اسری و سبی و ارضین و اموال۔ (۱)

بنا بریں ابو عبید کہیں بھی بعض علماء و فقہاء کی طرح غنیمت کے لئے منقولہ اموال اور فئی کے لئے غیر منقولہ اموال کی قید نہیں لگاتے وہ اس راہ کی پیچ پیچ وادیوں سے واقف ہیں اور بے نتیجہ بحث سے کنارہ کش رہتے ہوئے نہایت محققانہ انداز میں اپنا جامع فیصلہ اس طرح بیان کر دیتے ہیں کہ بروز مفتوحہ زمین کی تقسیم کا فیصلہ امام کی صوابدید پر ہوگا خواہ وہ اسے غنیمت قرار دے خواہ فئی (۲)

ابو عبید کے اس فیصلہ سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ وہ جنگ سے حاصل شدہ اراضی کے فیصلہ میں عوام کی ضروریات اور ان کی فلاح و بہبود کو پوری اہمیت دیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب خیبر فتح ہوا تھا مسلمان بالخصوص مہاجرین نہایت درجہ معاشی مشکلات میں مبتلا تھے لہذا عامۃ المسلمین کی مصلحت کا یہی تقاضا تھا کہ اسے تقسیم کر دیا جائے دوسری طرف جب یہی اراضی وسیع پیمانہ پر فتح ہو گئیں تو انہیں چند فاتح مسلمانوں میں تقسیم کر دینے سے بڑے بڑے زمینداروں کے پیدا ہونے کا قوی امکان پیدا ہو گیا اور قرآن مجید کا فرمان "کَیۡ لَا یَکُوۡنَ دُوۡلَۃًۢ بَیۡنَ الۡاَغۡنِیَآءِ مِنۡکُمۡ" (الحشر ۵۹ : ۷) تاکہ وہ مال تمہارے تونگروں کے درمیان ہی گردش نہ کرتا رہے۔" متقاضی ہوا (۳) کہ اس کی عادلانہ تقسیم ہو تاکہ فاتح و مفتوح میں سے کسی پر بھی ظلم و

(۱) الاحکام السلطانیہ للماوردی: ۱۲۶

(۲) کتاب الاموال: ۹۰

(۳) یہ بات حضرت معاذ رضؓ نے حضرت عمرؓ سے کہی تھی دیکھئے کتاب الاموال ۵۹ (نمبر ۱۵۲)

میں ہر دو صورتیں مصالح مسلمین کے پیشِ نظر حسب موقع اختیار کی جاسکتی ہیں اور وہ اس کا اختیار امام کو دیتے ہیں وہ چاہے تو ان اراضی کو غنیمت اور چاہے تو انہیں فئے قرار دیدے (۱) ابو عبید کے اختیار کردہ مسلک میں وسعت ومتانت اور دُور بینی شامل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب نئے نئے ممالک فتح ہوئے تو وہاں کے کمانڈروں نے مقامی طور پر مفتوحہ اراضی کی بعض اقسام غنیمت کی طرح خمس لے کر بقیہ مسلم فوجیوں میں تقسیم کی ہیں اس کی مثال عمر بن عبدالعزیز کے دَور میں ملتی ہے جب ان کی منظوری سے ان کے عامل سمح نے اسپین کی مفتوحہ اراضی کا ایک حصہ غنیمت کی طرح پانچ حصوں میں تقسیم کر کے اس میں سے خمس بیت المال کے لیئے نکال کر بقیہ مسلمان فوجیوں میں تقسیم کر دیا تھا (۲) اور شاید امام کی صوابدید کا یہی وہ پہلو ہے جسے حضرت عمرؓ نے ان الفاظ میں فرمایا تھا:

لولا آخر الناس ما فتحت قریۃ الا قسمتھا کما قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر (۳)

اگر بعد میں آنے والے لوگوں کی مصلحت کا خیال نہ ہوتا تو جو بستی (میرے عہد میں) فتح ہوتی ہیں اسے ایسے ہی تقسیم کر دیتا ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کو تقسیم فرمایا تھا۔

غنیمت کے اموال میں اسباب وسامان اور زمین کے علاوہ جنگی قیدیوں اور قبضہ میں آنے والی عورتیں اور بچے بھی ہیں اور کتاب الاموال میں ان پر تفصیلی مواد ملتا ہے اب کچھ فئے کے متعلق لکھا جاتا ہے:

فئے فئے ایک جامع لفظ ہے جو فاءَ یفیءُ سے مصدر ہے جس کے معنے پلٹنا واپس آنا ہیں۔ اس اعتبار سے یہ لفظ ان تمام اموال کے لیئے بولا جاتا ہے جو غیر مسلمین کے اموال سے مسلمانوں کو ملے اس میں جنگ یا صلح کے ذریعہ ملنے والے مال کی بھی قید

---

(۱) کتاب الاموال: ۶۰

(۲) تاریخ ابن خلدون ۴: ۱۱۸، یہاں سمح کے بجائے سنخم بن مالک ہے۔ نیز دیکھئے عرب کنگڈم اینڈ اٹس فال ولہاوزن صفحہ ۲۹۵ تا ۲۹۶۔ (۳) کتاب الاموال: ۵۶، ۵۷

عامۃ المسلمین کی اجتماعی ملکیت بن جائیں گی۔ اسلامی حکومت ان کی نگران ہوگی اور اس کی آمدنی سے وہ تمام لشکریوں اور دیگر مسلمانوں کو ضرورت کے مطابق فائدہ پہنچائیگی یہ حضرت عمرؓ کی قرآن سے منتبط رائے سے (۱) ایک اور رائے کے اعتبار سے ایسی مفتوحہ زمین نہ غنیمت ہوگی نہ فئے بلکہ یہ امام کی صوابدید پر منحصر ہوگی (۲) وہ چاہے تو دونوں صورتوں کے علاوہ کوئی اور صورت بھی تجویز کر سکتا ہے جیسے رسول اللہؐ نے مکہ کی زمین کے ساتھ کیا تھا۔ ابو عبیدؒ موخرالذکر رائے کو اہمیت نہیں دیتے بلکہ پہلی دو صورتوں میں سے کسی ایک پر عمل کرنے میں امام کو اختیار دیتے ہیں (۳) وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کو غنیمت قرار دیتے ہوئے اس کے ساتھ آیت غنیمت (۴) کے بموجب عمل فرمایا اور حضرت عمرؓ نے ایسی اراضی کو فئے قرار دیتے ہوئے آیات (۵) فئے کے مطابق عمل فرمایا۔ اس طرح مفتوحہ اراضی غنیمت بھی بنائی جا سکتی ہیں اور فئے بھی۔

صحابہؓ نیز علماء و فقہاء کی وہ جماعت جو غنیمت کو صرف منقولہ املاک تک محدود رکھنے کی رائے رکھتی ہے ابو عبید ان سے اتفاق نہیں کرتے ورنہ جہاں انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ، کا مندرجہ ذیل خط بنام حضرت سعد بن ابی وقاصؓ درج کیا اس پر محاکمہ کے دوران وہ اس موضوع پر ضرور لکھتے۔ وہ خط یہ ہے:

بلغنی کتابک ان الناس قد سألوا ان تقسم بینهم غنائمهم فانظر ما اجلبوا به علیک فی العسکر من کراع او مال، فاقسمه بین من حضر من المسلمین واترک الارضین و الانهار لعمالها (۶)	مجھے تمہارے خط سے یہ معلوم ہوا کہ لوگ تم سے اپنی غنیمتوں اور فئے کی تقسیم کا مطالبہ کر رہے ہیں تو دیکھو لشکر میں جو مویشی جانور اور دیگر مال وہ تمہارے پاس لائے ہیں اسے تو اپنے پاس موجود مسلمانوں میں تقسیم کر دو۔ لیکن زمین اور نہریں ان پر کام کرنے والوں کے لئے چھوڑ دو۔

---

(۱) کتاب الاموال: ۵۷ تا ۶۱ (۲) کتاب الاموال: ۶۳ (۳) ایضاً: ۶۰ (۴) الانفال: ۴۱ (۵) الحشر: ۷ تا ۱۰ (۶) کتاب الاموال: ۵۹ نیز کتاب الخراج لابی یوسف: ۲۴

نہیں، قرآن مجید میں ہے :

ما افاء اللہ علی رسولہ منھم فما اوجفتم علیہ من خیل ولا رکاب ، (الحشر ۵۹ : ۹)

جو کچھ اللہ نے اپنے رسول کو بطور فئے ان سے دلایا اور تم نے اس پر گھوڑوں اور سواریوں کو نہیں دوڑایا . . . الخ

اس آیت کریمہ سے وہ فئے مراد ہے جو بغیر دوڑ دھوپ اور جنگ کے حاصل ہو جائے اس کے بعد قرآن مجید میں ہے :

ما افاء اللہ علی رسولہ من اھل القری فللہ و لرسولہ الخ

بستیوں میں بسنے والوں کا جو مال اللہ نے اپنے رسول کو بطور فئے دلایا تو وہ اللہ کے لئے ہے اور اس کے رسول کے لئے . . . الخ

اس آیت میں بغیر جنگ یا بلا دوڑ دھوپ کی کوئی تصریح نہیں لہٰذا یہ اول الذکر صورت کے سوا دیگر ذرائع سے حاصل ہونیوالے اموال کو اپنے اندر لے لیتی ہے اس تعریف کے لحاظ سے جنگ کے ذریعہ حاصل ہونے والا تمام مال بھی فئے کہلائے گا۔

ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ یہاں فئے کے متعلق کچھ لکھنے سے پہلے غنیمت و فئے کی وہ مختلف تعریفیں درج کردیں جو بعض مستند مآخذ سے ملتی ہیں :

الغنیمۃ ما غلب علیہ المسلمون بالقتال حتی یاخذوہ عنوۃ وان الفئ ما صولحوا علیہ یقول: من الجزیۃ والخراج (۱)

وہ مال جس پر مسلمانوں کو جنگ کے ذریعہ غلبہ حاصل ہو حتی کہ وہ اسے بزور و قوت لے لیں غنیمت کہلائے گا اور فئے وہ مال ہے جس کا تعین صلح کے ذریعہ کیا گیا ہو یعنی جزیہ اور خراج۔

دوسری جگہ وہ لکھتے ہیں :

والغنیمۃ جمیع ما اصابوا من شئ قل ذالک اوکثر الا الارضین فان الارضین الی الامام ان رای ان یخمسھا ویقسم اربعۃ اخماسھا

تمام وہ مال جو مسلمانوں کو ملے خواہ وہ تھوڑا ہو یا زیادہ باستثنائے اراضی غنیمت ہے، کیونکہ اراضی کا فیصلہ امام کے ہاتھ میں ہے وہ چاہے تو ان کو پانچ حصوں میں تقسیم کرکے ۴/۵ حصہ فاتحین میں تقسیم کردے

(۱) کتاب الخراج لیحیٰی بن آدم : ۱۷

للذین ظهروا علیها فعل ذلك وان رای ان یدعها فیئا للمسلمین علی حالها ابدا فعل بعد ان یشاور فی ذلك ویجتهد رایه لان رسول الله صلی الله علیه وسلم قد وقف بعض ما ظهر علیه من الارضین فلم یقسمها وقد قسم بعض ما ظهر علیه(۱)	اور اگر وہ چاہے تو انہیں مسلمانوں کی فئے قرار دیدے جو علی حالہ دائمی رہے، امام یہ فیصلہ مشورہ اور اپنے ذاتی اجتہاد سے کرے گا (۲) اس لئے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ میں بعض مفتوحہ اراضی کو وقف (فئے) قرار دیا تھا اور بعض کو تقسیم فرما دیا تھا۔

امام شافعیؒ کہتے ہیں:

الغنیمة هی الموجف علیها بالخیل والرکاب... والفئ و هو مالم یوجف علیه بخیل ولا رکاب(۳)	گھوڑوں اور سواریوں (مجاہدین) کی تگ و دو کے بعد جو کچھ حاصل کیا گیا ہو غنیمت ہے... اور جو بغیر گھوڑوں اور سواریوں کی تگ و دو کے حاصل ہو وہ فئے ہے

الماوردی لکھتے ہیں:

ان مال الفئ ماخوذ عفوا ومال الغنیمة ماخوذ قهرا (۴)	فئے کا مال بسہولت لیا ہوا ہوتا ہے اور غنیمت کا مال بزور و جبر لیا ہوا ہوتا ہے۔

ابو یوسف لکھتے ہیں:

الفئ هو الخراج عندنا خراج الارض والله اعلم (۵)	فئے سے مراد ہمارے ہاں خراج ہے یعنی محاصل اراضی واللہ اعلم

محمد ضیاء الدین الریس نے قدامہ بن جعفر کی تصنیف الخراج وصنعة الکتابة کے قلمی

---

(۱) کتاب الخراج یحیی بن آدم: ۱۸۱ (۲) واضح رہے کہ امام کی ذاتی رائے عامة المسلمین کے مفاد پر منحصر ہوتی ہے (۳) کتاب الام للشافعی ۴: ۱۴۰ (۴) الاحکام السلطانیة للماوردی: ۱۲۲ (۵) کتاب الخراج لابی یوسف: ۲۳

نسخہ کا حوالہ دے کر لکھا ہے:

الفئ اسم لما غلب المسلمون علیہ من بلاد العدو قسراً بالقتال وجعل موقوفاً علیہم ۔(۱)

فئے نام ہے دشمن کے ان تمام علاقوں کا جنہیں جنگ کے ذریعہ دباؤ ڈالکر مسلمان مغلوب کریں اور پھر وہ علاقے مسلمانوں کے مصالح کے لئے ان پر وقف کر دئے جائیں۔

پھر اسی تصنیف کا دوسرا حوالہ وہ اس طرح دیتے ہیں:

الباب الثانی وھو فی الفئ وھو ارض العنوۃ (۲)

دوسرا باب اور وہ فئے کے بارے میں ہے اور اس سے مراد ہے فوجی قوت کے ذریعہ مفتوحہ زمین۔

مذکورہ بالا تمام تعریفوں کو سامنے رکھنے سے یہ نتیجہ سامنے آجاتا ہے کہ دشمن سے حاصل شدہ جو مال مسلمانوں (یا ان کی حکومت) کی اجتماعی ملکیت بنا لیا جاتا ہے وہ فئے کہلاتا ہے۔ فئے تمام مسلمانوں کا اجتماعی مال ہوتا اور ان کے مصالح کے لئے وقف رہتا ہے اور اس کی نگرانی حکومت کا سربراہ (امام) کرتا ہے۔

اگر فئے کے معنوی اور لغوی لحاظ سے دیکھا جائے تو غنیمت بھی فئے ہوتی ہے اور ان علاقوں کے محاصل بھی فئے ہوتے ہیں لیکن غنیمت اور مفتوحہ علاقوں کے محاصل کا تقسیم کار جُدا جُدا ہے۔ غنیمت کو پھر دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے، ایک زمین کے علاوہ جملہ اموال دوسرا اراضی۔ اراضی کے علاوہ جنگ میں حاصل ہونے والا مالِ غنیمت پانچ حصوں میں تقسیم کرنے کے بعد اس کے ۴/۵ حصوں کو متعلقہ جنگ میں حصہ لینے والوں کو مساوی تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ اور اس کا ۱/۵ حصہ (خمس) اجتماعی ملکیت میں شامل کر دیا جائے گا گویا غنیمت کا ۱/۵ حصہ فئے ہو جاتا ہے۔

اب رہا جنگ میں حاصل ہونے والی اراضی کا مسئلہ سو اس بارے میں دونوں صورتیں جائز بتائی گئی ہیں خواہ انہیں غنیمت کے دیگر اموال کی طرح پانچ حصوں میں تقسیم کر کے ان کے ۴/۵ حصے فوجیوں میں تقسیم کر دئے جائیں اور ۱/۵ کو عامۃ المسلمین کی بہبود کے لئے حکومت

(۱) الخراج فی الدولۃ الاسلامیۃ: ۱۰۹ (۲) ایضاً: ۱۱۰

کی ملکیت میں دے دیا جائے یا وہ تمام زمین بغیر تقسیم کئے فئے بنا لی جائے اور اسے مسلمانوں کی مشترکہ دولت قرار دے دیا جائے۔ اس ضمن میں قرآن مجید کی ہدایات کو بہرحال ملحوظ رکھا جائے گا یعنی کسی حال میں بھی دولت کو چند اغنیاء میں محدود نہ رہنے دیا جائے گا۔ تقسیم زمین سے اگر ضرورت مندوں کی ضرورت ختم ہو رہی ہو تو یہ عمل مناسب ہوگا، بصورت دیگر زمین سے وصول ہونے والی تمام آمدنیاں مسلمانوں کی اجتماعی ملکیت بنا دی جائیں گی اور وہ ان کے اجتماعی منافع و مصالح میں خرچ ہوں گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حسب حالات مفتوحہ اراضی کو غنیمت بھی بنایا گیا اور فئے بھی، حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ کے حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے انہیں صرف فئے بنانے کے احکام جاری فرمائے کیونکہ اندیشہ تھا کہ بصورت دیگر دولت چند افراد میں سمٹ کر اُمت کے مجموعی مفاد کے لئے نقصان دہ ہو جائے گی اور مستقبل میں اسلامی ریاست کے پاس فوجیوں کے ذریعہ سرحد کی حفاظت کرنے اور دیگر انتظامات کے لئے سرمایہ باقی نہ رہے گا۔ حضرت عمرؓ نے مفتوحہ زمینوں کو فئے بنانے کا فیصلہ صحابہ کرامؓ سے مشورہ اور اپنے طویل اجتہاد کے بعد کیا تھا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ذرا تفصیل سے حضرت عمرؓ کے اس فیصلہ کو درج کر دیا جائے:

عراق و شام و مصر کی مفتوحہ اراضی کو جب حضرت عمرؓ نے فاتح مجاہدوں کے مطالبہ پر غنیمت کی طرح بانٹنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ یہ تمام اراضی اور ان پر کام کرنے والے غیر عرب کاشتکار مسلمانوں کی فئے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ آئندہ ایسے زرخیز علاقے مسلمانوں کو حاصل نہ ہو سکیں اگر ہم انہیں بانٹ دیں گے تو اسلامی مملکت کے دفاع اور تمام مسلمانوں کی حالت سدھارنے کے لئے جن میں مجاہدین کے اہل و عیال اور بیوائیں شامل ہیں کس مد سے انتظام ہو گا؟ یہ تقسیم کی تجویز تو غیر معقول ہے۔ بعد ازاں حضرت عمرؓ نے مہاجرین اولین سے مشورہ کیا ان میں اختلاف تھا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف تقسیم کے قائل تھے اور حضرات عثمان و علی و طلحہ و ابن عمر رضوان اللہ علیہم حضرت عمرؓ کے ہم خیال تھے بعد ازاں انہوں نے دس کبار انصار کو بلوایا جن میں سے پانچ اوس قبیلہ کے اور پانچ

خزرج کے تھے جب وہ جمع ہو گئے تو حضرت عمرؓ نے اللہ کی حمد وثنا کے بعد ان سے یوں خطاب کیا :

"میں نے آپ لوگوں کو یہاں آنے کی زحمت اس لئے دی ہے کہ مجھ پر آپ لوگوں کے انتظام کا جو بارِ امانت ہے اس کے اٹھانے میں میری مدد کریں جیسا کہ آپ جانتے ہیں میں آپ میں سے ایک ہوں اور آپ ہی لوگوں کو آج حق کا فیصلہ کرنا ہے، میری تجویز کے مخالفین اور موافقین کا آپ کو علم ہے۔ میرا مطلب یہ نہیں کہ آپ لوگ اس معاملہ میں میری خواہش کی تائید کریں آپ کے پاس اللہ کی کتاب ہے جو ناطق بالحق ہے اللہ کی قسم! اگر میں نے کوئی بات کہی ہے تو اس سے میری غرض صرف حق ہے" حاضرین نے کہا "یا امیرالمومنین آپ اپنا موقف پیش فرمایئے ہم سنیں گے"۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے فرمایا: آپ لوگ ان لوگوں کی بات سن چکے ہیں جن کا خیال ہے کہ میں ان کے حقوق چھین کر ان پر ظلم کر رہا ہوں معاذ اللہ کہ میں ظلم کروں اگر میں ان سے کوئی ایسی چیز جو ان کی ہے چھین کر دوسروں کو دے رہا ہوں تو میری بدبختی میں کیا شبہ ہو سکتا ہے لیکن میرا خیال ہے کہ مملکت کسریٰ کو فتح کرنے کے بعد اب کچھ باقی نہیں رہا اللہ نے ہمیں ان کے اموال و اراضی اور کاشتکار بطور غنیمت عطا فرما دیئے۔ میں نے اموال تو غنیمت کی طرح ان میں تقسیم کر دیئے لیکن اراضی کے متعلق میرا خیال ہے کہ انہیں ان پر کام کرنے والے غیر عرب کاشتکاروں کے ساتھ روک رکھوں ان پر فی کس جزیہ مقرر کر دوں جو مسلمانوں کے لئے فئے بن جائے یعنی مسلمان فوجیوں اور اہل و عیال اور بعد میں آنے والے تمام مسلمان سب اس میں شریک رہیں آپ کو معلوم ہے کہ سرحدوں کی حفاظت کے لئے وہاں فوج رہنا ضروری ہے پھر یہ شام، جزیرہ اور کوفہ و بصرہ و مصر جیسے وسیع و عریض علاقے متقاضی ہیں کہ ان میں فوج رکھی جائے اور اسے تنخواہیں دی جائیں۔ آخر ان انتظامات کے لئے رقم کہاں سے آئے گی جبکہ ہم ان اراضی اور ان کے کاشتکاروں کو تقسیم کر چکیں گے؟" سب نے بیک آواز کہا: واقعتہً آپ کی تجویز بالکل درست ہے آپ کا خیال اور آپ کی بات بہت ہی عمدہ ہے۔ اگر سرحدوں اور بڑے بڑے شہروں میں فوج کا انتظام نہ رکھا گیا اور انہیں اخراجات نہ ملتے رہے تو کفار پھر

اپنے علاقوں کو واپس لے لیں گے (۱)

الغرض حضرت عمرؓ نے اس طرح انفرادی مفاد کو اجتماعی مفاد پر قربان کر کے "اسلامی اشتراکیت" کو قرآن مجید سے نہایت طویل غور و فکر اور اجتہاد کے بعد استنباط کیا (۲) جس کی تفصیل یہ ہے:

سواد عراق فتح ہونے پر حضرت عمرؓ نے لوگوں سے مشورہ کیا تو اکثریت اس کے (غنیمت کی طرح) تقسیم کرنے کے حق میں تھی۔ بلال بن رباح اس مطالبہ میں سب سے زیادہ آگے بڑھے ہوئے تھے حضرت عمرؓ اسے باقی رکھنے اور تقسیم نہ کرنے کے حق میں تھے چنانچہ انہوں نے دعا کی: اے اللہ بلال اور اس کے ساتھیوں کے مقابلہ میں میری مدد فرما"۔ اسی شش و پنج میں دو تین دن گزر گئے پھر حضرت عمرؓ نے کہا: "میں نے اپنی تجویز کی تائید میں قرآن مجید سے حجت پالی ہے۔ دیکھو اللہ تعالےٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے:

مَاۤ اَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَاۤ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (الحشر ۵۹: ۶)	جو کچھ اللہ نے ان (دشمنانِ اسلام) کا مال اپنے رسول کی طرف پلٹا یا تو اس پر تم نے گھوڑے اور اونٹ نہیں دوڑائے لیکن اللہ اپنے رسولوں کو جس پر چاہتا ہے مسلط کر دیتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اس طرح اس آیت میں بنو النضیر کی کیفیت کو بیان فرمایا کہ یہ تمام بستیوں کے لئے عام حکم ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مَاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے بستیوں والوں کے

---

(۱) کتاب الخراج، ابو یوسف: ۲۵-۲۶

(۲) ابو عبید کے خیال میں حضرت عمرؓ کا یہ عمل قرآن و سنت کے مطابق تھا۔ دیکھئے کتاب الاموال: ۲۲۳

اھل القریٰ فللہ و للرسول ولذی القربی والیتامی والمساکین وابن السبیل کی لا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم وما آتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا واتقوا اللہ ان اللہ شدید العقاب (الحشر ۵۹: ۷)

اموال سے اپنے رسول کی طرف پلٹایا تو وہ اللہ کے لئے ہے اور رسول کے لئے اور قرابت داروں یتیموں مسکینوں اور مسافروں کے لئے تاکہ وہ مال تمہارے تونگروں کے درمیان گردش نہ کرتا رہے اور جو کچھ تمہیں رسُول نے دیا وہ لے لو اور جس سے تم کو منع کیا اس سے باز رہو اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔

پھر فرمایا:

للفقراء المہاجرین الذین اخرجوا من دیارھم و اموالھم یبتغون فضلا من اللہ ورضوانا وینصرون اللہ ورسولہ اولٰئک ھم الصادقون (الحشر ۵۹: ۸)

(نیز وہ اموال ان) مہاجرین فقراء کے لئے ہیں جنہیں ان کے گھروں اور اموال سے بے دخل کر دیا گیا ہے، جو اللہ کا فضل اور اس کی رضا کے جویا ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں یہی لوگ سچے ہیں۔

پھر اسی پر اکتفا نہ فرمایا بلکہ اس فہرست میں ان کے علاوہ دوسروں کو بھی شریک فرماتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے:

والذین تبوّء وا الدار والایمان من قبلھم یحبون من ھاجر الیھم ولا یجدون فی صدورھم حاجۃ مما اوتوا ویؤثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ ومن یوق شح نفسہ فاولٰئک

اور (ان لوگوں کے لئے) جنہوں نے اُن سے پہلے دار (مدینہ) و ایمان میں پناہ لی وہ اپنی طرف ہجرت کر کے آنے والوں سے محبت کرتے ہیں اور اپنے دلوں میں اس کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کرتے ہیں جو انہیں دیا گیا ہے۔ انہیں خواہ کتنی تنگی (احتیاج) ہو وہ اپنے اُوپر (مہاجرین کو)

هم المفلحون ۔ (الحشر ۵۹: ۹) ترجیح دیتے ہیں اور جسے اس کے نفس کے بخل و حرص سے بچا یا گیا تو ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

جہاں تک ہمارا علم ہے یہ آیت خصوصی طور پر انصار کے لئے ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس پر اکتفا نہ کیا تا آنکہ اس فہرست میں ان کے علاوہ دوسروں کو بھی یہ کہہ کر شامل فرمایا:

والذین جاء و امن بعدھم یقولون ربنا اغفرلنا و لاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلاً للذین آمنوا ربنا انک رءوف رحیم (الحشر ۵۹: ۱۰)

اور (یہ مال) ان لوگوں کے لئے ہے جو ان کے بعد آئے وہ کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے جو ایمان لانے میں ہمارے پیشرو تھے، اور ہمارے دلوں میں ایمان لانے والوں کے خلاف کسی قسم کا کینہ پیدا نہ ہونے دینا، اے ہمارے رب! بے شک تو مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔

اس طرح یہ آیت ان تمام لوگوں کو اپنے اندر شامل کر لیتی ہے جو ان کے بعد آئیں گے۔ چنانچہ یہ فئے ان تمام مذکورہ حقداروں کی ہو گی ہم کیونکر اسے ان (حاضر) لوگوں میں تقسیم کر سکتے ہیں اور ہمیں کیا حق ہے کہ ہم ان کے بعد آنے والوں کو تقسیم سے محروم کر جائیں چنانچہ انہوں نے اسے وقف کرنے کا عہد کر لیا اور اس کا خراج اکٹھا کیا۔ (۱)

اُس زمانے میں زمین ہی سب سے بڑا ذریعہ آمدنی تھا آج اگر اس پر قیاس کرتے ہوئے دیگر اہم اور بنیادی ذرائع آمدنی جن پر افراد کا قبضہ ہے عامۃ المسلمین کی فلاح و بہبود اور عمومی مصلحت کی بنا پر حکومت کی نگرانی میں لے لئے جائیں تو یقیناً یہ عمل قرآن مجید اور حضرت عمرؓ کے قرآنی استنباط کا مظہر ہو گا۔

---

(۱) کتاب الخراج / ابو یوسف: ۲۶ - ۲۷

ابو عبید غنیمت اور فئے کا فرق اس طرح بیان کرتے ہیں :

ما نیل من اهل الشرك عنوة قسراً - والحرب قائمة فهو الغنیمة التی تخمّس و یکون سائرها لاهلها خاصة دون الناس - وما نیل منهم بعد ما تضع الحرب اوزارها و تصیر الدار دار اسلام فهو فئ یکون للناس عاما ولا خمس فیه وکذلك یکون کله ما نیل من اهل الحرب ما کان قبل لقائها وذلك کجیش خرجوا یؤمون العدو فلما بلغهم خبرهم اتقوهم بمال بعثوا به الیهم علی ان یرجعوا عنهم فقبل المسلمون المال و رجعوا عنهم قبل ان یحلوا بساحتهم (۲)

جو کچھ مشرکین سے اس اثناء میں کہ جنگ جاری ہو بزور جنگ حاصل ہو وہ غنیمت ہے اس کے پانچ حصے کئے جائیں گے اور تمام حصے خصوصیت کے ساتھ ان کے مستحقین ہی کو دئے جائیں گے دوسرے لوگوں کو اس میں سے کچھ نہیں دیا جائے گا ۔ اور جو کچھ مشرکین سے جنگ ختم کر چکنے اور مفتوحہ علاقوں کے اسلامی مملکت میں شامل ہو جانے کے بعد حاصل ہو وہ فئے ہے جو عامۃ الناس کی اجتماعی ملکیت ہو گا ۔ اس کے پانچ حصے نہیں کئے جائیں گے (۱) اسی طرح وہ تمام اموال بھی فئے ہوں گے جو اہل حرب سے جنگ ہونے سے پیشتر ملیں مثلاً ایک لشکر دشمن (پر حملہ) کا قصد کرے اور جب دشمن کو ان کی اطلاع ملے تو وہ ان کے حملہ سے بچاؤ کے لئے اس شرط پر ان کے پاس مال بھیجدیں کہ وہ ان پر حملہ سے باز رہیں اور واپس چلے جائیں اور مسلمان ان کی سرحدوں میں داخل ہوئے بغیر ہی ان کا مرسلہ مال قبول کرلیں اور واپس چلے جائیں ۔

---

(۱) یہاں اس امر کی طرف نشاندہی ضروری ہے کہ فئے پانچ حصوں میں تقسیم نہ کرنے پر اکثر علماء کا اتفاق ہے لیکن چند علماء جن میں امام شافعی بھی شامل ہیں فئے کو غنیمت کی طرح پانچ حصوں میں بانٹنے اور تقسیم کرنے کے قائل ہیں ۔ دیکھئے کتاب الام للشافعی : ۴ : ۶۴ نیز الجامع لاحکام القرآن لابی عبداللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی : ۱۸ : ۱۲)

(۲) کتاب الاموال : ۲۵۴

ایک جگہ ابو عبید فئے کی تعریف اور اس کے مصارف کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

واما مال الفئ فما اجتبی من اموال اهل الذمة مما صولحوا علیه : من جزیة رؤوسهم التی بها حقنت دماؤهم وحرمت اموالهم ومنه خراج الارضین التی افتتحت عنوة، ثم اقرها الامام فی ایدی اهل الذمة علی طسق یؤدونه ومنه وظیفة ارض الصلح التی منعها اهلها حتی صولحوا منها علی خراج مسمی، ومنه ما یاخذه العاشر من اموال اهل الذمة التی یمرون بها علیه لتجاراتهم، ومنه ما یؤخذ من اهل الحرب اذا دخلوا بلاد الاسلام للتجارات، فکل هذا من الفئ وهو الذی یعم المسلمین غنیهم وفقیرهم فیکون فی اعطیة المقاتلة وارزاق الذریة، وما

جہاں تک مال فئے کا تعلق ہے سو وہ شرائط صلح کے مطابق ذمیوں سے لیئے جانے والے اموال کا نام ہے اس میں ان سے فی کس لیا جانے والا جزیہ ہے جس کی وجہ سے ان کا قتل روک دیا جانا اور ان کے اموال کی حرمت تسلیم کی جاتی ہے اور اس میں ان زمینوں کا خراج بھی ہے جو فوجی قوت کے ذریعہ فتح ہوئیں اور پھر امام معینہ خراج کی ادائگی کی شرط پر ان اراضی کو ذمیوں کے ہاتھ میں باقی رہنے دیتا ہے۔ اور اس میں ان صلحی زمینوں کے محاصل بھی شامل ہیں جن کے باشندوں نے معین خراج کی ادائی کی شرط پر صلح ہونے تک اپنے علاقہ کی حفاظت کی۔ اور اس میں وہ ٹیکس بھی ہے جو ذمیوں کے درآمدی برآمدی مال پر چینگی وصول کرنے والے وصول کرتے ہیں۔ اور اس میں وہ ٹیکس بھی شامل ہے جو اہل حرب سے مملکت اسلامی میں بغرض تجارت داخلہ پر لیا جاتا ہے (۱) یہ سب آمدنیاں فئے میں شمار ہوں گی اور ان میں تمام مسلمانوں کو شریک کیا جائے گا خواہ وہ امیر ہوں یا غریب اس میں سے فوجیوں کو تنخواہیں دی جائیں گی، عورتوں اور بچوں کے وظائف مقرر ہوں گے اور اس میں سے امام لوگوں کے ان معاملات کا انتظام اپنی صوابدید کے مطابق

(۱) یہ ٹیکس حالات وضرورت کے مطابق مقرر کئے جائیں گے۔

یتوب الامام من امور الناس بحسن النظر للاسلام واھلہ[1] اسلام ومسلمین کے مفاد کو ملحوظ رکھتے ہوئے انجام دے گا جن کا وہ نگران ہے۔

فئے اور خمسِ غنیمت کی یہ آمدنیاں جن پر اسلامی حکومت کے فوجی و انتظامی اخراجات نیز وظائف کا دارومدار تھا اور جو اسلامی مملکت کو ابتدائی صدیوں میں بڑی مقدار میں حاصل ہوتی تھیں اب تقریباً بند ہو چکی ہیں (۲) اور آج اسلامی مملکت کو اپنے فوجی و انتظامی اخراجات کے لئے جو دیگر متبادل ذرائع اختیار کرنا پڑ رہے ہیں وہ اسی فئے کے بدل ہیں۔

اندریں حالات ہم کہہ سکتے ہیں کہ اسلامی حکومت صدقہ مفروضہ رسول اللہ کے علاوہ اپنے انتظامی ادارہ کو چلانے اور فوجی اخراجات پورے کرنے کے لئے جو مختلف ٹیکس مقرر کرے گی وہ تمام فئے کا بدل شمار ہوں گے، کیونکہ بہر حال ان کے مصارف وہی ہیں جو فئے کے ہوا کرتے تھے۔

تفصیلات انشاء اللہ العزیز کتاب الاموال کے دوسرے حصّے کے مقدمہ میں بیان ہوں گی۔ یہاں ایک تنبیہ ضروری ہے اور وہ یہ کہ ابو عبید نے اپنی کتاب میں بعض ایسی آمدنیاں جن کا تعلق فئے سے ہے کتاب الصدقات (زکوٰۃ) میں درج کر دی ہیں،

---

(۱) کتاب الاموال : ۱۶

(۲) ہم نے تقریباً اس لئے لکھا ہے کہ بہت سے فقہاء سے اختلاف کرتے ہوئے ابو عبیدؒ کے نزدیک معدنیات اور قدیم زمانہ کے لامعلوم خزینوں اور دفینوں پر خمس لیا جائے گا جو فئے میں شامل ہوگا کیونکہ ابو عبید نے ان ابواب کو صدقات (زکوٰۃ) میں شامل نہیں کیا ہے، اسی طرح سمندری پیداوار کو اگرچہ ابو عبید ٹیکس سے مستثنیٰ سمجھتے ہیں تاہم انہوں نے یہ مد "خمس" کے تحت لاکر اس طرف اشارہ کیا ہے کہ سمندری وسائل اور قدرتی وسائل سے پیدا ہونے والی دولت فئے میں شامل ہو گی اور حکومت ان آمدنیوں سے مصالح عامہ کی خدمات انجام دے گی۔

ان میں سے ایک وہ جزیہ ہے جو عہد عمرؓ میں بنی تغلب سے "دگنے صدقہ" کے نام سے وصول کیا جاتا تھا اور دوسرا عشور یہاں مناسب ہوگا کہ "عشور" کا مختصر تعارف کرا دیا جائے:

عشور(۱) مملکت اسلامی کی ایک آمدنی عشور ہے جو تاجروں سے ان اموال پر وصول کیا جاتا تھا جسے وہ اپنے علاقوں سے دوسرے علاقوں یا ایک ملک سے دوسرے ملک میں درآمد یا برآمد کرتے تھے اس کی مقدار شرح مختلف ہوتی تھی مثلاً حضرت عمرؓ نے ذمیوں سے پانچ فی صد، اہل حرب سے دس فی صد اور مسلمانوں سے ڈھائی فی صد عشور وصول کیا تھا (۲) ایک روایت میں بجائے اہل حرب کے ایسے (غیر ملکی) تاجروں کا لفظ ہے جو ذمی نہ ہوں (۳) اور ملکی ضرورت کے پیش نظر اس میں کمی بیشی ہوتی رہتی تھی مثلاً حضرت عمرؓ کے زمانہ میں گیہوں اور زیتون کا تیل مکہ یا مدینہ درآمد کرنے والوں پر یہ ٹیکس دوسرے علاقوں کے مقابلہ میں نصف کر دیا گیا تھا (۴)

ابو عبیدؒ کی تحقیق کے مطابق سب سے پہلے عشور (یعنی تجارت کے سامان پر چنگی) لینے کے احکام حضرت عمرؓ نے جاری کئے تھے وہ لکھتے ہیں:

"حضرت عمرؓ بن الخطاب نے تجارتی اموال پر ٹیکس جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں ان لوگوں سے معاہدہ صلح میں طے کیا تھا۔ یہ صورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں پیدا نہیں ہوئی تھی اس لئے کہ آپؐ نے جن سے صلح کی تھی ان سے اس قسم کی کوئی شرط نہ رکھی تھی اسی طرح یہ صورت حال ابوبکرؓ کے زمانہ میں بھی نہ تھی۔ چونکہ عجمی ممالک کی فتح کا آغاز حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ہوا اس لئے یہ سلسلہ بھی انہیں کے عہد میں جاری ہوا تھا" (۵)

---

(۱) عشور سے مراد چنگی یا درآمد و برآمد کا ٹیکس ہے، یہ لفظ اگرچہ عشر کی جمع ہے لیکن واحد بھی استعمال ہوتا ہے اور اس کی جمع عشورات بھی آتی ہے۔ (۲) کتاب الاموال: ۵۳۲ (۳) ایضاً: ۵۳۳

(۴) تفسیر قرطبی ج ۸: ۱۱۳ نیز کتاب الاموال: ۵۳۳ (نمبر ۱۶۶۰) میں مزید وضاحت ہے کہ ایسا اس لئے کیا جاتا تھا کہ مدینہ میں یہ چیزیں افراط سے پہنچتی رہیں۔

(۵) کتاب الاموال: ۵۳۴ نمبر ۱۶۶۴

اُوپر اس قسم کی چنگی لینے کی وجہ معاہدہ صلح کی شرائط بتائی گئی ہیں لیکن ابن شہاب زہریؒ کا کہنا ہے کہ لوگوں سے جاہلیت کے زمانہ میں عشور لیا جاتا تھا اور اسی دستور کو حضرت عمرؓ نے بھی بحال رکھا (۱)

بہر حال سبب خواہ کچھ ہی ہو بعد میں آنے والی اسلامی حکومت کے لیئے یہ ایک قابلِ تقلید مثال ہے جس سے کم از کم یہ اجازت ضرور مل جاتی ہے کہ مختلف حالات اور ضرورتوں کے پیش نظر کچھ نئے ٹیکس لگائے جا سکتے ہیں تا کہ حکومت کے اخراجات اور ملکی نظام کو قرار حاصل ہو سکے۔

کہا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں سے اس قسم کا جو ٹیکس لیا جاتا تھا وہ زکوٰۃ ہوتی تھی لیکن سوال یہ ہے کہ وہ زکوٰۃ تو نہیں تھی جو سال گزرنے پر لی جاتی ہے یہ عشور تو نیا سامان درآمد و برآمد کرنے پر بغیر سال گزرے وصول کیا جاتا تھا لہٰذا ہماری نظر میں ارجح یہی ہے کہ یہ عشور اس صدقہ کے علاوہ لیا جاتا تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے اموال پر مقرر فرمایا تھا۔ واللہ اعلم۔

جزیہ

جزیہ عربی مادہ "ج ز ی" سے فِعْلَةٌ کے وزن پر ایک لفظ ہے اس وزن پر ہونے کی وجہ سے اس کے معنی بدلہ دینے کی حالت، ادا کرنے کی کیفیت قائم مقامی کرنے کا انداز، جانشینی کا طریقہ، کفایت کرنے، فائدہ پہنچانے یا کام کی انجام دہی کا طرز ہو سکتے ہیں اس لیئے کہ جزی یجزی کے معنی بدلہ دینا، ادا کرنا، فائدہ پہنچانا اور کام آنا، کفایت کرنا جانشینی اور قائم مقامی کرنا ہیں (۲) قرطبیؒ لکھتے ہیں کہ یہ احسان کا بدلہ ہے یعنی انہیں امن وامان دی گئی تو اس کے عوض انہوں نے جزیہ دیا اور بعض اہلِ علم نے اسے فارسی سے معرب بھی بتایا ہے۔

---

(۱) کتاب الاموال ص ۵۳۵ (نمبر ۱۶۶۲)

(۲) دیکھیئے لسان العرب و صحاح و تاج العروس نیز مفردات راغب اصفہانی اور ابن الفارس کی مقاییس اللغہ مادہ "ج ز ی"

(۳) تفسیر القرطبی ۸ : ۱۱۴

جزیہ کے معنے ذمی سے لیا جانے والا محصول بھی ہے اور زمین پہ لیا جانے والا خراج ولگان بھی (۱) یہ لفظ قرآن مجید اور احادیث دونوں میں استعمال ہوا ہے۔ قرآن مجید میں یہ لفظ اور جزیہ لینے کا حکم صرف ایک آیت میں آیا ہے۔ دیکھئے سورۃ التوبہ آیت: ۳۰ احادیث میں یہ لفظ کثرت سے مستعمل ہے بالخصوص آنحضرتؐ کے ان مکاتیب گرامی میں جو آپ نے مختلف علاقوں کے سربراہوں کو ارسال فرمائے تھے (۲) جیسا کہ اُوپر بتایا گیا قرطبی کے قول کے مطابق "جزیہ" اس معاوضہ کو کہتے ہیں جو ذمیوں سے انہیں امان دینے پر لیا جاتا ہے۔ یہ معاوضہ کس بات کا لیا جاتا ہے اس بارے میں مختلف اقوال ہیں:

(۱) چونکہ ذمی یہ رقم اس امن کے معاوضہ میں دیتے ہیں جو انہیں اسلامی ریاست دیتی ہے اس لئے اس کا نام جزیہ رکھا گیا (۳)

(۲) چونکہ ان (ذمیوں) کا خون نہیں بہایا جاتا (اور انہیں قتل نہیں کیا جاتا) لہذا ان کی جان بخشی کا معاوضہ جزیہ کہلاتا ہے (اس رائے کو راغب اصفہانی کی تائید حاصل ہے)

(۳) ذمیوں کی حمایت و مدافعت اور انہیں مسلمانوں کے ساتھ جنگ میں فوجی بھرتی سے معافی دینے کے عوض جزیہ لیا جاتا ہے۔

(۴) جزیہ ذمیوں کو دئے جانے والے ان حقوق کا معاوضہ ہے جن سے وہ مسلمانوں کے برابر ہو جاتے ہیں اور انہیں جان و مال اور آبرو اور دین کی آزادی ملتی ہے (۴)

ابو عبید جزیہ اس معاوضہ کو کہتے ہیں جو ذمیوں سے طے شدہ شرائط کے مطابق (محصول سر کی حیثیت سے) وصول کیا جائے اور جس کے لئے جانے کی وجہ سے ان کا قتل رک جاتا ہے اور ان کے اموال کی حرمت ہو جاتی ہے (۵) قرآن مجید میں ماتحتی قبول

---

(۱) قاموس المحیط للفیروزآبادی مادہ ج ز ی۔ (۲) دیکھئے کتاب الاموال: ۲۰ تا ۲۲ دنمبر ۵۰ تا ۵۵) (۳) دیکھئے تفسیر قرطبی میں سورہ توبہ کی متعلقہ آیت نمبر ۳۰ کی شرح (۴) یہ اقوال تفسیر المنار میں سورۂ توبہ کی آیت نمبر ۳۰ کی تفسیر میں دئے گئے ہیں (۵) کتاب الاموال: ۱۶۔

کرنے والے اہلِ کتاب کو جزیہ لے کر چھوڑنے کا حکم (التوبۃ: ۳۰) میں ہے بعد میں خراج کے نام سے زمینوں پر جو محصول لگایا گیا وہ بھی دراصل جزیہ ہی میں شامل ہے گویا جزیہ کی دو قسمیں ہو گئیں ایک محصول سر (جزیہ) اور دوسری محصول اراضی (خراج) پھر یہ دونوں محاصل فئے میں شامل ہو گئے (۱) ویسے جزیہ و خراج میں مابہ الامتیاز فرق یہ ہے کہ جزیہ کی وصولی اسلام قبول کر لینے کے بعد رد کر دی جاتی ہے لیکن خراج سے اسلام قبول کر لینے پر معافی نہیں ملتی۔

ابوعبید مشرکین عرب کے سوا تمام اہلِ کتاب عربوں اور غیر عرب اقوام سے جزیہ قبول کر لینے کے قائل ہیں خواہ یہ اقوام اہل کتاب ہوں یا نہ ہوں (۲)

یہ جزیہ بچوں اور عورتوں کو چھوڑ کر ہر بالغ مرد سے لیا جاتا ہے۔ ایک روایت جس میں بالغ عورت سے بھی جزیہ لینے کا ذکر ہے (۳) ابو عبید اس کی تاویل میں کہتے ہیں:

"یہ اسلام کے دَور آغاز میں ہوا ہوگا جب مشرکوں کی عورتیں اور بچے بھی اپنے فوجیوں کے ساتھ مل کر لڑتے تھے۔ واللہ اعلم"

اس کی دوسری محدثانہ تاویل کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں:

"اس بارے میں صحیح اور محفوظ حدیث وہی ہے جس میں بالغ عورت سے جزیہ لینے کا ذکر نہیں ہے اور اس کی تمام مسلمانوں کے عمل سے تائید ہوتی ہے" (۴) چونکہ جزیہ نام ہے اس معاوضہ کا جو لوگوں سے ان کے قتل نہ کئے جانے کے عوض لیا جاتا ہے اور عورتوں اور بچوں کا قتل کرنا ہی ممنوع ہے لہذا ان سے جزیہ لئے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا (۵)

---

(۱) الاحکام السلطانیہ للماوردی: ۱۳۷۔ (۲) کتاب الاموال: ۳۰ (۳) ابن حزم نص قرآن "حتی یعطوا الجزیۃ" کے تحت ادائی جزیہ مرد و عورت غلام و آزاد فقیر و راہب سب پر لازم قرار دیتے ہیں وہ ابو عبید کی "الحالم والحالمۃ" والی روایت سے استدلال کرتے ہیں جسے ابو عبید مرجوح قرار دیتے ہیں۔ المحلی ۷: ۳۴۸ (۴) کتاب الاموال: ۳۷ ہمارے خیال میں اس قسم کے اختلافی مسائل کا حل اسلامی حکومت اپنے حالات کو دیکھتے ہوئے شوریٰ کے ذریعہ کرتی رہے گی۔ (۵) ایضاً: ۳۹

ابو عبید جزیہ میں لی جانے والی رقم کی کوئی حد متعین نہیں کرتے وہ اس کے تعین کی ذمہ داری (امام) سربراہ مملکت اسلامی پر ڈالتے ہیں لیکن اس ضمن میں چند اصول ملحوظ رکھنے پر زور دیتے ہیں :

"جزیہ کی رقم ذمیوں کی قوت برداشت کے مطابق ہوں اس کے تعین میں نہ ان پر جبر ہو اور نہ مسلمانوں کی فئے کو نقصان پہنچے (۱)

یہی وجہ ہے کہ جزیہ کی رقم کسی علاقہ والوں پر کم اور کسی پر زیادہ مقرر ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء میں اس کی مقدار میں یگانگت و یکسانیت نہیں رہی ۔

ابو عبید حسب تقاضائے احوال وقتاً فوقتاً جزیہ کی رقم میں کمی اور بیشی کرنے کے قائل ہیں اور جزیہ کے سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعین مقدار کو وقتی تقاضوں اور مقامی حالات پر محمول کرتے ہوئے اسے ایسی سنت تسلیم نہیں کرتے جس میں کمی بیشی کی گنجائش نہ ہو ۔ اپنے اختیار کردہ مسلک کی تائید میں وہ حضرت عمرؓ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ جزیہ مقرر کرنے کو پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں :

ولو علم عمر ان فیہا سنۃ مؤقتۃ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما تعداھا (۲)	اگر حضرت عمرؓ یہ سمجھتے کہ جزیہ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک مقررہ و متعینہ سنت ہے تو وہ اس سے تجاوز نہ کرتے ۔

ابو عبید جزیہ کی رقم میں اضافہ کرنے یا کمی کرنے میں سب سے زیادہ جس امر کو ملحوظ رکھنے پر زور دیتے ہیں وہ یہی ہے کہ ذمیوں پر ان کی طاقت برداشت سے زیادہ بار نہ پڑنے پائے اور کسی پہلو سے ان پر ظلم و جبر نہ ہو ۔

---

(۱) کتاب الاموال : ۱۴۱

(۲) ایضاً : ۴۲

جزیہ کا ایک پہلو

جیسا کہ ذکر کیا گیا جزیہ کے متعلق ایک خیال یہ ہے کہ اسلامی ریاست میں چونکہ تمام مسلم رعایا فوجی خدمت پر مجبور ہوتی ہے اور ان میں سے جنہیں حکومت جس وقت چاہے محاذ پر طلب کر سکتی ہے اور یہ صورت ذمیوں پر لازم نہیں ہوتی لہٰذا ان سے ان کی مدافعت وحفاظت کے صلہ میں جو رقم لی جاتی ہے وہ "جزیہ" کہلاتی ہے اس کی تائید ان صلحی معاہدوں سے ہوتی جو حضرت عمرؓ کے عہد میں ان کے گورنروں اور سپہ سالاروں نے مختلف مفتوحہ علاقوں کے سرداروں سے کئے تھے:

سوید بن مقرن نے جو حضرت عمرؓ کے مقرر کردہ سپہ سالار تھے فتح جرجان کے موقع پر اپنے عہدنامہ میں لکھا تھا:

ان لكم الذمة وعلينا المنعة على ان عليكم من الجزاء فى كل سنة على قدر طاقتكم على كل حالم ومن استعنا به منكم فله جزاؤه فى معونته عوضا من جزائه... الخ	تمہیں اپنی ذمہ داری میں لیا جاتا ہے اور ہمارے اُوپر تمہاری حفاظت کی ذمہ داری ہوگی اس شرط پر کہ تم میں سے ہر بالغ پر بقدر استطاعت سالانہ جزیہ کی ادائی لازم ہوگی اور تم میں سے جس سے ہم خدمت لیں گے تو اسے اس کی مدد اور خدمت کے عوض اس کا جزیہ دیا جائے گا۔

"تاریخ طبری (واقعات سنہ ۲۲ھ): ۲۶۵۸

اسی طرح حضرت عمرؓ کے گورنر عتبہ بن فرقد سلمی نے اہل اذربیجان سے جو عہد کیا تھا کہ اہل اذربیجان اور اس کے حدود ومضافات کے جملہ باشندوں کو اس شرط پر امان ہے کہ:

ان يؤدوا الجزية على قدر طاقتهم ... ومن حشر منهم فى سنة وضع عنه جزاء تلك السنة ...... الخ	وہ بقدر استطاعت جزیہ ادا کرتے رہیں اور ان میں سے جسے کسی سال جنگی خدمت پر بلایا جائے گا اس پر سے اس سال کا جزیہ وضع کر دیا جائے گا۔ ..... الخ

(تاریخ طبری: ۲۲۶۲)

اور خود حضرت عمرؓ نے اپنے عُمّال کو لکھا تھا:

ان یستعینوا بمن احتاجوا الیہ من الاساورۃ ویرفعوا عنھم الجزاء۔

کہ تم اپنی ضرورت کے مطابق ایرانی فوج کے سرداروں (اساورہ) سے مدد لو اور ان سے جزیہ معاف کر دو۔

تاریخ طبری (۱۷ھ کے واقعات): ۲۴۹۷

ان حوالوں سے ایک ثبوت تو یہ ملتا ہے کہ جب مسلمان ذمیوں کی حفاظت و مدافعت کرنے میں خود کو ناکام پائیں تو وہ ان سے وصول شدہ جزیہ انہیں واپس کر دیں گے[1] ثانیاً یہ کہ اگر ذمیوں میں سے کسی فرد یا جماعت سے فوجی خدمت لی جائے تو اس فرد یا جماعت سے اس اعتبار سے جزیہ معاف ہو جائے گا۔

لیکن بلاذری نے "امیر الجراجمۃ" کے تحت انطاکیہ والوں کی عہد شکنی اور بعد ازاں ابو عبیدہ کے عہد میں حبیب بن مسلمہ فہری کی سرکردگی میں اس علاقہ پر فوج کشی کرنے پر جب وہاں کے باشندوں نے جنگ سے قبل ہی امان طلب کر لی اور صلح کی درخواست پیش کر دی تو:

فصالحوہ علی ان یکونوا اعوانا للمسلمین وعیونا ومسالح فی جبل اللکام وان لا یؤخذوا بالجزیۃ وان ینفلوا اسلاب من یقتلون من عدو المسلمین اذا حضروا معھم حربا فی مغازیھم[2]

شرائط صلح یہ تھیں کہ وہ لوگ مسلمانوں کی مدد کریں گے اور جبل لکام میں وہ مسلمانوں کے لئے جاسوسی کریں گے اور ان کی حیثیت مسلمانوں کے اسلحہ خانوں اور چھاؤنیوں کی ہو گی اور یہ کہ ان سے جزیہ نہیں لیا جائے گا نیز یہ کہ مسلمانوں کے ساتھ جب وہ جنگوں میں حصہ لیں گے تو ان کے قتل کئے ہوئے مسلم دشمن فوجیوں کا سلب انہیں بطور نفل دیا جائیگا

---

(۱) جیسا کہ حمص میں مسلمانوں نے ہرقل کی فوج کی آمد کی خبر سن کر ذمیوں سے لیا ہوا جزیہ انہیں واپس کر دیا تھا (فتوح البلدان للبلاذری مطبع مصریہ: ۱۴۳)

(۲) فتوح البلدان للبلاذری مطبع مصریہ: ۱۶۴

اس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ سرحدی علاقوں میں جب تک اسلامی عملداری پوری طرح جاری نہ ہو ارباب حل و عقد اپنی مصلحتوں کے مطابق مختلف حالات میں مختلف شرائط پر بھی صلح کر سکتے ہیں یہاں تک کہ بعض ایسی صورتیں بھی ملتی ہیں جہاں داخلی فتنوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے مسلمان سربراہوں (امیر معاویہ اور عبدالملک) نے غیر مسلم رومیوں کو کچھ رقم دے کر خاموش کر دیا ہے (۱)

اس لحاظ سے جزیہ کا ایک مفہوم یہ بھی ہوتا ہے کہ ذمیوں سے ایسی رقم یا خدمت یا عہد و پیمان لینا جس سے وہ مسلمانوں کے لیے کار آمد اور ان کی ضرورتوں کے لیے کافی ثابت ہو سکیں۔

خراج کلام عرب میں خراج کے معنی کرایہ محصول، آمدنی، اُجرت اور پیداوار ہیں اسی لیے عرب زمین سے حاصل ہونے والی پیداوار، مکان سے ملنے والا کرایہ غلام سے حاصل ہونے والی آمدنی کو "خراج" کہتے ہیں (۲)

لسان العرب میں الخرج والخراج کو ہم معنی بتا کر لکھا ہے کہ اس سے مراد وہ چیز ہے جو لوگ سالانہ اپنے مال میں سے معینہ مقداریں نکالتے ہیں۔ زجاج نے کہا ہے کہ "خرج" مصدر ہے اور جو کچھ نکالا جائے اس کے لئے "خراج" اسم ہے۔

الخراج کے معنے لسان العرب میں غلام یا لونڈی کی کمائی یا اس کی محنت سے حاصل شدہ آمدنی بھی ہے۔ نیز لوگوں کے اموال میں سے جو ٹیکس لیا جاتا ہے اسے بھی الخرج والخراج کہتے ہیں۔

حضرت عمرؓ نے سواد اور ارض فئے پر جو خراج مقرر کیا تھا اس سے مراد زمین کی آمدنی (یا پیداوار یا محصول) ہے اسی سے بعد میں صلحاً مفتوحہ زمینوں کو جن پر بموجب صلح محصول لیا جاتا ہو "خراجی زمین" کہا گیا ہے (۳)

---

(۱) فتوح البلدان للبلاذری مطبع مصریہ - ۱۶۴

(۲) کتاب الاموال: ۷۳ (۳) لسان العرب مادّہ خ ر ج

اس طرح خراج کے معنوں میں اجر و نفع، آمدنی و پیداوار، محصول اور ٹیکس نیز جو رقم اپنے مال میں سے نکال دی جائے اور مال کی وہ مقررہ مقدار جو لوگ سالانہ نکالتے ہوں شامل ہیں، علاوہ ازیں خراج یعنی جزیہ بھی بولا جاتا ہے۔

جیسا کہ ہم نے اوپر بتایا یہ لفظ قرآن مجید میں آیا ہے اسی طرح ہمیں احادیث میں بھی یہ لفظ انہی معانی میں مستعمل ملتا ہے مثلاً اهل نجران کے معاہدے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عبارت منقول ہے:

مازاد الخراج او نقص فعلی الاواقی فلیحسب	خراج میں جو کمی بیشی ہو تو اسے اوقیوں کے مطابق شمار کیا جائے گا (۱)

یا جب حضرت عمرؓ نے حضرت مغیرہؓ کے غلام ابو لؤلؤہ کی شکایت پر اس سے کہا تھا کہ "ماخراجک بکثیر بکنہ عملک": تمہاری ہنرمندی کے لحاظ سے تمہارا خراج کچھ زیادہ نہیں ہے (۲) تو اس سے مراد وہ مقررہ رقم تھی جو اس کا مالک اس کی آمدنی سے وصول کرتا تھا۔

ابو عبید کے نزدیک حضرت عمرؓ نے جن زمینوں پر خراج لیا تھا وہ گویا زمین کا کرایہ تھا ان کے نزدیک عربی میں خراج کے معنے کرایہ اور پیداوار ہیں چنانچہ وہ زمین یا مکان یا غلام سے حاصل ہونے والی آمدنی (کرایہ) مزدوری، اجرت وغیرہ) کو "خراج" کہتے ہیں (۳)

ابو عبید اس مفہوم سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ بزور مفتوحہ زمین مسلمانوں کی اجتماعی ملکیت بن جاتی ہے ان کی نمائندگی کرتے ہوئے امام اس زمین کے باشندوں سے کرایہ وصول کرتا ہے اس کی شکل بالکل اسی طرح ہے جیسے زمین یا مکان کا کرایہ دار اپنے مالک کو کرایہ دیتا ہے اور خود زمین کی پیداوار لے لیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب عتبہ بن فرقد نے

---

(۱) الاحکام السلطانیہ للماوردی: ۱۴۰ (۲) طبقات ابن سعد، جز ثالث القسم الاول ۲۵۰

(۳) کتاب الاموال: ۷۳

ساحل فرات پر زمین کا سودا کیا تو حضرت عمرؓ نے ان سے کہا تھا: "تم نے کس سے یہ زمین خریدلی" ؟ اور جب انہوں نے جواب دیا! "اس کے مالک باشندوں سے"، تو حضرت عمرؓ نے اپنے سامنے موجود مہاجرین وانصار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: اس کے مالک تو یہ لوگ ہیں" (۱)، ماوردی بھی خراج کے معنی زبان عرب میں کرایہ اور پیداوار ہی بتاتے ہیں اور رسول اللہؐ کی یہ حدیث پیش کرتے ہیں:

الخراج بالضمان (۲) کسی چیز کی پیداوار کا مالک بننے کے لئے ضروری ہے کہ اس کے نقصان کو برداشت کرنے کی ضمانت بھی دی جائے۔ پھر وہ آیت قرآنی "ام تسئلهم خرجا فخراج ربك خير" (المومنون: ۲۷) میں لفظ خرج اور خراج کو بطور شہادت پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ "خرج" سے مراد اجر یا نفع ہے اور "خراج" کے دو مفہوم ہیں ایک تو دنیا میں خدا کی دی ہوئی روزی دوسرا آخرت میں پروردگار کی طرف سے دیا جانے والا اجر (۴)

ابوعبید خراج کو زمین کے کرایہ سے مشابہ قرار دیتے ہیں کیونکہ خراج زمینوں کی آمدنی کا نام ہے جو مسلمانوں کی اجتماعی ملکیت (فئے) قرار پاتی ہیں عموماً ان زمینوں پر وہی غیر مسلم لوگ کام کرتے ہیں جو پہلے سے وہاں آباد ہوتے ہیں۔ خراج حکومت کی

---

(۱) ابوعبید کتاب الاموال: ۴۷ (۲) قاموس میں اس کے معنی میں بتایا گیا ہے کہ خراج سے مراد وہ آمدنی ہے جو غلام کے مالک کو غلام سے اس وجہ سے ملتی ہے کہ وہ اس کی ضمانت لیتا ہے، یا اس طرح کہ کوئی آدمی ایک غلام خرید لے اور ایک مدت تک اس کی کمائی سے فائدہ اٹھاتا رہے۔ پھر اسے معلوم ہو کہ غلام کے سابقہ مالک نے بیچتے وقت اس غلام کا کوئی ایسا عیب اس سے چھپالیا جس کے باعث وہ سودا فسخ کیا جاسکتا ہے تو اس خریدار کو حق ہے کہ وہ غلام واپس کردے اور اپنی رقم واپس لے لے یہ اس لئے کہ جب تک وہ غلام خریدار کے پاس تھا اگر اس غلام کو کوئی تکلیف پہنچتی یا وہ مرجاتا تو یہ نقصان اس خریدار ہی کو بھگتنا پڑتا، لہٰذا اس زمانہ میں غلام سے پہنچنے والا نفع بھی اس کے لئے جائز وحلال ہوگیا (القاموس المحیط للفیروزآبادی ۲/مادہ: خ ر ج) (۴) الاحکام السلطانیہ للماوردی: ۱۴۰

طرف سے زمین کی معینہ حساب پر معینہ مقدار غلہ یا رقم کی صورت میں وصول کیا جاتا ہے۔ خراج کی زمین مسلمانوں کی اجتماعی ملکیت ہوتی ہے اور اس پر آباد کام کرنے والے ایک مقررہ اُجرت ادا کرتے رہنے کی شرط پر مسلمانوں کے مزارع ہوں گے اس مقررہ اُجرت کے بعد زمین سے پیدا ہونے والی بقیہ تمام اشیاء انہیں مزارعین کی ہوں گی (۱)

خراجی زمین کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو فوجی قوت کے ذریعہ فتح کی جائے دوسری وہ جو صلحاً فتح ہو قسم اوّل بالاتفاق مسلمانوں کی اجتماعی ملکیت ہوتی ہے جو انفرادی طور پر خریدی یا بیچی نہیں جاسکتی (۲) صلحی زمین کے متعلق اختلاف ہے ابو عبید ان لوگوں کے اقوال کو زیادہ قوی سمجھتے ہیں جو ان زمینوں کی خرید و فروخت بھی پسند نہیں کرتے (۳)

ابو عبید جزیہ کی طرح خراج کی بھی کوئی ایسی متعین مقدار نہیں خیال کرتے جس میں کمی بیشی نہ کی جاسکے۔ تعین خراج میں اس امر کو ملحوظ رکھا جائے گا کہ وہ مقدار نہ اتنی زیادہ ہو جائے کہ زمین کی پیداوار کو دیکھتے ہوئے زمین پر کام کرنے والوں کے لئے گراں گزرے اور نہ اتنی کم ہو کہ مسلمانوں کی فئے کو نقصان پہنچے (۴) یعنی اس سے اسلامی حکومت کو اس علاقہ کا دفاع نیز وہاں انتظام برقرار رکھنا مشکل ہو جائے۔

واضح رہے کہ یہ اس خراجی زمین کی خرید و فروخت کا ذکر ہے جو زیر کاشت ہو ان مفتوحہ علاقوں میں مکانات اور ان کے لئے زمینوں کے خریدنے کا مسئلہ بالکل جداگانہ ہے اور اس کی خرید و فروخت میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

الانفال انفال جمع ہے نفل کی۔ عربی زبان میں نفل ہر اس کارِ خیر اور احسان کو کہتے ہیں جو اگرچہ کسی پر فرض و لازمی نہ ہو لیکن محسن رضاکارانہ اسے انجام دے۔

---

(۱) کتاب الاموال: ۶۹ (۲) ایضاً: ۷۷ تا ۸۱ (۳) ایضاً: ۸۵

(۴) کتاب الاموال: ۴۱

(۵) ایضاً: ۸۵

اس کی دو حیثیتیں ہیں ایک تو وہ نفل جو اللہ کی طرف سے اُمتِ مسلمہ کو دی گئیں یہ اس "غنیمت" کا نام ہے جو پہلی امتوں پر حرام تھی اور اُمتِ مسلمہ پر اللہ تعالیٰ کے خصوصی احسان کی وجہ سے حلال ہو گئیں (۱) اس اعتبار سے تمام غنائم "انفال" کہلائینگی۔

دوسری حیثیت سے نفل اس انعام و عطیہ کو کہا جاتا ہے جو امام (یا سپہ سالار) جنگ کرنے والے مجاہدوں کو اہم فوجی خدمات یا کارہائے نمایاں انجام دینے پر ان کی قدرشناسی اور حوصلہ افزائی کرتے ہوئے دیتا ہے (۲) کتاب الاموال میں بیشتر انفال کا لفظ مؤخرالذکر مفہوم کو ادا کرنے کے لئے آیا ہے۔

وہ انفال جو امام کے اختیار میں ہیں ابو عبید انہیں چار قسموں میں تقسیم کر کے ہر قسم کی تفصیلات بیان کرتے ہیں (۳)

اقطاع: جاگیر دینا

کتاب الاموال میں ابو عبید مزارعت و مساقاۃ کے حق میں ہیں تاہم ابو عبید کے تصورِ سنت (۴) ان کی نظر میں مفادِ عامہ کی اہمیت اور امام کی حیثیت کو دیکھتے ہوئے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ وہ اس قسم کی تمام صورتوں کو اپنے زمانہ اور حالات کا بہترین حل سمجھتے تھے اور تا وقتیکہ مستقبل میں لوگ زمینوں سے استفادہ کی کوئی اس سے بہتر صورت کا علم حاصل نہ کریں وہ اس جاری نظام کو ختم کر دینا دانشمندی کے منافی خیال کرتے تھے۔

مفتوحہ زمینوں یا ملک کی خالی پڑی ہوئی (بیکار) اراضی کو ملک کے مالیاتی نظام میں بڑی اہمیت حاصل ہے اسلام کی ابتدائی دو صدیوں میں اس اہم مسئلہ کا حل پیدا کرنے کے لئے کن طریقوں سے کام لیا گیا اس کا بیان فئے و غنیمت کی تفاصیل میں جابجا ملے گا لیکن اس کے لئے ایک مستقل فصل "اقطاع و حمی" کے عنوان سے کتاب الاموال میں درج ہے یہاں ہم اس اہم موضوع پر کچھ روشنی ڈالتے ہیں:

---

(۱) کتاب الاموال: ۱۱۵ (نمبر ۳۰۷) نیز صفحہ ۳۰۶ و ۳۰۷ (نمبر ۷۶۲ تا ۷۷۱) (۲) کتاب الاموال: ۳۰۷
(۳) کتاب الاموال ۳۰۸ تا ۳۲۴ (نمبر ۷۷۱ تا ۸۰۲) میں تفاصیل ملاحظہ فرمائیے۔
(۴) دیکھئے۔ اسی مقدمہ میں عنوان "سنت کی دو قسمیں"

ابو عبید کے نزدیک " اقطاع " نام ہے اس جاگیر کا جو حکومت کی طرف سے عوام الناس کی اجتماعی خیر خواہی اور ان کے مفاد کو ملحوظ رکھتے ہوئے کسی کو دیدی جائے واضح رہے کہ اس میں وہ فرد جسے زمین عطا کی گئی ہو بہرحال اجتماعی مفاد کے تابع رہے گا اس طرح دی ہوئی زمین سے ملک کی پیداوار میں اضافہ ہونے کے ساتھ رعیت کو کسی قسم کی تکلیف کا سامنا نہیں ہوگا نیز وہ شخص جسے یہ زمین دی گئی ہو اس زمین پر حکومت کے واجب الادا محصولات ادا کرتا رہے گا۔

انقطاع میں دی جانے والی زمین خالصتہً حکومت کی ہونا چاہیئے وہ نہ کسی مسلم کی ملکیت ہوگی نہ معاہد کی نہ اس کے دینے سے ریاست کے باشندہ کا حق مارا جائے گا دوسری طرف خود حکومت کے لئے اس زمین کا دینا آمدنی میں اضافہ کا باعث ہوگا۔

اس قسم کے اقطاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد آپ کے خلفاء دیتے رہے ہیں جس کی شہادتیں کتاب الاموال میں ابو عبید پیش کرتے ہیں (۱)

ابو عبید کہتے ہیں کہ میرے نزدیک اقطاع انہیں زمینوں میں جائز ہے جو غیر آباد اور بے کار ہوں یا پرانے زمانہ میں کاشت ہو چکنے کے بعد اب پھر غیر کاشت حالت میں باقی رہ گئی ہوں اور ان پر کوئی آباد نہ رہا ہو اور اس طرح اس کا معاملہ امام کے ہاتھ میں پہنچ چکا ہو یہی حکم ان بنجر اراضی کا ہے جنہیں کسی نے کاشت نہ کیا ہو اور کوئی مسلمان یا معاہد ان کا مالک نہ ہو (۲)

اس ضمن میں بعض مستثنیات ہیں جن کی ابو عبید بہتر تاویل پیش کرنے کے بعد اپنے مذکورہ بالا مسلک کو تقویت پہنچاتے ہیں (۳)

بلاشک بعض جاگیریں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیں بظاہر ان میں دئے جانے والوں کی خوش حالی و آسودگی یا ان کی تالیف قلب کا پہلو نکلتا ہے لیکن غور سے

---

(۱) دیکھئے کتاب الاموال : ۲۷۲ تا ۲۸۴ (از نمبر ۶۷۳ تا ۶۹۹)

(۲) کتاب الاموال : ۲۷۸ (۳) ایضاً نمبر ۶۹۱ تا ۶۹۳

دیکھنے پر یہی معلوم ہوگا کہ ان سب کی تہ میں جو جذبہ کار فرما ہے وہ اسلام اور عامۃ المسلمین کی فلاح و بہبود کے سوا کچھ نہیں۔

ابو عبید ابیض بن حمال مازنی کے واقعہ سے اپنے مسلک کو تقویت دیتے ہیں اُنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مارب کی کچھ زمین بطور جاگیر مانگی تھی اور ان کی درخواست پر آپؐ نے انہیں وہ علاقہ دیدیا تھا لیکن جب ابیض حضورؐ کی خدمت سے نکل کر گئے تو حضور کو ایک واقف حال نے بتایا کہ آپؐ نے انہیں نمک کی کانیں دیدی ہیں جو مستقل طور پر عوام کو منفعت بخشتی رہتی ہیں چنانچہ آپؐ نے ان سے وہ جاگیر واپس لے لی۔

اقطاع کے بارے میں حضرت عمرؓ کا طرزِ عمل اور اس پر ابو عبید کی تاویل غور طلب ہے:

حضرت ابو بکرؓ نے طلحہ بن عبید اللہ کو ایک زمین بطور جاگیر دی اور اس ضمن میں ایک تحریر لکھدی جس پر دوسرے لوگوں کے علاوہ حضرت عمرؓ کو بھی گواہوں میں شامل کیا، جب طلحہ وہ تحریر حضرت عمرؓ کے پاس لے گئے تو اُنہوں نے اس پر اپنی شہادت ثبت کرنے سے انکار کر دیا اور کہا:

اھذا کلہ لک دون الناس؟ (۱)	کیا تمام لوگوں کا حق روک کر یہ ساری جاگیر تمہاری ملکیت بن جائے گی؟

دوسری روایت میں عیینہ کو جب حضرت ابو بکرؓ جاگیر دیتے ہیں تو حضرت ابو بکرؓ کے وثیقہ پر حضرت عمرؓ نے تھوک دیا اور اسے مٹا دیا اور جب طلحہ برہم ہو کر حضرت ابو بکرؓ کے پاس پہنچے اور ان سے پوچھا: "آپ خلیفہ ہیں یا عمرؓ" تو حضرت عمرؓ کے انکار کو بحال رکھا۔ اسی طرح جب عیینہ حضرت ابو بکرؓ سے اس تحریر کی تجدید کرانے آئے تو حضرت عمرؓ کا ردِ عمل معلوم کرنے کے بعد انہوں نے اس کی تجدید کرنے سے انکار کر دیا۔

ایک طرف تو حضرت عمرؓ جاگیر دینے کی اس طرح مخالفت کر رہے ہیں لیکن دوسری

---

(۱) کتاب الاموال: ۲۷۶

طرف یہی حضرت عمرؓ ایک شخص کو ساحل دجلہ پر جاگیر دینے کے لئے ابو موسیٰ اشعری کو لکھتے ہیں کہ اگر یہ زمین خراجی نہ ہو اور اس کے دینے سے کسی مسلمان کو نقصان نہ ہوتا ہو تو گھوڑے پالنے کے لئے یہ اسے دے دو (۱)

ابو عبید حضرت عمرؓ کے اس متضاد عمل کی توجیہہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

طلحہ اور عیینہ کو حضرت ابو بکرؓ نے جو جاگیریں دی تھیں اس پر حضرت عمرؓ کی مخالفت اور شہادت ثبت کرنے سے انکار کی کوئی توجیہہ میری سمجھ میں اس کے سوا نہیں آتی کہ شاید حضرت عمرؓ پہلے جاگیر دینے کے مخالف رہے ہوں جیسا کہ ان کے اس جملہ سے مترشح ہے جو انہوں نے طلحہ سے کہا تھا :

اھذا کله لك دون الناس ؟ — کیا تمام لوگوں کو چھوڑ کر یہ ساری زمین تمہاری جاگیر ہو جائے گی ؟

لیکن بعد میں جب معاملہ اُن کے ہاتھ میں آیا تو ان کی رائے بدل گئی (اور وہ جاگیر دینے کے قائل ہو گئے) کیونکہ اپنی خلافت کے دوران انہوں نے متعدد لوگوں کو جاگیریں دیں (۲)

حضرت عمرؓ کے متعلق ابو عبید کی یہ رائے ہے لیکن یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ کہ جب حضرت ابو بکرؓ جاگیر کے حق میں تھے تو وہ حضرت عمرؓ کے ردِ عمل کے بعد اپنے فیصلہ کو کیوں بحال نہ رکھ سکے ضرور اس اقطاع میں کوئی ایسی صورت پیدا ہو گئی تھی جو اقطاع کی شرائط سے متجاوز تھی اور حضرت عمرؓ کا مذکورہ بالا جملہ اس پہلو کی غمازی کر رہا ہے ورنہ جہاں تک جائز حدود میں "اقطاع" ہے۔ حضرت عمرؓ اس بارے میں امام کے اختیارات کو نافذ مانتے تھے چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ وہ اپنے اقطاع میں صاف لکھ رہے ہیں کہ اگر یہ زمین خراجی نہ ہو اور اس سے عامۃ المسلمین کو نقصان کا اندیشہ نہ ہو تو سائل کو دے دی جائے ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ دونوں ایسے مشروط اقطاع کے قائل تھے جسے اہلِ بصیرت، واقفِ حال، شرائطِ اقطاع کے

---

(۱) کتاب الاموال : ۲۷۷ (۲) کتاب الاموال : ۲۸۲ تا ۲۸۳

مطابق قرار دے دیں۔ بصورت دیگر وہ اسی طرح اقطاع واپس لینے کے حق میں تھے جیسے حضورؐ نے ابیض بن حمال مازنی کو دی ہوئی جاگیر واپس لے لی تھی۔

یہاں یہ بھی معلوم ہو جانا چاہیئے کہ اس قسم کا اقطاع جسے دیا گیا ہو اور وہ اسے تین سال تک آباد نہ کر سکے (۱) تو حکومت اسے حسب مصلحت تنبیہ کرنے کے بعد یا بغیر تنبیہ کئے واپس لے کر اس کا کوئی اور بندوبست کر سکتی ہے۔ خود حضرت عمرؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں بلال بن حارث مزنی سے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقطاع کو بتمام و کمال آباد نہ کر سکے تھے کہا تھا:

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یقطعک لتحتجرہ عن الناس انما اقطعک لتعمل، فخذ منہا ما قدرت علی عمارتہ و رد الباقی (۲)	یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں یہ اراضی اس لئے نہیں عطا فرمائی تھیں کہ تم ان کی حد بندی کر کے دوسرے لوگوں سے روک لو بلکہ آپؐ نے یہ اس عطا فرمائی تھیں کہ تم ان میں کام کر کے انہیں آباد کر لو لہٰذا اب تم ان اراضی میں سے اتنا حصہ رکھ کر جسے تم آباد کر سکتے ہو بقیہ (حکومت کو) واپس کر دو

یہی اقطاع کی ہوئی زمینیں یا وہ غیر آباد زمینیں جو حکومت کی ملکیت میں ہوں اگر انہیں حسب قانون آباد نہ کیا جائے اور کوئی دوسرا انہیں حکومت کی بیکار اور خالی

---

(۱) تین سال کی یہ مدت حضرت عمرؓ نے مقرر فرمائی تھی۔ کتاب الاموال: ۲۹۰

(۲) کتاب الاموال: ۲۹۰ یحییٰ بن آدم نے اپنی کتاب الخراج میں مزید تفصیل بیان کی ہے کہ بلالؓ نے اپنی زمین واپس کرنے سے انکار کر دیا تھا کہ جو زمین مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی واللہ میں اسے واپس نہیں کروں گا۔ لیکن حضرت عمرؓ نے کہا: "واللہ تمہیں بالضرور ایسا کرنا پڑے گا" اور بالآخر حضرت عمرؓ نے وہ زائد زمین جو وہ آباد نہ کر سکے تھے ان سے لے لی اور اسے ضرورت مند مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔ (دیکھئے نمبر ۲۹۴)

زمین سمجھ کر آباد کرلے تو وہ اسی کی ہو جاتی ہیں جو انہیں آباد کرلے، ایسی ہی زمینوں کے متعلق حضرت عمرؓ نے اپنے خطبہ میں اعلان فرمایا تھا:

"یا ایھا الناس من احیا ارضا میتۃ فھی لہ و ذلک ان رجالا کانوا یحتجرون من الارض مالا یعمرون (۱)	"اے لوگو! جو کوئی مردہ وغیر آباد زمین آباد کرے گا تو وہ اسی کی ہو گی"، راوی کہتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے یہ اس لئے کہا تھا کہ لوگ عام طور پر ایسی زمینوں کو حد بندی کرکے انہیں اپنے لئے محفوظ کر لیتے تھے جنہیں وہ آباد نہیں کرتے تھے۔

یہ اقطاع سے متعلق بحث تھی اب "حمی" سے متعلق ایک اہم پہلو بھی آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں:

حمی اور اجتماعی مفاد

"حمی" کا اردو ترجمہ "رکھت" کیا گیا ہے لیکن عربی زبان میں یہ لفظ جن وسعتوں کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے اردو کا لفظ اس پہنائی کا حامل نہیں ہے۔ عربی میں ہر وہ چیز جسے کوئی فرد یا جماعت اپنے مفاد کے لئے محفوظ کرلے اور اس میں دوسروں کی دخل اندازی ممنوع ہو "حمی" کہلاتی ہے جاہلیت میں بعض طاقتور قبائل یا شرفا کسی علاقہ میں پڑاؤ ڈالتے تو وہ کسی ذریعہ سے لوگوں کو اطلاع دے کر اس کی معین محدود جگہ اپنے لئے خاص کر لیتے اور اس میں دوسروں کی مداخلت برداشت نہ کرتے تھے (۲) رسول اللہؐ نے افراد اور جماعتوں سے یہ حق چھین لیا اور "لاحمی الا للہ ولرسولہ: اللہ و رسول کے سوا کسی کو رکھت (یا ممنوعہ علاقہ) قرار دینے کا حق حاصل نہیں"، فرما کر صرف حکومت اسلامی (۳) کے لئے یہ حق خاص کر دیا کہ وہی کسی زمین کو عوام کے مفاد کے لئے رکھت بنا سکتی ہے اور حکومت کی منظوری کے بغیر کوئی اجتماعی ملکیت کسی فرد یا جماعت کے ذاتی مفاد کے لئے خاص نہیں کی جائے گی (۴)

---

(۱) کتاب الاموال: ۲۹۰ (۲) لسان العرب مادہ حمی (۳) اللہ و رسول سے یہاں مراد اسلامی حکومت اور اس کا سربراہ ہے اس لئے کہ حضرت عمرؓ نے جب رسول اللہؐ کے بعد ربذہ کو "حمی" قرار دیا تو اسی حدیث سے استدلال کیا تھا۔ (۴) الاحکام السلطانیہ للماوردی: ۱۷۹

اگر حمی کا جاہلی مفہوم سامنے رکھا جائے جس میں ایک قومی فرد کسی دوسرے قبیلہ کی زمین یا غیر مملوکہ زمین رکھت بنانے کا حق رکھتا تھا تو اس سے اسلام میں صرف اللہ ورسول ؐ کا یہ حق کہ وہی کسی دوسرے کی ملکیت کو حمی بنا سکتے ہیں آج قابل غور مسئلہ بن سکتا ہے اور اس بناء پر حکومت کو یہ اختیار حاصل ہو سکتا ہے کہ وہ بعض لوگوں کی ملکیت کو قومی مفاد کی خاطر اپنی تحویل میں لے لے۔

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے جب "ربذۃ" میں حمی بنایا تو بعض لوگوں نے ان پر اعتراض کیا کہ ہماری ایسی زمینیں جن کی حفاظت کے لئے ہم جاہلیت میں لڑتے رہے اور اسلام قبول کرتے وقت وہ ہماری ملکیت میں تھیں آپ کس بناء پر ہم سے چھین رہے ہیں؟ یہ تو ظلم ہے؟ تو حضرت عمرؓ نے تھوڑی دیر سوچ کر معترض کو جواب دیا تھا:

المال مال اللہ والعباد عباد اللہ، واللہ لولا ما احمل علیہ فی سبیل اللہ ماحمیت من الارض شبراً فی شبر (۱)

تمام مال اللہ کا ہے اور تمام بندے اللہ کے بندے ہیں واللہ اگر مجھے راہ خدا میں مجاہدین کو سواریاں مہیا نہ کرنا ہوتیں تو میں ایک مربع بالشت بھی "حمی" کے ذریعہ نہ روکتا۔

اس واقعہ سے ظاہر ہو رہا ہے کہ حضرت عمرؓ نے لوگوں کی مملوکہ زمینوں کو (یا کم از کم ایسی زمینوں کو جسے وہ اپنی ملکیت سمجھتے تھے) مملکت اسلامی کے اجتماعی مفاد کی خاطر حکومت کی تحویل میں لے لیا تھا اور کوئی وجہ نہیں جو اسلامی حکومت کو آئندہ اجتماعی مفادات کے تحفظ کے لئے اس قسم کے اقدام کے اعادہ سے محروم کر دے۔ صرف اتنا ضرور دیکھا جائے گا کہ اگر وہ ملکیت ایسی ہو جس پر مالکوں نے کچھ دولت صرف کی ہو تو انہیں

---

(۱) کتاب الاموال: ۲۹۹ (نمبر ۷۴۰، ۷۴۱) حضرت عمرؓ کا یہ جملہ بتا رہا ہے کہ مال اللہ اور عباد اللہ پر اسلامی حکومت کو بڑے اختیارات حاصل ہیں اور ان کی مصلحت اور مفاد کو مدنظر رکھتے ہوئے وہ کچھ لوگوں سے انکی ملکیت چھین سکتی ہے۔ بالخصوص جنگی اور فوجی ضرورتوں کے لئے اس قسم کے اقدام ناگزیر ہوتے ہیں۔

ان کی لاگت ضرور واپس کردی جائے یا پھر ان سے بطیب خاطر لے لی جائے۔

ابو عبید کا خیال یہ ہے کہ یہ حمی کی ممانعت صرف ان اشیاء میں ہے جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام لوگوں کے لئے مشترکہ مفاد قرار دیا ہے یعنی پانی گھاس اور آگ (۱) لیکن ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث میں بھی "حمی" کی ایک شکل کارفرما پاتے ہیں اس روایت کے بموجب آپؐ نے یہ تین اشیاء جو اس زمانہ میں اجتماعی مفاد کے لئے لازمی تھیں وہ خواہ کسی فرد کی ذاتی ملکیت میں بھی کیوں نہ ہوں حکومت نے اپنے "حق حمی" سے کام لیتے ہوئے انہیں مشترکہ ملکیت قرار دیدیا اور کسی کو یہ حق نہ دیا کہ وہ ان اشیاء میں سے اپنی ضرورت سے زائد کو روک رکھے یا یہ اشیاء اپنی محنت شامل کئے بغیر لوگوں کو قیمتاً دیتا رہے۔

ان تین چیزوں کے علاوہ بعض روایات میں شجر کا لفظ ہے جو بیک وقت گھاس اور آگ (۲) کی ترجمانی کرتا ہے یا پھر یہ ایندھن اور لکڑی (کے تمام استعمالوں) کے لئے عام ہے پھر ایک اور روایت (نمبر ۷۲۶) میں اس فہرست میں پانی کے بعد ملح (نمک) کا اضافہ ہے اور اس روایت میں سائل کے اس سوال مکرر پر کہ یارسول اللہؐ کونسی چیز ایسی ہے

---

(۱) کتاب الاموال: ۲۹۴ (نمبر ۷۲۷)

(۲) اگرچہ ایک روایت میں عکرمہ نے شجر سے صرف گھاس وغیرہ کی ہریالی مراد لی ہے لیکن ایک دوسری روایت (نمبر ۷۳۸) میں تین اشیاء کی بجائے صرف دو اشیاء پانی اور درخت کا ذکر ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آگ اور گھاس دونوں پر یہ لفظ حاوی ہے آگ سے مراد جنگلی ایندھن اور لکڑیاں ہیں جو درخت میں موجود ہے اور گھاس سے مراد وہ سبزہ ہے جو جانوروں کے چارے کے کام آسکے اور یہ کام بھی شجر سے نکل سکتا ہے۔

جس کو لوگوں سے روکنا حلال نہیں ہے آپؐ کا یہ جواب کتنی عظیم حقیقتوں کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے:

ان تفعل الخیر خیر لک[۱] — تمہارا خیر کرنا تمہارے لئے بہتر ہے۔

گویا حضورؐ نے اپنے زمانہ میں پانی آگ گھاس درخت اور نمک کو تمام لوگوں کی مشترکہ ملکیت قرار دیتے ہوئے یہ فرمایا کہ خیر اور بھلائی کرتے رہنا ایسا عمل ہے جس سے کسی کو محروم کرنا حرام ہے تو یہ افراد وجماعت کو اس امر کی ہمہ گیر تعلیم تھی کہ تمہارے ہر عمل کا مقصود خیر ہو خیر کے مختلف معانی ہیں اس کا ایک استعمال عربی زبان میں "افعل التفضیل" کی طرح ہوتا ہے اور اس لحاظ سے اس کے معنے بہترین اور سب سے زیادہ پسندیدہ ہیں اس مفہوم کے لحاظ سے یہ ایک جامع لفظ ہے جو ہمیشہ خوب سے خوب ترکی طرف جانے اور جمود سے باز رہنے کی تعلیم دیتا ہے رسول اللہؐ کی یہ حدیث جس میں فعل خیر کی تلقین کی جارہی ہے قرآن مجید کی اس آیت کریمہ کی شرح ہے:

یا ایہا الذین آمنوا ارکعوا	اے ایمان والو! رکوع کرو اور سجدہ کرو
واسجدوا واعبدوا ربکم	اور اپنے رب کی عبادت کرو اور خیر کرو تاکہ تم
وافعلوا الخیر لعلکم تفلحون	فلاح پاؤ۔

(الحج: ۷۷)

اس طرح اللہ ورسولؐ نے مسلمانوں کو خوب سے خوب تر معلوم کرنے اور اسے قبول کرلینے کی دعوت دی ہے اور رسول اللہؐ نے اپنے زمانہ کے چند "خیر" بنا کر لوگوں کو آزادی دی ہے کہ وہ ہر زمانہ میں حدود اللہ میں رہتے ہوئے خوب تر کو قبول کریں اس حجت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اگر آج اسلامی حکومت اپنے امکانی وسائل سے کام لیتے ہوئے اس قسم کی مزید کچھ چیزیں معلوم کرلے جنہیں آج مشترکہ ملکیت قرار دینے سے "خیر" کا زیادہ امکان ہو تو ان کا اضافہ کتاب اللہ وسنت رسول اللہؐ کا منشا ومقصود ہوگا۔ اور

---

(۱) کتاب الاموال: ۲۹۶ (نمبر ۷۳۶)

مسلمانوں کو حق حاصل ہوگا کہ وہ مفاد عامہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے عوام سے "منع خیر" کو بالکل ختم کر دیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ کے عوام کی بنیادی ضرورتوں کی اہمیت کے تحت پانی گھاس آگ (ایندھن) اور نمک کو انفرادی ملکیت سے نکال دیا تھا آج اگر اسی قسم کی مزید ضروریات جن کی کوئی انتہا نہیں مثلاً خوراک ولباس رہائش و علاج ذرائع مواصلات وغیرہ سے متعلق ضروری اشیاء وہی اہمیت اختیار کر لیں اور ان کا احتکار ہو رہا ہو تو انہیں عوام کے مفاد کے لیئے انفرادی ملکیت سے نکال کر مشترکہ ملکیت قرار دے دینا یقیناً عمل خیر میں شامل ہوگا اور سنت رسول اللہ کا صحیح اتباع کہلائے گا۔

حضرت عمرؓ نے جب سواد عراق اور مصر کی مفتوحہ زمینوں کو ان کے فاتحین کے بار بار اور باصرار مطالبات کے باوجود غنیمت کی طرح تقسیم نہیں کیا اور اسے حکومت کے زیر نگرانی امت مسلمہ کے اجتماعی فلاح و بہبود کی خاطر وقف کر دیا تو ان کا یہ فیصلہ بظاہر قرآن مجید کے غنیمت کی تقسیم کے حکم سے ٹکراتا تھا لیکن انہوں نے طویل غور و خوض کے بعد خود قرآن مجید ہی کی فئے کی آیات سے یہ استنباط کیا تھا:

(۱) قرآن مجید "فئے" کو تمام موجود اور بعد میں آنے والے مسلمانوں کے لیئے محفوظ کر لینے کا قائل ہے۔

(۲) فئے مسلمانوں کے اجتماعی مفاد کے لیئے مشترکہ ملکیت ہوگی۔

(۳) فئے کے اس طرح وقف بنا لینے سے قرآن مجید کا یہ منشاء پورا ہو جاتا ہے کہ مال "دولة بين الاغنياء منكم" نہیں ہونے پاتا یعنی اس کی گردش مسلمانوں کے صرف اغنیاء میں باقی نہیں رہتی (۱)

حضرت عمرؓ کا یہ فیصلہ اسلامی حکومت کے سربراہ اور ارکین شوریٰ کے لیئے ایک

---

(۱) دیکھیئے فئے کے متعلق حضرت عمرؓ کا آیات فئے سے استدلال کتاب الاموال: ۶۰ و ۶۱ (نمبر ۱۵۱ تا ۱۵۴)۔

رہنما مینار ہے حضرت عمرؓ نے اس بارے میں صحابہؓ سے شوریٰ کیا قرآنی آیات سے اپنا استدلال پیش کیا پھر اپنی صوابدید اور امت کے مجموعی مفاد کو ملحوظ رکھنے کے لیے مخالفین کے تقاضوں کے خلاف اپنا جرأت مندانہ فیصلہ نافذ کر دیا تھا۔ یہاں ہم نے حضرت عمرؓ کے اس عمل کو اس لیے بیان کیا ہے کہ اس میں بھی ایک جماعت کی ملکیت میں حکومت اپنا حق استعمال کرتے ہوئے اسے حق ملکیت سے محروم کر کے اس کا حق اپنے لیے خاص کر لیتی ہے۔

⁂ ⁂ ⁂

کتاب پڑھنے سے پہلے چند باتیں بتا دینا ضروری ہیں :

۱۔ کتاب میں آپ عبارت سے پہلے جو نمبر دیکھیں گے وہ اصل کتاب کے نمبروں کے مطابق ہیں ان نمبروں کی مدد سے آپ اصل کتاب کی عربی عبارت سے ترجمہ کا مقابلہ بھی کر سکیں گے اگر کہیں ترجمہ اور اصل کے نمبر میں فرق معلوم ہو تو ایک دو اگلے پچھلے نمبر بھی دیکھ لیجیے کیونکہ کہیں اصل میں غلط نمبروں کی وجہ سے ایسی صورت پیدا ہو گئی ہے۔

۲۔ جہاں پہلے "ابو عبید" لکھ کر عبارت لکھی گئی ہے وہ اُوپر لکھے ہوئے مسئلہ سے متعلق احادیث و آثار و اقوال وغیرہ پر ابو عبید کا محاکمہ ہے۔

۳۔ متن میں جہاں کہیں کسی شہر یا جگہ کا نام ہے اسے کتاب کے آخر میں "فہرست امکنہ" میں ملاحظہ فرمائیے۔

⁂

کتاب الاموال

(حصّہ اوّل)

جو غنیمت، خمس اور فئے
(جزیہ و خراج) کی تفاصیل
پر مشتمل ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

امامؒ کے رعیّت پر اور رعیّت کے امام پر باہمی حقوق و فرائض

(۱) تمیم داری روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:۔

خیر خواہی

"دین خیر خواہی و نصیحت ہے۔" صحابہؓ نے عرض کیا "یا رسول اللہ! یہ خیر خواہی و نصیحت کس کے لئے ہونا چاہیئے؟" آپ نے فرمایا: "اللہ کے لئے، اس کے رسول کے لئے اور اس کی کتاب کے لئے، اور تمام ائمہّ کے لئے اور مسلمانوں کی جماعت کے لئے۔"

(۲) تمیم داری ہی سے یہی مضمون ایک اور سند سے مروی ہے مگر اس میں یہ اضافہ ہے کہ حضورؐ نے یہ جملہ کہ دین خیر خواہی و نصیحت ہے تین بار دہرایا۔

(۳) حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

احساسِ ذمہ داری و جواب دہی

تم میں سے ہر ایک نگران ہے اور ہر ایک سے اس کے زیر دست نگروں اور ماتحتوں کے بارے میں بازپرس ہوگی۔ امیر جو تمام لوگوں کا نگران ہے، اس سے ان سب کے متعلق پوچھا جائے گا۔ مرد اپنے گھر والوں کا نگران ہے اور اس سے ان کے بارے میں پوچھ گچھ ہوگی۔ بیوی اپنے خاوند کے گھر اور اپنے بچّوں کی نگران ہے اور اس سے ان کے متعلق سوال کیا جائے گا، اور ہر شخص کا غلام (و خادم) اپنے آقا کے مال کا

ؔ امام سے مُراد ہے سربراہ مملکتِ اسلامی، اس کی جمع ائمہّ ہے

نگران ہے اور اس سے اس کے بارے میں باز پرس کی جائے گی۔ اور دیکھو اس طرح تم میں سے ہر ایک (اپنی حدود میں) ذمہ دار و نگران ہے اور اس سے اس کی ذمہ داریوں اور ماتحتوں کے بارے میں باز پرس ہوگی۔

(۴) ایک اور سند سے بھی یہی مضمون ابن عمرؓ حضرت عمرؓ کے واسطہ سے رسول اللہؐ سے روایت کرتے ہیں۔

امارت کس کے لئے خیر اور کس کے لئے شر ہے

(۵) عطاء بن یسار راوی ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے سامنے کہا: "امارت بدترین چیز ہے۔" اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "امارت اُس شخص کے لئے تو بہترین چیز ہے جو اسے جائز اور حلال طریقہ سے لے اور اُس کے حقوق ادا کرے لیکن اُس شخص کے لئے امارت بدترین چیز ہے جو اسے ناجائز طریقہ سے حاصل کرے اور اُس کے حقوق ادا نہ کرے، ایسے نااہل اور حقوق ادا نہ کرنے والے کے لئے یہ عہدہ روزِ قیامت باعثِ افسوس و ندامت ہوگا۔

ادائی حقوق

امارت امانت ہے

(۶) حارث بن یزید حضرمی راوی ہے کہ حضرت ابوذرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے امارت کی درخواست کی تو آپؐ نے فرمایا "یہ عہدہ امانت ہے، روزِ قیامت یہ افسوس و ندامت کا باعث ہوگا، ہاں صرف وہ لوگ اس حسرت و ندامت سے محفوظ رہیں گے جو اسے اس کا حق ادا کرتے ہوئے لیں گے اور اس عہدہ کی وجہ سے جو ذمہ داریاں ان پر عائد ہوتی ہیں ان سے پوری طرح عہدہ برآ ہوں گے۔

(۷) ابن یزید حضرمی کہتے ہیں کہ میں نے ابن حُجَیرۃ الشیخ کو یہ کہتے سُنا کہ مجھے ایک ایسے شخص نے بتایا جس نے حضرت ابوذرؓ کو یہ کہتے سُنا: "ایک رات میں صبح تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے محوِ گفتگو رہا۔ بات چیت کے دوران میں نے عرض کی "یا رسول اللہ!

---

[1] امارت سے مراد سربراہی، حکومت، حکمرانی اور فرمانروائی ہیں۔ یہ کسی محکمہ کی سربراہی کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔

مجھے بھی کسی علاقہ کا امیر بنا دیجئے"۔ آپؐ نے فرمایا "یہ امارت امانت ہے اور ان لوگوں کے سوا جو اسے حق سے لیں اور اس کی جملہ ذمہ داریوں سے بخوبی عہدہ برآ ہو جائیں باقی تمام لوگوں کے لئے یہ روز قیامت، حسرت و ندامت ہو گی۔"

(۸) ہشام بن عروۃ اپنے باپ کے واسطہ سے راوی ہیں کہ خلیفہ منتخب ہوتے پر حضرت ابوبکرؓ نے اللہ کی حمد و ثنا کے بعد اپنے خطبہ میں فرمایا: "امابعد، میں آپ لوگوں کے معاملات کا والی و ناظم ہو گیا ہوں۔ اگرچہ میں آپ لوگوں میں سے بہتر نہیں ہوں، یہ حقیقت ہے کہ اللہ کی طرف سے قرآن مجید نازل ہوا، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی سنّت جاری فرمائی، آپ نے ہمیں تعلیم دی اور ہم نے اس کے مطابق عمل کیا۔ اے لوگو! یاد رکھو سب سے بڑی دانائی و خردمندی ہدایت[1] یا تقویٰ ہے، اور سب سے بڑی عاجزی بے بسی فجور ہے۔ آپ لوگ یقین رکھئے کہ میری نظر میں معاشرہ کا سب سے زیادہ طاقتور وہ کمزور شخص ہو گا جس کے حقوق میں کوتاہی ہو رہی ہو گی۔ تا آنکہ میں اسے اس کے جملہ حقوق واپس نہ دلا دوں۔ اسی طرح میرے نزدیک معاشرہ کا سب سے کمزور فرد وہ طاقتور شخص ہو گا جو لوگوں کے حقوق غصب کرتا ہے، تا آنکہ میں اس سے غصب شدہ حقوق واپس نہ لے لوں۔ اور اے لوگو! میرا مقام یہ نہیں ہے کہ میں دین میں نئے نئے طریقے اپنی طرف سے وضع کرتا رہوں بلکہ میں تو دین کی اتباع کرنے والا ہوں اور احکام خداوندی کا پابند ہوں۔

خیر میں تعاون

(آپ لوگ میری کارروائیوں کا بغور مطالعہ کرتے رہیئے) اگر آپ دیکھیں کہ میں اپنے فرائض بخوبی انجام دے رہا ہوں تو اس خدمت کی انجام دہی میں میرا ہاتھ بٹائیے۔ اور اگر آپ دیکھیں کہ میں کجی اختیار کر رہا ہوں تو مجھے سیدھا کر دیجئے۔ اپنی اس گذارش کے بعد میں اپنے اور آپ سب کے لئے اللہ سے دست بدعا ہوں کہ وہ سب کی خامیوں اور کوتاہیوں سے درگذر فرمائے۔

---

[1] ہدایت یا تقویٰ، دونوں میں سے ایک کے بارے میں ابوعبید کو شک ہے۔ اور انہوں نے یہ بھی کہا کہ میرا گمان غالب ہے کہ یہاں تقویٰ ہے۔

(۹) ایک اور سند سے بھی حضرت ابوبکر سے ایسی ہی روایت مذکور ہے۔

فائلوں کا ڈھیر کر لینے کی ممانعت

(۱۰) حسنؒ روای ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ابوموسیٰ اشعری رضؓ کو لکھا:"اما بعد کام میں زور وقوت (اور روانی) باقی رکھنے کا یہی طریقہ ہے کہ آج کا کام کل پہ نہ ڈالا جائے اگر ایسا کیا گیا تو تمہارے سامنے کاموں کا ڈھیر لگتا چلا جائے گا اور تمہیں یہ سُدھ نہ رہے گی کہ ان میں سے کس کام کو پہلے انجام دیا جائے، نتیجہ یہ ہوگا کہ تم اپنے کام بگاڑلوگے۔ اور اس حقیقت کو کبھی نہ بھولنا کہ تمام کام امیر کے لئے اُسی وقت تک پوری طرح انجام پاتے ہیں جب تک وہ امیر خود اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی کرتا رہتا ہے۔ لیکن جب امیر

حکام کی قانون فراموشی رعایا کو ظالم بنا دیتی ہے

خود حدود فراموشی اور ناحق کارروائیاں کرنے لگتا ہے تو پھر ماتحت بھی اس کے نقشِ قدم پر چلنے لگتے ہیں۔ اور دیکھو لوگوں کو اپنے برسرِ اقتدار طبقہ سے ایک قسم کی کد اور تنفر سا پیدا ہو جاتا ہے۔ خدا ہمیں اس کیفیت سے اپنی پناہ میں رکھے۔ اس طرح دلوں میں کینے پیدا ہو جاتے ہیں۔ دُنیا

اقامتِ حق

کو ترجیح دے دی جاتی ہے، اور خواہشاتِ نفس کی پیروی کی جاتی ہے۔ لہٰذا تم حق کو قائم کرنے میں کوشاں رہو خواہ اس مبارک مقصد کے لئے تمہیں دن کی ایک گھڑی ہی نصیب ہو۔

(۱۱) مصعب بن سعد سے روایت ہے کہ حضرت علی رضؓ نے حق کی ترجمانی کرتے ہوئے یہ چند کلمات فرمائے:۔

حاکم و رعایا کے فرائض

امام کا فرض ہے کہ وہ اللہ کی طرف سے نازل شدہ احکام کے مطابق فیصلے کرے، امانت ادا کرے۔ جب وہ ایسا کرے تو پھر لوگوں کا فرض ہے کہ وہ اس کی بات سنیں اور فرمانبرداری کریں اور جب بھی وہ پکارے اس کی آواز پر لبیک کہیں۔

(۱۲) حضرت سلمان رضؓ نے کہا "خلیفہ برحق تو وہ ہے جو کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ

خلیفہ برحق

کرے اور رعایا کے ساتھ اسی شفقت و مہربانی سے پیش آئے جس کا مظاہرہ ایک شخص اپنے گھر والوں پر کرتا ہے"۔ اس پر کعب الاحبار نے کہا "انہوں نے سچ کہا"۔

(۱۳) ابو عبیدہ بن عبداللہ کہتے ہیں: "امام عادل کی صفت یہ ہے کہ وہ لوگوں

عوام کی شکایات کا ازالہ

کے گلہ شکوہ کی آوازوں کو جو اللہ تک پہنچائی جاتی ہیں خاموش کر دیتا ہے اور جور پسند امام کی پہچان یہ ہے کہ اس کے خلاف اللہ سے بہت زیادہ شکوے شکائتیں کی جاتی ہیں۔

(۱۴) حضرت ابو ہریرہ رضؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "امام عادل کا اپنی رعایا میں ایک دن کا کام، عبادت گذار کی اپنے گھر والوں میں سو[1] سالہ عبادت سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔

(۱۵) حضرت خالد بن ولید رضؓ کہتے ہیں :-

اس غرض سے تین قدم بھی نہ اُٹھانا کہ تم تین آدمیوں پر حکم چلاؤ اور اُن پر اقتدار حاصل کر لو، اور جس سے تم عہد و پیمان باندھ لو اس کے ساتھ ذرا سی بھی بدعہدی اور دغا نہ کرنا، اور مسلمانوں کے امام کو کسی ناگہانی آفت یا مصیبت میں مبتلا کرنے کی کوشش نہ کرنا۔

(۱۶) سعد جب حضرت سلمان رضؓ کی عیادت کے لئے گئے تو انہوں نے حضرت سلمان رضؓ سے درخواست کی کہ ہمیں ایسی نصیحت و وصیت کیجئے جس پر ہم عمل کرتے رہیں چنانچہ انہوں نے کہا:

ہر اقدام پر اللہ کو یاد رکھو

جب تم کسی کام کا ارادہ کرو یا اپنے انعامات و احسانات کی تقسیم کرنے لگو یا کسی معاملہ میں فیصلہ کرو تو اللہ کو یاد رکھو۔

---

[1] اس جگہ راوی کو شک ہے کہ آپؐ نے سو سال فرمائے تھے یا پچاس سال

باب

بیت المال کے ذرائع آمدنی

(یعنی ائمہ کی زیرِ نگرانی آنے والے ان اموال کی قسمیں جنہیں وہ رعایا کی فلاح وبہبود کے لئے خرچ کریں گے) اور (کتاب وسُنت سے اُس کے بنیادی احکام

اموال میں رسول اللہؐ کے خصوصی حقوق

ان اموال کے ضمن میں سب سے پہلے ہم ان اموال کا تذکرہ کریں گے جن کا تعلق تمام لوگوں کو چھوڑ کر، خالصتہً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی ذات گرامی سے تھا۔ ان اموال کی تین قسمیں ہیں :۔

(پہلی قسم) مسلمانوں کی فوج کشی کئے بغیر حاصل ہونے والی فَےْ

یہ مشرکین کا وہ مال ہے جو مسلمانوں کی فوجی نقل وحرکت کے بغیر ہی اللہ تعالیٰ اپنے رسولؐ کو دلا دے۔

اس میں فدک کا علاقہ اور بنو نضیر کی جائدادیں شامل ہیں۔ اس لئے کہ ان لوگوں نے اپنی جائدادوں اور زمینوں کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے مصالحت کر لی تھی۔ ان لوگوں نے نہ تو جنگ کی تھی اور نہ مسلمانوں کو ان تک پہنچنے کے لئے زحمتِ سفر برداشت کرنا پڑی تھی

(دوسری قسم) صَفِیّ

یہ مسلمانوں کے جمع کردہ مالِ غنیمت کا وہ حصّہ ہے جسے تقسیم غنیمت سے قبل ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم اپنے لئے چُن کر علیٰحدہ کر لیتے تھے۔

(تیسری قسم) خُمس الخمس ($\frac{1}{25}$ واں حصّہ)

یہ مالِ غنیمت کے ($\frac{1}{25}$) تقسیم شدہ مال

کے علاوہ باقیماندہ) پانچویں حصہ (⅕) میں سے پانچواں حصہ (یعنی ۱/۲۵ ویں حصہ) کا نام ہے (جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خاص تھا) مذکورہ بالا ہر سہ اقسام کے بارے میں مستند اور مشہور آثار و روایات موجود ہیں:۔

۱۔ بنو نضیر کی املاک

(۱۷) مالک بن اوس بن حدثان نصری راوی ہیں کہ حضرت عمرؓ ابن الخطاب کہتے ہیں، بنو نضیر کے املاک اس فہرست میں آتے ہیں جنہیں مسلمانوں کی فوج کشی کے بغیر ہی اللہ تعالےٰ نے اپنے رسولؐ کے حوالہ کر دی تھیں اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی ملکیت قرار پا گئی تھیں، چنانچہ آپ اس میں سے اپنے اہل و عیال کے سال بھر کے اخراجات لینے کے بعد باقیماندہ آمد نی جہاد فی سبیل اللہ کے لئے ہتھیاروں اور سواریوں کی فراہمی میں خرچ فرماتے تھے۔

(۱۸) زہری کہتے ہیں "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو نضیر کا محاصرہ کیا، یہ یہودیوں کا ایک قبیلہ تھا جو مدینہ منورہ کے ایک سرے پر آباد تھا۔ نتیجتہً یہ لوگ اس شرط پر اپنا وطن چھوڑنے کے لئے آمادہ ہو گئے کہ ہتھیاروں کے علاوہ جتنا سامان اُونٹوں پر لادا جا سکے وہ اپنے ساتھ نکال کر لے جائیں۔ انہی کے متعلق اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید میں یہ آیات نازل فرمائیں:۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝ هُوَ الَّذِیْٓ اَخْرَجَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِیَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ .... الی قولہ عزّ وجل — وَلِیُخْزِیَ الْفٰسِقِیْنَ۔ (الحشر ۵۹: ۱تا۵)

آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز نے اللہ کی تسبیح خوانی کی اور وہی غالب و حکیم ہے۔ وہی ہے جس نے اہلِ کتاب میں سے کفر کرنے والوں کو پہلے حشر کے لئے ان کے گھروں سے نکال دیا .... اور تاکہ فاسقوں کو رُسوا کرے۔

(۱۹) ابن شہاب کا بیان ہے کہ یہود کے قبیلہ بنو نضیر (کے محاصرہ) کا واقعہ غزوۂ بدر سے چھ ماہ بعد کا ہے (۱) اُن کی بستی اور اُن کے کھجور کے باغات مدینہ منورہ کے ایک سرے پر تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس وقت تک اُن کا محاصرہ جاری رکھا جب تک کہ وہ جلا وطنی پر آمادہ نہ ہو گئے۔

۱؎ غزوۂ بدر ماہ رمضان ۲ھ میں ہوا تھا۔

(۲۰) نافع حضرت عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنونضیر کے کھجوروں کے درختوں میں سے کچھ کاٹے اور کچھ جلا ڈالے۔ اس واقعہ کی طرف حضرت حسان بن ثابتؓ نے اپنے اس شعر میں اشارہ کیا ہے:۔

وَهَانَ عَلَىٰ سَرَاةِ بَنِي لُؤَيٍّ   حَرِيقٌ بِالْبُوَيْرَةِ مُسْتَطِيرُ

(ترجمہ) بنو لوی کے سرداروں پر مقام بُوَیرہ (یہود کے کھجور کے باغات) میں تیزی سے پھیلنے والی آتش زدگی آسان ہوگئی۔

(۲۱) نافع حضرت ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بویرہ میں بنونضیر کے کھجور کے درختوں کو جلایا اور کاٹا۔ اسی واقعہ کی طرف قرآن مجید میں اشارہ ہے:۔

مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ (الحشر: ۵)

کھجور کے درختوں[1] میں سے جو تم نے کاٹے یا جنہیں تم نے ان کی جڑوں پر کھڑا چھوڑ دیا تو تمہاری یہ تمام کارروائی اللہ کے اذن سے تھی اور تاکہ وہ فاسقوں کو رسوا کرے۔

(۲۲) سعید بن جُبیر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباسؓ سے "سورۃ الحشر" کا سبب نزول دریافت کیا تو انہوں نے کہا: "یہ سورۃ بنونضیر کے سلسلہ میں نازل ہوئی"۔

ابو عبید: یہ تو بنونضیر کے بارے میں ہے، اب فَدَک کا ذکر کیا جائے گا۔

فَدَک

(۲۳) رہا فدک تو زہری کہتے ہیں کہ آیت کریمہ:۔

فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ (الحشر: ۶)

جس پر تم نے کسی قسم کی فوج کشی نہیں کی۔

سے مراد قُریٰ عربیہ[2] کا علاقہ، جو فدک اور اسی قبیل کے دیگر علاقوں پر مشتمل ہے۔ خاص طور پر

---

[1] بعض نحویین نے "لِینَۃ" کے معنوں میں تصریح کی ہے کہ یہ ایسے کھجور کے درخت کو کہتے ہیں جس کے پھل انسانی خوراک بننے کے قابل نہ ہوں (مترجم)

[2] قری عربیہ کے متعلق نمبر ۲۳ سے معلوم ہو رہا ہے کہ اس میں فدک اور بعض دیگر بستیاں شامل تھیں لیکن ابن خردادبہ نے مدینہ کے مضافات کی بستیوں میں خیبر فدک اور قری عربیہ جداگانہ علاقوں کے نام دئیے ہیں (دیکھئے المسالک والممالک ۱۲۹) یحییٰ بن آدم کی کتاب الخراج نمبر ۶۲ میں ایک علاقہ کا نام بعینہ قری عربیہ بتایا ہے اور لکھا ہے کہ قری ظاہرہ سے مراد قری عربیہ ہے۔ تفسیر ابن کثیر میں سورۃ سبا آیت ۱۸ کی شرح میں قری عربیہ سے مراد مدینہ و شام کے درمیان کی بستیاں بتائی گئی ہے جسے دیگر علماء جغرافیہ نے "وادی القریٰ" کہا ہے۔ واللہ اعلم (مترجم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی ملکیت بنا (یعنی سربراہِ مملکت کی تحویل میں رہا اور غنیمتوں کی طرح فوج میں تقسیم نہیں ہوا)

(۲۴) یحییٰ بن سعید کہتے ہیں فدک کے باشندوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں اپنے آدمیوں کو بھیج کر معاملہ اس طرح طے کیا کہ ان کی جان بخشی ہو جائے اور اُن کی زمینوں اور کھجوروں (باغات) کا نصف حصّہ انہیں مل جائے اور نصف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم لے لیں۔ جب حضرت عمر رضؓ نے انہیں جلاوطن کیا تو انہوں نے ان کے حصّہ کی زمینوں اور کھجوروں کی قیمت متعین کرنے کے لئے ایسے متعلقہ کارکن کو بھیجا جس نے ان کے حصّہ کی زمینوں اور کھجوروں کا اندازہ لگا کر ان کی قیمت متعین کی، پھر انہوں نے وہ قیمت انہیں ادا کر دی۔

(۲۵) مالک بن انسؓ کہتے ہیں، جب حضرت عمر بن الخطابؓ نے خیبر کے یہودیوں کو جلاوطن کیا تو وہ اس طرح وہاں سے نکلے کہ نہ انہیں پھلوں کا کوئی معاوضہ دیا گیا نہ زمین کا۔ لیکن جب فدک کے یہودیوں کا دیس نکالا ہوا تو انہیں پھلوں اور زمینوں کی نصف قیمت دی گئی۔ اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے ان سے معاہدۂ صلح میں ایسا ہی طے فرمایا تھا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے ان کے نصف پھلوں اور نصف زمینوں کی قیمت لگوائی۔ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ان سے صلح کرتے وقت سونے، چاندی، اونٹ اور پالانوں پر ان کی ملکیت برقرار رکھی تھی۔ چنانچہ حضرت عمر رضؓ نے انہیں ان کے نصف حصّہ کا معاوضہ ادا کر کے جلاوطن کر دیا۔

ابوعبید:۔ اہلِ خیبر اس لئے زمین اور پھل (پیداوار) کے حصّہ سے محروم رہے کہ خیبر فوجی قوت کے ذریعہ فتح کیا گیا تھا اور اس وجہ سے ان کی جائدادیں مسلمانوں کے قبضہ میں آگئیں اور یہود کا اس میں کچھ حصہ نہ رہا۔ رہ گیا فدک کا معاملہ سو وہ ان شرائط کے مطابق برقرار تھا جو صلح کے وقت کی گئی تھیں۔ چنانچہ جب اہلِ فدک نے اپنی بقیہ زمینوں کے حصّہ کی قیمت وصول کر لی تو وہ تمام کا تمام صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے لئے ہو گیا[۱] اور یہی وجہ ہے کہ حضرات عباس و علی رضی اللہ عنہما نے اس بارے میں بحث کی:۔

---

[۱] ۔یہاں اس سے مراد اسلامی مملکت کا بیت المال ہے۔ اس لئے کہ خود رسول اللہؐ بھی اپنے حصہ میں سے اپنے ضروری اخراجات لینے کے بعد بقیہ عامۃ المسلمین کے مفاد کے لئے خرچ کرتے تھے۔ دیکھئے نمبر (۲۶) (مترجم)

(۲۶) ابنِ شہاب کہتے ہیں کہ مالک بن اوس بن حدثان ـــــ جن کی روایت کا کچھ تذکرہ مجھ سے محمد بن جبیر بن مطعم نے کیا تھا اور جسے پورا سننے کے لئے میں مالک بن اوس کی خدمت میں پہنچا اور میں نے ان سے پوری روایت دریافت کی ـــــ تو مالک نے کہا: ایک روز دن چڑھے جبکہ میں خیبر والوں میں بیٹھا تھا، حضرت عمر بن الخطابؓ کا قاصد میرے پاس آیا اور اس نے کہا: "امیرالمومنین آپ کو بلا رہے ہیں"۔ چنانچہ میں اس کے ساتھ ہولیا اور حضرت عمرؓ کی خدمت میں پہنچا۔ میں نے دیکھا کہ وہ کھجور کے پتوں کی رسّی سے بنی ہوئی کھرّی کھاٹ پر چمڑے کے تکیہ سے سہارا لئے تشریف فرما ہیں۔ میں نے انہیں سلام کیا پھر بیٹھ گیا۔ انہوں نے کہا: "اے مالک! یہاں آجاؤ، ہمارے پاس تمہاری قوم کے کچھ معزّز افراد آئے ہیں، میں نے انہیں کچھ عطیے دینے کا حکم دیا ہے۔ یہ رقم تم اپنے قبضہ میں لے کر ان کے درمیان تقسیم کردو"۔ میں نے عرض کیا "یا امیرالمومنین! اگر آپ میرے سوا کسی اور کو یہ ذمہ داری سونپ دیتے تو بہتر ہوتا"۔ اس پر اُنہوں نے کہا "اے آدمی! تم ہی اسے اپنے قبضہ میں لے لو"۔ دریں اثناء کہ میں ان کے پاس بیٹھا تھا ان کا دربان "یرفا" آیا اور اُس نے کہا "حضرات عثمانؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ، زبیر بن العوامؓ اور سعدؓ آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت طلب کر رہے ہیں"۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے ان حضرات کو اپنے پاس بلوالیا۔ یہ لوگ داخل ہوئے اور سلام کرکے بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر بعد ہی "یرفا" پھر آیا اور کہا "کیا حضرات عباسؓ و علیؓ کو اندر آنے کی اجازت ہے؟" انہوں نے کہا "ہاں" اور ان دونوں کو بھی اندر آنے کی اجازت دے دی۔ جب وہ دونوں داخل ہوئے تو وہ بھی سلام کرکے بیٹھ گئے۔ معاً حضرت عباسؓ نے کہا "امیرالمومنین! میرے اور ان (علیؓ) کے درمیان جو جھگڑا ہے اس کا فیصلہ فرما دیجئے"۔ اس پر حضرت عثمانؓ اور ان کے ساتھیوں نے بھی کہا "پہلے ان دونوں کا جھگڑا چکا دیجئے"۔ تب حضرت عمرؓ نے فرمایا: "میں تم سے تمہارے معاملہ کی تفصیل بیان کرتا ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس (مال) فئے میں سے کچھ حصّہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے لئے خاص فرمایا تھا، جسے آپؐ کے سوا کسی دوسرے کو نہیں دیا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے :-

مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰی مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ (الحشر ۵۹ : ۶)

جو کچھ اللہ تعالیٰ نے ان (کفار) سے اپنے رسول کو بطور فئے اس طرح دلایا کہ تم نے اس (کو حاصل کرنے) پر فوج کشی نہیں کی بلکہ اللہ اپنے رسولوں کو جس پر چاہتا ہے مسلّط کر دیتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

چنانچہ اس قسم کی فتوحات خالصتہً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے لئے تھیں، تاہم اللہ شاہد ہے کہ رسول اللہؐ کا طریقہ یہ نہیں تھا کہ وہ اس مال سے تم لوگوں کو محروم کر کے صرف اپنے لئے اسے خاص کر لیتے اور اس کی تقسیم میں تمہارے اُوپر اپنی ذات کو ترجیح دیتے، یقیناً آپؐ اس مال میں سے تم لوگوں کو دیتے اور بانٹتے رہے تا آنکہ اب اس میں سے یہ مال بچ گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا دستور یہ تھا کہ وہ اس میں سے اپنے اہل وعیال کو سال بھر کا خرچ دے دیتے اور جو بچ جاتا اسے "مال اللہ" کی حیثیت دے دیتے۔ زندگی بھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا یہی طرزِ عمل رہا۔ اب میں اللہ کا واسطہ دے کر تم سب سے پوچھتا ہوں کہ کیا تم لوگ رسول اللہؐ کے اس طرزِ عمل سے واقف نہیں ہو؟" جملہ حاضرین نے بیک آواز کہا "آپ بجا کہتے ہیں"۔ پھر حضرت عمرؓ نے حضرات عباسؓ و علیؓ سے کہا "تمہیں اللہ کی قسم، بتاؤ کیا تم دونوں رسول اللہؐ کے اس طرزِ عمل سے واقف ہو؟" ان دونوں نے بھی کہا "ہاں"۔

ابو عبیدؒ:- بعد ازاں راوی نے طویل روایت بیان کی ہے ہم نے اس میں سے یہ کچھ مختصراً درج کیا ہے[۵]۔

(۲۷) ایک اور سند سے بھی زہری ہی سے مالک بن اوس کے واسطہ سے حضرت عمرؓ ہی سے یہی مضمون مروی ہے۔

(۲۸) ابو البختری کہتے ہیں کہ میں نے ایک آدمی سے ایک روایت سُنی جو مجھے پسند آئی اور میں نے اسے لکھنا چاہا تو انہوں نے مجھے لکھا ہوا دے دیا۔ اس میں بھی ایسی ہی روایت مذکور ہے۔

ابو عبیدؒ: یہ ہیں فدک اور بنو نضیر کے سلسلہ میں آمدہ روایات۔

---

[۵] صحیح البخاری باب الخمس میں اس کی تفصیل ملے گی۔

اب صَفِیّ (تقسیم سے قبل مالِ غنیمت میں سے جو کچھ چُن کر علیحدہ کر لیا جائے) کے متعلق سُنیئے:۔

(۲۹) شعبیؒ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہر مالِ غنیمت میں سے "صفی" ہوتا تھا وہ غلام ہوتا یا لونڈی یا گھوڑا۔

(۳۰) ابوالعلاء بن عبداللہ بن شخیر کہتے ہیں ہم مِرْبَد میں تھے —— **ابوعبیدؒ**:- میرا خیال ہے کہ انہوں نے کہا تھا کہ ہمارے ساتھ مُطرِّف بھی تھے —— کہ ایک عرب دیہاتی ہمارے پاس آیا۔ اس کے پاس چمڑے کا ایک ٹکڑا تھا، اس نے ہم سے پوچھا "کیا تم میں کوئی پڑھنا جانتا ہے؟"۔ ہم نے کہا "ہاں" تو اس نے ہمیں وہ چمڑے کا ٹکڑا پڑھنے کے لئے دیا۔ جس میں لکھا ہوا تھا۔

شرائطِ امان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ یہ تحریر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے عُکل کے قبیلہ کی شاخ بنو زُہیر بن اُقَیش کے نام ہے۔

اگر تم لوگ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی شہادت دو، نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرتے رہو، مشرکوں سے الگ ہو جاؤ، اور مالِ غنیمت میں سے پانچواں (۱/۵) حصہ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ اور آپ کی پسندیدہ اشیاء (صفی) دیتے رہو، تو تم لوگ اللہ اور اس کے رسول کی امان میں آجاؤ گے۔"

بعد ازاں ہم نے اس دیہاتی سے دریافت کیا "کیا تم نے حضورؐ سے کوئی ایسی بات بھی سُنی ہے جسے تم ہم سے بیان کرو؟" اُس نے کہا: "ہاں، میں نے آپؐ کو یہ فرماتے ہوئے سُنا تھا: "جسے یہ پسند ہو کہ وہ اپنے دل کو بہت سی کدورتوں، کینوں اور وسوسوں سے پاک کرلے تو وہ ماہِ رمضان کے روزے رکھے اور ہر ماہ تین دن کے روزے رکھ لے۔" ہم نے اس سے پوچھا "کیا واقعی تم نے یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنی ہے؟" تو وہ غصہ ہوا اور کہنے لگا "کیا تمہارا خیال ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جھوٹی بات منسوب کر رہا ہوں؟" پھر اُس نے وہ تحریر لے لی اور چل دیا۔

(۳۱) حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عبدالقیس کا وفد حاضر ہوا اور اس نے عرض کی "یا رسول اللہؐ! یہ وفد خاندان ربیعہ کا ہے۔ اب حالت یہ ہے کہ ہمارے اور آپؐ کے درمیان مُضر کے کفار حائل ہو گئے ہیں اس لئے ہم آپؐ کے

پاس حرام ماہ ہی میں حاضری کا موقع پا سکتے ہیں۔ لہٰذا آپ ہمیں کچھ احکامات دے دیجئے جن پر ہم عمل کرتے رہیں اور اپنے اطراف کے باشندوں کو بھی اس کی دعوت دیتے رہیں، چنانچہ آپؐ نے ارشاد فرمایا :۔

وفد عبد القیس کو ہدایات

"میں تمہیں چار باتوں کا حکم دیتا ہوں اور چار چیزوں سے منع کرتا ہوں۔ احکام یہ ہیں کہ (۱) اللہ پر ایمان لاؤ (پھر اس کلمہ کی تفسیر فرماتے ہوئے آپؐ نے فرمایا کہ) اس بات کی گواہی دو کہ (لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ) اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور (مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ) محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔ (۲) نماز قائم کرو (۳) زکوٰۃ دو (۴) اپنے حاصل کردہ مالِ غنیمت سے پانچواں حصہ ادا کرو۔ اور جن چیزوں سے میں تمہیں روکتا ہوں وہ ہیں۔ (۱) دُبَّاء (۲) حَنْتَمْ (۳) نَقِيْر (۴) مُقَيَّر[1]

(۳۲) ایک اور سند سے حضرت ابنِ عباس رضی سے یہی مضمون مروی ہے اور اس میں یہ اضافہ ہے :"اور تم مالِ غنیمت میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ اور صَفی دیتے رہو۔"

(۳۳) حضرت عروۃ بن زبیر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مندرجہ ذیل خط لکھا :۔

"یہ خط محمد رسول اللہ کی طرف سے حارث بن عبد کلال، شُریح بن عبد کلال اور نعیم بن عبد کلال کے نام جو (قبائل) ذی رعین۔ معافر اور ہمدان کے والی ہیں۔

سلام علیکم۔ امابعد۔ سرزمینِ روم سے ہماری واپسی پر ہمیں آپ کا قاصد ملا معلوم ہوا کہ اللہ عزّوجل نے آپ لوگوں کی ہدایت فرمائی۔ اب شرط یہ ہے کہ تم اپنے حالات کی اصلاح کر لو اور اللہ اور اُس کے رسول کے اطاعت گذار رہو، مالِ غنیمت میں سے پانچواں حصہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ (جو آپ پسند کر کے اپنے لئے چُن لیں) نیز وہ صدقہ جو اللہ تعالیٰ نے مومنین پر فرض کیا ہے، ادا کرتے رہو۔"

ابو عبیدؒ :۔ یہ ہیں صَفی کے سلسلہ میں ہمیں پہنچنے والی روایات۔

---

[1] ۔ یہ ان برتنوں کے نام ہیں جن میں وہ نبیذ (کھجور، کشمش وغیرہ کو پانی میں بھگو کر مشروب تیار کرتے تھے۔ منع اس لئے کیا گیا تھا کہ ان میں یہ مشروب جلد نشہ آور ہو جاتا تھا۔

اب "خمس الخمس" (پچیسواں حصہ) کا ذکر کیا جاتا ہے:

(۳۴) موسیٰ بن ابی عائشہ کہتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن الجزار سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے حصہ کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے کہا: "آنحضرتؐ کا حصہ خمس الخمس تھا" (یعنی پانچویں حصہ کا پانچواں حصہ = ۱/۲۵ واں حصہ)

(۳۵) ایک اور سند سے موسیٰ بن ابی عائشہ کی وساطت سے یحییٰ بن الجزار ہی سے اس جیسی روایت ہے۔

(۳۶) حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں، میرا مشاہدہ یہ ہے کہ اموال غنیمت کو پانچ حصوں میں تقسیم کر دیا جاتا، پھر اس کے مطابق حصے بانٹے جاتے، جو حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا ہوتا وہ آپؐ کو مل جاتا۔ آپؐ (اپنا حصہ خود) انتخاب نہ فرماتے تھے۔"

خمس الخمس کے مصارف

(۳۷) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ مالِ غنیمت پانچ حصوں میں تقسیم کیا جاتا پھر ان میں سے چار حصے تو اس جنگ میں لڑنے والے فوجیوں کے ہوتے اور (باقیماندہ) پانچواں حصہ پھر چار حصوں میں منقسم ہوتا اس میں سے ایک چوتھائی اللہ و رسولؐ اور قرابت داروں — یعنی آنحضرتؐ کے اقرباء کے لئے ہوتا (تو جو حصہ اللہ و رسول کا ہوتا وہ آپؐ کے قرابت داروں کو ملتا[۵]) نبی صلی اللہ علیہ وسلّم اس خمس میں سے کچھ نہ لیتے تھے۔ دوسرا چوتھائی حصہ یتیموں کے لئے ہوتا۔ تیسرا چوتھائی حصہ مسافروں کے لئے۔ یہ مسافر وہ نادار مہمان ہوتا جو مسلمانوں کے علاقہ میں اُترتا تھا۔

"اللہ و رسول" کی مختلف تاویلیں

(۳۸) ابو العالیہ کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں جب مالِ غنیمت لایا جاتا تو پہلے اپنا ہاتھ اس پر رکھتے اور جو کچھ آپ کے ہاتھ کے نیچے آجاتا وہ خانہ کعبہ کے خرچ کے لئے نکال دیتے۔ یہ بیت اللہ کا حصہ ہوتا۔ پھر باقیماندہ مالِ غنیمت کو پانچ حصوں میں تقسیم کر دیتے۔ اس طرح ایک حصہ رسول اللہؐ کا ہوتا۔ ایک حصہ قرابت داروں کا۔ ایک حصہ یتیموں کا۔ ایک

۵۔ بریکٹوں کے درمیان کی عبارت شامی نسخہ کی زائد عبارت کا ترجمہ ہے۔

مسکینوں کا - ایک حصہ مسافروں کا" ان کا کہنا ہے کہ کعبہ کے لئے جو حصہ نکالا جاتا وہ اللہ کے نام) کا ہوتا تھا۔

ابوعبید : یعنی ان کے خیال میں فرمانِ خداوندی (وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰہِ خُمُسَہٗ (الانفال : ۴۱) اور جان لو کہ جو کچھ بھی تمہیں غنیمت ملے تو اس میں سے اللہ کے لئے خُمس (۱/۵) ہے) کی یہی تفسیر ہے۔

(۳۹) قیس بن مسلم نے حسن بن محمد سے آیت کریمہ : وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰہِ خُمُسَہٗ (الانفال : ۴۱) کے بارے میں دریافت کیا تو اُنہوں نے کہا : یہ تو افتتاح کلام کا اسلوب ہے۔ ورنہ دُنیا و آخرت اللہ کے لئے ہی ہیں۔ البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی وفات کے بعد لوگوں میں اِن (مذکورہ بالا) دو حصّوں کے بارے میں اختلاف ہوگیا (جس کی تفصیل یہ ہے) :۔

(۴۰) عطار بن ابی رباح کہتے ہیں "اللہ کا خمس (۱/۵) اور اُس کے رسولؐ کا خمس (۱/۵) ایک (ہی بات) ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم اسی میں سے جہاد کے لئے سواریاں مہیا فرماتے تھے۔ اور اسی میں سے لوگوں کو دیتے تھے اور جہاں چاہتے اسے صرف فرماتے اور جو چاہتے اس حصہ میں سے کرتے تھے"

ابوعبید : یہ ہیں ہم تک پہنچنے والی وہ روایات جو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے متعلق ہیں جس میں اس نے اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو دوسرے لوگوں کے علاوہ مال میں خصوصیت بخشی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا انتقال ہوگیا تو آپؐ کے بعد ہی یہ تمام خصوصی حقوق بھی ختم ہوگئے۔ اور آپؐ کے بعد مملکتِ اسلامی کے جملہ اموال تین قسموں میں منقسم ہوگئے (۱) فئے (۲) خُمس اور (۳) صدقہ (یعنی زکوٰۃ) انہی اقسام کے بارے میں کتاب اللہ میں ہدایات نازل ہوئیں اور اسی پر سُنت جاری رہی اور اسی پر ائمہ کا عمل رہا اور مندرجہ ذیل روایت میں اموال کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے بھی انہی اقسام کو مُراد لیا ہے۔

(۴۱) مالک بن اوس بن حدثان کی حضرت عمر بن الخطابؓ والی روایت جس میں

حضرات عباس و علی علیہما السلام کے حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہونے کا ذکر ہم کر آئے ہیں (دیکھئے نمبر ۲۶)۔ اس کے آخر میں یہ اضافہ ہے:۔

مختلف آیاتِ قرآنی سے حضرت عمرؓ کا غنیمت، صدقہ اور فَے کے مصارف پر استنباط

"پھر حضرت عمرؓ نے یہ آیت تلاوت کی:۔

وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰہِ خُمُسَہٗ وَ لِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسَاکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ۔ (الانفال: ۴۱)

اور جان لو کہ جو کچھ تمہیں غنیمت ملے تو اس میں سے خمس (۱/۵) اللہ کے لئے اور رسولؐ کے لئے اور قرابت داروں کے لئے نیز یتیموں مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے۔

اور فرمایا: یہ (غنیمت کا مال) تو ان لوگوں کے لئے ہوگیا۔ اور:۔

اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاکِیْنِ وَالْعَامِلِیْنَ عَلَیْھَا وَالْمُؤَلَّفَۃِ قُلُوْبُھُمْ وَ فِی الرِّقَابِ وَالْغَارِمِیْنَ وَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَابْنِ السَّبِیْلِ۔ (التوبۃ: ۶۰)

صدقات تو صرف فقراء و مساکین اور اس (کے جمع و خرچ) پر کام کرنے والوں نیز جن کے دلوں کی تالیف مطلوب ہو، اور غلاموں کو آزاد کرانے اور (تاوان زدہ) قرض داروں اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں کے لئے ہیں۔

یہ (صدقات کا مال) ان لوگوں کے لئے ہوگیا۔ اور:۔

مَا اَفَاءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مِنْ اَھْلِ الْقُرٰی فَلِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسَاکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ۔ (الحشر: ۷)

جو کچھ اللہ تعالیٰ اپنے رسول پر بستیوں کی آبادیوں سے بطور فئے پلٹائے تو وہ (مال فئے) اللہ کے لئے ہے اور رسول کے لئے اور قرابت داروں، یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے۔

وَلِلْفُقَرَاءِ وَالْمُھَاجِرِیْنَ۔

اور فقیروں اور مہاجروں کے لئے۔

یا پھر انہوں نے یہ آیت پڑھی۔

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ ـــــ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّءُو الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ ـــــ وَالَّذِيْنَ جَآءُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ -
(الحشر ۵۹ : ۸ تا ۱۰)

ان حاجتمند مہاجرین کے لئے جو اپنے گھروں اور مالوں سے نکال باہر کر دیئے گئے ـ اور ان لوگوں کے لئے جو ان سے قبل مدینہ میں اقامت پذیر ہوئے اور ایمان پر جمے رہے ـــــ اور ان لوگوں کے لئے جو ان کے بعد آئے ـ

پھر انہوں نے کہا: اس (مؤخر الذکر) آیتِ کریمہ نے تمام لوگوں کو اپنے احاطہ میں لے لیا ہے ـ لہٰذا مسلمانوں میں سے کوئی فرد بھی اس سے مستثنیٰ نہیں کیا جا سکتا ـ ہر ایک کا اس میں حق اور حصّہ ہے ـ سوائے تمہاری ملکیّت میں آنے والے بعض غلاموں کے ـ اور اگر میں زندہ رہا ـ اِن شاء اللہ ـ تو بالضرور ہر مسلمان کو اس کا پورا پورا حق ـ یا حصّہ ملے گا حتیٰ کہ سَرْوِ حمیر[۱] میں رہنے والے چرواہے کو بھی اس کا مقررہ حصہ پہنچے گا اور اس کے لئے کسی قسم کی مشقت کا سامنا نہ کرنا پڑے گا ـ

(۴۲) عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں ـ اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی الٰہ نہیں ، فارس و روم کی فتح سے قبل ہی اللہ تعالیٰ نے فَیٔ کو تقسیم (کرنے کا قاعدہ بیان) فرما دیا تھا ـ

ابو عبیدؒ:- ہمارا خیال ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ بھی اسی آیت سے استنباط کر رہے ہیں جس سے حضرت عمرؓ نے کیا تھا ـ یعنی آیت کریمہ :-

"وَالَّذِيْنَ جَآءُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ" ـــــ اور اُن لوگوں کے لئے جو ان کے بعد آئے (الحشر: ۱۰)

یہ سورۃ (یعنی سورۃ "الحشر") مدینہ منوّرہ میں جنگ کے بعد نازل ہوئی تھی ـ اور فَیٔ کی تقسیم کے سلسلہ میں حضرت عمرؓ اسی سے استدلال فرماتے تھے ـ اس لئے کہ فارس و روم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی وفات کے بعد فتح ہوئے تھے ـ اس میں اللہ تعالیٰ نے آنے والوں کے لئے اُن کے آنے سے قبل نیز ان ممالک کے فتح ہونے سے پہلے ہی حصّہ مقرر فرما دیا تھا ـ

---

[۱] ـ یہ یمنی حمیر قبیلہ کے رہائشی علاقہ کا نام ہے جو وادیوں کے نشیب و فراز پر مشتمل تھا ـ

بنا بریں وہ اموال جن کی نگرانی و انتظام ائمہ مسلمین کے ذمہ ہے ان کی یہی تین اقسام ہیں جن کا تذکرہ حضرت عمرؓ نے کیا اور کتاب اللہ سے ان کا استنباط کیا یعنی: فئی۔ خمسؓ اور صدقہ۔

یہ تین اقسام اور ان کے یہ نام مجمل ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کے تحت مختلف اقسام کے مال آتے ہیں۔ جن کی تفصیل یوں ہے۔

صدقہ — صدقہ مسلمانوں کے اموال کی زکوٰۃ ہے جو سونے چاندی، اونٹ، گائے بھیڑ بکریوں اور غلہ یا پھلوں پر لی جاتی ہے۔ اور یہ صرف ان آٹھ مدوں

صدقہ کا مصرف — میں خرچ ہو گا جنہیں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نام بنام معیّن فرما دیا ہے۔ ان کے سوا کسی شخص کا اس میں قطعاً کوئی حق نہیں ہے اور اسی لئے حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا کہ یہ صدقات کا مال تو ان لوگوں کے لئے ہو گیا (دیکھئے نمبر ۱۴)

فئے — فَیٔ کا لفظ ان تمام اموال پر حاوی ہو گا جو ذمیوں سے صلح کے معاہدہ کے تحت وصول ہوتا ہے۔ اس میں ذمیوں سے فی کس وصول ہونے والا وہ "جزیہ"

جزیہ — ہے جس کے عوض ان کی جانوں کو امان اور ان کے اموال کو حرمت دی جاتی ہے۔

خراج — اسی فئے میں وہ خراج بھی شامل ہے جو ایسے بزورِ جنگ مفتوحہ علاقوں سے وصول ہوتا ہے جن پر امام ذمیوں کو اس شرط پر بحال رکھتا ہے کہ وہ معاہدہ کے تحت زمین کی معین مقدار پر مقررہ رقم یا جنس ادا کرتے رہیں گے۔ اسی ذیل میں وہ صلح کا علاقہ آتا ہے جس کے باشندے اس وقت تک اس کا دفاع کرتے رہیں تا آنکہ ان کی طرف سے معیّن خراج ادا کرتے رہنے کی شرط پر ان سے صلح ہو جائے۔ اسی کے تحت وہ عشور (دسواں حصہ۔ چنگی)

چنگی (عشور) — ہے جو عاشر (محصل عشور) ذمیوں سے ان کے تجارتی مال و اسباب پر وصول کرتا ہے۔ اسی (فئے) میں چنگی کا وہ مال شامل ہے جو اہلِ حرب کے اس تجارتی سامان سے وصول ہوتا ہے جسے لے کر وہ اسلامی ممالک میں داخل ہوتے ہیں۔

فئے کے مصارف — یہ تمام آمدنیاں "فئے" میں شامل ہیں۔ اور یہی وہ فئے ہے جس میں تمام مسلمان خواہ وہ امیر ہوں یا فقیر یکساں شامل ہیں اس

(رقم) سے فوجیوں کو تنخواہیں دی جائیں گی۔ بال بچوں کے روزینے اور وظائف مقرر کئے جائینگے اور اسی فئے میں سے امام (سربراہ مملکتِ اسلامی) اپنی صوابدید کے مطابق اسلام اور مسلمانوں کے مفاد کو ملحوظ رکھتے ہوئے لوگوں کے ان تمام معاملات اور انتظامی امور میں خرچ کرے گا جن کی ذمہ داری اس پر عائد ہوتی ہے۔

خُمس (۱/۵)

اب رہ گیا خمس (۱/۵)۔ سو یہ جنگ میں دشمن سے حاصل ہونے والے مالِ غنیمت نیز قدیم دفینوں اور غوطہ خوری یا کانوں سے حاصل ہونے والے مال کا پانچواں حصّہ ہے۔ (اسلامی ریاست کی آمدنی میں) یہی وہ صنف ہے جس کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔

خُمس کا مصرف

ایک جماعت کا خیال ہے کہ ان پانچ مدوں میں خرچ کی جائے گی جن کا ذکر کتاب اللہ میں ہے۔ جیساکہ حضرت عمرؓ نے ان الفاظ میں اپنی رائے کا اظہار کیا تھا: "یہ (غنیمت کا مال) تو ان لوگوں کے لئے ہوا" (ملاحظہ ہو نمبر ۱۴۲)

بعض علماء کا کہنا ہے کہ خُمس کا مصرف وہی ہے جو "فئ" کا ہے۔ یعنی وہ بھی امام کی صوابدید پر اور اس کے حسبِ منشا استعمال ہوگا۔ اگر وہ یہ مناسب خیال کرے کہ اس رقم کو انہی لوگوں میں محدود رکھے جن کے نام اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائے ہیں فبہا۔ لیکن اگر وہ سمجھے کہ یہ مال ان کے علاوہ دوسروں کو دینا مسلمانوں کے لئے زیادہ مفید اور بہتر نتائج کا حامل ہوگا تو اسے اس کا بھی اختیار ہے۔

ان میں سے ہر موضوع پر سنن و آثار موجود ہیں جن کا ذکر اپنے اپنے مقامات میں آئے گا۔ ان شاءاللہ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فصل

فۓ (اور اُس کی مختلف صورتیں اور طریقے)

باب

جزیہ کا بیان

(جزیہ کی تعریف۔ اس کے قبول کرنے کے متعلق مسنون طریقہ۔ نیز یہ کہ جزیہ فۓ میں شامل ہے)

(۳۴۳) حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اسلامی ریاست میں کلمہ کی شہادت جان و مال کی ضمانت کا سبب ہے

مجھے حکم ملا ہے کہ میں اس وقت تک لوگوں سے جنگ کرتا رہوں —— یا میں لوگوں سے مسلسل جنگ جاری رکھوں تا آنکہ وہ "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کہہ دیں۔ جب وہ اس کلمہ کا اقرار کریں گے تو وہ اپنی جانیں اور ملکیتیں مجھ سے محفوظ کرلیں گے۔ مگر وہ حقوق ان پر واجب ہوں گے جن کا یہ کلمہ متقاضی ہے۔ اور اُن کا حساب اللہ کے ذمّہ ہوگا۔

(۳۴۴) حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے مرتدین سے جنگ کے موقع پر کہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مجھے حکم ملا ہے کہ لوگوں سے اس وقت تک جنگ جاری رکھوں تا آنکہ وہ "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کہنے لگیں۔ اور جس نے "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کہہ دیا اُس نے اپنی جان اور اپنے مال کو بچالیا۔ مگر وہ حقوق جو اس کلمہ کے اقرار سے اُن پر واجب ہوں گے وہ ان کے ذمہ رہیں گے، اور اس کا حساب اللہ پر ہوگا"۔

(۴۶/۴۵) دو اور سندوں سے بھی یہی روایت مروی ہے ایک میں عبیداللہ بن عبداللہ ابوہریرہؓ کے واسطہ سے اور دوسری میں بغیر واسطہ حضرت عمرؓ سے روایت کرتے ہیں۔

(۴۷) ابومالک اشجعی اپنے باپ طارق بن اشیمؓ کے واسطہ سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:۔ جس نے اللہ کو ایک مان لیا، اور اس کے سوا تمام معبودوں کا انکار کر دیا۔ اس نے اپنا خون اور مال محفوظ کر لیا۔ اور اس کا حساب اللہ کے ذمے رہے گا۔

وصولی جزیہ کا حکم اسلام کی آخری تعلیمات میں سے ہے

ابو عبیدؒ:۔ مذکورہ بالا احادیث کی توجیہ اس طرح کی جاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے یہ کچھ اُس وقت فرمایا تھا جب اسلام ابتدائی دور سے گذر رہا تھا اور ہنوز سورۃ "بَرَاءَۃ" نازل نہیں ہوئی تھی جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کو آیت کریمہ:۔

حَتّٰی یُعْطُوا الْجِزْیَۃَ عَنْ یَّدٍ وَّھُمْ صٰغِرُوْنَ (التوبۃ: ۳۰) تا آنکہ وہ ماتحتی قبول کرتے ہوئے خود آکر جزیہ دیں۔

سے جزیہ وصول کرنے کا حکم ملا۔ یہ حکم اسلام کے آخری زمانہ میں نازل ہوا تھا۔ اس ضمن میں متعدد روایات ہیں جنہیں ہم ذیل میں درج کریں گے:۔

ابو عبیدؒ:۔ مذکورہ بالا آیت کریمہ میں: عَنْ یَّدٍ وَّھُمْ صٰغِرُوْن کے مفہوم کے سلسلہ میں تین مختلف اقوال ہیں:۔

"عَنْ یَدٍ" کی تفسیر

بعض کا قول ہے کہ عَنْ یَدٍ سے مُراد ہے: "نقد۔ ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں۔" بعض کا قول ہے "وہ جزیہ لے کر خود چلتے ہوئے آئیں"۔ اور بعض کا قول ہے۔ "وہ اسے کھڑے ہو کر دیں"۔

(۴۸) حضرت عثمانؓ کہتے ہیں کہ سورۃ "بَرَاءَۃ" قرآن مجید کی آخر میں نازل ہونے والی سورت ہے۔

(۴۹) مجاہد کہتے ہیں کہ فرمانِ خداوندی:۔

قَاتِلُوا الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ اہلِ کتاب میں سے جو لوگ اللہ پر ایمان نہیں لاتے

وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَّهُمْ صَاغِرُونَ ۝ (التوبة ۹ : ۳۰)

نہ روز آخر پر، اور نہ وہ اللہ و رسول کی حرام قرار دی ہوئی چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں نہ ہی وہ دین حق کے تابع ہوتے ہیں۔ ان سے اس وقت تک جنگ جاری رکھو تا آنکہ وہ ماتحتی قبول کرتے ہوئے خود آکر جزیہ دیں

اس وقت نازل ہوا جب حضورؐ اور آپ کے صحابہؓ کو غزوہ تبوک[1] کا حکم ملا تھا اور میں نے ہشیم کو یہ کہتے سنا کہ آخری غزوہ جس میں آنحضرتؐ نے شرکت فرمائی غزوہ تبوک ہے

(۵۰) مجاہد کہتے ہیں :۔

وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ، إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ ۔ (العنکبوت ۲۹ : ۴۶)

اہل کتاب سے مجادلہ نہ کرو مگر ایسے طریقہ سے جو سب سے اچھا ہو، لیکن ان میں سے جنہوں نے ظلم و زیادتی کی وہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔

اس آیہ کریمہ میں ظلم و زیادتی کرنے والوں سے وہ لوگ مراد ہیں جو آپؐ سے جنگ کریں اور جزیہ دینے پر راضی نہ ہوں۔

بادشاہوں کو اسلام قبول کرنے یا جزیہ دینے کی دعوت

ابو عبیدؒ: ... بعد ازاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوت نامے بادشاہوں وغیرہ کے نام جاری ہوئے۔ آپؐ انہیں اسلام کی دعوت دیتے، اور بتاتے کہ اگر انہیں یہ دعوت قبول نہ ہو تو پھر جزیہ دیں۔ اور یہی ہدایات آپؐ اپنے لشکروں کے کمانڈروں کو دیا کرتے تھے۔

آپؐ کا گرامی نامہ بنام منذر بن ساوی

(۵۱) عروۃ بن الزبیرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منذر بن ساوی کو مندرجہ ذیل گرامی نامہ ارسال فرمایا :۔

---

[1] یہ غزوہ ۹ھ میں ہوا تھا۔

تُم سلامت رہو۔ میں اس اللہ کی حمد تُم تک پہنچاتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں بعد ازاں معلوم ہو کہ جو ہماری نماز پڑھے اور ہمارے قبلہ کی طرف رُخ کرے، اور ہمارا ذبیحہ کھائے تو وہ ایسا مسلم ہے جسے اللہ کا ذمّہ اور رسول کی ضمانت حاصل ہے مجوسیوں میں سے جو اس طریقہ کو اختیار کرے تو وہ مامون و بے خوف ہوگیا۔ اور جو اسے منظور نہ کرے تو اس پر جزیہ عائد ہوگا۔

(۵۲) اور عروۃ بن الزبیرؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے ایک اور مکتوب گرامی میں تحریر فرمایا:۔

اسبذیین کے نام آپؐ کا گرامی نامہ

اللہ کے نبی محمدؐ اور اُس کے رسول کی جانب سے جانب سے اسبذیینؐ، عباد اللہ کے نام عمان و آسد عمان میں سے جو بحرین میں مقیم ہوں —— یہ لوگ اگر ایمان لے آئیں۔ نماز قائم کریں۔ زکوٰۃ ادا کریں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کا حق دے دیں اور مسلمانوں کے دینی طور طریق اختیار کرلیں تو یہ لوگ اپنے آپ کو مامون و بے خوف کرلیں گے۔ اسلام لاتے وقت جو املاک اُن کی ہوں گی وہ انہی کی رہیں گی۔ البتہ صرف آتشکدہ کی املاک اس سے مستثنیٰ ہو کر اللہ و رسول کی ہو جائیں گی۔ ان سے کھجوروں کا عشور (۱/۱۰) اور غلّہ کا نصف عشور (۱/۲۰) بطور صدقہ (زکوٰۃ) لیا جائے گا۔ مسلمانوں پر ان کی مدد اور خیر خواہی ضروری ہوگی بالکل ایسے ہی جیسے اِن پر مسلمانوں کی مدد اور خیر خواہی ضروری ہوگی۔ ان کی چکیاں انہی کی رہیں گی، ان سے وہ جتنا چاہیں پیستے رہیں۔

ابو عبید:۔ ان لوگوں کو اسبذیین اس لئے کہا گیا کہ وہ گھوڑا پرستی کی طرف منسوب ہوتے تھے جسے فارسی میں "اسپ" کہتے ہیں۔

اور "عباد اللہ" اس لئے کہا گیا کہ وہ عبداللہ بن دارم کی اولاد تھے۔ اسی طرح جیسے بہت سے عبداللہ نامی لوگوں کو عُبادِلہ کہہ دیتے ہیں اور لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہنے کے لئے

لہ۔ یہاں اصل میں "اسیذیین" ہی ہے، لیکن نیچے ابو عبیدؒ کی شرح نیز نہایۃ لابن الاثیر کی روایت وشرح سے یہ صحیح لفظ اسبذیین معلوم ہوتا ہے۔ (مترجم)

ھَلَل کہتے ہیں۔

بعض لوگوں نے "اسبذیین" کے بجائے "اسدیین" کہا ہے جو اس یمنی قبیلہ کی طرف نسبت ہے جسے عوام "ازد" اور علم الانساب کے علماء وغیرہ "س" سے اَسَد کہتے ہیں اور میرے نزدیک بھی یہی صحیح ہے۔ ابن الکلبی سے میں نے ایسا ہی سُنا ہے۔

پہلی روایت کے مفہوم کے بموجب یہ ایرانی قبیلہ قرار پائے گا اور دوسری روایت کے مطابق عربی۔ اور یہ حقیقت ہے کہ وہاں عرب بھی آباد تھے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ خط ایرانیوں اور عربوں دونوں کے لئے ہو[ك]

(۵۳) عروۃ بن الزبیرؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے اہلِ یمن کو جو گرامی نامہ تحریر فرمایا:۔

اہلِ یمن کے نام آپؐ کا گرامی نامہ

اس میں "محمد رسول اللہ کی طرف سے اہلِ یمن کے نام"..... اور اسی گرامی نامہ میں یہ عبارت بھی تھی۔

"جو یہودی یا عیسائی اسلام قبول کر لے وہ جماعت مومنین میں شامل ہو جائے گا اس کو وہ حقوق ملیں گے جو مسلمانوں کو حاصل ہیں۔ اسی طرح اس پر وہ ذمہ داریاں عائد ہیں۔ اور جو اپنی یہودیت یا نصرانیت پر باقی رہنا چاہے۔ اسے اس کے دین سے چھڑانے کے لئے کسی قسم کے فتنہ یا آزمائش میں مبتلا نہیں کیا جائے گا بلکہ اس پر جزیہ عائد ہوگا۔

(۵۴) اسی مضمون پر مشتمل ایک مکتوب حضورؐ نے حارث بن عبد کلال، شرح بن عبد کلال نعیم بن عبد کلال کو لکھا تھا۔

(۵۵) عبداللہ بن شداد کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ہرقل پادشاہ روم کو یہ خط تحریر فرمایا:۔

ہرقل پادشاہ روم کے نام آپؐ کا گرامی نامہ

محمد رسولؐ اللہ کی طرف سے بادشاہ روم کے نام۔

ك ۔ اصل کتاب میں ابو عبید کی یہ تشریحی عبارت نمبر ۵۴ کے تحت ہے ہم نے اسے پہلے درج کر دیا ہے (مترجم)

میں تمہیں اسلام قبول کر لینے کی دعوت دیتا ہوں ۔ اگر تم اسلام قبول کر لیتے ہو تو جو مراعات مسلمانوں کو حاصل ہوں گی وہی تمہیں حاصل ہوں گی اور جو واجبات ان عائد ہوتی ہیں وہی تم پر عائد ہوں گی ۔ لیکن اگر تم دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہونا چاہتے تو پھر جزیہ ادا کرو۔ اس لئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے :۔

قَاتِلُوا الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَلَا بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا یُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَلَا یَدِیْنُوْنَ دِیْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ حَتّٰی یُعْطُوا الْجِزْیَۃَ عَنْ یَّدٍ وَّھُمْ صٰغِرُوْنَ (التوبۃ : ۳۰)

اہلِ کتاب میں سے جو لوگ اللہ پر اور روزِ آخر پر ایمان نہیں رکھتے اور نہ اللہ و رسول کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں اور نہ دینِ حق کی اطاعت قبول کرتے ہیں ان سے جنگ جاری رکھو تا آنکہ وہ ماتحتی قبول کرتے ہوئے خود آکر جزیہ دیں۔

بصورتِ دیگر تم فلاحین اور اسلام کے درمیان حائل نہ رہو۔ وہ چاہیں تو دائرہ اسلام میں داخل ہو جائیں یا پھر جزیہ دیتے رہیں۔

ابو عبیدؒ :۔ آپؐ کی یہ عبارت کہ بصورتِ دیگر تم فلاحین اور اسلام کے درمیان حائل نہ رہو سے مراد خاص طور پر کاشتکار اور کسان طبقہ نہیں ہے بلکہ اس سے مراد اس کی مملکت کے تمام باشندے ہیں ۔ کیونکہ عرب تمام عجمیوں کو فلاح ہی سمجھتے تھے اس لئے کہ ان کا دارومدار کھیتی باڑی پر ہوتا تھا ۔ اور جو بھی کھیتی باڑی کرتا عرب اسے فلاح کہتے تھے ۔ خواہ وہ بذاتِ خود کاشتکاری کرے یا کسی دوسرے سے اپنی زمین کاشت کرائے ۔

(**۵۶**) حضرت عبداللہ بن عباسؓ ابوسفیان بن حرب کے واسطہ سے روایت کرتے ہیں : " صلح کی اس مدت میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوسفیان و کفارِ قریش میں طے پائی تھی ۔ ابوسفیان قریش کے تجارتی قافلہ میں گیا ہوا تھا کہ ہرقل نے اسے بلوا بھیجا ، چنانچہ قافلہ کے سب لوگ اس کے پاس ایلیاء (بیت المقدس) پہنچے تو اس نے قافلہ والوں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں مختلف سوالات کئے " جو طویل حدیث میں مذکور ہیں ـــ ابوسفیان کہتے ہیں : " پھر ہرقل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ خط طلب

کیا جو آپؐ نے دِحیہ کلبی کے ہاتھ بُصریٰ کے بڑے حاکم کو بھیجا تھا اور جسے بعد میں اس نے ہرقل کے پاس بھیج دیا تھا۔ اس خط کی عبارت یہ تھی:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ محمد رسول اللہ کی جانب سے روم کے بادشاہ ہرقل کے نام۔ جو اللہ کی رہنمائی کے مطابق چلنے لگے اس پر سلامتی ہو۔ اما بعد۔ میں تمہیں اسلام کی پکار پر لبیک کہنے کی دعوت دیتا ہوں۔ اسلام قبول کر لو تو تم سلامت رہو گے۔ اور اسلام قبول کر لو گے تو اللہ تمہیں دوہرا بدلہ دے گا۔ اگر تم نے اسے قبول کرنے سے اعراض کیا تو اریسیین (یعنی تمہارے ماتحتوں، مددگاروں اور خدمتگاروں) کا گناہ بھی تمہارے سر پر رہے گا:۔

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ فَإِن تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ٥

(آل عمران: ۶۴)

اے اہلِ کتاب! آؤ ایک ایسے کلمہ پر (سب متفق ہو جائیں) جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے اور وہ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کا کسی کو شریک نہ بنائیں اور نہ ہم میں سے ایک دوسرے کو اللہ کے علاوہ رب بنائے۔ پھر اگر وہ اس اصول کو نہ مانیں تو تم کہہ دو، گواہ رہو کہ بے شک ہم مسلمان ہیں۔ (یعنی اس اصول کو تسلیم کرتے ہیں)

(۵۷) عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے کسریٰ کے نام خط لکھا اور حکم دیا کہ یہ خط والی بحرین کو پہنچا دیا جائے۔ پھر والی بحرین نے وہ خط کسریٰ کو بھیج دیا۔ کسریٰ نے جب یہ خط پڑھا تو اسے پارہ پارہ کر دیا۔ (راوی کہتا ہے: میرا خیال ہے کہ اس پر سعید بن المسیب نے یہ اضافہ کیا کہ یہ اطلاع ملنے پر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے انہیں بددُعا دی کہ وہ بھی پارہ پارہ ہو جائیں۔

(۵۸) عمیر بن اسحٰق کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے کسریٰ و قیصر کو خطوط لکھے۔ کسریٰ نے جب حضورؐ کا نامۂ مبارک پڑھا تو اسے پارہ پارہ کر دیا لیکن قیصر نے

اسے پڑھنے کے بعد لپیٹ کر بحفاظت رکھ دیا۔ جب اُن کا یہ ردِّ عمل حضورؐ کو معلوم ہُوا تو آپؐ نے فرمایا "یہ (یعنی کسریٰ والے) پارہ پارہ ہو جائیں گے لیکن ان (ہرقل والوں) کا سلسلہ باقی رہے گا۔"

کسریٰ و قیصر و نجاشی کو بھیجے ہوئے نامہائے گرامی کا ایک ہی مضمون تھا

(۵۹) سعید بن المسیب کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے کسریٰ و قیصر اور نجاشی کو ایک ہی مضمون کا یہ خط لکھا تھا:۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی جانب سے کسریٰ و قیصر و نجاشی کے نام ۔ امابعد۔

تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَاءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ وَلَا نُشْرِکَ بِہٖ شَیْئًا وَّ لَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْھَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝ (آل عمران: ۶۴)

(اے اہلِ کتاب!) آؤ ایسے کلمہ پر (سب متفق ہو جائیں) جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے یعنی یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ اس کا کسی کو شریک بنائیں۔ اور نہ ہم میں سے ایک دوسرے کو اللہ کے علاوہ رب بنائے۔ پھر اگر وہ اعراض کریں تو تم کہہ دو، گواہ رہو کہ بیشک ہم مسلم ہیں (یعنی اس بات کو مانتے ہیں)

کسریٰ نے آپؐ کا مکتوب پارہ پارہ کر دیا اور اس پر دھیان ہی نہ دیا۔ آنحضرتؐ نے اس کے لئے فرمایا: "وہ تباہ اور اُس کی اُمت پارہ پارہ ہو جائے گی۔"

قیصر نے کہا یہ ایسا خط ہے جس کی نظیر حضرت سلیمانؑ کے بعد میری نظر سے نہیں گزری جس کی ابتداء بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم سے ہوئی ہو۔ اور اُس نے ابوسفیان بن حربؓ اور مغیرہ بن شعبہؓ کو بُلا بھیجا جو شام میں تجارت کے لئے آئے ہوئے تھے۔ پھر ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے بارے میں سوالات کئے اور بعدازاں اُس نے کہا "میرا باپ آپؐ پر قربان ۔ اگر میں آپؐ کے پاس ہوتا تو آپؐ کے پاؤں دھوتا۔ یقیناً وہ

میرے قدموں کے نیچے کی زمین کے ضرور مالک بن جائیں گے۔"

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے قیصر کے لئے فرمایا "بالیقین اسے ایک مدّت ملے گی۔" رہا نجاشی سو وہ ایمان لے آیا۔ ایک روایت کے مطابق بجائے ایمان کے "اسلام لے آیا" ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے جو صحابہؓ ہجرت کر کے اس کے پاس پہنچے تھے۔ ان سب کو اُس نے امان بخش دی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں خلعت روانہ کی۔ اس کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ جب تک یہ تم سے تعرض نہ کرے تم بھی اسے چھوڑ دو۔"

فوج روانہ کرتے وقت کمانڈروں کو رسول اللہؐ کی وصیّت

(۶۰) بریدہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم جب کسی لشکر یا فوجی دستہ پر کسی کو امیر مقرر فرماتے تو اسے خصوصیت کے ساتھ اپنی ذات کے بارے میں تقویٰ اللہ کی ہدایت فرماتے۔ نیز اس کی معیت میں رہنے والے مسلمانوں کے ساتھ بہتر سلوک کا حکم دیتے، پھر فرماتے اللہ کے نام سے اللہ کی راہ میں غزوہ کرو۔ جو اللہ کا انکار کرے اس سے جنگ جاری رکھو۔ خیانت نہ کرنا، بے وفائی و بدعہدی نہ کرنا۔ مقتولین کے اعضاء کاٹ کر انہیں بدنما (مثلہ) نہ کرنا۔ کسی بچہ کو قتل نہ کرنا۔ جب تمہارا اپنے مشرک دشمنوں سے مقابلہ ہو تو انہیں ان تین باتوں میں سے کسی ایک کے قبول کر لینے کی دعوت دینا۔ ان میں سے جو ایک بات بھی وہ قبول کر لیں تم اس پر رضامند ہو جانا اور اُن پر دست درازی سے رُک جانا۔ پہلے انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دینا۔ اگر وہ تمہاری یہ دعوت قبول کر لیں تو اُن سے تعرض نہ کرنا۔ پھر انہیں اپنے علاقہ سے نکل کر مہاجرین کے مرکز (مدینہ) میں منتقل ہونے کی دعوت دینا، اور انہیں بتا دینا کہ اگر وہ ہجرت کر لیں گے تو انہیں مہاجرین کی سی مراعات حاصل ہوں گی اور ان پر مہاجرین کی سی ذمّہ داریاں عائد ہوں گی۔ اگر وہ ہجرت نہ کرنا چاہیں تو انہیں بتا دینا کہ ان کی حیثیت اسلام قبول کرنے والے اعراب (عرب کے دیہاتی قبائل) کی سی ہو گی جن پر مسلمانوں کی طرح اسلامی احکام نافذ ہوں گے، لیکن مال غنیمت اور فئے میں سے انہیں اس وقت تک کچھ نہیں ملے گا

جب تک کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر جہاد میں حصّہ نہ لیں ۔ اگر وہ یہ پیش کش قبول کرنے سے انکار کردیں تو ان سے جزیہ دیتے رہنے کا مطالبہ کرنا ۔ اگر وہ اس پر رضامندی کا اظہار کریں تو تم بھی اسے قبول کرلینا اور ان سے تعرض نہ کرنا ۔ لیکن اگر وہ اس شرط کو تسلیم کرنے سے بھی انکار کردیں تو پھر اللہ سے مدد طلب کرنا اور ان سے جنگ کر دینا۔"

(۶۱) ابوالبختری کہتے ہیں :- جب حضرت سلمانؓ نے ایران کے قلعوں میں سے ایک کا محاصرہ کیا تو انہوں نے کہا " میں ان لوگوں سے لڑائی شروع نہیں کروں گا تا آنکہ ان کے ساتھ وہی طریقہ اختیار نہ کرلوں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اختیار فرماتے تھے" پھر وہ ان لوگوں کے پاس پہنچے اور ان سے کہا "میں تمہیں میں سے ایک فرد ہوں جس نے اسلام قبول کرلیا ہے ۔ تم دیکھتے ہو کہ عرب میرا کس درجہ احترام کرتے ہیں ۔ یقین کرو کہ اگر تم اسلام قبول کرلوگے تو تم مسلمانوں کے برابر ہو جاؤ گے ، جو مراعات انہیں حاصل ہیں وہی تمہیں حاصل ہوں گی اور جو فرائض ان پر عائد ہیں وہی تم پر بھی عائد ہوں گے ۔ اگر تمہیں یہ دعوت منظور نہیں تو پھر تمہیں جزیہ ادا کرنا ہوگا ۔ اگر تمہیں یہ شرط بھی قبول نہ ہو تو پھر ہم تم سے جنگ کریں گے ۔ راوی کہتا ہے کہ یہ شرائط وہ ان پر تین مرتبہ پیش کرتے تھے ۔ اور جب وہ انہیں قبول کرنے سے انکار کردیتے تو ان سے جنگ کرتے تھے ۔

ابوعبیدؒ :- ایک دوسری سند میں حضرت سلمانؓ کے قول : " تو پھر تمہیں جزیہ ادا کرنا ہوگا " کے بعد فارسی جملہ " خاک برسر " کا اضافہ ہے جس کے معنے ہیں تمہارے سر پر مٹی ۔ راوی کہتا ہے کہ وہ یہ شرائط تین مرتبہ پیش کرتے تھے اور جب وہ پیش کش منظور کرنے سے انکار کردیتے تو وہ ان سے جنگ کرتے تھے ۔

فصل

فئ، خمس اور صدقہ کی وصولی کے قوانین

(اور یہی وہ اموال ہیں جو رعایا کی فلاح وبہبود کے لئے ائمہ (سربراہان حکومتِ اسلامی) کی زیرِ نگرانی رہتے ہیں۔

باب

عرب اہلِ کتاب سے جزیہ لینے کا بیان

جزیہ لینے میں اہلِ کتاب اور مشرک عربوں میں تفریق

(۶۲) حسن کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کو حکم دیا گیا کہ آپ عربوں سے اسلام قبول کرنے تک جنگ جاری رکھیں۔ اور ان سے اسلام کے سوا کوئی اور شرط قبول نہ کریں۔ اور آپؐ کو اہلِ کتاب سے اس وقت تک جنگ جاری رکھنے کا حکم ملا تھا جب تک کہ وہ ماتحتی قبول کر کے خود آکر جزیہ نہ ادا کر دیں۔

ابو عبیدؒ :۔ ہمارا خیال ہے کہ یہاں عربوں سے حسنؒ کی مراد ایسے مشرک اور بُت پرست عرب ہیں جو اہلِ کتاب نہ ہوں، اس لئے کہ عربوں میں سے جو اہلِ کتاب تھے۔ ان سے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے جزیہ قبول کر لیا تھا، اور اس کا بیان ذیل کی احادیث و روایات میں موجود ہے :۔

(۶۳) یونس بن یزید ایلی کہتے ہیں کہ ابنِ شہاب سے پوچھا گیا "کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے عرب کے بت پرستوں میں سے کسی سے جزیہ قبول فرمایا تھا ؟" تو اُنہوں نے کہا

"سنت یہی رہی ہے کہ عربوں میں سے اہل کتاب یہودیوں اور عیسائیوں سے جزیہ قبول کیا جائے۔ اور یہ اس لئے کہ یہ عرب کے (یہود و نصارٰی) بہرحال انہی (یہود و نصاری) میں سے ہیں اور اپنے معاملات میں انہی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔"

(۶۴) مسروق کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت معاذؓ کو یمن بھیجا تو اُنہیں حکم دیا کہ تیس گایوں پر ایک گائے یا تبیع (دوسرے سال میں لگنے والا بچھڑا) لیا جائے اور چالیس پر مُسنّہ (تیسرے سال میں لگنے والی گائے) اور ہر بالغ (ذمی) پر ایک دینار یا اس کے مساوی قیمت کی معافری[۱] چادریں لی جائیں۔

اس سند کے ایک راوی اعمش کہتے ہیں کہ میں نے ابراہیمؒ کو بھی اسی مضمون کی روایت کرتے سُنا ہے۔

(۶۵) حَکَم کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت معاذؓ کو جبکہ وہ یمن میں تھے یہ تحریر فرمایا تھا۔

"بارانی زمینوں یا ایسی زمینوں کی پیداوار پر جن پر ہمیشہ پانی کھڑا رہے دسواں حصّہ (عُشر) لیا جائے اور چرس سے سیراب کی جانے والی (چاہی) زمین پر بیسواں حصّہ۔ اور بالغ مرد یا عورت سے ایک دینار یا اس کے مساوی (قیمتی) چادریں لی جائیں۔ اور کسی یہودی کو اس کی یہودیت سے ہٹانے کے لئے فتنہ میں مبتلا نہ کیا جائے۔"

(۶۶) عروۃ بن الزبیرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اہل یمن کو لکھا تھا:

"جو بھی یہودیت یا عیسائیت پر ہو اُسے اُس کے مذہب و عقیدہ سے ہٹانے کے لئے کسی فتنہ میں نہ ڈالا جائے۔ اس پر جزیہ واجب ہو گا، جس کی مقدار ہر بالغ پر خواہ مرد ہو یا عورت، غلام ہو یا لونڈی، ایک پورے وزن کا دینار ہے یا اس کے مساوی قیمت کی معافری چادریں۔ جو بھی یہ مقدار میرے فرستادہ کارکنوں کو ادا کر دے گا، وہ اللہ کا ذمہ اور اس کے رسول کی ضمانت حاصل کر لے گا۔ اور جو بھی تم میں سے اس مقدار کو روک لے گا وہ اللہ کا دشمن اور اس کے رسول اور مومنوں کا دشمن قرار پائے گا۔

---

[۱] ۔ یہ معافر کی طرف نسبت ہے جو ایک یمنی قبیلہ کا نام ہے اور ایک یمنی علاقہ کا نام بھی ہے (مترجم)

ابو عبیدؒ:- اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرتؐ نے اہلِ یمن سے جو عرب تھے جزیہ قبول کر لیا تھا ۔ یہ اس لئے کہ وہ اہلِ کتاب تھے ۔ اسی طرح آپؐ نے اہل نجران سے جزیہ قبول کر لیا تھا حالانکہ وہ حارث بن کعب کی اولاد (عرب) ہیں ۔

(۶۷) ابن شہاب کہتے ہیں:- سب سے پہلے جس نے جزیہ دیا وہ اہل نجران ہیں، جو نصاریٰ تھے ۔

(۶۸) عروۃؓ ایک طویل حدیث بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی ہی تحریر اہلِ نجران کو لکھی، نیز حارث بن عبد کلال و نعیم بن عبد کلال و شریح بن عبد کلال ۔ ذی رُعین، معافر اور ہمدان کے حکمرانوں کے سامنے بھی یہی بات رکھی کہ اگر وہ اسلام قبول نہ کریں تو اُن پر جزیہ واجب الادا ہوگا اور ایسی ہی تحریر اہلِ بحرین میں سے اسدِ عمان کو لکھی تھی ۔

ابو عبیدؒ:- جب خالد بن ولیدؓ نے صلح کے ذریعہ اہلِ حیرہ پر فتح حاصل کی تو حضرت خالدؓ نے وہاں کے باشندوں سے جزیہ قبول کر کے وہ جزیہ حضرت ابوبکرؓ کو بھیج دیا اور اُنہوں نے بھی اہلِ حیرہ سے وصول شدہ اس جزیہ کو قبول کر لیا ۔ حالانکہ یہ باشندے عرب کے مختلف قبائل ۔ تمیم وطے، غسان و تنوخ وغیرہ ۔ کے افراد پر مشتمل تھے ۔ مجھے یہ معلومات ابن الکلبی وغیرہ سے ملی ہے ۔

(۶۹) حمید بن ہلال کہتے ہیں کہ خالدؓ بن ولید نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اہلِ حیرہ پر فوج کشی کی اور اہلِ حیرہ نے جنگ کئے بغیر ہی صلح کر لی ۔

بنو تغلب کے ساتھ جزیہ کی خصوصی شکل

ابو عبیدؒ:- ایسا ہی سلوک حضرت عمرؓ نے بنی تغلب کے ساتھ کیا تھا ۔

(۷۰) داود بن کُردوس کہتے ہیں "میں نے بنی تغلب کی طرف سے حضرت عمر بن الخطاب سے اس وقت صلح کی جب بنی تغلب فرات پار کرنے کے بعد روم چلے جانے کا ارادہ کر رہے تھے، (شرائطِ صلح یہ تھیں): وہ اپنے بچوں کو بپتسمہ نہیں دیں گے ۔ انہیں اپنے دین کے علاوہ

کسی دوسرے دین کے قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا نیز یہ کہ وہ دوچند عشر دیں گے یعنی بیس درہم میں سے ایک درہم۔

داود (بن کردوس) کہا کرتے تھے کہ بنی تغلب کے لئے اب کوئی ذمہ (امان کی ضمانت) نہیں اس لئے کہ وہ (عہد سے پھر کر) بپتسمہ دیتے ہیں۔

ابو عبیدؒ:- اپنی اولاد کو بپتسمہ نہیں دینے کے معنی ہیں انہیں عیسائی نہیں بنائینگے۔

(۷۱) نعمان بن زرعہ (یا زرعہ بن نعمان) کہتے ہیں: میں نے حضرت عمرؓ سے خاندان تغلب کے عیسائیوں کے مسئلہ پر تبادلۂ خیال کیا۔ حضرت عمرؓ ان سے جزیہ لینا چاہتے تھے، اس قبیلہ کے افراد (اسے کسرِ شان سمجھتے ہوئے) دیگر علاقوں میں منتشر ہوگئے، چنانچہ میں نے حضرت عمرؓ سے کہا: "بنو تغلب عرب ہیں۔ جزیہ کو کسرِ شان سمجھتے ہیں۔ ان کے پاس نقد زر و مال نہیں ہے بلکہ زمینیں اور مویشی ہیں، اپنے دشمن کو زک پہنچانے اور تباہ کرنے میں یہ شہرت رکھتے ہیں۔ آپ انہیں منتشر کر کے ان کے ذریعہ اپنے دشمنوں کو تقویت حاصل کرنے کا موقع نہ دیجئے"۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے ان سے اس بات پر صلح کر لی کہ ان سے دگنا صدقہ لیا جائے، ساتھ ہی ان سے یہ شرط بھی رکھی کہ وہ اپنی اولاد کو عیسائی نہیں بنائیں گے۔

مغیرہ کہتے ہیں کہ مجھے بتایا گیا ہے کہ (ان لوگوں کے بارے میں) حضرت علیؓ نے کہا: "بنی تغلب کے بارے میں میری اپنی الگ رائے ہے۔ اگر میرا ان سے واسطہ پڑا تو میں ان کے جنگجو افراد قتل کر ڈالوں گا، ان کے اہل و عیال کو قید کر لوں گا، اس لئے کہ انہوں نے اپنی اولاد کو عیسائی بنا کر معاہدہ کی خلاف ورزی کر لی اور اب ہماری ذمہ داری ان پر سے ختم ہوگئی ہے۔

(۷۲) زیاد بن حدیر کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے انہیں بنی تغلب کے عیسائیوں سے عشر (۱/۱۰) لینے کا حکم دیا تھا اور اہل کتاب کے عیسائیوں سے عشر کا نصف وصول کرنے کا۔

ابو عبیدؒ:- پہلی داود بن کردوس کی روایت، اور زرعہ (یا نعمان) والی روایت ہی پر عمل جاری ہے، جس کی رو سے ان پر مسلمانوں سے وصول کئے جانے والے واجبات کا دگنا ہوتا ہے، جیسا کہ ان کے اس قول سے ظاہر ہے: "ہر بیس درہم میں سے ایک درہم" کیونکہ

جب مسلمان اپنا مال لے کر "عاشر"[ل] کے پاس سے گذرتے تو ان سے ہر چالیس درہم پر ایک درہم لیا جاتا تھا۔ اس طرح ان سے لی جانے والی رقم اس کی دُگنی ہوگئی۔ گویا اس روایت میں حضرت عمرؓ کی شرط کے بموجب ان سے ان کے تمام اموال بشمول مویشی و زمین سب پر دُگنا لیا جائیگا۔ اس حساب سے ان سے پانچ اونٹوں پر دو بکریاں، دس پر چار بکریاں۔ اسی طرح بھیڑ بکریوں گائے بیلوں، غلوں اور پھلوں پر بھی دوچند لیا جائے گا۔ اسی طرح ان سے بارانی زمین کی پیداوار پر دو عُشر (۲/۱۰) چاہیں پر ایک عشر (۱/۱۰)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے طریقہ اور ان کی شرائط کے مطابق ان لوگوں کی عورتوں اور بچوں کے اموال پر بھی ان کے مردوں کی طرح ٹیکس لیا جائے گا اور یہی اہلِ حجاز کا قول ہے۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر تغلب خاندان کا کوئی فرد اسلام قبول کرلے یا کوئی مسلمان اس کی زمین خرید لے تو اس زمین کے احکام مسلمانوں کے احکام کے مطابق بدل جائیں گے، لیکن اس بارے میں بعض اہلِ عراق ان سے اختلاف کرتے ہیں:-

ابو عبیدؒ: میں نے محمد بن حسن سے ابو حنیفہؒ کا یہ قول سُنا ہے:

"جہاں تک ان عورتوں کا تعلق ہے وہ ہر بات میں ان کے مردوں کے مطابق رہیں گی، لیکن ان کے بچے صرف زمین کی پیداوار میں ان کے مردوں کے برابر رہیں گے البتہ ان کے مویشی اور دیگر اموال جنہیں لے کر وہ "عاشر" کے پاس سے گذریں ان پر کچھ واجب الادا نہیں ہوگا۔"

وہ کہتے ہیں کہ ابو حنیفہؒ نے کہا: "اگر کوئی تغلبی مسلمان ہوجائے یا اس کی زمین مسلمان خرید لے تب بھی پہلے کی طرح اس پر وہی دوچند عشر (۲/۱۰) واجب رہے گا۔

ابو عبیدؒ: اہلِ حجاز کا قول حضرت عمرؓ کی روایت کے مفہوم سے زیادہ مطابقت رکھتا ہے، اس لئے کہ حضرت عمرؓ نے صلح میں تمام افراد کو شامل کرلیا ہے اور ان میں سے بڑے چھوٹے کسی کو بھی مستثنیٰ قرار نہیں دیا۔ بنا بریں جس طرح شرائط صلح کا اطلاق ان کی عورتوں پر ہوا ان کے بچوں پر بھی ہوگا، کیونکہ عورتیں اور بچے سب "ذریت" میں شامل ہیں۔ پھر صاف نظر آرہا ہے کہ جس طرح اس صلح کے ذریعے انہوں نے اپنے مردوں کو قتل ہونے سے بچا لیا تھا اسی طرح اپنے بال بچوں میں سے عورتوں کو (قید ہونے سے) محفوظ

[ل] - عاشر سے مراد عشور (چنگی) وصول کرنے والا ہے۔

کر لیا تھا۔

اسی طرح اس کی زمین کے بارے میں ان (اہلِ عرق) کا یہ کہنا کہ اگر وہ مسلمان ہو جائے یا اسے کوئی مسلمان خرید لے تب بھی وہ اپنی پہلی حالت میں برقرار رہے گی، تو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے اس عہد کے خلاف ہے جو آپ لوگوں سے انہیں دعوتِ اسلام پیش کرتے وقت فرماتے تھے۔ اس ضمن میں آپؐ کے مکاتیبِ گرامی جو لوگوں کو پہنچتے رہتے تھے صاف کہتے ہیں: "جو اسلام میں داخل ہو جائے گا اسے وہ مراعات حاصل ہوں گی جو مسلمانوں کو حاصل ہیں نیز اس پر وہ ذمہ داریاں عائد ہوں گی جو مسلمانوں پر ہیں"۔ یعنی تمام مسلمان اس بارے میں ایک دوسرے کے مساوی اور یکساں حقوق رکھتے ہیں۔

(۷۳) حضرت عمرؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ انہوں نے جبلہ بن الایہم غسانی کو بھی یہی شرائط پیش کی تھیں وہ بھی عرب تھا اور عیسائی۔

تین شرائط میں سے ایک کو قبول کرنے کا اختیار

(۷۴) سعید بن عبدالعزیز تنوخی کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے جبلہ بن الایہم غسانی سے کہا تھا:

اے جُبَیلہ[1]! تو اس نے جواب نہ دیا۔ انہوں نے دوبارہ کہا: "اے جُبَیلہ" پھر بھی وہ نہ بولا، پھر حضرت عمرؓ نے کہا "اے جَبَلہ! تب اس نے جواب دیا "ہاں"۔ حضرت عمرؓ نے کہا: "میری طرف سے تم کو تین باتوں میں کسی ایک کے انتخاب کر لینے کا اختیار ہے، (۱) یا تو تم مسلمان ہو جاؤ، ایسی صورت میں جو مراعات مسلمانوں کو حاصل ہیں تمہیں بھی حاصل ہو جائیں گی اور جو ذمّہ داریاں ان پر عائد ہوتی ہیں وہی تم پر عائد ہو جائیں گی۔ (۲) دوسری صورت یہ ہے کہ تم خراج ادا کرتے رہو، اور (۳) تیسری صورت یہ کہ تم رومیوں میں جا کر آباد ہو جاؤ۔ چنانچہ وہ رومیوں سے جا ملا۔

ابو عبیدؒ: بناءبریں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم اور آپؐ کے بعد خلفاء سے جو آثار مروی ہیں اُن کی رُو سے مشرکینِ عرب میں سے جو اہلِ کتاب نہ ہو اس کے لئے دو ہی صورتیں

---

[1] یہ جَبَلہ کی تصغیر ہے، تصغیر پیار و محبّت کے لئے بھی استعمال ہوتی ہے اور تحقیر کے لئے بھی (مترجم)

قابلِ قبول ہیں یا تو وہ اسلام قبول کرے یا پھر اسے قتل کر دیا جائے، جیساکہ حسن رحؒ نے کہا ہے لیکن عجمیوں سے جزیہ وصول کیا جائے گا خواہ وہ اہلِ کتاب بھی نہ ہوں، اس لئے کہ مجوس کے بارے میں جو اہلِ کتاب نہ تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی سنت ملتی ہے، اسی طرح آپؐ کے بعد صابئینؒ سے بھی جزیہ قبول کیا گیا۔ چنانچہ مسلمانوں میں عرب و عجم کے بارے میں

مشرکینِ عرب اور مشرکینِ عجم میں تفریق

یہی دو فیصلے نافذ رہے ہے۔ اسی کے مطابق سنت کے ساتھ آیاتِ قرآنی کی تاویل بھی آئی ہے۔

(۵۷) ابن جریج اللہ تبارک و تعالیٰ کے فرمانِ ذیل کی تفسیر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

فَاِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ : (محمد: ۴)

جب کفار سے (جنگ میں) تمہارا آمنا سامنا ہو تو اُن کی گردنیں اُڑا دو۔

اس آیت کریمہ میں کفار سے مُراد مشرکین عرب ہیں اور یہ کہ گردنیں اُڑانے کا حکم ان کے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا اعتراف کر لینے تک باقی رہے گا۔ جب وہ ایسا کریں گے تو اپنی جانوں اور مالوں کو محفوظ کر لیں گے، البتہ اس کلمہ کے اقرار سے جو حقوق ان پر عائد ہوں گے وہ ان کے ذمہ رہیں گے۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عجمی مشرکوں سے اُس وقت تک جنگ جاری رکھتے تا آنکہ وہ "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" نہ کہہ دیتے۔ لیکن اگر وہ اس کے اقرار سے انکار کرتے تو پھر اس وقت تک کہ وہ جزیہ دینے پر رضامند نہ ہو جاتے اور اس طرح وہ اپنی جان و مال محفوظ کر لیتے۔ ابن جریج اور دوسروں کا بھی کہنا ہے کہ یہ آیت خاص طور پر عرب مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی۔ دوسرے مذاہب والوں

ؒ۔ ہمارے خیال میں مجوس اور صابئین کے متعلق یہ فیصلہ کر لینا غور طلب ہے کہ وہ اہلِ کتاب نہ تھے، قرآن مجید سے یہ ضرور واضح ہو رہا ہے کہ وہ مشرکین سے جُداگانہ ہیں۔ دیکھئے آیت سورۃ الحج کی سترھویں آیت۔ (مترجم)

کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے، پھر اس آیت کو مندرجہ ذیل آیت نے منسوخ کر دیا:

فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوهُمْ — مشرکین کو جہاں کہیں بھی تم پاؤ قتل کر ڈالو۔

(التوبہ ۹ : ۶)

لہ۔ ہمارے خیال میں قرآن مجید کی یہ آیات مختلف حالات میں کفار و مشرکین کے ساتھ مختلف رویہ اختیار کرنے کی تعلیم دے رہی ہیں اور حسب حالات کا تقاضا ہو اسلامی حکومت حسب موقع دونوں میں سے ایک حکم پر عمل کرنے کی مجاز ہوگی۔ (مترجم)

باب

مجوسیوں سے جزیہ لینے کا بیان

ہجر کے مجوس کو رسول اللہ ؐ کی طرف سے اسلام قبول کرنے یا جزیہ دینے کی تحریر

(۷۶) حسن بن محمد کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجر کے مجوسیوں کو تحریری صورت میں دعوت اسلام دی تھی (جس میں درج تھا کہ): جو اسلام لے آئے گا اس کا اسلام قبول کر لیا جائے گا اور جو اسلام نہیں لائے گا اس پر جزیہ لگا یا جائے گا۔ نیز اس کا ذبیحہ نہیں کھایا جائے گا نہ اس کی عورتوں سے نکاح کیا جائے گا۔

(۷۷) بجالہ کہتے ہیں کہ میں احنف بن قیس کے چچا جزء بن معاویہ کا سیکرٹری تھا، تو ہمارے پاس حضرت عمر رضؓ کا ایک خط ان کی وفات سے ایک سال قبل اس مضمون کا آیا:۔

"ہر جادوگر کو قتل کر ڈالو۔ مجوسیوں میں سے جس نے اپنے محرم سے شادی کر رکھی ہو انہیں اپنے محرم سے الگ کر دو۔ انہیں کھانے کے وقت زمزمہ سے روک دو۔"[1]

بجالہ کہتے ہیں کہ اس پر ہم نے تین جادوگرنیوں کو مار ڈالا، اور ہم ان کے مردوں کو کتاب اللہ کے بیان کردہ اصول کے مطابق محرم عورتوں سے الگ کرنے لگے۔ اور جزء نے ایک بڑی دعوت میں کھانے پر مجوسیوں کو بلایا۔ انہوں نے ایک یا دو خچر کا چاندی کا بار لا کر ڈال دیا۔ جزء نے تلوار انہیں دکھانے کے لئے اپنی ران پر رکھ لی۔ بجالہ کہتے ہیں کہ انہوں نے بغیر زمزمہ کے کھانا کھایا۔

---

[1] زمزمہ سے مراد ہے وہ مبہم سی آوازیں جو مجوس کھانے کے دوران مذہبی رسم سمجھتے ہوئے نکالتے تھے۔

حضرت عمرؓ نے مجوس سے جزیہ لیا

حضرت عمرؓ نے مجوس سے اس وقت تک جزیہ قبول نہیں کیا تھا جب تک حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے گواہی نہ دے دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ہجَر کے مجوس سے جزیہ لیا تھا۔

ابو عبیدؒ: ۔ مجھے اطلاع ملی کہ بعد میں سفیانؒ ہر جادوگر" کے بجائے "ہر جادوگر اور جادوگرنی کہتے تھے۔

(۷۸) جعفر بن محمد کہتے ہیں کہ میرے والد روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے کہا "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ مجوسیوں کے ساتھ کیا طریقہ اختیار کیا جائے، جبکہ یہ اہلِ کتاب نہیں ہیں؟ تو عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا: "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے سُنا ہے کہ ان کے ساتھ اہلِ کتاب کا سا طرزِ عمل اختیار کرو۔"

(۷۹) ابنِ شہاب کہتے ہیں: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ہجَر کے مجوسیوں سے جزیہ لیا"؛ اور حضرت عمرؓ نے فارس کے مجوسیوں سے جزیہ لیا، نیز حضرت عثمانؓ نے بربر سے جزیہ لیا۔

(۸۰) ایک اور سند سے ابن شہاب اسی مضمون کی روایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم، حضرت عمرؓ و حضرت عثمانؓ سے کرتے ہیں۔

(۸۱) ایک اور سند سے ابن شہاب ہی نے یہی مضمون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم، حضرت عمرؓ و حضرت عثمانؓ سے روایت کیا ہے۔

(۸۲) عمرو بن عوف — بنی عامر بن لؤی کے حلیف اور جنگِ بدر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے شریک کہتے ہیں: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ابو عبیدہ بن الجراحؓ کو بحرین سے جزیہ لانے کے لئے بھیجا۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ہی باشندگانِ بحرین سے صلح کی تھی اور ان پر علاء بن الحضرمیؓ کو گورنر بنایا تھا۔ چنانچہ ابو عبیدہ بحرین سے مال لے کر آئے۔

(۸۳) ایک اور سند سے عمرو بن عوفؓ ہی کے واسطہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم

سے ایسا ہی مضمون مروی ہے۔

(۸۴) ابن شہاب کہتے ہیں کہ ہمارے علم کے مطابق سب سے پہلے اہلِ کتاب میں سے جس نے جزیہ دیا وہ اہلِ نجران ہیں، یہ لوگ عیسائی تھے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحرین کے باشندوں سے بھی جزیہ قبول کر لیا تھا جو مجوسی تھے۔ پھر غزوہ تبوک میں ایلہ[1] اور اذرح[2] کے باشندے بھی جزیہ دینے لگے۔ پھر آپؐ نے خالد بن ولیدؓ کو (لشکر کے ساتھ) دومۃ الجندل[3] والوں کے پاس بھیجا۔ اس لشکر نے ان کے سردار اُکیدر کو قید کر لیا اور اس سے ادائے جزیہ پر صلح کر لی۔

(۸۵) زہری کہتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحرین کے مجوسیوں سے جزیہ لینا قبول کر لیا تھا۔ زہری کہتے ہیں: ان میں سے جو اسلام لے آیا اس کا اسلام قبول کر لیا گیا اور اسلام لانے کی وجہ سے اُس نے اپنی جان و مال کو تو بچا لیا لیکن اُن کی زمین محفوظ نہ رہ سکی، کیونکہ وہ مسلمانوں کے لئے ہو گئی تھی۔ یہ اس لئے کہ اوّلاً جب وہ آزاد اور اپنی زمین کا خود مالک تھا اس نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔

(۸۶) شعبی کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ نے خالد بن ولیدؓ کو لشکر کے ساتھ روانہ کیا اور انہیں حکم دیا کہ حیرہ[4] پہنچ کر پڑاؤ ڈالیں پھر وہاں سے شام جائیں۔ چنانچہ خالد بن ولیدؓ نے سفر جاری رکھا تاآنکہ حیرہ میں اُترے۔ شعبی کہتے ہیں کہ مجھے ابن بقیلہ نے خالد بن ولیدؓ کا یہ خط نکال کر بتایا:

ایرانی مرازبہ کے نام خالد بن ولیدؓ کا خط

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔
خالد بن ولیدؓ کی جانب سے ایران

---

[1] ۔ ایلہ: بحر قلزم کے ساحلی علاقہ پر شام کے قریب ایک شہر کا نام۔ پہلے یہاں حجاز ختم اور شام کا علاقہ شروع ہوتا تھا۔ [2] ۔ اذرح: شام کے ایک علاقہ کا نام ہے۔

[3] ۔ دومۃ الجندل: شام اور مدینہ کے درمیان قبیلہ طے کے دو پہاڑوں (اَجاء و سلمیٰ) کے نزدیک ایک علاقہ جس میں قلعہ اور بستیاں تھیں۔ [4] ۔ کوفہ سے تین میل کے فاصلہ پر ایک شہر جہاں اب نجف ہے۔

کے مرازبہ[1] کے نام۔ سلام اس پر جو رہنمائی حق کا اتباع کرلے۔ میں اس اللہ کی حمد بیان کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ امابعد! تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے تمہارا شیرازہ ابتر، تمہارا اتحاد پارہ پارہ اور تمہاری قوتوں اور طاقتوں کو کمزور کر دیا۔ اور تم سے تمہاری حکومت چھین لی۔ سو جب میرا یہ خط تمہیں ملے تو یقین کرلو کہ میری طرف سے تمہیں ضمانت و امن حاصل ہے۔ تم مجھے جزیہ بھیجتے رہو اور یرغمال بھیج دو۔ ورنہ قسم ہے اس اللہ کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں تمہارے سامنے ایسی فوج لا کھڑی کروں گا جو موت سے ایسی ہی محبّت کرتی ہے جیسی تم زندگی سے محبّت کرتے ہو۔ والسّلام"

(ابوعبید) یہاں حضورؐ کے بعد خالد بن ولیدؓ جو حضرت ابوبکرؓ کے گورنر ہیں اہلِ فارس کو جو مجوس تھے ادائی جزیہ کی دعوت دے رہے ہیں۔ پھر حضرت عمرؓ نے بھی بعد ازاں ان سے جزیہ قبول کرلیا۔ نیز حضرت عثمانؓ نے بربر سے جزیہ قبول کرلیا۔ گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم اور آپ کے بعد ائمہ (خلفاء راشدین) سے ملنے والی صحیح روایات یہی بتا رہی ہیں کہ ان حضرات نے مجوسیوں سے جزیہ قبول کرلیا تھا۔ لیکن ان کے بعد لوگوں نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے:

مجوس سے وصولی جزیہ کے سبب میں اختلاف

ایک فریق کا خیال ہے کہ ان سے اس بناء پر جزیہ قبول کیا گیا تھا کہ وہ اہلِ کتاب ہیں۔ اس ضمن میں یہ فریق حضرت علیؓ سے ایک روایت بیان کرتا ہے، جو میرے خیال میں ان سے ارجح و محفوظ شکل میں مروی نہیں ہے۔ اور اگر اس روایت میں کوئی اصلیت ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم ان لوگوں کے ذبیحہ اور اُن کی عورتوں سے نکاح کو حرام نہ قرار دیتے۔ یقیناً آپؐ ان کے اہلِ کتاب ہونے کو بدرجہ اولیٰ جانتے۔ ایسی صورت میں تمام مسلمانوں کو حضورؐ کے بعد ان سے جزیہ وصول کرنے کی کراہت پر متفق ہونا چاہیئے تھا۔

---

[1] ایرانی اپنے تمام بڑے حکام، افسروں اور نوابوں کو، جو بادشاہ کے ماتحت ہوتے تھے "مرازبہ" کہتے تھے۔ اس کا واحد مرزبان ہے۔

دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ آنحضرتؐ نے ان لوگوں سے آیت کریمہ :

لَا اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ (البقرۃ : ۲۵۶) (دین (اختیار کرنے) میں کوئی جبر واکراہ نہیں ہے)

کے نازل ہونے پر جزیہ قبول کیا تھا۔ یہ لوگ اس کے ثبوت میں مجاہد سے روایت بیان کرتے ہیں۔ لیکن حضرت عمرؓ سے مذکورہ بالا آیت کی تاویل میں یہ منقول ہے کہ اس سے بعض عیسائی اور رومی[1] مراد ہیں۔

لَا اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ کی تفسیر — غیر مسلم کو مسلمانوں کی اعانت کا کام سونپنے سے گریز

(۸۷) وُسّق رومی کہتے ہیں : "میں حضرت عمرؓ بن الخطاب کا غلام تھا۔ وہ مجھ سے کہا کرتے تھے "مسلمان ہو جا، اگر تو اسلام قبول کرلے گا تو میں تجھے مسلمانوں کی امانت کا کوئی کام سونپ دوں گا۔ کیونکہ میرے لئے یہ روا نہیں کہ غیر مسلموں کو مسلمانوں کی امانت کے کام پر متعین کروں"۔ مگر میں نے اسلام قبول نہیں کیا۔ اس پر وہ کہا کرتے:

لَا اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ (البقرۃ : ۲۵۶) دین (اختیار کرنے) میں کوئی اکراہ نہیں ہے۔

پھر جب ان کی وفات کا وقت آن پہنچا تو انھوں نے مجھے آزاد کر دیا اور کہا "تمہارا جہاں جی چاہے چلے جاؤ۔"

(۸۸) ابو ہلال طائی کہتے ہیں : میں نے اس شخص کو دیکھا ہے جسے حضرت عمرؓ نے آزاد کر دیا، وہ عیسائی تھا۔

ابو عبیدؒ : ہمارا خیال ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس آیت کریمہ سے اہل کتاب مراد لئے۔ اور یہی مناسب تر تاویل ہے۔ واللہ اعلم۔ لیکن ہمیں مجوسیوں کے متعلق کوئی بات معلوم نہ ہوسکی۔ سوائے اس کے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا اتباع کیا جائے اور آپؐ کے فیصلہ پر بات ختم کر دی جائے۔ گویا اہل کتاب سے جو جزیہ لیا جاتا ہے وہ قرآنی فیصلہ کے مطابق ہے اور مجوس سے جو جزیہ لیا گیا وہ سنت کی اقتداء ہے۔

اہل کتاب سے جزیہ لینا قرآنی فیصلہ ہے اور مجوس سے جزیہ لینا سنتِ رسولؐ ہے

---

[1] ایک دوسرے نسخہ کی عبارت کی رو سے "بعض رومی عیسائی" مراد ہیں۔

چنانچہ دیکھ لیجئے کہ جب عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے حضرت عمرؓ کو بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے مجوسیوں سے جزیہ لیا تھا تو انہوں نے اسی پر بات ختم کردی اور مجوس سے جزیہ قبول کرلیا، حالانکہ اس سے پہلے خود حضرت عمرؓ کہا کرتے تھے "میں نہیں سمجھتا کہ مجوس کے بارے میں کیا رویہ اختیار کروں۔ یہ تو اہلِ کتاب نہیں ہیں؟

ابو عبید:- اسی طرح ہمارا خیال ہے کہ حضرت عمرؓ نے جو مکتوب جزء بن معاویہ کو لکھا تھا جس میں مجوسیوں کو زمزمہ سے منع کرنے اور اُن سے محرموں کو جُدا کردینے کا حکم دیا تھا وہ بھی حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی حدیث سُننے سے پہلے کا فیصلہ ہے۔ پھر جب انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی حدیث مل گئی تو اس پر عمل پیرا ہوگئے اور اس کے علاوہ دیگر امور کے بارے میں سوالات نہیں کئے، حتیٰ کہ فارس کے مجوسیوں سے بھی جزیہ لے لیا اور ان کے متعلق نہ تو محرموں سے الگ کرنے کا لکھا نہ زمزمہ سے روکنے کا۔

مجوس کے بارے میں اتباعِ حدیث کے اس فیصلہ کو متعدد علماء نے بطور سند پیش کیا ہے:-

(۸۹) ابوموسیٰ اشعریؓ کہتے ہیں: "اگر میں اپنے ساتھیوں کو مجوس سے جزیہ لیتے ہوئے نہ دیکھتا تو میں بھی ان سے جزیہ نہ لیتا"

(۹۰) عبداللہ بن عون کہتے ہیں کہ میں نے حسن سے مجوسیوں کے آتشکدوں اور اس میں عبادت کے لئے جلائی جانے والی آگ کے بارے میں دریافت کیا کہ اسے کیوں باقی رہنے دیا گیا؟ (اور بند نہ کیا گیا؟) تو انہوں نے جواب دیا "ان مجوسیوں سے اسی شرط پر صلح کی گئی تھی"۔

(۹۱) عمر بن عبدالعزیزؒ نے حسنؒ کے ایک خط میں دریافت کیا "ہمارے پیشرو ائمہ نے مجوسیوں کے اپنی ماؤں اور بیٹیوں سے نکاح کو کیوں روا رکھا؟" انہوں نے اپنے اس خط میں مجوسیوں کی اور بھی باتوں کا تذکرہ کیا تھا۔ چنانچہ اس کے جواب میں حسنؒ نے انہیں لکھا "امابعد تم (سُنتِ رسولؐ کے) متبع ہو، نئے طریقے ایجاد کرنے کا تمہیں حق حاصل نہیں۔ والسلام"۔

(۹۲) عمرو بن حارث کہتے ہیں "میں نے ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن کو مجوسیوں کے بارے

میں دریافت کرتے ہوئے لکھا کہ آخر ان پر جزیہ کیونکر واجب ہو گیا؟ اور عرب کے مشرکین سے کیوں جزیہ نہیں لے لیا گیا؟" تو اس کے جواب میں ربیعہ نے مجھے لکھا: سلف کے عمل اور ان کے فیصلوں کی موجودگی میں تمہارے اس قسم کے سوالات کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ ؂

ؔ۔ ہمارے خیال میں مجوسیوں کے ساتھ جو رویہ اختیار کیا گیا وہ ان سے کئے گئے معاہدات کے بموجب ہوا تھا۔

باب

مردوں اور عورتوں میں سے جزیہ کس پر واجب اور کس سے ساقط ہوگا؟

جزیہ بالغ مردوں سے لیا جائے گا

(۹۳) حضرت عمرؓ کے آزاد کردہ غلام اسلم راوی ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اپنے لشکروں کے کمانڈروں کے نام یہ تحریری ہدایات بھیجیں کہ وہ فی سبیل اللہ جنگ کریں۔ عورتوں اور بچّوں کو قتل نہ کریں، اور صرف اسی کو قتل کریں جو بالغ ہو[۱]۔ انہوں نے لشکروں کے سربراہوں کو یہ ہدایت نامے بھی جاری کئے کہ (ذمیوں پر) جزیہ عائد کردو، لیکن عورتوں اور بچّوں پر جزیہ نہ لگاؤ اور صرف انہی پر جزیہ واجب کرو جو بالغ ہوں۔

ابوعبیدؒ:۔ یہ حدیث اس باب میں کہ کس پر جزیہ واجب ہوگا اور کس پر واجب نہیں ہوگا۔ بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ ملاحظہ کیجئے کس طرح وضاحت سے بتایا جارہا ہے کہ صرف بالغ مردوں سے جزیہ لیا جائے گا، عورتوں اور بچّوں سے ساقط کردیا جائے گا اس لئے کہ یہ بالغ مرد اگر جزیہ ادا نہیں کریں گے تو انہیں قتل کرنے کا حکم ہے۔ اور جو قتل کے مستحق نہیں یعنی ذریت (عورتیں اور نابالغ بچے) تو ان پر جزیہ بھی واجب نہیں۔

حضرت عمرؓ کے اس قول کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے اس مکتوب گرامی سے تقویت پہنچ رہی ہے جسے ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔ یہ خط آپؐ نے یمن میں حضرت معاذؓ کو بھیجا تھا جس کے الفاظ ہیں: "ہر بالغ پر ایک دینار جزیہ ہوگا[۲]" کیا اس سے صاف ظاہر نہیں ہوتا کہ رسول اللہ

---

[۱] یہاں عربی متن میں بلوغ کے لئے عربی میں "استرا استعمال کرنے" کے الفاظ ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ بالغ وہ تسلیم ہوگا جس کے زیر ناف اور بغل میں بال نکل چکے ہوں۔ [۲] دیکھئے نمبر ۶۴۔

صلی اللہ علیہ وسلّم نے عورتوں اور بچوں کو مستثنیٰ قرار دے کر خصوصیت سے صرف بالغ مردوں پر ہی جزیہ عائد فرمایا؟ - اگرچہ ہمارے بیان کردہ مکاتیب رسولؐ میں سے بعض میں "بالغ مرد اور بالغ عورت" کے الفاظ بھی مذکور ہیںؒ۔ تاہم ہمارا خیال ہے کہ حضورؐ سے محفوظ (وارجح) طریقہ پر وہی روایت ثابت ہے جس میں "بالغ عورت" کا ذکر نہیں ہے اس لئے کہ اس کی تائید مسلمانوں کے مجموعی عمل سے ہوتی ہے اور یہی ہدایت نامہ حضرت عمرؓ نے اپنے لشکروں کے کمانڈروں کے نام جاری کیا۔ واللہ اعلم

لیکن اگر وہ روایت جس میں "بالغ عورت" کا ذکر ہے۔ محفوظ (وارجح) طریقہ سے مروی ہے تو پھر میری توجیہ اس کے متعلق یہ ہوگی کہ ایسا فیصلہ صدر اسلام میں ہوا ہوگا جبکہ مردوں کے ساتھ عورتیں اور بچے بھی قتل کر دئے جاتے تھے۔ ایسا ہوتا رہا ہے لیکن بعد میں منسوخ ہوگیا۔ واللہ اعلم (اس کی تفصیل یہ ہے) :-

(۹۴) صَعب بن جثّامہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو بتایا گیا کہ گھڑسواروں کے ایک (مسلم) دستہ نے رات میں حملہ کیا تو مشرکین کے بچے بھی ان کی زد میں آکر قتل ہو گئے۔ اس پر آپؐ نے فرمایا "یہ بچے بھی اپنے آباء ہی میں شمار ہوں گے"۔

ابوعبیدؒ: لیکن بعدازاں ذریت (عورتوں اور بچوں) کے قتل سے روک دیا گیا۔ اس بارے میں بہت سی احادیث موجود ہیں :-

(۹۵) حضرت حنظلہؓ (کاتب وحی) کہتے ہیں: "ہم ایک غزوہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ جا رہے تھے کہ ہمارا گذر ایک مقتول عورت پر سے ہوا جس کے ارد گرد لوگ جمع تھے۔ پھر (ہماری وجہ سے) لوگ اس کے پاس سے ہٹے تو رسول اللہؐ نے (یہ منظر دیکھ کر) فرمایا" اوہ! یہ کیا کر دیا؟! یہ تو جنگ کرنے والوں میں نہ تھی!! جاؤ خالدؓ سے جا کر کہہ دو کہ ذرّیت (عورتوں اور بچوں) اور مزدور کو قتل نہ کرو۔

ابوعبیدؒ:- میرا خیال ہے کہ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ذرّیت میں عورتوں کو شامل کر لیا ہے۔

ؒ - دیکھئے نمبر ۶۵ اور ۶۶

(۹۶) ایک اور سند سے رباح بن الربیع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے ایک ایسی ہی روایت کرتے ہیں۔

(۹۷) اسود بن سریع رضؓ کہتے ہیں کہ میں ایک غزوہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ تھا، چنانچہ (ہم) لوگوں کو فتح حاصل ہوئی تو لوگ ذرّیت (عورتوں اور بچّوں) کو قتل کرنے لگے۔ جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے اعلان فرمایا: "لوگو! خبردار! ذرّیت کو ہرگز قتل نہ کرو۔ لوگو! خبردار، عورتوں اور بچّوں کو قتل نہ کرو۔"

(۹۸) حضرت ابن عمر رضؓ کہتے ہیں: "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے بعض غزوات میں ایک عورت قتل شدہ حالت میں ملی، تو آپؐ نے عورتوں اور بچّوں کے قتل کی مذمّت فرمائی۔"

(۹۹) عبداللہ ابن کعب بن مالک رضؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے خیبر میں ابن ابی الحقیق کو قتل کرنے کے لئے جانے والی ٹولی کو بچّوں اور عورتوں کے قتل سے منع فرمایا تھا۔

ابو عبیدؒ: جب ذرّیت —— عورتیں اور بچّے —— قتل سے مستثنٰی قرار دے دئے گئے تو ان سے جزیہ بھی ساقط کر دیا گیا۔ اسی طرح جزیہ ہر اس شخص پر واجب ہو گیا جسے جزیہ ادا کرنے سے انکار کر دیا جائے اور وہ صرف مرد (بالغ) ہیں۔ یہی سنت رہی ہے اور اسی پر مسلمانوں کا عمل رہا ہے[۵]۔

---

[۵] - ابن حزمؒ نص قرآن "حتیٰ یعطوا الجزیۃ" کی رو سے ہر مرد و زن، غلام و آزاد، فقیر و راہب سے جزیہ لینے کے قائل ہیں اور اس ضمن میں خود ابو عبیدؒ کی روایت نمبر ۶۵ سے استدلال کرتے ہیں جس میں بالغ مرد اور بالغ عورت کے الفاظ مذکور ہیں، گو ابو عبید اسے ارجح نہیں قرار دیتے۔ دیکھئے (المحلّی ۷: ۳۴۸)

باب

جزیہ کی فرضیت، مقدارِ جزیہ، غیر مسلمانوں کے روزینوں اور اُن کی مہمانی کا تعین

سونے کے مالکوں پر چار دینار اور چاندی کے مالکوں پر چالیس درہم

(١٠٠) اسلم کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے سونا رکھنے والوں پر چار دینار، اور چاندی رکھنے والوں پر چالیس درہم جزیہ مقرر کیا۔ اس کے ساتھ ہی (جزیہ دینے والوں سے یہ طے کیا کہ) وہ مسلمانوں کے روزینے کا بندوبست اور تین دن تک اُن کی مہمانی کریں۔

(١٠١) اسلم کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے شام والوں پر ——— یا سونا رکھنے والوں پر ——— چار دینار جزیہ، اور مسلمانوں کے روزینوں کے سلسلہ میں فی کس ماہانہ دو مُدّ گیہوںؔ، تین قسط زیتون کا تیل مقرر کیا۔ اور چاندی رکھنے والوں پر چالیس درہم جزیہ اور فی کس پندرہ صاع (غلّہ) مقرر کیا۔ اور جو مصر کا باشندہ ہو وہ ماہانہ فی کس ایک اُردُب (غلّہ) دے۔ اسلم کہتے ہیں: "مجھے یہ نہیں معلوم کہ انہوں نے فی کس روغن اور شہد کی کتنی مقدار بتائی تھی۔

چوبیس درہم سالانہ جزیہ

(١٠٢) ابو مجلز کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے عمّار بن یاسرؓ عبداللہ بن مسعودؓ اور عثمان بن حُنیف کو کوفہ والوں کی طرف بھیجا۔ عثمان بن حنیفؓ نے ان میں سے ہر گھر پر، جس میں کئی فرد تھے، فی کس (بالغ) چوبیس درہم سالانہ جزیہ مقرر کیا، اور اس پابندی سے عورتوں اور بچّوں کو مستثنیٰ قرار دیا۔

لے یہاں اصل کتاب میں سہو یا طباعت کی غلطی ہے "مُدّ" زیادہ سے زیادہ تین پاؤ کا چھوٹا پیمانہ ہے اس لحاظ سے ڈیڑھ سیر غلہ کسی طرح بھی ایک شخص کی ماہانہ خوراک کے لئے کافی نہ ہوگا، جبکہ آگے مصر والوں کے لئے ماہانہ خوراک کے لئے ایک اُردب مقرر کیا گیا ہے جو چھیانوے مُد کا ہوتا ہے۔ دراصل یہاں مُدّ کے بجائے "مُدی" پیمانہ ہے جو ۴۸ مُد کا ہوتا ہے اور "دو مُدی" ۹۶ مد کے برابر ہو جائیں گے۔ (مترجم)

پھر انہوں نے اپنی اس کارروائی کی اطلاع حضرت عمرؓ کو دی، تو حضرت عمرؓ نے ان کی اس کارروائی کو سندِ جواز عطا کر دی۔ اس پورے واقعہ کی تفصیلات ایک لمبی حدیث میں ہیں۔

حسبِ حیثیت جزیہ میں کمی بیشی

(۱۰۳) حارثہ بن مضرب سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے عثمان بن حنیفؓ کو بھیجا تو انہوں نے ان لوگوں پر (حسبِ حیثیت) اڑتالیس، چوبیس اور بارہ درہم جزیہ مقرر کیا۔

(۱۰۴) محمد بن عبیداللہ الثقفی کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ان پر اڑتالیس، چوبیس اور بارہ درہم مقرر کئے تھے۔

(۱۰۵) عمرو بن میمون کا بیان ہے کہ ذوالحلیفہ میں وہ حضرت عمرؓ کی خدمت میں تھے کہ وہاں اُن کے پاس ابن حنیف آئے اور اُن سے گفتگو کرتے رہے تھے، وہاں ہم نے ابن حنیفؓ کو حضرت عمرؓ سے یہ کہتے ہوئے سُنا ہے "اللہ کی قسم، اگر میں زمین کی ہر جریب پر ایک درہم اور ایک قفیز، اور فی کس دو درہم بھی ان پر (بطورِ جزیہ) مقرر کر دوں تو اس سے ان پر کوئی مشکل نہیں پڑے گی نہ ہی وہ گرانبار ہوں گے۔ راوی کہتے ہیں کہ اس وقت جزیہ کی رقم اڑتالیس تھی تو حضرت عمرؓ نے اسے بڑھا کر پچاس کر دی۔

جزیہ کی کوئی حد مقرر نہیں تاہم استطاعت سے زیادہ بار نہ ڈالا جائے

(۱۰۶) عمرو بن میمون کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ کو ان کی شہادت سے چار روز قبل ان کے اُونٹ پر کھڑا دیکھا تھا، وہ حذیفہؓ بن الیمانؓ اور عثمان بن حنیفؓ سے کہہ رہے تھے "تم دونوں اپنے علاقوں کے حالات کا بغور مطالعہ کرو۔ خبردار! کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ تم زمینداروں پر ان کی طاقت سے زیادہ بار ڈال دو"۔ اس پر عثمان نے کہا "میں نے جو کچھ ان پر مقرر کر رکھا ہے اگر میں اسے دوچند بھی کر دوں تب بھی وہ اس کے متحمل ہو سکیں گے"۔ حذیفہؓ نے کہا "میں نے ان پر جو کچھ مقرر کیا ہے اس میں ان کے لئے بڑی گنجائش ہے"۔ بعد ازاں راوی نے حضرت عمرؓ کی شہادت کا واقعہ تفصیل سے بیان کیا ہے۔

ابو عبیدؒ: - جزیہ و خراج کی وصولی کے بارے میں یہی ہمارا مسلک ہے، یعنی جزیہ و خراج ذمیوں کی طاقتِ برداشت کے مطابق مقرر کیا جائے گا۔ اس طرح کہ نہ تو ذمیوں پر بار ڈالا جائے گا نہ مسلمانوں کے فئے کو خسارہ میں رکھا جائے گا۔ جزیہ و خراج (کی رقم) کے بارے میں کوئی مقررہ حد (اور معین مقدار) نہیں ہے۔ آپ پچھلے صفحات میں ہماری بیان کردہ وہ احادیث دیکھ چکے ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے حضرت معاذؓ کے نام مکتوب میں رسول اللہ ﷺ نے اہلِ یمن کے ہر بالغ پر ایک دینار مقرر فرمایا تھا۔

ایک دینار، دس یا بارہ درہم کے مساوی تھا

اس وقت ایک دینار کی قیمت دس یا بارہ درہم تھی۔ اور حضورؐ کی مقرر کردہ یہ رقم اس مقدار سے کم ہے جو حضرت عمرؓ نے اہلِ شام و اہلِ کوفہ پر مقرر کی تھی۔

حضرت عمرؓ کے اس عمل کی توجیہ یہی کی جائے گی کہ انہوں نے ان (ذمیوں) کی آسودگی اور طاقت برداشت کا اندازہ لگا کر ہی اس رقم میں اضافہ کیا تھا، چنانچہ ایسی ہی ایک توجیہ مجاہدؒ سے بھی مروی ہے:۔

(۱۰۷) ابن ابی نجیح کہتے ہیں کہ میں نے مجاہدؒ سے دریافت کیا کہ حضرت عمرؓ نے شامیوں پر یمنیوں سے زیادہ جزیہ کیوں مقرر کیا تھا؟ تو انہوں نے جواب دیا تھا " (شامیوں کی) خوشحالی و آسودگی کی وجہ سے۔"

ابو عبیدؒ: - حسن بن صالح وغیرہ سے مروی ہے کہ یہ لوگ حضرت عمرؓ کے معینہ جزیہ سے زیادہ جزیہ مقرر کرنا روا نہیں سمجھتے تھے، خواہ ذمی اس سے زیادہ دینے کی طاقت رکھتے ہوں۔ اور دوسری طرف ان لوگوں کا یہ خیال بھی ہے کہ اگر ذمی (حضرت عمرؓ کی) یہ مقررہ رقم ادا کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اس میں کمی کی جا سکتی ہے۔

لیکن ہمارا پسندیدہ مسلک یہ ہے کہ جس طرح (جزیہ کی) اس رقم میں کمی کی جا سکتی ہے اضافہ بھی کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ حضرت عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی مقررہ مقدار میں اضافہ کیا، نہ صرف یہ بلکہ خود اپنی مقررہ مقدار میں بھی جو اڑتالیس تھی اضافہ کر کے پچاس،

کردیا۔

عدمِ استطاعت پر جزیہ معاف ہوسکتا ہے

اسی طرح اگر کوئی (ذمی) کسی وقت ایک دینار ادا کرنے کی طاقت بھی نہ رکھتا ہو تو اس سے یہ بھی کم کردیا جائے گا۔ حتیٰ کہ خود حضرت عمرؓ ہی سے یہ بھی مروی ہے کہ انہوں نے ایک بوڑھے ذمی کے پاس سے گذرنے پر جو در بدر بھیک مانگ رہا تھا بیت المال سے اس کا وظیفہ جاری کردیا تھا[1] اور ان کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔

(۱۰۸) ابو جعفر جسر کہتے ہیں "ہمیں عمر بن عبدالعزیزؒ کا خط سنایا گیا جس میں حضرت عمر بن الخطابؓ کا یہ واقعہ مذکور تھا"

ابو عبیدؒ:۔ اگر حضرت عمرؓ یہ جان لیتے کہ جزیہ کے تعین کے بارے میں یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی کوئی مقررہ ومعینہ سُنت ہے تو وہ اس سے تجاوز کرکے قطعاً کوئی دوسری مقدار متعین نہ کرتے۔

عمر بن عبدالعزیزؒ سے بھی اسی قسم کی روایت ہے کہ جو ذمی طاقت رکھتا ہو اس پر جزیہ کی رقم میں اضافہ بھی کیا جاسکتا ہے۔

(۱۰۹) صفوان بن عمرو کہتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے الدّیارات کے راہبوں پر فی راہب[2] دو دینار جزیہ مقرّر کیا۔

ابو عبیدؒ:۔ میرا خیال ہے کہ عمرؒ نے یہ کچھ اسی وقت کیا ہوگا جبکہ انہیں راہبوں کی استطاعت کا علم ہوچکا ہوگا اور انہوں نے یہ اندازہ لگا لیا ہوگا کہ ان کے ہم مذہب (اور ان کے مرید) جس طرح ان کی دیگر تمام ضروریات زندگی کے متکفل ہو رہے ہیں ان کی خاطر جزیہ کا یہ بار بھی برداشت کرلیں گے۔

---

[1] ۔ اس واقعہ کی تفصیل نمبر ۱۱۹ میں دیکھئے۔

[2] ۔ یہ نجف میں راہبوں کی خانقاہیں تھیں۔

باب

جزیہ وخراج کی وصولی

(اور اس ضمن میں ذمیوں سے نرمی برتنے کا حکم اور سختی کرنے کی ممانعت)

(۱۱۰) ہشام بن حکیم بن حزام فلسطین میں کچھ ایسے لوگوں کے پاس سے گذرے جن سے جزیہ وصول کرنے میں سختی کی جارہی تھی اور سزا دی جارہی تھی اس پر ہشام نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو یہ فرماتے سُنا ہے: "قیامت کے دن اللہ ان لوگوں کو تکلیف دہ سزا دے گا جو دنیا میں لوگوں کو سخت سزائیں دیتے ہیں۔"

(۱۱۱) عروۃ بن الزبیر کہتے ہیں کہ عیاض بن غنمؓ نے نبطیوں کو جزیہ کے سلسلہ میں سزا پاتے ہوئے دیکھا تو انھوں نے جزیہ وصول کرنے والے سے کہا "بے شک میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا ہے" اللہ تبارک وتعالیٰ قیامت کے دن ان لوگوں کو عذاب دے گا جو دنیا میں لوگوں کو عذاب دیتے ہیں۔"

(۱۱۲) ایک دوسری سند کی رو سے رسول اللہ کی یہ حدیث عیاض بن غنمؓ کو ہشام بن حکیم نے پہنچائی۔

(۱۱۳) شریح بن عبید کہتے ہیں کہ جب ہشام بن حکیم نے عیاض بن غنم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی یہ حدیث سنائی تو انھوں نے کہا جو کچھ تم نے سُنا ہے وہ میں بھی سُن چکا ہوں اور جو کچھ تم نے دیکھا ہے وہ میں بھی دیکھ چکا ہوں۔ کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے یہ نہیں سُنا: "جو کسی با اقتدار شخص کو کچھ نصیحت کرنا چاہے

حاکم کو تخلیہ میں نصیحت کی جائے

تو وہ برسرِ عام اسے نصیحت نہ کرنے لگے بلکہ اسے چاہیئے کہ اس حاکم (یا افسر) کا ہاتھ

پکڑ کر اسے خلوت میں لے جائے، پھر اگر وہ اس کی نصیحت قبول کرے تو فبہا ورنہ اس نے اپنا نصیحت کرنے کا فریضہ انجام دے دیا۔"

(۱۱۴) جُبیر بن نُفیر کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ بن الخطاب کے پاس کثیر مال[1] آیا تو اُنہوں نے کہا، "میں سمجھتا ہوں (کہ اتنا کثیر مال حاصل کرنے میں) تم نے لوگوں پر بے جا دباؤ ڈال کر انہیں تباہ کر دیا ہوگا۔" اس پر وہ (مال لانے والے) بولے: "نہیں، اللہ کی قسم ہم نے اُن کی سہولت اور خوش دلی کے ساتھ یہ کچھ اُن سے وصول کیا ہے۔" حضرت عمرؓ نے دریافت کیا "بغیر کوڑے مارے اور بغیر لٹکائے؟ انہوں نے کہا "جی ہاں"۔ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا "الحمد اللہ جس نے مجھے اور میرے دورِ حکومت کو رعایا پر مظالم و تشدد سے محفوظ رکھا۔"

(۱۱۵) سعید بن عبدالعزیز کہتے ہیں کہ سعید بن عامر بن حذیمؓ[2] حضرت عمر بن الخطاب کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت عمرؓ نے ان پر کوڑا اُٹھایا۔ اس پر سعیدؓ نے کہا: "آپ تو بات سے پہلے ہی سزا دینے لگے۔ بہرحال اگر آپ سزا دیں گے تو ہم صبر کریں گے۔ اگر آپ معاف کر دیں گے تو ہم شکرگزار ہوں گے، اور اگر آپ کو ہم سے کوئی شکایت ہو جائے تو ہم اس شکایت کے ازالہ کی کوشش کریں گے۔" اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا: "بس یہی مسلمان کا فریضہ ہے۔ اب بتاؤ تم نے خراج کی رقم داخل کرنے میں اتنی دیر کیوں لگائی ہے؟" اُنہوں نے جواب دیا: "آپ نے ہمیں حکم دے رکھا ہے کہ کاشتکاروں سے چار دینار سے زائد نہ وصول کریں۔ چنانچہ ہم بھی اس سے زیادہ کا ان سے مطالبہ نہیں کرتے۔ البتہ ہم نے انہیں فصلیں کٹنے تک مہلت دے دی ہے۔" اس پر حضرت عمرؓ نے کہا: "جب تک میں زندہ ہوں تمہیں اس عہدہ سے معزول نہیں کروں گا۔"

ادائی جزیہ میں مناسب مہلت دے دینا

ابو مُسہر کہتے ہیں: "اس کے سوا شام والوں کی خراج سے متعلق کوئی اور روایت مذکور نہیں ہے۔

---

[1] ۔ ابو عبید کہتے ہیں میرا خیال ہے کہ راوی نے صرف کثیر مال نہیں بلکہ جزیہ کا کثیر مال کہا تھا۔

[2] ۔ یہ صحابی ہیں اور سنہ ۲۰ھ میں وفات پائی۔ حمص پر والی تھے۔

ابو عبیدؒ:۔ ہمارا خیال ہے کہ فصل کی کٹائی تک مہلت صرف ان کی سہولت اور آسانی کے پیشِ نظر دی گئی تھی۔ خراج و جزیہ کی وصولی کے سلسلہ میں کسی خاص وقت کا تعین اس روایت کے سوا ہم نے کہیں اور نہیں سُنا۔

(۱۱۶) حضرت علیؓ نے ایک شخص کو عکبریٰ[۱] کے علاقہ کا عامل بنایا تو برسرِ مجمع انہیں ہدایت کی کہ ان لوگوں سے خراج کا ایک درہم بھی نہ چھوڑنا۔ اور اس بارے میں شدید الفاظ استعمال کئے۔ پھر اس شخص سے کہا "دوپہر کو مجھ سے مل لینا" چنانچہ جب وہ ان کے پاس پہنچا تو حضرت علیؓ نے کہا "میں نے تمہیں جو حکم دیا تھا اب اس میں اضافہ کرتے ہوئے ہدایت کرتا ہوں

رقم وصول کرنے کے لئے ضرورت کی اشیاء فروخت کرانے سے گریز

اگر میری نافرمانی کی تو تمہیں برخواست کردوں گا۔ دیکھو خراج وصول کرنے کے لئے نہ تو اُن کا گدھا فروخت کرنا اور نہ گائے بیل، نہ اُن کی گرمی کی پوشاک بیچنا نہ سردی کے کپڑے، ان سے نرمی برتنا اور حتی الامکان اُن کی سہولت مدِنظر رکھنا۔"

(۱۱۷) عنترہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ ہر کاریگر سے جزیہ لیا کرتے تھے۔ سوئی والے سے سوئیاں لیتے۔ سان والے سے سان۔ رسّی والے سے رسّی۔ پھر قبائل کے سرداروں کو بلاتے اور انہیں سونا چاندی دے دیتے جسے وہ آپس میں تقسیم کر لیتے۔ پھر حضرت علیؓ ان سے کہتے "یہ (دوسرا جمع شدہ مال) بھی لے کر باہم تقسیم کرلو" تو وہ کہتے "ہمیں اس کی ضرورت نہیں ہے" اس پر وہ کہتے "تم نے عمدہ مال تو لے لیا اور بُرا مال میرے پاس چھوڑ دیا۔ ایسا نہیں ہوسکتا تمہیں یہ بھی اُٹھانا پڑے گا۔"

ابو عبیدؒ:۔ حضرت علیؓ ذمیوں کے ساتھ ایسا سلوک اُن کی سہولت اور اُن کے ساتھ نرمی کی وجہ سے کرتے تھے۔ وہ کرتے یہ تھے کہ ان پر جزیہ کی جو رقم واجب ہوتی وہ ان سے اس کی قیمت کا وہ سامان خرید لیتے تھے جو ان کے پاس موجود ہوتا اور انہیں اسے فروخت کر کے نقد رقم ادا کرنے پر مجبور نہ کرتے۔ ان کا یہ عمل حضرت معاذؓ کے اس قول کے مطابق ہے جو انہوں نے یمن

---

[۱] ۔ ایک علاقہ جو بغداد سے دس فرسخ پر واقع تھا۔ (معجم البلدان)

نقد رقم کے بجائے اُس کی قیمت کا کام آنے والا دیگر سامان لے لینا

میں کہا تھا کہ تم لوگ میرے پاس (نقد) زکواۃ کی جگہ (اپنے علاقہ کے بنے ہوئے) کپڑے اور چادریں لے آؤ تو میں انہیں تمہاری طرف سے زکوٰۃ کے عوض قبول کر لوں گا۔ یہ صورت تمہارے لئے زیادہ آسان ہے اور مدینہ کے مہاجرین کے لئے مفید تر ہے۔ یہی حضرت عمرؓ کا طریق کار تھا۔ چنانچہ وہ بھی جزیہ میں نقدی کے بجائے اونٹ لے لیا کرتے تھے۔

(۱۱۸) اسلم کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے پاس بکثرت مویشی جزیہ کے مویشیوں میں آتے تھے۔

ابو عبیدؒ :۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنت سے بھی حضرات عمرؓ و علیؓ و معاذؓ کے اس عمل کو تقویت پہنچتی ہے اس لئے کہ حضورؐ نے اہلِ یمن کو جو مکتوب گرامی لکھا تھا اس میں درج تھا: ہر بالغ سے ایک دینار یا اس کے مساوی قیمت کی یمنی (معافری) چادریں لی جائیں"۔

یہ عبارت صاف بتا رہی ہے کہ آپؐ نے اُن سے نقد دینار کے عوض معافری کپڑے لے لئے تھے۔ یہ کچھ ذمیوں کو سہولت اور آسانی پہنچانے کے لئے کیا گیا تھا تاکہ ان کے سامان میں سے کوئی چیز نقصان سے نہ بکے۔ بلکہ جزیہ کی مقررہ قیمت کے عوض ان سے وہ سامان لے لیا جائے جو وہ آسانی سے دے سکیں۔ یہی مطلب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان الفاظ کا ہے: "یا اس کے مساوی قیمت کی معافری چادریں لی جائیں"۔

(۱۱۹) ابو جعفر جسر کہتے ہیں " میں نے عمر بن عبدالعزیز کا وہ خط دیکھا جو انہوں نے عدی بن أرطاۃ کو بھیجا تھا۔ یہ خط بصرہ میں ہمیں پڑھ کر سُنایا گیا تھا۔ اُس کی عبارت یہ تھی:۔

"۔۔۔۔ امابعد۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے جزیہ لینے کا جو حکم دیا ہے وہ صرف اُن لوگوں کے لئے ہے جو اسلام قبول کرنے سے گریز کر کے سرکشی اور کھلے خسارہ کو منظور کرتے ہوئے کفر اختیار کرتے ہیں۔ لہٰذا تم ان میں سے جو جزیہ کا بار اُٹھانے کی طاقت رکھتا ہے اس پر جزیہ لگا دو۔ انہیں زمین آباد کرنے میں آزاد چھوڑ دو۔ کیونکہ اس میں ایک طرف تو مسلمانوں کا معاشی مفاد ہے اور دوسری طرف انہیں اپنے دشمنوں کے مقابلہ میں قوت حاصل ہو گی۔

کمزور اور کمائی سے لاچار ذمیوں کا بیت المال سے وظیفہ

اور دیکھو تمہارے علاقہ میں جو عمر رسیدہ، کمزور اور کمائی سے لاچار ذمی ہوں ان کا بیت المال سے مناسب وحسب ضرورت وظیفہ مقرر کردو اور اگر کسی مسلمان کا غلام بوڑھا ہو گیا ہو، اس کی قوتیں جواب دے چکی ہوں اور وہ کسب معاش کی صلاحیت نہ رکھتا ہو تو اس مسلمان آقا کا فرض ہے کہ وہ اس کی گذر بسر کا بندوبست کر دے تا آنکہ موت یا آزادی ان دونوں کو ایک دوسرے سے جُدا کر دیں۔

میں نے یہ فیصلہ اس لئے کیا ہے کہ مجھے امیر المومنین حضرت عمرؓ کے متعلق یہ اطلاع ملی ہے کہ وہ ایک ایسے بوڑھے ذمی کے پاس سے گذرے جو دربدر لوگوں سے بھیک مانگ رہا تھا تو انہوں نے کہا "ہم نے تیرے ساتھ انصاف نہیں کیا، تیری جوانی میں تو ہم تجھ سے جزیہ وصول کرتے رہے۔ پھر بڑھاپے میں تجھے اس طرح در در کا بھکاری بنا کر چھوڑ دیا" چنانچہ انہوں نے بیت المال سے اس کے لئے اس کی ضرورت کے مطابق وظیفہ جاری کر دیا۔

(۱۲۰) سلیمان جُعفی کہتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز نے عبدالحمید بن عبدالرحمٰن کے نام ایک خط لکھا جس کا متن درج ذیل ہے :-

السلام علیکم۔ امابعد۔ مجھے معلوم ہے کہ اہلِ کوفہ کو نااہل و بدکردار عاملین کی بدنظمی نیز غلط اور گندے قوانین کی تنفیذ کے باعث ظلم و جور اور تشدّد و ابتلاء سے گذرنا پڑا ہے، حالانکہ دین کا سب سے پہلا اور بنیادی اصول عدل و احسان ہے تمہیں سب سے زیادہ فکر یہ ہونی چاہیئے کہ اپنے نفس کو اللہ کی اطاعت پہ آمادہ کرتے رہو۔ اور جان لو کہ گناہ میں سے کچھ بھی تھوڑا نہیں ہوتا۔ اور میں نے تمہیں حکم دیا تھا کہ ان کی زمینوں کی پیمائش اور اُن کی پیداوار کا اندازہ لگالو۔ بنجر زمین کا بار آباد پر اور آباد کا بنجر پر نہ ڈالو۔ غیر آباد زمین سے اتنا ہی لو جتنے کی وہ متحمل ہو سکے۔ اسی طرح آباد زمین سے صرف مقررہ خراج لو۔ اور یہ سب کچھ نرمی سے اور زمین کے مالکوں کی آباد کاری ملحوظ رکھتے ہوئے ہونا چاہیئے۔

اور میں نے تمہیں حکم دیا تھا کہ خراج میں وہی دراہم لو جن (کے دس درہموں) کا وزن سات (مثقال) ہو۔ اُن میں کوئی خرابی نہ ہو۔ اس (خراج) میں نہ ٹھپّہ لگانے والوں کی اُجرتیں شامل

ہوں، نہ چاندی کے پگھلانے کا معاوضہ، نہ نوروز و مہرجان کا ہدیہ، نہ مصحف (قرآن) کی قیمت، نہ مکانات کے کرائے۔ نہ دراہم نکاح۔ زمین کے مالکوں میں سے جو بھی اسلام قبول کرلے اس سے خراج نہیں لیا جائے گا۔

ان امور میں میری ہدایات کی پابندی کرو۔ اس ضمن میں اللہ تعالیٰ نے مجھے جو اختیارات دئے ہیں وہ میں تمہیں سونپ رہا ہوں۔ اور دیکھو قطع (ید) یا سولی کی سزا کو نافذ کرنے سے پہلے مجھ سے مراجعت کرلینا۔ اور ذریت میں سے جو حج کرنا چاہے تو اسے پیشگی سامانِ سفر کے لئے سو (درہم) دے دیا کرو۔ والسلام علیکم"۔

عبدالرحمٰن کہتے ہیں (کہ مذکورہ بالا خط میں) دراہم نکاح سے مُراد ہے طوائفوں کی کمائی، ان طوائفوں سے خراج لیا جاتا تھا۔ اور ذریت سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے ناموں کا اندراج وظائف پانے والوں کے رجسٹر میں نہ ہو۔

باب

ذمی کے اسلام قبول کرنے یا جزیہ ادا کئے بغیر مرنے پر ادائی جزیہ کی صورت

اسلام قبول کر لینے کے بعد جزیہ باقی نہیں رہتا

(۱۲۱) ابوظبیان رضؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا :-

"کسی مسلمان پر جزیہ واجب الادا نہیں"۔

ابو عبیدؒ :- اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی ذمی جس پر جزیہ واجب ہو چکا ہو سال کے آخر میں اسلام قبول کر لے تو اسلام لے آنے سے اس کے ذمہ واجب الادا جزیہ معاف ہو جائے گا اور وہ جزیہ اس سے وصول نہیں کیا جائے گا۔ اس لئے کہ مسلمان جزیہ نہیں ادا کرتا۔ اور نہ جزیہ اس پر قرض رہتا ہے۔ اسی طرح اسلام لے آنے کے بعد اب جو زندگی وہ شروع کر رہا ہے اس میں بھی اس سے جزیہ نہیں لیا جائے گا۔ ذیل میں حضرات عمرؓ و علیؓ و عمر بن عبد العزیزؒ سے مروی آثار اس مضمون کی تائید کر رہے ہیں :

(۱۲۲) عُبید اللہ بن رَواحہ کہتے ہیں کہ میں مقام "سلسلہ" میں مسروق کے ساتھ تھا تو انہوں نے مجھے بتایا کہ عجمیوں میں سے ایک شخص نے اسلام قبول کر لیا اور اس سے جزیہ وصول کیا جاتا تھا۔ وہ شخص حضرت عمرؓ ابن الخطابؓ کی خدمت میں پہنچا اور عرض کی "یا امیر المومنین! میں مسلمان ہو چکا ہوں۔ پھر بھی مجھ سے جزیہ لیا جا رہا ہے؟" حضرت عمرؓ نے کہا "ہو سکتا ہے کہ تم جزیہ سے بچنے کے لئے مسلمان ہو گئے ہو؟" اُس شخص نے کہا "تو کیا اسلام مجھے اس سے نجات نہیں دلا سکتا؟" حضرت عمرؓ نے کہا "کیوں نہیں"۔ پھر حضرت عمرؓ نے اسے پروانہ لکھ دیا کہ اس سے

جزیہ وصول نہ کیا جائے۔

خراج کی زمین اسلامی ریاست کی ملکیت ہے

(۱۲۳) زبیر بن عدی کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ کے عہدِ خلافت میں ایک زمیندار نے اسلام قبول کرلیا تو حضرت علیؓ نے اس سے کہا "اگر تم اپنے علاقہ میں اپنی زمین پر ہی اقامت رکھو گے تو ہم تم سے جزیہ معاف کردیں گے لیکن تمہاری زمین سے خراج لیتے رہیں گے۔ اور اگر تم اپنی زمین چھوڑ کر دوسری جگہ منتقل ہو جاؤ گے تو ہم اس زمین کے زیادہ حق دار ہوں گے (یعنی وہ اسلامی ریاست کی ملکیت رہے گی)۔

(۱۲۴) محمد بن عبیداللہ الثقفی کہتے ہیں کہ ایک زمیندار نے اسلام قبول کرلیا اور وہ حضرت علیؓ کی خدمت میں پہنچا، تو حضرت علیؓ نے اس سے کہا: "تمہارے اوپر اب جزیہ تو واجب نہیں البتہ تمہاری زمین ہماری ہوگئی۔"

علاماتِ اسلام

(۱۲۵) حمید کہتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے تحریر فرمایا تھا: "جو ہماری طرح کلمۂ شہادت کی گواہی دے، ہمارے قبلہ کی طرف رُخ کرے اور ختنہ کرالے، تو اس سے جزیہ وصول نہ کرو۔"

شروع سال یا آخر سال میں اسلام لانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا

ابو عبیدؒ: ائمہ ہدیٰ کے بالتواتر یہ مروی آثار اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ اسلام قبول کرلینے والے سے جزیہ نہیں لیا جائیگا، ان حضرات نے اس بارے میں شروع سال یا آخر سال کی کوئی قید نہیں لگائی۔ ان وجوہ کی بناء پر ہمارا فیصلہ یہی ہے کہ اسلام اپنے سے پہلے کے بقیہ جزیہ کو ساقط کر دیتا ہے۔

لوگوں کو عہدِ اموی میں ان روایات و آثار کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ اس دور کے حکام یا بعض حکام کے بارے میں یہ مروی ہے کہ وہ اسلام لانے والوں سے بھی جزیہ وصول کرتے رہتے تھے۔ ان کا خیال یہ تھا کہ جزیہ اس ٹیکس کی حیثیت رکھتا ہے جو غلاموں پر عائد کیا جاتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ غلام کے اسلام قبول کرلینے سے اس پر عائد شدہ ٹیکس معاف نہیں ہو جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ بعض دینی فقہاء (قراء) نے بنو امیہ کے خلاف بغاوت کو جائز قرار دے

دیا تھا۔

عہدِ اموی میں مسلمانوں سے جزیہ لینے کی غلطی

یزید بن ابی حبیب کی مندرجہ ذیل روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بنو امیہ مسلمان ہونے کے بعد بھی لوگوں سے جزیہ وصول کرتے تھے:۔

(۱۲۶) یزید بن ابی حبیب کہتے ہیں: "رسول اللہؐ کی وفات کے بعد اس امتِ مسلمہ نے جو بدترین کام کئے ہیں وہ تین ہیں (۱) حضرت عثمانؓ کا قتل (۲) کعبہ شریفہ کو آگ لگانا اور (۳) مسلمانوں سے جزیہ وصول کرنا۔

ابو عبیدؒ:۔ یہ ہیں وہ روایات جو اسلام لانے کے بعد ذمی سے جزیہ کی وصولی کے بارے میں ہم تک پہنچی ہیں۔

رہا ذمی، کا سال کے آخری حصہ میں مرنے پر اس سے جزیہ کی وصولی کا مسئلہ سو اس بارے میں اختلاف ہے:۔

مرنے والے ذمی پر واجب الادا جزیہ اُس کے پسماندگان سے وصول کرنے پر اختلاف

(۱۲۷) عبدالرحمٰن بن جُنادہ جو حیّان بن سریج کے سکرٹری تھے کہتے ہیں کہ حیّان نے مجھے عمر بن عبدالعزیزؒ کے پاس بھیجا اور اُن کی خدمت میں تحریری طور پر اس مضمون کا استفتاء بھجوایا:

"کیا مرنے والے قبطیوں کا جزیہ ان کے زندہ وارثوں سے وصول کیا جائے گا؟" حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے یہ مسئلہ عبدالرحمٰن کی موجودگی میں عراک بن مالک سے دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا: "میں نے ان کے لئے کسی قسم کے عہد و پیمان کا نہیں سُنا۔ یہ لوگ بزور و قوت مغلوب ہوئے ہیں۔ ان کی حیثیت شکار کی سی ہے۔" چنانچہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے حیّان ابن سریج کو جواباً یہ ہدایت نامہ جاری کیا کہ مرنے والوں پر واجب ہونے والا جزیہ ان کے پسماندگان سے وصول کیا جائے۔"

ابن عُفیر کہتے ہیں کہ حیّان مصر میں عمر بن عبدالعزیزؒ کے والی (گورنر) تھے۔

ابو عبیدؒ:۔ لیکن ایک دوسری سند سے مُعقل بن عبیداللہ عمر بن عبدالعزیزؒ ہی سے

روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا :

"جو مر جائے یا بھاگ جائے اس پر جزیہ نہیں لگایا جائے گا" مطلب یہ ہے کہ مرنے والے کا جزیہ اس کے بعد اس کے وارثوں سے نہیں لیا جائے گا گویا مرنے والے پر واجب الاداء جزیہ بمنزلہ قرض نہیں شمار ہو گا۔ اس طرح بھاگنے والے کے گھر والوں سے اس بھاگنے والے پر واجب شدہ جزیہ نہیں لیا جائے گا، اس لئے کہ ان گھر والوں سے اس بارے میں کوئی ضمانت نہیں لی گئی تھی۔

باب

جزیہ میں شراب و خنزیر لینے کا بیان

جزیہ کی رقم کے عوض سؤر یا شراب لینے کی کراہت

(۱۲۸) سدید بن غفلہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضؓ کو جب یہ اطلاع ملی کہ لوگ جزیہ میں سؤر لے رہے ہیں اور حضرت بلال رضؓ نے کھڑے ہو کر کہا: " واقعی لوگ ایسا کر رہے ہیں " تو حضرت عمر رضؓ بن الخطاب نے کہا: " ایسا نہ کرو، بلکہ ان کی فروخت کا کام انہی (ذمیوں) کے حوالہ کر دو۔"

(۱۲۹) حضرت بلال رضؓ نے حضرت عمرؓ بن الخطاب سے کہا کہ آپ کے عاملین خراج میں سؤر اور شراب وصول کر رہے ہیں تو انہوں نے کہا: " تم ان سے یہ چیزیں نہ لو، ان کی فروخت کی ذمہ داری ان (ذمیوں) پر ہی ڈال دو، اور تم (ان چیزوں کے عوض) نقد قیمت وصول کرو[۱]۔"

ابو عبیدؒ:۔ مطلب یہ ہے کہ مسلمان ذمیوں سے اُن کے افراد پر عائد شدہ جزیہ اور اُن کی زمینوں پر عائد شدہ خراج کے عوض اس کے مساوی قیمت کی شراب اور سور لے لیا کرتے تھے، پھر مسلمان انہیں فروخت کر کے نقد رقم بنا لیتے تھے۔ ان کے اس عمل کو حضرت بلال رضؓ نے ناپسند کیا اور اسی سے حضرت عمر رضؓ نے منع کیا، لیکن بعد میں حضرت عمر رضؓ نے ایسا کرنے کی اجازت اس شرط پر دے دی کہ ذمی انہیں فروخت کر کے ان کی قیمت ادا کرنے کی ضمانت لے لیں۔ اس لئے کہ شراب اور خنزیر ذمیوں کے اموال کا ایک حصہ ہیں۔ اگرچہ وہ مسلمانوں کے لئے مال کی حیثیت نہیں رکھتے۔

اس مسئلہ کو حضرت عمر رضؓ کی ایک اور حدیث بیان کر رہی ہے۔

(۱۳۰) لیث بن ابی سلیم کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضؓ نے اپنے عاملین کے نام فرمان جاری کیا کہ سوروں کو قتل کر دو۔ اور ان کی قیمتیں اہلِ جزیہ سے ان کے جزیہ میں کاٹ لو۔

---

[۱] ۔ مسلمانوں کے نزدیک حرام اشیاء چونکہ غیر مسلموں کا مال ہوتی ہیں لہذا انہیں ذمیوں کی اس ضمانت پر کہ وہ اسے فروخت کر کے نقد دلا دیں گے، رقم کی جگہ قبول کیا جا سکتا ہے۔ اس قسم کے فیصلے انتظامی حیثیت رکھتے ہیں جو حکومت کی پالیسی کے مطابق بدلتے رہتے ہیں۔

ابو عبیدؒ:۔ حضرت عمرؓ کا سوروں کو جزیہ کے عوض لینے کا حکم بتا رہا ہے کہ وہ ان چیزوں کو ان (ذمیوں) کے مال کا ایک حصّہ تصوّر کرتے تھے۔

اس ضمن میں چنگی اور جزیہ و خراج میں فرق

لیکن اگر ذمی شراب یا سور لے کر عشر (یا چنگی) وصول کرنے والے کارندہ کے پاس سے گذرے تو اس کارندہ کے لئے یہ مستحسن نہیں کہ وہ بجائے نقد عشر وصول کرنے کے ان چیزوں کے دس حصہ کر کے ان میں سے دسواں حصّہ لے۔ خواہ ذمی اس کو فروخت کرنے کی ذمہ داری کیوں نہ لے لے۔

ابو عبیدؒ:۔ ہمارے خیال میں اس مسئلہ کا پہلے مسئلہ سے نہ تعلق ہے نہ مشابہت، اس لئے کہ وہ ایک ایسا حق تھا جو ان کے افراد اور اُن کی زمینوں پر واجب ہوا تھا۔ لیکن یہاں عُشر (چنگی) خود شراب اور سوروں پر لگایا جا رہا ہے۔ حالانکہ ان کی طرح ان کی قیمت بھی ناپسندیدہ

حرام چیز کی قیمت بھی حرام ہے

اور ناروا ہے اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: "بلاشبہ اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کو حرام قرار دیتا ہے تو اس کی قیمت بھی حرام ہو جاتی ہے۔"

حضرت عمرؓ بن الخطاب سے مروی ہے کہ انہوں نے موخر الذکر مسئلہ میں اوّل الذکر مسئلہ سے جُداگانہ فتویٰ دیا ہے اور حضرت عمر بن عبد العزیز سے بھی ایسا ہی قول منقول ہے:

حرام چیزوں پر چنگی لینے میں اختلاف

(۱۳۱) عبد اللہ بن ہبیرہ سبائی سے روایت ہے کہ عتبہ بن فرقد نے حضرت عمرؓ بن الخطاب کو شراب کا ٹیکس وصول کر کے چالیس ہزار درہم بھیجے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے انہیں لکھا: "تم نے مجھے شراب کا ٹیکس بھیج دیا۔ حالانکہ مہاجرین کے مقابلہ میں تم اس کے زیادہ حق دار تھے۔ پھر انہوں نے لوگوں کو یہ بات بتائی اور کہا: "بخدا! اس کے بعد میں تمہیں کسی چیز کی خدمت کے لئے بھی مامور نہ کروں گا"۔ راوی کہتا ہے کہ پھر حضرت عمرؓ نے انہیں رہنے دیا۔

(۱۳۲) مثنّیٰ بن سعید ضبعی راوی ہیں کہ عمر بن عبد العزیز نے عدی بن ارطاۃ کو لکھا: "مجھے اپنے پاس آنے والے اموال کے بیچ رہنے والے حصہ کے متعلق مطلع کرو کہ وہ کہاں سے آیا؟"

چنانچہ انہوں نے اس کے جواب میں مختلف اصناف سے وصول ہونے والی آمدنیوں کی تفصیلی فہرست انہیں لکھ بھیجی۔ اپنے اس مکتوب میں انہوں نے یہ بھی لکھا تھا "شراب کے عشر سے چار ہزار درہم وصول ہوئے" کچھ مدت بعد اس کے جواب میں حضرت عمرؓ کی یہ تحریر آئی: "تم نے اپنے خط میں مجھے شراب کے ٹیکس میں چار ہزار درہم کی وصولی کا لکھا۔ حالانکہ مسلمان نہ شراب کا ٹیکس (عشور) وصول کرتا ہے نہ اسے پیتا ہے اور نہ بیچتا ہے۔ لہٰذا جب میرا یہ خط تمہیں ملے تو اُس شخص کو بُلاؤ (جس سے یہ ٹیکس وصول کیا گیا ہے) اور یہ رقم اسے واپس کردو کہ وہ اس کا زیادہ مستحق ہے۔ چنانچہ انہوں نے اُس شخص کو بُلایا اور اسے وہ چار ہزار درہم واپس کیئے گئے۔ اور عدی نے کہا "میں اپنے اس عمل کی خدا سے معافی چاہتا ہوں۔ بلاشبہ مجھے اس بارے میں کوئی معلومات نہ تھی۔"

ابوعبید:- ہمارے نزدیک اسی فیصلہ پر عمل جاری ہے۔ اگرچہ ابراہیم نخعی نے اس کے خلاف بھی کہا ہے:-

(۱۳۳) حماد راوی ہیں کہ ابراہیم نخعی سے اس ذمی کے متعلق جو شراب لے کر عشر (چنگی) وصول کرنے والے کارندہ کے پاس آئے دریافت کیا گیا تو اُنہوں نے جواب دیا "اس سے دوچند عشور (چنگی) وصول کی جائے گی۔"

ابوعبید:- امام ابوحنیفہؒ کہتے تھے: اگر عشر وصول کرنے والے کے پاس ذمی شراب اور سورلے کر آئے تو وہ شراب کا دسواں حصّہ وصول کرے گا لیکن سنوروں کا دسواں حصہ نہیں لے گا۔ میں نے امام ابوحنیفہؒ کا یہ قول محمد بن الحسن کو بیان کرتے سُنا ہے۔

بہرحال ہمارے نزدیک دو خلیفہ حضرت عمر بن الخطابؓ اور عمر بن عبدالعزیزؒ اتباع کے زیادہ مستحق ہیں اور ان کا فیصلہ یہی تھا کہ شراب پر بھی عشر نہ وصول کیا جائے۔

—— ✕ ——

باب

وصولی جزیہ کا طریقہ۔ ذمیوں کا شناختی لباس اور اُن کی گردنوں پر مُہر لگانے کا بیان

(۱۳۴) میمون بن مہران راوی ہیں کہ حضرت عمرؓ بن الخطاب نے حذیفتہ بن الیمان اور سہل بن حنیف[۱] کو سوادِ عراق) بھیجا۔ تو ان دونوں نے جزیہ متعین کرتے ہوئے باشندگانِ سواد میں زمینیں تقسیم کر دیں۔ پھر اُنھوں نے اعلان کیا کہ جو ذمی ہمارے پاس آکر اپنی گردن پر مُہر نہیں لگوائے گا تو ہم اس سے بری الذمہ ہوں گے۔ چنانچہ ذمی جمع ہو گئے۔ ابتداء میں جب انہیں فتح کیا گیا تھا تو ان کے دلوں میں مسلمانوں کی ہیبت بیٹھی ہوئی تھی۔ چنانچہ ان کی گردنوں پر مہریں لگائی گئیں۔ بعدازاں اُنھوں نے فی کس ماہانہ چار درہم جزیہ متعین کیا۔ پھر انھوں نے بستی کے باشندوں اور اُن کی جزیہ کی رقم کا حساب لگایا اور ہر بستی کے زمیندار کو اس کے ذمہ جزیہ کی واجب الادا رقم بتا دی۔ پھر ان سے کہا کہ اب جاؤ اور اس رقم کو اپنی اپنی آبادی میں تقسیم کر لو راوی کہتا ہے کہ ان (عاملین) کا دستور یہ تھا کہ وہ تمام گاؤں والوں کے ذمہ واجب الادا جزیہ کا ذمہ دار اس گاؤں کے زمیندار کو بناتے اور اسی سے وہ رقم وصول کرتے تھے۔

ہر گاؤں میں جزیہ وصول کرنے کے لئے زمیندار

مسلمانوں اور ذمیوں کی وضع و قطع میں تمیز پیدا کرنا

(۱۳۵) ابو وائل کہتے ہیں کہ حذیفہ نے مدائن میں اپنا سر منڈایا اور کہا: "چونکہ میں خراج یا جزیہ[۲] ادا نہیں کرتا اس لئے میں نے اپنا سر

---

[۱] ۔ ابو عبیدؒ کہتے ہیں کہ مجھے میرے استاد کثیر نے اسی طرح بتایا تھا لیکن یہ عثمان بن حنیف ہیں۔

[۲] ۔ یہ شک کہ خراج کہا تھا یا جزیہ، خود مصنف کتاب کو ہے۔

مونڈ لیا ہے"۔ اس عمل سے زمینداروں کو ڈرانا مقصود تھا۔ وہ کہتے تھے: "جو خراج ادا نہیں کرے گا اس کا سر مونڈ دیا جائے گا"

شعبہ کہتے ہیں کہ سر منڈانا ان لوگوں میں نہایت درجہ ناپسندیدہ کام بلکہ مُثلہ[۱] کی طرح معیوب سمجھا جاتا تھا۔

(۱۳۶) اسلم کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے لشکروں کے جرنیلوں کے نام فرمان جاری کیا تھا کہ ذمیوں کی گردنوں پر مہر لگاؤ۔"

(۱۳۷) اسلم کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ذمیوں کے متعلق حکم دیا کہ ان کی پیشانیوں کے بال کاٹ دیئے جائیں اور جب وہ سوار ہوں تو نمدوں پر بیٹھیں اور سواری پر عرضاً سوار ہوں اور مسلمانوں کی طرح سواری پر نہ بیٹھیں۔ اور یہ کہ وہ اپنی پیٹیاں کس لیا کریں۔

ابو عبیدؒ:۔ پیٹیوں سے مُراد زُنّار ہیں۔

(۱۳۸) خلیفہ بن قیس کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے کہا "اے یرفا! ملک کے تمام بڑے شہروں کے اہلِ کتاب باشندوں کے متعلق یہ ہدایت نامہ جاری کردو کہ ان کی پیشانیوں کے بال کاٹے جائیں نیز یہ کہ وہ اپنی کمر میں پیٹیاں باندھیں تاکہ مسلمانوں کے طرزِ لباس سے ان کا طرزِ لباس جداگانہ حیثیت رکھے اور وہ پہچانے جاسکیں۔

(۱۳۹) خالد بن ابی عثمان الایدی کہتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے ذمیوں کے بارے میں حکم دیا تھا کہ وہ سواریوں پر نمدہ رکھ کر اس پر سوار ہوں اور ان کی پیشانیوں کے بال کاٹے جائیں۔

ذمیوں پر کچھ پابندیاں لگانا

(۱۴۰) عبدالکریم جَزَری کہتے ہیں کہ سعید بن المسیبؒ کا رجحان اس طرف تھا کہ جب نبطیوں سے جزیہ لیا جائے تو انہیں کچھ تھکایا جائے۔

ابو عبیدؒ:۔ ہمارا خیال ہے کہ سعید بن مسیّبؒ کا مقصد تھکانے سے برداشت سے زیادہ تکلیف یا سزا دینا نہ تھا۔ دراصل ان کا مطلب یہ تھا کہ اس موقع پر جبکہ ان سے جزیہ وصول کیا جا رہا ہو ان کا احترام نہ کیا جائے بلکہ کچھ ایسا انداز اختیار کیا جائے جس سے وہ

---

[۱] مثلہ ۔ دہشت و عبرت کے لئے ناک کان وغیرہ کاٹ کر شکل بگاڑ دینا۔

ایک گونہ اپنی سبکی محسوس کریں۔ میرا خیال ہے کہ انہوں نے یہ رویہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے فرمانِ ذیل کی ترجمانی میں اختیار کیا ہوگا :۔

حَتّٰی یُعْطُوا الْجِزْیَۃَ عَنْ یَّدٍ وَّ هُمْ صٰغِرُوْنَ ۝ (التوبۃ : ۲۹)

تا آنکہ وہ ماتحتی قبول کرتے ہوئے خود آکر جزیہ دیں۔

"عَنْ یَدٍ" کی تفسیر میں بعض کا خیال ہے کہ اس سے مُراد ہے "نقد ادا کرنا" اور بعض کا خیال ہے کہ "جزیہ دینے کے لئے خود چلتے ہوئے آنا"۔ اور بعض نے کہا ہے کہ اس کے معنے ہیں "جزیہ اس طرح دینا کہ خود وہ (ذمی) تو کھڑا ہو اور جو (مسلمان) اس سے جزیہ وصول کر رہا ہو وہ بیٹھا ہو"[1]

---

[1] ۔ یہ تفسیر اس سے پہلے نمبر ۷۴ کے تحت گذر چکی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فصل

صلح کے ذریعہ مفتوحہ علاقوں کے احکام و قواعد

باب

فوجی قوت کے ذریعہ مفتوحہ بیان جوفئ اور غنیمت دونوں میں شامل ہوگا

مفتوحہ علاقوں کے متعلق تین قسم کے احکام

ابو عبیدؒ :- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد آنے والے خلفائؓ سے مفتوحہ علاقوں کے بارے میں جو آثار ملتے ہیں ان میں تین قسم کے احکام کا ذکر ہے :-

(۱) جن اراضی کے مالک اسلام قبول کرلیں

وہ اراضی جن کے مالک اسلام قبول کر لیں اور اس بناء پر وہ انہی کی ملکیت رہیں "عشری" رہیں گی - ان سے عُشر (۱/۱۰) کے سوا کچھ وصول نہیں کیا جائے گا۔

(۲) معین خراج کے عوض صلح

وہ اراضی جو ایک معین خراج ادا کرتے رہنے کی شرط پر صلح کے ذریعہ فتح ہوئی ہوں - ان سے شرائط صلح کے مطابق معاملہ کیا جائے گا اور اس سے زیادہ ان پر کوئی پابندی نہیں ہو گی۔

(۳) فوجی طاقت کے ذریعہ مفتوحہ علاقہ اور اس بارے میں اختلاف

وہ زمین جسے بزور طاقت فتح کیا گیا ہو۔ اور یہی وہ زمینیں ہیں جن کے بارے میں مسلمانوں میں اختلاف رہا ہے۔ ایک جماعت

کا خیال ہے کہ ایسی زمینوں کو غنیمت شمار کرتے ہوئے ان پر غنیمت کے احکام کا اطلاق کیا جائیگا۔ یعنی وہ پانچ حصوں میں تقسیم کر کے اس طرح بانٹ دی جائیں گی کہ ۴/۵ حصے تو صرف اسے فتح کرنے والوں کو دے جائیں گے اور بقیہ ۱/۵ حصہ ان میں تقسیم ہوگا جن کا تعین اللہ تعالیٰ نے کر دیا ہے۔

دوسری جماعت کا خیال ہے کہ ایسی زمینوں کا معاملہ امام کی صوابدید پر چھوڑ دیا جائے گا۔ اگر وہ ان کے غنیمت ہونے کا فیصلہ کرے تو ان کے پانچ حصے کر کے تقسیم کر دے۔ جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے خیبر میں کیا تھا۔ لیکن اگر امام ان زمینوں کو "فئے" قرار دے تو نہ انہیں پانچ حصوں میں تقسیم کیا جائے گا نہ لوگوں میں بانٹا جائے گا۔ بلکہ وہ عامۃ المسلمین کے باقی رہنے تک ان کے لئے وقف کی حیثیت رکھیں گی[۱]، بالکل اسی طرح جیسے سواد (عراق) کی اراضی کے متعلق حضرت عمرؓ نے فیصلہ کیا تھا۔

یہ تو ہوئے مفتوحہ زمینوں کے متعلق احکام۔ اب رہیں وہ جاگیریں جو امام کسی کو دے دے یا وہ زمینیں جنہیں مسلمان آباد کرلیں یا کچھ مسلمان اسے اپنے استعمال کے لئے مخصوص کرلیں اور رکھت بنالیں۔ تو اس قسم کی زمینیں مفتوحہ نہیں ہوں گی لہٰذا ان پر دوسرے احکام منطبق ہوں گے

مذکورہ بالا تمام امور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی احادیث اور آپؐ کے صحابہؓ کے آثار منقول ہیں:۔

بہ زور وقوّت مفتوحہ اراضی کے احکام:۔

خیبر کا معاملہ

(۱۴۱) ابن شہابؒ سے مروی ہے: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے خیبر (کا علاقہ) جنگ کے بعد طاقت کے ذریعے فتح کیا۔ اس طرح خیبر ان علاقوں میں سے ہوگیا جنہیں اللہ نے اپنے رسول پر (فئے بناکر) پلٹا دیا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اسے پانچ حصّوں میں تقسیم کر کے مسلمانوں میں بانٹ دیا۔ اہلِ خیبر میں سے جنہوں نے جنگ کے بعد جلاوطنی منظور کرلی۔ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے بُلا کر فرمایا: "اگر تم چاہو تو میں یہ زمینیں اس شرط پر تمہیں واپس کر دوں کہ تم ان پر کام کرو اور ان کی پیداوار ہمارے اور تمہارے درمیان (نصف نصف) ہو جائے اور جب تک اللہ تعالیٰ تمہیں یہاں رکھے آباد رہنے دوں۔"

---

[۱] یعنی یہ اراضی حکومت اسلامی کے تصرف میں رہیں گی اور اشخاص کی ملکیت نہیں بنائی جائیں گی۔

توان لوگوں نے اس شرط پر وہ زمینیں رکھنا منظور کر لیا۔

(۱۴۲) حضرت بُشیر بن یسارؓ کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر خیبر کا علاقہ بطور فئے پلٹا دیا تو آپؐ نے اسے چھتیس حصوں میں تقسیم کیا۔ ان میں سے ہر حصہ میں مجموعی طور پر سو حصے تھے۔ آپؐ نے ان میں سے نصف اپنی ضروریات اور اپنے اوپر پیش آنے والے مشکلات و حوادث[1] کے لئے الگ کر کے بقیہ نصف مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔ تقسیم شدہ میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حصہ میں شق و نطاۃ[2] اور ان سے متصل ارد گرد کا علاقہ آیا۔ کتیبہ، وطیحہ اور سُلالم آپؐ نے عام مسلمانوں کے لئے وقف کر دیئے تھے۔ جب یہ علاقے فتح کے بعد آنحضرتؐ کے قبضہ میں آئے تو آپؐ کے پاس اتنے مزدور نہ تھے جو ان علاقوں کی زمینوں کا بندوبست کر سکتے۔ لہٰذا آنحضرتؐ نے اس معاہدہ کے تحت یہ علاقے یہودیوں کے پاس ہی رہنے دیئے کہ وہ اس علاقہ کی نصف پیداوار دیتے رہیں۔ چنانچہ اس معاہدہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کی زندگی تک عمل ہوتا رہا۔ جب حضرت عمرؓ کا زمانہ آیا اور مسلمانوں کے ہاتھوں میں بکثرت کام کرنے والے (کاشتکار) آ گئے اور ان میں زمین کے بندوبست کی صلاحیت پیدا ہو گئی تو حضرت عمرؓ نے یہودیوں کو خیبر سے نکال کر شام بھیج دیا۔ اور یہ علاقے مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے جو آج تک باقی ہیں۔

خیبر کے بارے میں امام (عمرؓ) کی صوابدید

(۱۴۳) زید بن اسلم اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عمرؓ کو یہ کہتے سُنا: "اگر بعد میں آنے والے مسلمانوں کا خیال نہ ہو تو میں ہر مفتوحہ علاقہ اسی طرح تقسیم کر دیتا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر تقسیم کر دیا تھا۔"

---

[1] اس سے مراد رسول اللہؐ کے ذاتی اور خانگی مصارف ہی نہیں بلکہ اس وقت مسلمانوں کی اجتماعی ضروریات اور ملکی انتظامی معاملات بھی ہیں (مترجم)

[2] خیبر کے دو جانب تھے، ایک اگلا، شق اور نطاۃ پر مشتمل جو پہلے فتح ہوا تھا۔ دوسرا پچھلی جانب جو کتیبہ، وطیح، سُلالم اور حصن ابی الحقیق پر مشتمل تھا یہاں اگلے حصہ کے شکست خوردہ یہود پناہ گزین ہوئے تھے۔ آنحضرتؐ نے چودہ دن تک ان کا محاصرہ کیا۔ بعد ازاں ان لوگوں نے صلح کی درخواست کی تو آپؐ نے اُن سے صلح کر لی اس شرط پر کہ ان کی جانیں بخش دی جائیں گی اور وہ اپنے اہل و عیال کو لے کر صرف اپنے بدن کے کپڑوں میں خیبر اور اس سے متعلقہ زمینوں سے نکل جائیں۔ فتح خیبر صلح حدیبیہ کے بیس دن بعد ۶ھ یا بقول بعض ۷ھ کا واقعہ ہے۔

تقسیمِ مصر کا مطالبہ

(۱۴۴) سفیان بن وہب خولانی کہتے ہیں: "جب مصر فتح ہوا تو زبیر بن العوامؓ نے عمرو بن العاصؓ سے کہا: اس کو بھی اسی طرح مسلمانوں میں تقسیم کر دو جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کو تقسیم کیا تھا۔"

(۱۴۵) ابوعبیدؒ:- اس بارے میں وہ حدیث ہے جسے حضرت ابوہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں: "جس علاقہ کو فتح کرنے کے لئے تم پہنچو اور وہاں قیام

مفتوحہ علاقہ خمس نکال کر تمام مسلمانوں میں تقسیم ہوگا

کرو تو اس میں تمہارا حصّہ ہے اور جس بستی کے باشندے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کریں (اور وہ فتح ہو جائے) تو اس میں سے خمس (۱/۵) اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہوگا پھر وہ بقیہ تم سب (مسلمانوں) کی ہوگی۔"

ابوعبیدؒ:- یہ ہیں وہ روایات و آثار جو مفتوحہ علاقہ (کو مسلمانوں میں) تقسیم کرنے سے متعلق ہیں:-

مفتوحہ علاقہ کی تقسیم کے خلاف احادیث و روایات

اب ہم وہ احادیث و روایات بیان کرتے ہیں جو مفتوحہ علاقہ کو تقسیم نہ کرنے سے متعلق ہیں:-

سوادِ عراق کی تقسیم کے مطالبہ پر امام (حضرت عمرؓ) کا جواب

(۱۴۶) ابراہیم تیمی کہتے ہیں کہ جب مسلمانوں نے سواد (عراق کا علاقہ) فتح کیا تو انہوں نے حضرت عمرؓ سے درخواست کی کہ یہ علاقہ ہمارے درمیان تقسیم کر دیجئے۔ اس لئے کہ ہم نے اسے بزور و طاقت فتح کیا ہے، لیکن حضرت عمرؓ نے ان کی یہ درخواست منظور کرنے سے انکار کر دیا اور کہا "ایسی صورت میں تمہارے بعد آنے والے مسلمانوں کو کیا ملے گا؟ اور مجھے یہ بھی اندیشہ ہے کہ اگر اس علاقہ کی تقسیم کر دوں تو تم آپس میں پانی پر جھگڑتے رہو گے"۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر حضرت عمرؓ نے سواد کے باشندوں کو ہی وہاں بحال رکھا اور ان پر فی کس جزیہ، اور ان کی زمینوں پر خراج لگا دیا۔ اور اس طرح انہوں نے یہ زمینیں مسلمانوں

میں تقسیم نہیں کیں۔

حضرت عمرؓ کا مفتوحہ زمین کو عامۃ المسلمین کا اصل سرمایہ قرار دینا

(۱۴۷) ماجشون کہتے ہیں کہ حضرت بلالؓ نے فوجی طاقت کے ذریعہ مفتوحہ علاقوں کے متعلق حضرت عمر بن الخطابؓ سے کہا: "یہ زمین ہمارے درمیان تقسیم کر دیجئے اور اس کا خمس (⅕) آپ رکھ لیجئے، تو حضرت عمرؓ نے کہا: "نہیں، یہ تو اصل سرمایہ ہے۔ میں اسے وقف رکھوں گا اور اس میں سے فاتح مسلمانوں اور دوسرے مسلمانوں کو وظائف جاری کئے جائیں گے"۔ اس پر بلالؓ اور ان کے ساتھیوں نے اصرار کیا: "آپ ان زمینوں کو ہمارے درمیان ہی تقسیم کر دیجئے" تب حضرت عمرؓ نے کہا: "الٰہی! تو بلالؓ اور اس کے ہم خیالوں سے مجھے چھٹکارا دلادے"۔ راوی کہتا ہے کہ اس کے بعد ایک سال بھی گذرنے نہ پایا کہ وہ سب ختم ہو گئے۔

بعد میں آنے والے مسلمانوں کی ضرورتوں کا خیال

زید بن اسلم کی روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت عمرؓ نے کہا: "تم لوگ چاہتے ہو کہ بعد میں آنے والے لوگوں کے لئے اس میں سے کچھ بھی نہ بچے؟"

(۱۴۸) اسلم کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ کو یہ کہتے سُنا: "اگر بعد میں آنے والے لوگوں کا خیال نہ ہوتا تو جو علاقہ بھی فتح ہوتا میں اسے (مسلمان فاتحین میں) تقسیم کر دیتا"۔

(۱۴۹) سفیان بن وہب خولانی کہتے ہیں: "جب بغیر کسی عہد و پیمان کے طاقت و قوت کے ذریعہ مصر فتح ہو گیا تو زبیر (بن العوامؓ) نے کھڑے ہو کر عمرو بن العاصؓ سے کہا "اے عمرو بن العاصؓ! یہ علاقہ ضرور بالضرور تقسیم کر دو" تو عمرو بن العاصؓ نے کہا: "میں اسے تقسیم نہیں کروں گا"۔ اس پر زبیر بن العوام نے باصرار کہا "تمہیں اس علاقہ کو بالضرور اسی طرح تقسیم کرنا پڑے گا جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر تقسیم کیا تھا"۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے جواب دیا: "میں اسے تقسیم نہیں کروں گا۔ تاوقتیکہ اس بارے میں امیر المومنین کی رائے لکھ کر نہ معلوم کر لوں"۔ چنانچہ انہوں نے حضرت عمرؓ کو اس بارے میں لکھ بھیجا، اور حضرت عمرؓ نے یہ جواب بھیجا: "اسے بغیر تقسیم کئے چھوڑ دو تاآنکہ اس سے حاملہ عورتوں کے حمل سے پیدا ہونے والے بھی جہاد کریں"۔

ابو عبیدؒ: حضرت عمرؓ کے اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ یہ زمین مسلمانوں کے لئے وقف شدہ فئے بن جائے اور جب تک مسلمانوں کا وجود باقی رہے نسلاً بعد نسل، قرناً بعد قرن یہ زمین اور اس کی آمدنی مسلمان مجاہدوں کے لئے باعثِ قوّت بنی رہے اور دشمنوں سے جنگ کرنے میں اس سے انہیں مدد پہنچتی رہے۔

(۱۵۰) یزید بن ابی حبیب کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے فتح عراق کے موقع پر سعد ابن ابی وقاصؓ کو یہ لکھ بھیجا:

"امابعد، مجھے تمہارا خط ملا جس سے معلوم ہوا کہ لوگ تم سے تقاضا کر رہے ہیں کہ ان کا مالِ غنیمت اور جو کچھ اللہ نے بطور فئے انہیں بٹایا ہے ان میں تقسیم کر دیا جائے، تو دیکھو تم ایسا کرو کہ ان مجاہدوں نے جو مال و متاع اور جانور وغیرہ لشکر میں تمہارے پاس جمع کیا ہے اسے تو موجودہ مسلمانوں میں تقسیم کر دو، لیکن زمینیں اور نہریں ان پر کام کرنے والوں کے لئے چھوڑ دو تاکہ ان سے وصول شدہ آمدنی مسلمانوں کے وظائف میں کام آئے۔ اس لئے کہ اگر ہم نے یہ زمینیں بھی موجودہ لشکریوں میں تقسیم کر دیں تو ان کے بعد آنے والوں کے لئے کچھ بھی نہیں رہے گا۔"

(۱۵۱) حارثہ بن مضرب کہتے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ نے سواد (عراق کا علاقہ) مسلمانوں میں تقسیم کرنے کا ارادہ کیا تو انہوں نے ان کی مردم شماری کا حکم دیا۔ معلوم ہوا کہ فی کس تین

تقسیم کے خلاف حضرت علیؓ کا مشورہ

کسان آتے ہیں۔ پھر انہوں نے اس مسئلہ میں مشورہ کیا تو حضرت علیؓ نے یہ رائے دی کہ انہیں مسلمانوں میں تقسیم نہ کیا جائے بلکہ انہیں مسلمانوں کی مجموعی دولت قرار دے دیا جائے، چنانچہ حضرت عمرؓ نے انہیں تقسیم نہ کیا اور عثمان بن حنیف کو ان پر والی بنا کر بھیج دیا۔ انہوں نے ان (مفتوحین کسانوں) پر حسب حیثیت اڑتالیس، چوبیس اور بارہ (درہم) جزیہ مقرر کر دیا۔

حضرت معاذؓ کا مشورہ

(۱۵۲) عبداللہ بن ابی قیس[1] کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ جابیہ[2] آئے تو انہوں نے مسلمانوں میں زمینیں تقسیم کرنے کا ارادہ

---

[1] ۔ یا عبداللہ بن قیس ہمدانی، یہ شک ابو عبید کو ہے۔ [2] شام میں ایک جگہ کا نام ہے۔

کیا۔ اس پر حضرت معاذ رضؓ نے ان سے کہا "واللہ، ایسا کیا گیا تو ناخوشگوار نتائج پیدا ہوں گے۔ اگر آپ نے یہ زمینیں تقسیم کر دیں تو لوگوں کو بے تحاشا دولت ہاتھ لگ جائے گی۔ پھر ان کے مرنے پر ممکن ہے کہ یہ ایک مرد یا عورت کو مل جائے۔ اور جو لوگ ان کے بعد اسلام کی مدافعت میں حصہ لیں گے انہیں کچھ بھی نہ مل سکے گا۔ لہٰذا کوئی ایسی تدبیر اختیار کیجیے جو شروع میں موجود لوگوں اور بعد میں آنے والوں، دونوں کے لئے یکساں مفید ثابت ہو۔"

(۱۵۳) ایک اور سند سے انہی عبداللہ بن ابی قیس سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت عمرؓ کو لوگوں سے تقسیم اراضی پر باتیں کرتے ہوئے سُنا۔ لیکن حضرت معاذؓ کا مذکورہ بالا مشورہ سُننے کے بعد حضرت عمرؓ حضرت معاذؓ کے ہم خیال ہو گئے۔

فوجی طاقت کے ذریعہ مفتوحہ علاقہ کو غنیمت یا فئے (امام کی صوابدید کے مطابق) بنانا

ابو عبیدؒ:۔ فوجی طاقت کے ذریعہ مفتوحہ علاقوں کے بارے میں تواتر آثار سے یہی دو فیصلے مذکور ہیں:۔

(۱) پہلا فیصلہ تو وہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے خیبر کے بارے میں کیا، یعنی یہ کہ آپؐ نے اسے غنیمت قرار دیتے ہوئے پانچ حصوں میں تقسیم کر کے اسے مجاہدین مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔ اور یہی رائے حضرت بلال رضؓ نے شام کے مفتوحہ علاقوں کے بارے میں حضرت عمرؓ کو دی تھی اور یہی تجویز مصر کی زمین کے لئے زبیر بن العوام رضؓ نے عمرو بن العاصؓ کے سامنے پیش کی تھی۔ اور یہی مسلک مالک بن انس نے اختیار کیا تھا جیسا کہ ان سے مروی ہے۔

(۲) دوسرا فیصلہ حضرت عمرؓ کا ہے جو انہوں نے سواد (عراق) وغیرہ کے بارے میں کیا جس کی رو سے انہوں نے ان مفتوحہ علاقوں کو بطور فئے نسلاً بعد نسل مسلمانوں کے لئے وقف قرار دیا۔ نہ اس کے پانچ حصے کئے نہ انہیں مجاہدین میں تقسیم کیا۔ اور یہ وہی رائے تھی جو حضرات علی بن ابی طالبؓ اور معاذ بن جبل رضؓ نے انہیں دی تھی۔

یہی سفیان بن سعید کی مشہور رائے ہے۔ البتہ وہ یہ بھی کہا کرتے تھے کہ فوجی طاقت کے ذریعہ مفتوحہ علاقوں کے بارے میں امام کو اختیار ہے خواہ وہ انہیں غنیمت قرار دے کر پانچ حصے کر کے تقسیم کر دے خواہ عام مسلمانوں میں فئے کی طرح وقف قرار دے اور پانچ حصے

کر کے تقسیم نہ کرے۔

ہر دو فیصلہ کی تائید میں قرآنی آیات کریمہ

ابو عبیدؒ:۔ ہر دو فیصلے قابل اقتداء و اتباع ہیں یعنی (ان زمینوں کو) غنیمت یا فئے قرار دینا، تاہم میرا پسندیدہ طریقہ یہ ہے کہ سفیان کے قول کے مطابق اس قسم کے مفتوحہ علاقوں کا فیصلہ امام کے ہاتھ میں رکھا جائے۔ اس لئے کہ اس فیصلہ میں دونوں شکلیں یکجا جمع ہو جاتی ہیں۔ ہماری نظر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل، حضرت عمرؓ کے عمل کی تردید نہیں کرتا۔ حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کی ایک آیت کا اتباع کرتے ہوئے اس پر عمل فرمایا اور حضرت عمرؓ نے بھی قرآن مجید کی ایک دوسری آیت کا اتباع کرتے ہوئے اس پر عمل کیا۔ اور وہ دونوں ہی قرآن مجید کی محکم آیتیں ہیں جن میں مشرکین سے حاصل کردہ مال کے متعلق فیصلہ کیا جا رہا ہے اور اسے غنیمت یا فئے قرار دیا جا رہا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ۔ (الانفال: ۴۱)

اور جان لو کہ جو کچھ بھی تمہیں غنیمت ملے تو اس کا خمس (⅕) اللہ اور اس کے رسول اور قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے۔

یہ ہے وہ آیت جس کی رُو سے ان مفتوحہ علاقوں کا شمار غنیمت میں ہوگا اور یہ عام لوگوں کو چھوڑ کر صرف ان لوگوں کو دی جائے گی جو اس کے مستحق ہیں۔ چنانچہ اسی کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل فرمایا۔

دوسری آیت میں اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:۔

مَا اَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ، وَمَا

جو کچھ اللہ تعالیٰ بستیوں کی آبادیوں میں سے اپنے رسول پر پلٹائے (فئے بنا دے) سو وہ اللہ کے لئے ہے اور رسول کے لئے اور قرابت داروں کے لئے اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لئے۔ تاکہ وہ (فئے کا مال) تمہارے مال داروں کے درمیان ہی گردش میں نہ رہے

اٰتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ، وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ لِلْفُقَرَاۗءِ الْمُهَاجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ، اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۫ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ جَاۗءُوْ مِنْ بَعْدِهِمْ۔

(الحشر ۵۹: ۷ تا ۱۰)

اور جو کچھ تمہیں رسول دے اسے لے لو۔ اور جس سے وہ تمہیں روکے تو اس سے رُک جاؤ۔ اور اللہ سے ڈرو۔ بے شک اللہ سخت سزا دینے والا ہے (نیز یہ فئے) ان فقیر مہاجروں کے لئے ہے جو اپنے گھروں اور اپنے اموال سے بے دخل کر دئے گئے ہیں، اور جو اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کے طالب ہیں، اور اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں۔ یہی لوگ سچے ہیں (نیز ان لوگوں کے لئے) جو ان سے قبل مدینہ میں اقامت پذیر رہے اور ایمان پر جمے رہے۔ وہ اپنی طرف ہجرت کر کے آنے والوں سے محبّت کرتے ہیں۔ اور اپنے دلوں میں اس چیز کی کوئی خواہش نہیں پاتے جو وہ (مہاجرین) دئے گئے ہیں۔ اور وہ اپنی جانوں پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں خواہ وہ ضرورت مند ہی کیوں نہ ہوں، اور جو اپنے نفس کے حرص و بخل سے بچایا گیا تو یہی لوگ کامیاب ہیں۔ اور (نیز ان لوگوں کے لیے) جو ان کے بعد آئے۔

حضرت عمرؓ کے فیصلہ کی ایک نئی توجیہ اور اس کی تاویل

یہ آیت فئے سے متعلق ہے اور اس پر حضرت عمرؓ نے عمل کیا۔ اور جب انہوں نے اموال اور ان کی اقسام کا تذکرہ کیا تھا تو اسی آیت کی تاویل کرتے ہوئے کہا تھا: "اس آیت نے تمام لوگوں کو اپنے اندر لے لیا ہے"۔ اور ہمارا خیال ہے کہ حضرات علیؓ و معاذؓ نے جب حضرت عمرؓ کو اپنی رائے پیش کی تھی تو اسی آیت کو انہوں نے اپنے سامنے رکھا تھا۔ واللہ اعلم

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت عمرؓ نے جو اقدام کیا تھا[1] وہ ان لوگوں کی رضامندی کے بعد کیا تھا جنہوں نے وہ علاقے فتح کئے تھے، اور اپنے اس دعویٰ کی دلیل میں اس گفتگو کو پیش کرتے ہیں جو سواد (عراق) کی اراضی کے سلسلہ میں حضرت عمرؓ اور جریر ابن عبداللہ کے درمیان ہوئی تھی جسے ہم ذیل میں بیان کرتے ہیں :۔

(۱۵۴) قیس بن ابی حازم کہتے ہیں کہ جنگِ قادسیہ میں قبیلۂ بجیلہ کی تعداد تمام فوج کی چوتھائی تھی۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے سواد (عراق) کا چوتھائی حصہ انہیں دے دیا۔ دو یا تین سال تک وہ اس پر قابض رہے۔ بعد ازاں عمارؓ بن یاسر، جریر بن عبداللہ کے ساتھ حضرت عمرؓ کے پاس آئے تو حضرت عمرؓ نے جریر بن عبداللہ سے کہا" اے جریر! اگر میں جواب دہ تقسیم کرنے والا نہ ہوتا[2] تو جو علاقہ تمہیں دیا گیا تھا وہ تمہارے قبضہ ہی میں رہنے دیا جاتا۔ لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ آبادی بڑھ گئی ہے اور میری رائے یہ ہے کہ تم وہ علاقہ ان لوگوں کو واپس دے دو چنانچہ جریر نے حضرت عمرؓ کی اس رائے پر عمل کر دیا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے انہیں اسّی دینار انعام دئے۔

(۱۵۵) قیس ہی کی روایت ہے کہ خاندان بجیلہ کی اُمّ کُرز نامی ایک عورت حضرت عمرؓ کے پاس پہنچی اور اُن سے کہا:" امیرالمومنین! میرا باپ مر گیا اور سواد (عراق) میں اس کا حصہ ثابت شدہ ہے، جسے میں نے نہیں سونپا ہے۔ تو حضرت عمرؓ نے اس سے کہا:" اے اُمّ کرز! جو فیصلہ تمہاری قوم اپنے حصّوں کے بارے میں کر چکی ہے وہ تو تمہارے علم میں ہے؟" اس عورت نے جواب دیا:" انہوں نے جو فیصلہ کیا وہ جانیں میں تو اسے تسلیم نہیں کروں گی تا آنکہ آپ مجھے ایک اُونٹنی نہ دیں جس پر سُرخ مخمل پڑا ہو، اور میرا ہاتھ سونے سے نہ بھر دیں"۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس کا مطالبہ پورا کیا، وہ دینار (جو اس کے ہاتھ میں آئے) تقریباً اسّی تھے۔

---

[1] یعنی غنیمت قرار دے کر بجائے فوجیوں میں تقسیم کرنے کے اس زمین کو فئے قرار دیا اسے اور اس کی آمدنی کو حکومتِ اسلامی کی زیرِ نگرانی رکھا۔ (مترجم) [2] یعنی اگر میری زیرِ نگرانی حکومت کو جو اموال حاصل ہوتے ہیں اس میں مجھے اختیارِ مطلق حاصل ہوتا تو میں کچھ دے کر واپسی کا مطالبہ نہ کرتا لیکن چونکہ یہ مال عامۃ المسلمین کا ہے اور انہیں میری مالی سیاست پر باز پرس کا حق حاصل ہے۔ نیز مجھے اللہ کے سامنے بھی جوابدہ ہونا پڑے گا لہٰذا میں اللہ اور عامۃ المسلمین کی مرضی کے خلاف کوئی اقدام کرنے کا مجاز نہیں ہوں۔ (مترجم)

ابو عبیدؒ: ایک جماعت نے حضرت عمرؓ کے اس عمل کو سند بناتے ہوئے استدلال کیا ہے کہ انہوں نے جریر اور بجیلہ خاندان کی مذکورہ عورت کو معاوضہ دے کر رضامند کر لیا تھا (لہٰذا مالکوں اور فوجیوں کی رضامندی شرط ہے)۔ لیکن میرے نزدیک اس کی توجیہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے جریر اور اس کی قوم کو جنگ سے قبل جب کہ وہ عراق گئے بھی نہ تھے۔ یہ علاقہ بطور پیشگی نفل (عطیہ) دے دیا تھا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے ان سے نفل دینے کا جو وعدہ کیا تھا وہ پورا کیا۔ ذیل میں شعبی کی روایت اس مضمون کی تائید کرتی ہے:۔

(۵۶۱) عامر شعبی کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ابو عبید کے قتل کے بعد سب سے پہلے جسے کوفہ بھیجا وہ جریر بن عبداللہ تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان سے کہا تھا "کیا تم کوفہ کی مہم پر اس شرط پر جانے کو تیار ہو کہ میں تمہیں وہاں سے حاصل شدہ غنیمت میں سے خمس (۱/۵) نکال کر ثلث (۱/۳) بطور نفل (عطیہ) دے دوں؟" اور انہوں نے حضرت عمرؓ کی یہ پیشکش منظور کر لی، چنانچہ حضرت عمرؓ نے انہیں کوفہ بھیج دیا۔

ابو عبیدؒ:۔ ہماری رائے میں حضرت عمرؓ نے جریر اور ان کی قوم کے ساتھ جو خصوصیت برتی وہ اسی پیشگی نفل کی بناء پر تھی جس کا وعدہ انہوں نے ان سے کیا تھا۔ اور اگر وہ اس عطیہ کا پیشگی وعدہ نہ کر لیتے تو دوسرے لوگوں کو چھوڑ کر صرف انہیں اور ان کی قوم کے ساتھ یہ امتیازی سلوک روا نہ رکھتے چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ انہوں نے ان کے سوا کسی اور کو کچھ تقسیم نہ کیا۔ رہا حضرت عمرؓ کا خصوصی طور پر ان لوگوں کی خوشنودی حاصل کرنے کا معاملہ، سو اس کی وجہ یہ تھی کہ نفل (عطیہ) میں دئیے جانے کی وجہ سے یہ زمین ان کی ملکیت بن چکی تھی۔

اس مضمون کی وضاحت قیس بن ابی حازم کی مذکورہ روایت سے ہو رہی ہے جس میں حضرت عمرؓ نے کہا تھا کہ اگر میں جوابدہ تقسیم کرنے والا نہ ہوتا تو جو علاقہ تمہیں دیا گیا تھا وہ تمہارے قبضہ ہی میں رہنے دیا جاتا۔"

قیس اور شعبی کی روایات میں کوئی بنیادی اختلاف نہیں ہے۔ صرف تہائی اور چوتھائی حصہ کے بارے میں اختلاف ہے (یعنی شعبی کی روایت میں ثلث (۱/۳) مذکور ہے اور قیس کی روایت میں ربع (۱/۴)) تاہم یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ حضرت عمرؓ نے پہلے ہی سے جریر اور ان کی

قوم کو یہ حصہ بطور نفل (عطیہ) دے دیا تھا۔ اس صورت میں ان لوگوں کے لئے کوئی دلیل نہیں ملتی جو کہتے ہیں کہ امام کو لوگوں کی خوشنودی و رضامندی حاصل کر لینا ضروری ہے، مرضی حاصل کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جبکہ دوسری طرف وہ حضرت بلال رضؓ اور اُن کے ساتھیوں کو یہ کہتے ہوئے بد دُعا دے رہے ہیں کہ اے اللہ تو بلال اور ان کے ساتھیوں سے مجھے چھٹکارا دلا دے۔ بھلا اس میں طیبِ نفس کی کون سی شکل موجود ہے؟

فیصلہ کا انحصار امام کی صوابدید پر ہے

میرے خیال میں یہ بات وہی ہے جو سفیان نے کہی کہ فوجی طاقت کے ذریعہ مفتوحہ علاقہ کا فیصلہ امام کی صوابدید پر موقوف ہے، وہ چاہے تو عامۃ المسلمین کی فلاح و بہبود مدِ نظر رکھتے ہوئے ایسے علاقہ کو "غنیمت" شمار کر لے یا فئے قرار دے دے۔

اس کی مزید توضیح خود حضرت عمر رضؓ کے طریق کار سے ہو رہی ہے کہ ایک طرف تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی حدیث پیش کر رہے ہیں کہ آپؐ نے "خیبر" کو تقسیم کر دیا تھا لیکن بایں ہمہ دوسری طرف وہ خود ہی یہ بھی کہہ رہے ہیں: "اگر بعد میں آنے والے لوگوں کا خیال نہ ہوتا تو جو علاقہ بھی فتح ہوتا میں اسے (مسلمان فاتحین میں) تقسیم کر دیتا۔" (دیکھئے نمبر ۱۴۳، ۱۴۴)۔

یہاں یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ ہر دو طریقوں میں سے ایک کو اختیار کر لینے کا حق انہیں حاصل تھا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو حضرت عمر رضؓ کبھی بھی دانستہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے تجاوز نہ کرتے۔

ایک اور رائے، فوجی طاقت کے ذریعہ مفتوحہ علاقہ کے متعلق تین احکام

بعض حضرات جو محض رائے پر فیصلہ کرتے ہیں ان کا خیال ہے کہ فوجی طاقت سے مفتوحہ علاقہ کے لئے امام کو تین فیصلوں میں سے کسی ایک فیصلہ کا اختیار ہے، وہ چاہے تو اس علاقہ کو غنیمت قرار دے، چاہے تو فئے اور تیسری صورت یہ کہ جن سے وہ علاقہ لیا ہے انہی کو واپس کر دے۔ اس

(i) غنیمت (ii) فئے (iii) از راہِ احسان مفتوحہ علاقہ وہاں کے باشندوں کو دے دینا

بارے میں وہ فتح مکہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے طرزِ عمل سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ

آپؐ نے احسان فرماتے ہوئے اہلِ مکہ سے حاصل شدہ مفتوحہ علاقہ انہی کو واپس کر دیا تھا:

اس بارے میں یہ احادیث آئی ہیں:

(۱۵۷) حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں:

فتح مکہ

"اے جماعت انصار! کیا میں تمہیں ایک حدیث (تاریخی واقعہ) نہ بتاؤں؟" پھر انہوں نے فتح مکہ کا قصہ سنایا، اس میں کہا: "جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم پیش قدمی فرما کر مکہ پہنچے، تو آپؐ نے حضرت زبیرؓ (بن العوام) کو وادی مکہ کے ایک کنارے پر اور حضرت خالد بن الولیدؓ کو دوسرے کنارے پر مامور فرمایا اور حضرت عبیدۃ بن الجراحؓ کو وادی حُسّر پر متعین کیا چنانچہ وہ وادی کے نشیب میں روانہ ہو گئے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم اپنے لشکر ہی میں تھے۔ آپؐ کی نظر مجھ پر پڑی تو آپؐ نے آواز دی: "اے ابوہریرہؓ! میں نے کہا "لبیک یا رسول اللہ" آپؐ نے فرمایا "انصار کو آواز دے کر میرے پاس بلاؤ، اور دیکھو انصاری کے سوا کوئی دوسرا میرے پاس نہ آئے" چنانچہ میں نے انصار کو آواز دی، اور وہ سب آئے اور رسول اللہؐ کے اردگرد آکر جمع ہو گئے، ادھر قریش نے مختلف قبائل سے اپنی حمایتی جماعتوں کو اکٹھا کر لیا تھا۔ الغرض جب انصار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے اردگرد جمع ہو چکے تو آپؐ نے فرمایا: "دیکھو، قریش نے مختلف قبائل سے اپنے حمائیتوں کو لاکر اکٹھا کر لیا ہے۔" پھر آپؐ نے اپنے ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر رکھتے ہوئے فرمایا: "انہیں اچھی طرح کاٹتے ہوئے مجھ سے "صفا" میں آکر مل جاؤ۔" ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ حسب الحکم ہم روانہ ہو گئے اور حالت یہ تھی کہ ہم میں سے جو بھی ان کے جس آدمی کو قتل کرنا چاہتا تھا۔ وہ اسے قتل کر کے ہی چھوڑتا۔ یہ صورتِ حال دیکھی تو ابوسفیان بن حرب آیا اور کہنے لگا: "یا رسول اللہؐ! قریش کی ساری آن بان اور شان و شوکت خاک میں مل گئی۔ قریش تباہ ہو گئے، آج کے بعد قریش کا نام و نشان باقی نہ رہے گا۔" تب رسول اللہؐ نے فرمایا: "جو اپنا دروازہ بند کر لے گا وہ امان میں رہے گا، اور جو ابوسفیان کے گھر میں چلا جائے گا وہ امان پائے گا۔" ابوہریرہؓ کہتے ہیں" اس پر لوگوں نے اندر گھس کر اپنے اپنے دروازے بند کر لئے۔"

(۱۵۸) حضرت انس بن مالک رضؓ کہتے ہیں: "فتح مکہ کے موقع پر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم مکہ کی طرف تشریف لے جارہے تھے، اور ہم مکہ سے قریب پہنچ گئے تو حضورؐ نے ایک شخص کو حکم دیا اور اس نے آواز لگائی "انصار کہاں ہیں؟ اور انصاری کے سوا کوئی دوسرا نہ آئے"۔ جب وہ آ گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: "تم میں کوئی دوسرا تو نہیں ہے؟" اُنہوں نے جواب دیا "نہیں، سوائے ہمارے ایک بھانجہ کے"، تو آپؐ نے فرمایا "کسی قوم کا بھانجہ بھی خود انہیں میں شمار ہوتا ہے"۔ پھر آپؐ نے فرمایا: "کل قریش کی جمع کی ہوئی مختلف جماعتوں سے تمہارا مقابلہ ہے۔ دیکھو جب تمہارا اُن کا سامنا ہو تو اُنہیں خوب اچھی طرح کاٹ ڈالنا" اور سواری کی گردن پر اپنا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر ملا کر (کاٹنے کا) اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: "ہماری تمہاری ملاقات صفا میں ہوگی"، صبح کو یہ لوگ مکّہ میں داخل ہو گئے۔ مکّہ والوں نے جب اپنے سر پر یہ سیلِ بے پناہ آتے دیکھا تو ابوسفیان چیخ پڑا "یا رسول اللہؐ! قریش تباہ ہو گئے، آج کے بعد قریش کا نام و نشان نہ رہے گا۔ آپؐ اعلان فرما دیں کہ جو اپنے گھر میں گھس جائے وہ امان پائے گا"۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "ہاں، جو اپنے گھر میں داخل ہو جائے گا وہ امان پائے گا"۔ پھر ابوسفیان نے کہا "اور جو شخص اپنے ہتھیار ڈال دے گا وہ امان پائے گا"۔ آپؐ نے فرمایا "اور جو اپنے ہتھیار ڈال دے گا وہ امان پائے گا"۔ پھر ابوسفیان نے کہا "اور جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا وہ امان پائے گا"۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "ہاں"۔

(۱۵۹) عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ کہتے ہیں کہ فتح مکّہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اعلان فرمایا "خبردار! دیکھو کسی زخمی کو قتل نہیں کیا جائے، جو پیٹھ دکھا کر بھاگ رہا ہو اس کا تعاقب نہ کیا جائے، اور جو اندر گھس کر اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے وہ امان پائے گا"۔

مکہ کو نہ غنیمت قرار دیا نہ فئے

ابو عبید:۔ صحیح روایات بتاتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے مکہ فتح کیا اور پھر وہاں کے باشندوں پر احسان فرماتے ہوئے مکہ انہی کو واپس کر دیا، نہ آپؐ نے (غنیمت قرار دے کر) اسے تقسیم فرمایا نہ فئے قرار دیا۔ آپ کے اس عمل سے بعض لوگوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ یہ عمل (یعنی

مفتوحہ علاقہ وہاں کے باشندوں کو واپس دے دینا)۔ آپؐ کے بعد دیگر ائمہ کے لئے بھی جائز ہے۔ لیکن ہمارے خیال میں مکہ کا معاملہ امتیازی حیثیت رکھتا ہے اور دنیا کے کسی علاقہ سے اس کو کوئی مشابہت نہیں دی جا سکتی۔ اس ضمن میں دو پہلو قابلِ غور ہیں ایک تو یہ کہ اللہ عزّ و جلّ نے

انفال و غنائم میں رسول اللہؐ کے خصوصی اختیارات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو انفال و غنائم کے بارے میں کچھ ایسے خصوصی اختیارات تفویض فرمائے تھے جو کسی دوسرے کو نہیں سونپے گئے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:-

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ۔ (الانفال: ۱)

لوگ آپؐ سے "الانفال" کے بارے میں دریافت کرتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ انفال اللہ اور رسول کے لئے ہیں۔

اس دلیل کی بناء پر ہم یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ (مفتوحہ علاقہ وہاں کے باشندوں کو واپس دینے کا) حق صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کو پہنچتا تھا۔[1]

مکہ کی امتیازی حیثیت

دوسرا قابلِ غور پہلو یہ ہے کہ آپؐ نے سرزمین مکہ کے لئے کچھ ایسے طریقے اور قاعدے مقرر فرمائے جو آپؐ نے دنیا کے کسی دوسرے علاقے کے لئے مقرر نہیں کئے:

(۱۶۰) حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے مکہ میں (منیٰ کے مقام پر) کہا "آپ یہاں اپنے لئے کوئی مکان یا عمارت (خیمہ وغیرہ) کیوں نہیں بنوا لیتے جو دھوپ سے آپ کی حفاظت کرتی رہے؟" اس پر آپؐ نے فرمایا: "نہیں، یہ تو اس کے ٹھہرنے کے لئے ہے جو یہاں پہلے آ جائے۔"

(۱۶۱) مجاہد کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: سرزمین مکہ حرام ہے، اللہ نے اسے حرام کیا ہے، نہ یہاں کے مکانات کی خرید و فروخت حلال ہے اور نہ یہاں کے

---

[1] یہ قابلِ غور ہے کہ اللہ و رسول کے نام سے جو انفال کا حق دیا گیا ہے وہ امام کو ہمیشہ حاصل رہے گا یا نہیں خود ابو عبید نے ایک جگہ امام کو اللہ سے زیادہ قریب قرار دیا ہے (دیکھئے مقدمہ)

مکانات کا کرایہ حلال ہے۔

مکّہ کے مکانات فروخت کرنے یا کرایہ پر دینے کی ممانعت

(۱۶۲) مجاہد کہتے ہیں۔ اور میرا خیال ہے کہ اُنہوں نے اس روایت کی سند رسول اللہ علیہ وسلّم سے ملائی تھی کہ مکہ کی تمام سرزمین ٹھہرنے اور پڑاؤ ڈالنے کی جگہ ہے، نہ تو یہاں کے مکانات فروخت کئے جائیں گے نہ ہی ان کا کرایہ لیا جائے گا۔ اور یہاں گم جانے والی چیز صرف اس کے لئے حلال ہے جو اس (کا مالک ہو یا اُس کے مالک تک پہنچانے کے لئے اس) کی تلاش جاری رکھے۔

(۱۶۳) عبداللہ بن عمرو کہتے ہیں: ”جس نے مکہ کے گھروں کا کرایہ کھایا تو وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ کھا رہا ہے“

(۱۶۴) مسلم بن ہُرمز کہتے ہیں کہ عطاء مکہ (کے گھروں) کا کرایہ مکروہ خیال کرتے تھے۔

(۱۶۵) ابن جریج کہتے ہیں کہ میں نے عمر بن عبدالعزیز کا وہ مکتوب جو عوام الناس کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا تھا، پڑھا، اس میں اُنہوں نے مکہ کے گھروں کے کرایہ سے منع کیا تھا۔

(۱۶۶) عبدالملک بن سلیمان کہتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز نے امیرِ مکّہ کے نام خط لکھا جس میں درج تھا:

” مکہ والوں کو مکہ کے گھروں کا کرایہ نہ لینے دینا۔ اس لئے کہ وہ ان کے لئے حلال نہیں ہے۔“

(۱۶۷) ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے حاجیوں کے لئے مکہ کے گھروں کو بند کرنے سے منع کیا تھا۔ اور حاجیوں کو اجازت تھی کہ جو خالی گھر یا گھروں کے خالی حصّے وہ پائیں۔ ان میں آزادانہ رہائش اور آمد و رفت جاری رکھیں۔

(۱۶۸) مجاہد سے روایت ہے کہ ابن عمرؓ نے کہا: ”حرم تمام کا تمام مسجد ہے۔“

(۱۶۹) ابن عباس سے مروی ہے کہ حرم تمام کا تمام مسجد ہے۔

(۱۷۰) عطا کہتے ہیں کہ حرم تمام کا تمام مقام ابراہیم علیہ السلام ہے (یعنی وہ نماز پڑھنے کی جگہ اور مسجد ہے)

حرمِ مکہ نہ غنیمت بن سکتا ہے نہ فئے

ابو عبیدؒ :- جب صورتِ حال یہ ہے کہ سرزمینِ مکہ کے آداب و قوانین میں یہ کہا گیا ہو کہ یہاں کی زمین، جو پہلے پہنچ جائے اس کے پڑاؤ کی جگہ ہے۔ اور یہ کہ وہاں کے مکانات کو فروخت نہیں کیا جائے گا۔ نیز یہ کہ وہاں کے گھروں کا کرایہ ناروا ہے، اور یہ کہ وہ علاقہ مسلمانوں کے لئے بمنزلہ مسجد ہے، تو بایں ہمہ صفات وہ غنیمت کیسے قرار دی جا سکتی ہے۔ ایسی غنیمت جو تمام لوگوں کو چھوڑ کر صرف ان لوگوں میں تقسیم کر دی جائے جو اس پر قابض ہو جائیں، پھر اسے فئے کیونکر قرار دے دیا جائے جبکہ اس طرح وہ خراج

اہلِ مکہ کے لئے سخت حکم اسلام یا قتل

کی زمین بن جائے گی۔ حالانکہ یہ ایسے اُمّی عربوں کی زمین ہے جن کے متعلق یہ فیصلہ ہے کہ یا تو وہ اسلام قبول کر لیں یا پھر قتل کر دئے جائیں (تیسری کوئی صورت نہیں ہے) اب اگر وہ اسلام قبول کر لیتے ہیں تو ان کی زمین "ارضِ عُشر" ہو جائے گی لیکن کسی صورت میں بھی وہ "ارض خراج" نہیں بنے گی۔

مزید برآں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بتصریح یہ بھی مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا "مکہ کی غنائم حلال نہیں ہیں"۔

(۱۷۱) یہ حدیث عُبَید بن عمیر سے مروی ہے اس کے باقی الفاظ وہی ہیں جو مجاہد کی روایت میں ہیں (دیکھئے نمبر ۱۶۱ - ۱۶۲) اور زائد الفاظ یہ ہیں: "اور یہاں کی غنائم حلال نہیں ہیں۔"

ابو عبیدؒ :- ان دلائل کی موجودگی میں یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ مکہ کی مشابہت کسی دوسرے علاقہ سے نہیں ہوتی، اس لئے کہ وہ خصوصی حیثیت اور امتیازی شان رکھتا ہے۔ لہٰذا ان لوگوں کے پاس کوئی سند نہیں جو مکہ کو دوسری زمینوں پر قیاس کرتے ہوئے ان کے مطابق مکہ کا فیصلہ کرتے ہیں۔ حالانکہ مکہ کے سوا دنیا کی کوئی زمین ایسی نہیں جسے فوجی طاقت کے ذریعے فتح کرنے پر یا تو غنیمت نہ قرار نہ دیا

جائے ۔ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے "خیبر" کی زمین کا فیصلہ کیا تھا یا پھر اسے فئے نہ قرار دیا جائے ۔ جیسے حضرت عمرؓ نے سواد (عراق) اور اس کے علاوہ شام و مصر کی زمینوں پر حکم لگایا تھا ۔

باب

فوجی قوّت کے ذریعہ مفتوحہ علاقہ میں وہاں کے باشندوں کو بحال کر کے اُن پر خراج لگا دینے کا بیان

زمین کی پیمائش اور معین رقبہ پر معین خراج

(۱۷۲) ابو مجلز[1] لاحق بن حمید کی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ بن الخطاب نے عمار بن یاسرؓ کو کوفہ والوں کی صلوٰۃ کے نظام کی اقامت اور ان کے لشکروں کی قیادت پر مامور کیا، عبداللہ بن مسعودؓ کو قضاء اور بیت المال پر، عثمان بن حنیفؓ کو زمین کی پیمائش پر اور ان کے لئے بطور معاوضہ روزانہ ایک بکری مقرّر کی جسے وہ باہم تقسیم کر لیا کریں[2]۔ حضرت عمرؓ نے یہ بھی کہا "میرا خیال ہے کہ جس بستی میں سے روزانہ ایک بکری دے دی جائے وہ جلد ویران ہو جائیگی"۔

سواد عراق میں خراج، چنگی اور جزیہ کی شرح

چنانچہ عثمان بن حنیفؓ نے زمین کی پیمائش کی اور انہوں نے ایک جریب انگور کے باغات پر دس درہم خراج مقرر کیا۔ اور ایک جریب کھجور کے باغات پر پانچ درہم، ایک جریب نرکل (اور بانس یا بید وغیرہ کی قسم) پر چھ درہم، ایک جریب گیہوں پر چار درہم، ایک جریب جو پر دو درہم۔ اسی طرح ذمیوں کے ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ میں آنے جانے والے مال و اسباب پر بیس درہم پر ایک درہم (پانچ فیصدی) چنگی مقرر کی، اور ذمیوں میں سے ہر بالغ مرد پر ـ بچوں اور عورتوں کو نکال کر ـ سالانہ چوبیس درہم جزیہ مقرر کیا

---

[1] یہ بنی سدوس کے ایک فرد اور تابعی ہیں (ابو عبید)

[2] یہاں راوی نے یہ بھی کہا ہے کہ حضرت عمرؓ نے بکری کی تقسیم اس طرح مقرر کی تھی کہ حضرت عمار کو نصف بکری اور اس کے پائے کلیجی آنت اوجھڑی وغیرہ دئے جائیں اور بقیہ نصف دوسرے دونوں حضرات کو دیا جائے۔

پھر اُنھوں نے اپنا فیصلہ حضرت عمرؓ کو بھیج دیا۔ جس کی انہوں نے تصدیق کر دی اور اسے منظور کر لیا، اور حضرت عمرؓ سے دریافت کیا گیا "دار الحرب کے تاجر جب ہمارے علاقے میں آئیں تو ان کے اموال پر ہم کس قدر چنگی مقرر کریں؟" تو حضرت عمرؓ نے پوچھا "جب تم ان کے علاقہ میں جاتے ہو تو وہ لوگ تم سے کس قدر چنگی لیتے ہیں؟" لوگوں نے جواب دیا "دسواں حصہ" اس پر حضرت عمرؓ نے کہا "تم بھی ان سے دسواں حصہ لے لیا کرو"

(۱۷۳) شعبی کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ابن حنیف کو سواد (عراق) بھیجا تو انہوں نے وہاں کی زمینوں پر خراج متعین کیا۔ جَو کی ایک جریب پر دو درہم۔ گیہوں پر ایک جریب پر چار درہم، نرکل (اور بانس یا بید وغیرہ) کی جریب پر چھ درہم، کھجوروں کی ایک جریب پر آٹھ درہم، انگوروں کی ایک جریب پر دس درہم، زیتون کی ایک جریب پر بارہ درہم، اور فی کس (ذمی بالغ مرد) ماہانہ ایک درہم اور دو درہم جزیہ مقرر کیا۔

(۱۷۴) محمد بن عبید اللہ الثقفی کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اہل سواد (عراق) کی ہر آباد و غیر آباد زمین کی ایک جریب پر ایک درہم اور ایک قفیز غلہ خراج مقرر کیا تھا اور چارہ کے ایک جریب پر پانچ درہم اور پانچ قفیز غلہ، انگوروں کے باغات کے ایک جریب پر دس درہم اور دس قفیز غلہ۔ اس روایت میں کھجوروں کا ذکر نہیں ہے۔ اور ہر ذمی بالغ مرد پر اڑتالیس یا چوبیس یا بارہ درہم (حسب استعداد و استطاعت)

(۱۷۵) مجالد بن سعید شعبی سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے عثمان بن حنیفؓ کو سواد (عراق) بھیجا تھا جہاں اُنہوں نے زمین کی پیمائش کر کے بتایا کہ وہ تین کروڑ ساٹھ لاکھ جریب ہے۔ چنانچہ اُنھوں نے ہر جریب پر ایک درہم اور ایک قفیز غلہ مقرر کر دیا۔

ابو عبیدؒ:۔ میرا خیال ہے کہ شعبی کی یہ روایت (نمبر ۱۷۵) دیگر مذکورہ روایات سے جُداگانہ ہے۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس مجالد بن سعید کی روایت میں حضرت عمرؓ

خراج کا معاملہ کرایہ سے مشابہ ہے

نے خصوصیت سے زمین پر معینہ خراج مقرر کیا۔ خراج کا معاملہ کرایہ کے معاملہ کی طرح ہے۔ بالفاظ دیگر حضرت عمرؓ نے ہر جریب سالانہ ایک درہم اور ایک قفیز غلہ کے عوض کرایہ

پر دی۔ اور اس میں درختوں اور کھجوروں کو شامل نہ کیا۔ اسی لئے انہوں نے درختوں کا کوئی کرایہ مقرر نہ کیا۔ یہ روایت ان لوگوں کے لئے ثبوت ہے۔ جو سواد (عراق) کو مسلمانوں کے لئے "فئے" قرار دیتے ہیں اور وہاں کے باشندوں کو مقررہ اُجرت کے عوض مسلمانوں کے لئے بمنزلہ مزدور شمار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مقررہ معاوضہ کے علاوہ جو کچھ بھی زمین کی پیداوار ہوگی وہ انہی (کام کرنے والے باشندوں) کی ہوگی۔ اور یہ صورت صرف اسی شکل میں جائز ہوگی جبکہ زمین پر کھجور اور دیگر درخت نہ ہوں

قبالہ کی مکروہ شکل

یعنی درختوں سے خالی ہو، اس لئے کہ کھجوروں یا دیگر پھل والے درختوں کے بارے میں معین رقم کے عوض قبالہ[1] (ذمہ داری لے کر سودا کرلینا) ناروا ہے۔ یہ ایسی بیع ہوگی جس میں پھلوں کے لگنے اور پکنے سے قبل ہی ان کا سودا کیا جاتا ہے، اور یہ قبالہ کی ایسی صورت ہے جسے فقہاء مکروہ قرار دیتے ہیں:۔

(۱۷۶) عبداللہ بن تیاد کہتے ہیں کہ میں نے ابن عمرؓ سے کہا "ہم لوگ زمین قبالہ میں لے لیتے ہیں اور اس کے درختوں کے پھل بھی اپنے استعمال میں لاتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ زمین کی پیداوار کے علاوہ۔ تو ابن عمرؓ نے کہا" یہی تو جلدی ملنے والا سود ہے۔"

(۱۷۷) حسن کہتے ہیں کہ ایک شخص ابن عباسؓ کے پاس آیا اور اس نے کہا" میں اُبلّہ[2] کا علاقہ تم سے ایک لاکھ درہم میں بطور قبالہ لیتا ہوں؟" تو ابن عباسؓ نے اسے سو دُرّے مارے اور اسے زندہ سولی پر لٹکا دیا۔

(۱۷۸) ابو ہلال ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ قبالہ کے معاملات حرام ہیں۔

(۱۷۹) جبلہ بن شحیم کہتے ہیں کہ میں نے ابن عمرؓ کو یہ کہتے سُنا ہے کہ قبالہ کے معاملات سود ہیں۔

ابو عبیدؒ: اس مکروہ و ممنوع قبالہ کے معنی یہ ہیں کہ آدمی کھجور یا دیگر درختوں کے پھل

---

[1] قبالہ کسی متوقع آمدنی کا صحیح اندازہ ہوئے بغیر خواہ وہ خراج و محصول کے ذریعہ ہو یا غلہ، پھل وغیرہ کی پیداوار کی صورت میں اس غیر معین منفعت بخش چیز کو نقد معین رقم کے عوض کسی کے حوالہ کردینا۔ اس طرح قبالہ لینے والے کو دی ہوئی رقم سے زائد رقم منافع میں ملتی ہے، یہ ٹھیکہ داری کی ایک قسم ہوتی ہے۔

[2] اُبلّہ:۔ عراق میں دجلہ کے ساحل پر ایک نہایت زرخیز علاقہ کا نام ہے۔

پکنے سے قبل یا کھیتی کے تیار ہو کر کٹنے کے قابل ہونے سے پہلے، اپنی ذمہ داری پر اس کا سودا کرلے۔ اور یہ تفصیلی طور پر سعید بن جبیرؒ کی اس روایت میں درج ہے:۔

(۱۸۰) شیبانی کہتے ہیں کہ میں نے سعید بن جبیرؒ سے ایک ایسے شخص کے بارے میں دریافت کیا جو کسی بستی میں پہنچ کر اسے بطور قبالہ لے لیتا ہے، اور اس میں کھجور نیز دیگر پھلوں کے درخت کھیت اور غیر مسلم عجمی موجود ہوں؟" تو انہوں نے کہا: "اسے یہ بستی قبالہ نہیں لینا چاہیئے اس لئے کہ اس سودے میں کوئی خیر نہیں۔"

ابو عبیدؒ:۔ قبالہ کو مکروہ قرار دینے کا بنیادی سبب یہ ہے کہ اس میں معینہ مقدار کے عوض ایسے پھلوں کا سودا کیا جاتا ہے جو ابھی پوری طرح نمودار، یا تیار نہیں ہوئے اور ان کا کسی معین وزن یا پیمانہ پر اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے برخلاف پیداوار کے ثلث (⅓) یا ربع (¼) پر سودا کرنا، یا درختوں سے خالی زمین کو کرایہ پر دینا نہ قبالہ ہے نہ قبالہ کے حکم میں داخل ہے۔ اور اس قبیل کے سودے جائز ہیں۔ لیکن جہاں تک ہمارا علم ہے ہمیں نہیں معلوم کہ مسلمانوں میں "قبالہ" کے مکروہ ہونے پر کبھی اختلاف ہوا ہو۔ اس بناء پر میری رائے یہی ہے کہ مجالد کی شعبی والی روایت (نمبر ۱۷۵) محفوظ (وارجح) ہے پھر عمرو بن میمون کی مندرجہ ذیل روایت بھی اسے مزید تقویت پہنچا رہی ہے۔

(۱۸۱) عمرو بن میمون کہتے ہیں کہ میں حضرت عمرؓ بن الخطاب کے پاس موجود تھا کہ ابن حُنیف ان کے پاس آئے اور اُن سے باتیں کرنے لگے، وہاں میں نے انہیں حضرت عمرؓ سے یہ کہتے ہوئے سُنا "اللہ کی قسم! اگر میں زمین کے ہر جریب پر ایک درہم اور ایک قفیز غلّہ مقرر کردوں تو اس سے نہ تو ان پر کوئی بار پڑے گا نہ انہیں کسی پریشانی کا سامنا کرنا پڑے گا۔

ابو عبیدؒ:۔ اس موضوع پر حضرت عمرؓ سے ہمارے پاس عمرو بن میمون کی روایت سے زیادہ صحیح روایت نہیں پہنچی۔ اور اس میں انہوں نے زمین پر مقررہ خراج کے سلسلہ میں ایک درہم اور ایک قفیز غلہ سے زائد نہیں بتایا۔ ان روایات کے ساتھ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی حدیث بھی ملتی ہے جو اس روایت کو تقویت دیتی اور

حضرت عمرؓ کے ایک درہم اور ایک قفیز غلہ کے متعین کرنے کو سند عطا کرتی ہے۔ اور وہ یہ ہے:-

(۱۸۲) حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: "عراق نے اپنا درہم و قفیز روک لیا، اور شام نے اپنا دینار و مُدی روک لیا، اور مصر نے اپنا دینار اور اردب[1] روک لیا، اور تم جیسے پہلے تھے ویسے ہی ہو گئے"۔ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے یہ الفاظ تین بار دُہرائے اور ابوہریرہؓ کا گوشت اور خون اس پر شاہد ہیں۔

ابو عبیدؒ:- آپؐ کی اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بعد میں ایک زمانہ آئے گا جس میں یہ صورتِ حال پیدا ہو جائے گی اور ان علاقوں کی آمدنی بند ہو جائے گی۔ واللہ اعلم۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے الفاظ "درہم اور قفیز" ملاحظہ فرمایئے پھر مقابلہ کیجیے اس کا حضرت عمرؓ کے طریقِ کار سے جو اُنہوں نے سواد (عراق) میں اختیار کیا۔ اس کا نام ہے غور و تدبّر اور اصابتِ رائے۔

خراج کی عمومی حیثیت

پھر حضرت عمرؓ کے خراج عائد کرنے اور وہاں کے باشندوں پر اس کے مقرر کرنے میں علم و فقہ کا جو درس ملتا ہے وہ یہ ہے کہ انہوں نے خراج کو عمومی اور ہمہ گیر حیثیت دے دی اور ہر اس شخص پر اسے عائد کر دیا جس کے قبضہ میں زمین کی مقررہ مقدار تھی، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، بچہ ہو یا آزادی کا معاہدہ کرنے والا غلام (مکاتب) یا محض غلام۔ چنانچہ انہوں نے سب کو اس بارے میں برابر کر دیا۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ اُنہوں نے ان میں سے کسی کو بھی مستثنیٰ قرار نہیں دیا۔

اس کی تصدیق و توضیح حضرت عمرؓ کے اس قول سے ہوتی ہے جو اُنہوں نے نہر الملک[2] کی اس زمیندار عورت کے بارے میں کہا تھا جو مسلمان ہو گئی تھی کہ اسے اس کی زمین پر چھوڑ دو۔ یہ اس کا خراج ادا کرتی رہے گی۔ اس طرح حضرت عمرؓ نے اس عورت پر بھی وہی قانون لازم قرار دیا جو مردوں پر لازم تھا۔

---

[1] - درہم و دینار سکّے ہیں اور قفیز و مُدی و اردب غلہ کے پیمانے ہیں۔ قفیز کا رواج عراق میں، مدی کا شام میں اور اردب کا مصر میں تھا۔ [2] بغداد کا ایک وسیع علاقہ۔

حضرت عمرؓ کے اس فیصلہ میں ایک علمی و فقہی نکتہ یہ بھی ہے کہ انہوں نے خراج ان زمینوں پر مقرر کیا جن سے غلہ یا پھلوں کی پیداوار ہوتی تھی یا جو آباد یا غیر آباد زمین قابل کاشت تھی چنانچہ انہوں نے اس خراج کی زمین میں ان کے رہائشی علاقوں اور مکانات کو شامل نہیں کیا اور نہ ان پر کسی قسم کا خراج لگایا۔

سواد (عراق) کا حدود اربعہ کہا جاتا ہے کہ سواد کا وہ علاقہ جس کی پیمائش کی گئی تھی وہ طول میں موصل کی سرحد سے لے کر دریا کے ساتھ ساتھ ساحل سمندر تک جا کر دریائے دجلہ کے مشرقی علاقہ میں عبادان (آبادان) سے جا ملتا ہے۔ عرض میں اس کی سرحد سرزمین حلوان کے سلسلہ کوہ کے آخری سرے سے شروع ہو کر قادسیہ کے آخری سرے سے جا ملتی ہے جو عرب کے علاقہ عُذَیب سے ملا ہوا ہے۔ یہ ہیں اس سواد کی حدود اربعہ جس پر خراج عائد کیا گیا تھا۔

حسن بن صالح سے مروی ہے کہ جس زمین کی پیمائش ہوئی وہ خراج کا علاقہ ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کہتے تھے کہ یہ اس تمام علاقہ پر مشتمل ہے جسے خراج کے پانی سے سیراب کیا جاتا ہے۔

ابو عبیدؒ:۔ ابو حنیفہؒ کا یہ قول میں نے محمد کی زبانی سنا ہے۔

ابو عبیدؒ:۔ شعبی کی حضرت عمرؓ سے وہ روایت جس میں سواد (عراق) کا علاقہ جریر اور اس کی قوم کو دینے کا مذکور ہے۔ اس کی تائید خود ہماری بیان کردہ قیس کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں حضرت عمرؓ کا یہ قول درج ہے "کہ اگر میں جواب دہ (ذمّہ دار) تقسیم کرنے والا نہ ہوتا تو جو علاقہ تمہارے حوالہ کیا گیا تھا تم ہی اس پر قابض رہتے۔"

حضرت عمرؓ کے اس قول سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ انہوں نے اِس سے پہلے یہ علاقہ بطور عطیہ و نَفَل دے دیا تھا۔

اور حضرت عمرؓ کی "درہم و قفیز" والی حدیث کی تائید عمرو بن میمون والی حدیث کر رہی ہے۔ ہمارے پاس حضرت عمرؓ سے سواد (عراق) میں خراج کے تعین سے متعلق عمرو بن میمون کی مذکورہ روایت (نمبر ۱۸۱) سے زیادہ صحیح کوئی روایت نہیں ہے اور وہ شعبی کی مذکورہ

روایت (نمبرہ ۱۷) کے مطابق ہے اور ان ہر دو روایات کی تصدیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں آپؐ نے فرمایا "عراق نے اپنے درہم و قفیز کو روک لیا۔"

میرے نزدیک یہی محفوظ (وراجح) ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان لوگوں کو خالی زمین مقررہ

خراج کے معنے

خراج کے عوض بالکل اسی طرح دی تھی جیسے ایک آدمی اپنی زمین معینہ کرایہ پر دیتا ہے۔ اور کلام عرب میں خراج کے معنی ہی کرایہ، محصول، یافت، آمدنی، پیداوار اور اُجرت و معاوضہ کے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ زمین کی پیداوار، گھر کے کرایہ اور مملوک غلام سے حاصل شدہ آمدنی کو خراج سے تعبیر کر دیتے ہیں۔ خراج کے یہی معنی حضرت عائشہؓ سے مروی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی اس حدیث میں ہیں:

اَنَّهٗ قَضٰى اَنَّ الْخَرَاجَ بِالضَّمَانِ ۔	آپؐ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ خراج (یعنی آمدنی اور پیداوار) ضمانت کے عوض ہے ۔

اس حدیث کا مطلب یوں سمجھیئے کہ اگر کوئی شخص ایک غلام خرید لے پھر اس سے کام لے کر پیداوار حاصل کرے۔ بعد میں اس خریدار کو معلوم ہو کہ اس غلام میں عیب ہے جو پہلے سے موجود تھا جبکہ وہ بیچنے والے کے پاس تھا تو اسے حق حاصل ہے کہ وہ اس عیب کی بناء پر اپنے اس خریدے ہوئے غلام کو واپس کر دے لیکن اس دوران میں اس (خریدار) نے غلام سے جو آمدنی حاصل کی ہے وہ اس (خریدار) کے لئے اس ضمانت و ذمہ داری کے عوض حلال ہے جو وہ لیتا ہے، یعنی یہ کہ اگر اس کے قبضہ کی مدت میں وہ غلام مر جائے تو اس کا نقصان وہ (خریدار ہی) برداشت کرے گا۔

یہی معنی آپؐ سے مروی ایک اور حدیث میں بھی لفظ خراج کے آئے ہیں۔

(۱۸۲) یہ حدیث حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں:

اِحْتَجَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، حَجَمَهٗ اَبُوْطَيْبَةَ فَاَمَرَ لَهٗ بِصَاعَيْنِ مِنْ طَعَامٍ وَكَلَّمَ اَهْلَهٗ فَوَضَعُوْا	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے پچھنے لگوائے، آپ کو ابوطیبہ (غلام) نے پچھنے لگائے۔ آپؐ نے حکم دیا کہ اسے دو صاع غلّہ دیا جائے۔ اور آپؐ نے اس کے مالکوں سے (بطور سفارش کچھ)

عَنْهُ مِنْ خَرَاجِهِ: گفتگو کی تو ان لوگوں نے اس (غلام) پر مقررہ رقم میں (جو وہ مالکوں کو ادا کرتا تھا) کچھ تخفیف کر دی۔

ملاحظہ فرمایا یہاں آپ نے اُس آمدنی اور یافت کو جو غلام سے حاصل ہوتی ہے "خراج" کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

سواد عراق کی زمین فئے ہے اور خراج زمین کی اصل ملکیت کی وجہ سے زمین پر لیا جاتا ہے

یہ حدیث ان لوگوں کے لئے دلیل و حجت ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ خراج کی زمین بشرطیکہ ابتداءً وہ فوجی قوت کے ذریعے فتح کی گئی ہو مسلمانوں کے لئے فئے قرار پائے گی۔ اور اس زمین کے مالکان امام کو۔ جو مسلمانوں کے امور کا ناظم و نگران ہو۔ اسی طرح ان زمینوں کا خراج ادا کریں گے جس طرح زمین یا مکان کا کرایہ دار، ان کے مالکان کو کرایہ ادا کرتا ہے۔ اور اس معاملہ کے بعد زمین میں بوئی ہوئی کھیتی اور اگائے ہوئے درختوں پر کرایہ دار کا قبضہ رہے گا۔

ایک دوسری جماعت کا خیال ہے کہ سواد (عراق کی اراضی) وہاں کے مقامی باشندوں کی ملکیت ہے۔ اس لئے کہ جب حضرت عمرؓ نے وہ علاقہ وہاں کے باشندوں کو واپس کر دیا تھا تو وہاں کی زمینوں کی اصلی ملکیت بھی انہی کی ہو گئی لیکن حضرت عمرؓ سے ہمیں شعبی کے ذریعہ جو روایت پہنچی ہے وہ کچھ اور ہے۔ اس میں تو یہ ہے کہ جب عتبہ بن فرقد نے ایک قطعہ زمین ساحل فرات پر خریدا تو حضرت عمرؓ نے ان سے پوچھا: تم نے یہ قطعہ زمین کس سے خریدا؟ "عتبہ بن فرقد نے جواب دیا:" اس کے مالکان سے" تو حضرت عمرؓ نے مہاجرین و انصار کے مجمع کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: "اس زمین کے مالک تو یہ لوگ ہیں۔"

خراج درختوں کے پھلوں کا معاوضہ نہیں

ابو عبیدؒ:۔ دوسرے فقہاءؒ نے اس بارے میں حضرت عمرؓ کے اس عمل کو حجت بنایا ہے کہ انہوں نے کھجوروں اور دیگر درختوں کی پیداوار پر

ٹیکس لگائے تھے۔ ان حضرات کا کہنا ہے کہ اگر اہلِ سواد (عراق کی زمینوں کے) اصل مالک نہ ہوتے تو حضرت عمرؓ۔ اس صورت میں کہ اصلی ملکیت دوسروں کی ہوتی ۔ ان لوگوں کو کسی مقررہ رقم کے عوض کھجور اور دیگر پھلوں کے درخت بطور قبالہ دینا جائز نہ خیال کرتے اب اگر حضرت عمرؓ کے عمل کا یہ واقعہ محفوظ (وارجح) ہو تو یہ ایک قابلِ حجت دلیل اور صحیح بات ہے لیکن ہمارے نزدیک حضرت عمرؓ نے خراج خصوصیت سے زمین ہی پر مقرر کیا تھا۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب ان لوگوں کو سادہ اور خالی زمین دی گئی ہو تو انہوں نے اس میں درخت لگا لئے ہوں۔ اس طرح پودے اور اُن کے پھل اصلاً انہی کی ملکیّت ہو گئے اور مقررہ خراج اس زمین پر لیا گیا ہو جس میں درخت لگائے گئے ہوں، یہ بھی ایک دوسری جائز اور صحیح توجیہ ہے لیکن اس حال میں جبکہ حضرت عمرؓ کی رائے یہ ہو کہ زمین کے اصل مالک مسلمان ہیں اور پھر وہ معینہ معاوضہ پر کھجور اور دیگر پھلوں کے درخت وہاں کے باشندوں کو دے رہے ہوں تو اس کی توجیہ

اندریں صورت یہ ممنوعہ قبالہ کی صورت ہوگا

سمجھ میں نہیں آتی ۔ یہ تو ناپسندیدہ قبالہ، اور پوری طرح تیار نہ ہونے والے پھلوں کا وہ سودا ہو جاتا ہے جس کی کراہت اور ممانعت احادیث میں آئی ہے ۔

تیاری سے قبل پھل فروخت کرنے کی ممانعت

(۱۸۴) ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "پھلوں کو اس وقت تک فروخت نہ کرو کہ جب تک کہ ان میں پختگی کے آثار نہ ظاہر ہونے لگیں۔"

(۱۸۵) حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "پھلوں کو اُس وقت تک فروخت نہ کرو جب تک کہ ان میں پختگی کے آثار نہ ظاہر ہو جائیں۔

(۱۸۶) جابر بن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے ہمیں پھلوں کے فروخت کرنے سے منع کیا تا آنکہ وہ پک کر تیار نہ ہو جائیں۔

(۱۸۷) ابنِ عمرؓ راوی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے کھجور کے درختوں پہ

نمودار ہونے والے پھلوں کو فروخت کرنے سے منع فرمایا تا آنکہ وہ زرد ہو کر پکنے پر مائل ہو جائیں اسی طرح کھیت کی بالوں کو فروخت سے منع فرمایا تا آنکہ وہ خشک ہو کر سفید ہو جائیں اور آفت سے محفوظ نہ ہو جائیں۔ آپؐ نے خریدار اور فروخت کرنے والے دونوں کو اس عمل سے منع فرمایا۔

(۱۸۸) حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے پھلوں کی خرید و فروخت سے اس وقت تک منع فرمایا جب تک کہ ان میں پختگی کے آثار نہ ظاہر ہو جائیں۔

(۱۸۹) حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے کھجور کے درختوں کے پھلوں کو فروخت کرنے سے منع فرمایا تا آنکہ وہ تیار نہ ہونے لگیں۔ حضرت انسؓ سے دریافت کیا گیا کہ تیاری سے کیا مراد ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ اس سے مطلب یہ ہے کہ وہ سرخ یا زرد ہو جائیں، بھلا بتاؤ تو اگر اس سے پہلے ہی پھلوں پر کوئی آفت آجائے اور اللہ تعالیٰ انہیں تباہ کر دے تو یہ شخص اپنے بھائی کا مال کس بنیاد پر اپنے لئے حلال سمجھے گا؟

(۱۹۰) ابواسحٰق کہتے ہیں کہ میں نے مسروق بن اجدع سے دریافت کیا کہ پھلوں کی "تیاری" سے کیا مراد ہے تو انہوں نے کہا "اس سے مراد ہے پھلوں کا سرخ یا زرد ہو جانا۔"

کیا خیبر کی پیداوار کا معاملہ قبالہ تھا؟

ابوعبیدؒ:۔ الغرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی صحیح احادیث سے اس بیع کی ممانعت ثابت ہے۔

اب اگر کوئی کہتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے بھی تو خیبر کی زمین فوجی قوّت سے فتح کرنے کے بعد وہاں کے باشندوں کو دے دی تھی اور مندرجہ ذیل روایات کے بموجب یہ واقعہ ثابت ہے۔

(۱۹۱) حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے خیبر کی زمین اور اس کے نخلستان وہاں کے باشندوں کو ہی آدھی پیداوار کے عوض دے دئیے تھے۔

(۱۹۲) حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے خیبر والوں سے وہاں کی زمین کی آدھی پیداوار کے عوض خواہ وہ کھیت (کا غلّہ) ہو یا (درختوں کے) پھل

معاملہ طے کیا تھا۔

(۱۹۳) ابوالزبیر کہتے ہیں کہ میں نے جابرؓ سے یہ کہتے سُنا کہ ابن رواحہؓ نے خیبر کی پیداوار کا تخمینہ چالیس ہزار وسق لگایا، اور انہی کا کہنا ہے کہ جب اندازہ کے بعد ابن رواحہؓ نے یہودیوں کو اختیار دیا تو انہوں نے بیس ہزار وسق کے عوض پھل لینا قبول کیا۔

ابو عبیدؒ: بعض لوگوں نے آپؐ کے خیبر کے اس معاملہ کو حضرت عمرؓ کے سواد (عراق) کے کھجوروں اور دیگر پھلوں کے درختوں کے معاملہ سے مشابہت دی ہے لیکن ان دونوں معاملوں میں کوئی مشابہت نہیں ہے۔ آنحضرتؐ کا خیبر والوں کے ساتھ معاملہ تو مزارعت کی قسم کا ہے جسے اہلِ مدینہ "مُسَاقاۃ" کہتے ہیں۔ اس معاملہ میں زمین کی پیداوار کا کچھ حصہ لیا جاتا ہے۔ اگر کچھ پیداوار ہو تو معاہدہ کے مطابق حق پہنچتا ہے اور اگر نہ ہو تو پھر کچھ بھی نہیں ملتا۔ مگر یہ لوگ جس قسم کے معاملہ کو حضرت عمرؓ سے منسوب کرتے ہیں وہ ایک معین شئے کے عوض قبالہ کی صورت بن جاتی ہے۔ لہٰذا ہم تسلیم نہیں کرتے کہ حضرت عمرؓ نے ایسا کیا ہو۔

باب

فوجی قوت سے مفتوحہ ایسی زمین کی خریداری کا بیان جس پر امام نے وہاں کے باشندوں کو بحال کر کے اسے خراجی زمین قرار دیا ہو

ذمیوں کے غلام اور ان کی خراجی زمین خریدنے کی ممانعت

(۱۹۴) ابو عیاض راوی ہیں کہ حضرت عمرؓ نے کہا:
"ذمیوں کے غلام نہ خریدو کیونکہ وہ خراج ادا کرنے والے ہوتے ہیں۔ نہ ان کی زمینوں کا سودا کرو، اور تم میں سے کوئی اس ماتحتی اور رذالت غلامی کو اپنے گلے کا ہار نہ بنائے جس سے اللہ تعالیٰ نے اسے نجات عطا کر دی ہے۔

(۱۹۵) حسن راوی ہیں کہ حضرت عمرؓ نے کہا:
"ذمیوں کے غلام اور ان کی زمینوں کا سودا نہ کرو۔" ابو عقیل کہتے ہیں کہ میں نے حسن سے پوچھا، "ایسا کیوں نہ کیا جائے؟" تو انھوں نے جواب دیا "اس لئے کہ وہ مسلمانوں کے لئے "فئے" ہیں۔

(۱۹۶) شعبی کہتے ہیں کہ عتبہ بن فرقد نے سبزی کاشت کرنے کے لئے فرات کے ساحلی علاقہ میں ایک قطعہ زمین خریدا، اس معاملہ کا تذکرہ حضرت عمرؓ کے سامنے ہوا تو حضرت عمرؓ نے عتبہ سے کہا: "یہ قطعہ تم نے کس سے خریدا؟" انھوں نے کہا: "زمین کے مالکوں سے۔" پھر جب حضرت عمرؓ کے پاس مہاجرین و انصار جمع ہو گئے تو (ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) انھوں نے کہا "یہ لوگ اس زمین کے مالک ہیں۔ بتاؤ کیا تم نے ان میں سے کسی سے یہ زمین خریدی ہے؟" عتبہ نے کہا "نہیں" اس پر حضرت عمرؓ نے کہا "تو پھر یہ قطعہ جس سے خریدا ہے اسی کو واپس دے کر اپنی رقم لے لو۔"

(۱۹۷) عنترہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علیؓ کو یہ کہتے سُنا: اس سواد (عراق) سے میں بچتا ہی رہوں۔"

(۱۹۸) حبیب بن ابی ثابت کہتے ہیں کہ ہم ابن عباسؓ کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے کہ ایک شخص نے ان سے دریافت کیا کہ میں سواد میں ہوتا ہوں تو "قبالہ" کا معاملہ کر لیتا ہوں۔ اور اس سے میرا مقصد دولت بڑھانا نہیں بلکہ اپنے اُوپر سے ظلم اور دباؤ کو ہٹانا ہوتا ہے؟ تب حضرت ابن عباسؓ نے اس کے سامنے یہ آیت کریمہ تلاوت کی:۔

قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ۔ (التوبہ: ۳۰)

اہلِ کتاب میں سے جو لوگ اللہ اور روزِ آخر پر ایمان نہیں لاتے۔ اور ان چیزوں کو جنہیں اللہ اور اس کے رسول نے حرام کیا ہے، حرام قرار نہیں دیتے، نہ وہ دین حق کی اطاعت قبول کرتے ہیں، تم ان سے اس وقت تک جنگ کرتے رہو تا آنکہ وہ ماتحتی قبول کرتے ہوئے خود آکر جزیہ ادا کریں۔

بعد ازاں انہوں نے کہا: ذلّت و محکومیت کا یہ قلادہ ان کی گردنوں سے نکال کر اپنی گردنوں میں نہ ڈال لو۔

(۱۹۹) ہمیں ابو معاویہ اور یزید نے اپنی سندوں سے بتایا کہ حضرت ابن مسعودؓ نے ایک زمیندار سے اس شرط پر زمین کا معاملہ کر لیا تھا کہ وہ (زمیندار) اس زمین کا جزیہ ادا کرتا رہے گا۔

ابو عبیدؒ:۔ ایک دوسری روایت میں عبداللہ سے مروی ہے کہ جس نے خراج قبول کر لیا تو اس نے ذلّت و محکومیّت قبول کر لی۔

خراجی زمین کرایہ پر لینے کا بیان

لہٰذا میرا خیال ہے کہ ابن مسعودؓ کی روایت میں معاملہ کر لینے سے مراد کرایہ پر لینا ہوگا۔ کیونکہ یہ ہو نہیں سکتا کہ زمین تو وہ خرید لیں اور اس کا جزیہ بیچنے والے پر رہے حالانکہ اس کی ملکیت سے زمین نکل چکی ہے۔ ایسے ہی الفاظ ایک اور روایت میں آئے ہیں:۔

(۲۰۰) قُرظی کہتے ہیں کہ اہل جزیہ کی زمینوں کا معاملہ[1] کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ یہاں بھی معاملہ کر لینے سے مراد کرایہ پر لینا ہے۔ یہی معنی ابوالزناد نے بھی بتائے ہیں۔

(۲۰۱) قبیصہ بن ذؤیب سے مروی ہے کہ جو بھی جزیہ کی ذمہ داری اپنے اوپر لے کر زمین کا معاملہ کرتا ہے اس پر ذلت و محکومی کے وہی احکام و احوال پلٹ آتے ہیں جو اہل کتاب کے لئے ہیں۔

(۲۰۲) ابوعبیداللہ مسلم بن مشکم کہتے ہیں کہ جس نے جزیہ ادا کرنے کی ذمہ داری اپنے اوپر لی تو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین سے براءت اختیار کر لی۔

(۲۰۳) عبداللہ بن عمرو بن العاص کہتے ہیں: "کیا میں تمہیں ایسے شخص کے بارے میں اطلاع نہ دوں جو اُلٹے پیروں واپس پلٹ گیا؟" یاد رکھو یہ وہ شخص ہے جو اسلام قبول کرنے کے بعد نہایت حسن و خوبی سے اسلام پر کاربند رہا۔ پھر ہجرت کی اور اس مرحلہ سے بھی نہایت عمدگی سے گذر گیا۔ پھر جہاد میں حصّہ لیا اور اس میں بھی کارہائے نمایاں انجام دئے لیکن یہ سب کچھ کر چکنے کے بعد پھر اس نے جزیہ کے ساتھ زمین کا بار اپنے اوپر ڈال لیا۔ تو یہی شخص ہے جو اُلٹے پیروں (کفر کی طرف) پلٹ گیا۔

عبداللہ بن عمرو سے دریافت کیا گیا کہ ہم میں سے ایک نبطی کے پاس جا کر اس کی زمین مع جزیہ کے اپنے ذمہ لے لیتا ہے، تو انہوں نے جواب دیا: "تم محکومیت اختیار کرتے ہو، اور جو چیز لیتے ہو اس سے افضل دیتے ہو۔"

(۲۰۴) میمون بن مہران کہتے ہیں "اگر مجھے صرف پانچ درہم خراج ادا کرنے پر باب الرُّھا سے حرّان[2] تک کی زمین مل جائے تو بھی مجھے اس سے خوشی نہ ہوگی۔"

---

[1] یہاں اور اس سے پہلے نمبر ۱۹۹ میں جہاں ہم نے معاملہ کرنے کے معنے کئے ہیں وہاں عربی میں لفظ "اشتراء" آیا ہے، جس کے عام معنے خریدنا ہیں لیکن کسی معاوضہ کے عوض معاملہ کر لینے کا مفہوم بھی اس میں پایا جاتا ہے۔ (مترجم) [2] رُھا اور حرّان موصل و شام کے درمیانی راستہ پر دو بستیوں کے نام ہیں اور اس زمانہ میں ان کی درمیانی مسافت ایک دن میں طے کی جاتی تھی۔ یہ بستیاں عراق کے الجزیرۃ (دجلہ و فرات کے درمیان سرسبز علاقہ) میں واقع ہیں۔

(۲۰۵) عیسیٰ بن المغیرۃ سے مروی ہے کہ شعبی سے خراج کی زمین خریدنے کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہا "میں یہ تو نہیں کہوں گا کہ یہ سود ہے لیکن میں اس کی اجازت بھی نہیں دوں گا۔

خراجی زمین کی خریداری کی کراہت کے اسباب

ابو عبیدؒ:- خراجی زمین کی خریداری کو مکروہ بتانے والی روایات متواتر ہیں۔ مکروہ سمجھنے والوں نے اسے دو وجوہ کی بناء پر مکروہ بتایا ہے۔ ایک تو یہ کہ ایسی زمین مسلمانوں کے لئے "فئے" ہوتی ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ خراج ذلت و محکومیت کا نام ہے، اور یہ دونوں باتیں حضرت عمرؓ کی ان دو روایتوں میں موجود ہیں جو ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔ پہلی بات حضرت عمرؓ کے اس قول میں ہے کہ تم میں سے کوئی اس ذلت و غلامی کو اپنے گلے کا ہار نہ بنائے جس سے اللہ تعالےٰ نے اسے نجات عطا کر دی ہے اور اس کی موافقت مذکورہ بالا روایات میں ابن مسعودؓ، ابن عباسؓ، عبداللہ، ابن عمرو قبیصہ بن ذؤیب، میمون بن مہران اور مسلم بن مشکم نے کی ہے۔ اور "فئے" کے بارے میں حضرت عمرؓ کا مسلک اس قول سے ظاہر ہو رہا ہے جو انہوں نے عتبہ بن فرقد سے زمین خریدنے پر کہا تھا کہ یہ لوگ (یعنی مہاجرین و انصار) اس زمین کے مالک ہیں۔ اور اس کی موافقت حضرت علیؓ بن ابی طالب نے اس طرح کی ہے:

(۲۰۶) ابو عون ثقفی کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ کے عہدِ خلافت میں ایک بڑا زمیندار مسلمان ہو گیا تو حضرت علیؓ نے اس سے کہا "جہاں تک تمہاری ذات کا تعلق ہے اب تم پر کوئی جزیہ واجب الادا نہیں رہا، البتہ تمہاری زمین ہماری ہو گئی۔

(۲۰۷) عنترہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے کہا "میرا ارادہ ہوا کہ میں اس سواد (عراق) کی اراضی (مسلمانوں میں) تقسیم کر دوں، تاکہ جب ان میں سے کوئی بستی میں جائے اور وہاں دن یا رات کا کھانا کھائے تو وہ کہہ سکے کہ یہ میری بستی ہے۔"

(۲۰۸) ثعلبہ بن یزید الحمانی کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ کو سواد (عراق) میں کسی بدنظمی اور فساد کی اطلاع ملی تو انہوں نے اعلان کیا کہ کون رضاکارانہ وہاں کا نظم برقرار رکھنے کے لئے

خود کو پیش کرتا ہے؟ اس پر تین سو رضا کاروں نے لبیک کہا، تب حضرت علیؓ نے کہا: "اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ لوگوں کو (زمین سیراب کرنے کے لئے) پانی سے محرومی ہو جائے گی تو میں سواد (عراق) کو ان کے درمیان تقسیم کر دیتا۔"

ابو عبیدؒ:۔ حضرت علیؓ ایک طرف تو اسلام لانے والے دہقان (بڑے زمیندار) سے کہہ رہے ہیں "تیری زمین ہماری ہے" اور دوسری طرف ان کی یہ رائے ہے کہ سواد (عراق) کی زمینیں تقسیم کر دی جائیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ اس علاقہ کو صرف مسلمانوں کے لئے "فئ" قرار دیتے تھے، اور دوسرے لوگوں کو اس میں شامل نہ کرتے تھے۔

(۲۰۹) مجھے یحییٰ بن بُکیر نے مالک بن انس کی بھی یہی رائے بتائی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ہر وہ علاقہ جو بقوت فتح ہو، مسلمانوں کے لئے "فئ" ہو جاتا ہے۔

خراجی اور صلحی زمین کے احکام میں فرق

اسی طرح مجھے انہی کے ذریعہ یا کسی اور ذریعہ سے مالک ہی سے یہ روایت پہنچی ہے کہ وہ لیث بن سعد کے مصری زمین میں عمل دخل کو ناپسند کرتے تھے۔

(۲۱۰) لیث کے مذکورہ بالا عمل دخل پر ابن لہیعہ، نافع بن یزید اور یحییٰ بن ایوب اور ان کے شیوخ بھی اعتراض کرتے تھے۔

ابو عبیدؒ:۔ لیث نے مصری زمینوں میں اس لئے عمل دخل رکھا تھا کہ ان کے نزدیک مصر صلحی علاقہ تھا، وہ یزید بن ابی حبیب سے اس بارے میں روایت بھی بیان کرتے تھے۔

(۲۱۱) نیز ان کی مصر کے بارے میں یہ رائے مجھے ابو صالح عبد اللہ بن صالح اور ابن ابی مریم نے بھی بتائی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ وہ مصری زمینوں میں عمل دخل جائز خیال کرتے تھے۔ اور دوسرے لوگ جو اسے ناپسند کرتے ہیں وہ اس لئے کہ ان کی رائے میں یہ علاقہ فوجی طاقت کے ذریعہ فتح ہوا تھا۔

ابو عبیدؒ:۔ ابو اسحٰق فزاری ثغر (شام کے سرحدی علاقوں) میں عمل دخل ناپسند کرتے تھے۔ اس لئے کہ وہ فوجی طاقت کے ذریعہ فتح ہوئے تھے۔ چنانچہ انہوں نے مرتے دم تک وہاں کوئی کھیتی باڑی (کاشت کے لئے زمین) نہ لی۔

(۲۱۲) مجھے اس بارے میں ان کی ناپسندیدگی کا علم محمد بن عبیہ اور دیگر ثغر کے باشندوں سے بھی ہوا ہے۔

یہ ہیں ان حضرات کی روایات جو بقوت مفتوحہ علاقہ کی زمینوں میں عمل دخل، ایسی صورت میں جبکہ اسے خراجی علاقہ بنا دیا جائے، ناپسند کرتے ہیں۔ اب رہ گئی صلحی زمین تو اس کا معاملہ بہت آسان ہے:

(۲۱۳) ابن سیرین کہتے ہیں:

"سواد (عراق) کے بعض علاقے فوجی قوت کے ذریعے حاصل کئے گئے اور بعض علاقے صلح کے ذریعہ، جو علاقے صلح کے ذریعہ حاصل ہوئے۔ وہاں کی زمینیں تو وہاں کے باشندوں ہی کی ملکیت رہیں، البتہ جو علاقے قوت کے ذریعہ فتح کئے گئے وہ مسلمانوں کے لئے "فئے" ہو گئے۔

ابو عبیدؒ:- ابن سیرین کا یہ کہنا کہ وہاں کے باشندوں ہی کی ملکیت رہیں، یہ بتا رہا ہے کہ ایسی زمینوں کے خرید لینے میں کوئی مضائقہ نہیں، لیکن جو "فئے" ہو گئیں ان کی خریداری مکروہ ہے۔ میرا خیال ہے کہ ابن سیرین صلح کے ذریعہ حاصل ہونے والی زمینوں سے "حیرہ"، "بانقیا" اور "الیس" کے علاقے مراد لے رہے ہیں۔ اور یہی (عراق) کے وہ علاقے ہیں جن کی خریداری کا جواز عبداللہ بن مغفلؓ سے مروی ہے:-

حیرہ، بانقیا اور الیس سواد عراق کے صلحی علاقے ہیں

(۲۱۴) عبداللہ بن مغفل سے روایت ہے کہ سواد عراق کی زمینوں میں سے حیرہ، بانقیا، اور الیس کے باشندوں کے سوا کسی سے زمین مت خریدو۔

ابو عبیدؒ:- حیرہ والوں سے تو حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ میں خالد بن الولیدؓ نے صلح کی تھی۔

بانقیا اور الیس والوں نے ابو عبید اور جریر بن عبداللہ کو اس پوشیدہ (دریائی) راستہ کی نشاندہی کی تھی جسے مسلمانوں کا لشکر عبور کر کے ملک ایران میں داخل ہوا تھا اور اس کے صدمیں وہاں کے باشندوں سے صلح ہوئی اور انہیں امان بخشی گئی۔ چنانچہ

اس بارے میں بہت سی روایات ہیں :۔

(۲۱۵) شعبی کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ نے خالد بن الولیدؓ کو "عراق" روانہ کیا اور انہیں حکم دیا کہ "حیرہ" پہنچ کر اپنا سفر ختم کریں۔ یہ پورا واقعہ طویل ہے۔

(۲۱۶) حُمید بن ہلال کہتے ہیں کہ جب خالد بن الولیدؓ نے سرزمین حیرہ میں پڑاؤ ڈالا تو وہاں کے باشندوں نے ان سے جنگ کے بغیر صلح کر لی۔

ابو عبیدؒ :۔ ایک دوسری روایت اس سے جُداگانہ مضمون پر مشتمل ہے۔

(۲۱۷) قیس سے روایت ہے کہ مسلمانوں نے اہلِ حیرہ سے اتنے اتنے درہم اور ایک پالان کے عوض صلح کی تھی۔ قیس سے پوچھا گیا کہ یہ پالان کا کیا قصہ ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ ہمارے ایک ساتھی کا پالان چلا گیا تھا، لہٰذا ہم نے ان لوگوں سے صلح میں یہ شرط بھی رکھی کہ وہ ہمارے اس ساتھی کو پالان دیں۔

یہ تو ہُوا "حیرہ" کا قصہ۔ اب ہم بانِقیا کے متعلق بتاتے ہیں۔

(۲۱۸) قیس بن ابی حازم سے روایت ہے کہ ابو عبید (بن مسعود) نے اپنے لشکریوں کی ایک جماعت کے ساتھ بانِقیا کا علاقہ عبور کر لیا تو مشرکوں نے پُل کاٹ دیا، ابو عبید کے کچھ آدمی مارے گئے۔ پھر اس کے بعد (ایرانی کمانڈر) مہران کے قتل کا معرکہ ہوا۔ اس معرکہ میں مسلمانوں کے لشکر میں خالد بن عُرفطہ، مثنیٰ بن حارثہ، جریر ابن عبداللہ تھے۔ قیس کہتے ہیں کہ اس موقع پر مشرک مسلمانوں کے پاس پُل پار کر کے آ گئے تھے۔ چنانچہ اس معرکہ میں ان کا (بڑا فوجی کمانڈر) مہران مارا گیا۔ یہ معرکہ "نُخیلہ" مقام کے پاس ہُوا تھا۔

(۲۱۹) اسماعیل اور ابو عمرو شیبانی راوی ہیں کہ :

مہران کے قتل کا معرکہ سال کے آغاز میں ہوا تھا اور قادسیہ کا معرکہ اسی سال کے آخر میں ہُوا تھا۔ اسماعیل کہتے ہیں کہ قیس بن ابی حازم کے قول کے مطابق رستم قادسیہ کی جنگ میں اٹھارہ ہاتھی لایا تھا۔ اس دن حضرت سعدؓ کو پیر میں زخم کی وجہ سے تکلیف تھی اور وہ میدان میں نہیں نکلے، اور ہم لوگوں نے مشرکین کو شکست دے دی تھی۔

ابو عبیدؒ :۔ یہ ہے بانِقیا والوں سے صلح اور امان بخشی کا واقعہ، یہاں

والوں نے پُل بنا کر دریا پار کرانے میں ابوعبید کی مدد کی تھی۔[۱]

اب رہ گیا اُلّیس والوں کا واقعہ سو وہ مجھے اس وقت یاد نہیں رہا۔

یہ تین ایسی زمینیں ہیں جن کی خریداری کی بعض فقہا جو فوجی قوت کے ذریعہ مفتوحہ علاقہ کی خریداری مکروہ سمجھتے ہیں ——— اجازت دیتے ہیں۔ ان میں عبداللہ بن مغفل اور محمد ابن سیرین شامل ہیں۔ ان دونوں کی روایات ہم درج کر چکے ہیں اسی طرح حسن ابن صالح سے بھی صلحی زمین کی خریداری کی اجازت اور بقوت فوج مفتوحہ علاقے کی زمین خریدنے کی کراہت مروی ہے اور یہی مالک بن انس کی رائے ہے۔

(۲۲۰) یحییٰ ابن عبداللہ بن بکیر راوی ہیں کہ مالک نے کہا: "وہ تمام علاقے جو صلح کے ذریعہ فتح کئے جائیں ان پر وہاں کے باشندے ہی قابض رہیں گے، اس لئے کہ وہ اپنی زمین کی حفاظت کرتے رہے تا آنکہ ان سے زمین کے سلسلہ میں صلح کی گئی۔ اور جو علاقے فوجی قوت کے ذریعہ قبضہ میں آئیں وہ مسلمانوں کے لئے "فئے" قرار پائیں گے۔

خراجی زمین میں عمل دخل کی رخصت

ابوعبیدؒ: باایں ہمہ خراجی زمین میں عمل دخل رکھنے کے بارے میں مستند اور قابل اقتداء ائمہ نے نرم رویہ اختیار کیا ہے، اور وہ بقوت یا بصلح مفتوحہ علاقہ میں کوئی فرق نہیں کرتے۔ اس رائے کے حامل صحابہ میں سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہیں۔ تابعین میں سے محمد بن سیرین اور عمر بن عبدالعزیز اور ہمارے علم کے مطابق یہی سفیان ثوری کی بھی رائے ہے۔

(۲۲۱) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر بار اور مال و دولت میں وسیع پیمانہ پر انہماک سے منع فرمایا۔[۲] پھر ابن مسعودؓ کہنے لگے "بتاؤ تو ان لوگوں کا کیا ہوگا جو راذان اور فلاں فلاں مختلف مقامات میں جائدادیں بناتے رہتے ہیں۔

۱۔ اصل کتاب میں یہاں ابوعبیدۃ ہے۔ ۲۔ ایک روایت میں رسول اللہؐ کے یہ الفاظ ہیں کہ جائداد مت بناؤ ورنہ تم دنیا میں رغبت کرو گے۔ دیکھئے کتاب الخراج یحییٰ بن آدم : ۸۰

ابو عبیدؒ:۔ میرا خیال ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ یہ بتا رہے ہیں کہ راذان میں خود ان کی جائداد ہے۔

تہائی یا چوتھائی پیداوار کے عوض زمین دے دینا

(۲۲۲) عبدالعزیز بن قریر، ابن سیرین کے متعلق بتاتے ہیں کہ ان کے پاس کچھ خراجی زمین تھی جسے وہ تہائی اور چوتھائی پیداوار کے عوض دے دیا کرتے تھے۔

(۲۲۳) نعیم بن عبداللہ سے روایت ہے کہ عمر بن عبدالعزیز نے انہیں کچھ زمین (سواد عراق کے علاقہ میں) اس کے جزیہ کی ادائیگی کی شرط کے ساتھ دی تھی۔

خراج اور جزیہ میں فرق

ابو عبیدؒ:۔ خراج کی زمین کا سودا کرنے کے بارے میں عمر بن عبدالعزیز کی تاویل یہ تھی کہ وہ جزیہ جو قرآن مجید کی آیت کریمہ:۔

حَتّٰی یُعْطُوا الْجِزْیَةَ عَنْ یَدٍ وَّھُمْ صٰغِرُوْنَ (التوبہ: ۲۹) — تاآنکہ وہ ماتحتی قبول کرتے ہوئے خود آکر جزیہ ادا کریں۔

میں آیا ہے انسانوں پر فی کس کے حساب سے عائد ہوتا ہے، زمین پہ عائد نہیں ہوتا، چنانچہ ہمیں ان سے یہ روایت ملی ہے:۔

(۲۲۴) لیث بن سعد کہتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز نے کہا: "جزیہ انسانوں پہ فی کس ہوتا ہے، زمین پر کوئی جزیہ نہیں ہوتا۔"

ابو عبیدؒ:۔ عمر بن عبدالعزیز کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ جزیہ کے علاقہ کی زمینوں میں عمل دخل اور معاملہ کرنے والا اس آیت کی زد میں نہیں آتا۔

خراجی زمین ذمیوں کی ملکیت ہے

اور سفیان ثوری کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: "جب امام فوجی طاقت کے ذریعہ مفتوحہ علاقہ پر وہاں کے باشندوں کو ہی بحال کر دے تو پھر وہی اس کے مالک ہو جاتے ہیں۔ وہ زمینیں مسرشہ میں انہی کے پاس رہیں گی اور اس کی فروخت کے حقوق بھی ان کے پاس ہی رہیں گے۔

ابو عبیدؒ:۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سفیان بھی ایسی زمین کی خریداری جائز خیال کرتے تھے۔

الغرض خراجی زمین کے متعلق شروع سے اب تک علماء میں اختلاف رہا ہے اور یہ سب کے سب علماء جلیل القدر ائمہ ہیں، لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کی خریداری کو مکروہ سمجھنے والوں کی اکثریت ہے اور ان کے پاس جو دلائل ہیں وہ زیادہ واضح اور قوی تر ہیں۔ واللہ اعلم۔

خراجی زمین کی خریداری اور اس پر عمل دخل کو جائز سمجھنے والوں کی ایک جماعت بطور دلیل حضرت عثمانؓ کا عمل پیش کرتی ہے کہ انہوں نے سواد (عراق) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہؓ کو قطعات اراضی عطا کئے تھے۔ اس کی تفصیل ہم انشاءاللہ کسی موقع پر آئندہ پیش کریں گے۔

خراجی علاقہ کی کاشت اور باغبانی کی زمینوں اور رہائشی زمینوں میں فرق

یہ ہیں کراہت و رخصت کے بارے میں مختلف علماء کے رجحانات، اور یہ اختلافات صرف ان زمینوں تک محدود رہے جن میں پیداوار ہوتی ہے اور جن پر خراج واجب ہوتا ہے۔ یعنی ایسی زمینیں جن میں کھیتیاں اور باغات ہیں۔ رہا ان رہائش گاہوں اور مکانات (کی زمینوں) کا معاملہ جو سواد (عراق) میں ہیں سو ہمارے علم میں کوئی بھی ایسا شخص نہیں جس نے ان کی خریداری، ان کی ملکیت یا ان میں رہائش کو مکروہ قرار دیا ہو۔

خود سرزمین کوفہ کو حضرت عمرؓ کے عہد میں ان کی اجازت سے قطعات میں تقسیم کیا گیا اور ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اکابر صحابہؓ نے اقامت کی جن میں حضرات سعد بن ابی وقاصؓ عبداللہ بن مسعودؓ، عمارؓ، حذیفہؓ، سلمانؓ، خبابؓ، ابو مسعودؓ وغیرہ شامل ہیں۔ پھر خود حضرت علیؓ اپنے ساتھیوں کو لے کر یہاں آئے اور اپنی خلافت کے پورے زمانہ تک یہاں مقیم رہے؛ ان کے بعد تابعین وہاں رہائش پذیر رہے، اور ہمیں کوئی ایسی اطلاع نہیں ملی جس سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ ان میں سے کسی نے وہاں کی اقامت کو شک کی نظر سے دیکھا ہو یا اس کے دل میں اس طرف سے کوئی کھٹکا ہوا ہو۔ اور یہی حال سواد (عراق) کے دیگر تمام علاقوں کا ہے اس بارے

میں لاتعداد روایات موجود ہیں اور مصر کی زمینوں کے لئے بھی وہی حکم ہے جو سواد (عراق) کی زمینوں کے لئے ہے ۔

(۲۲۵) یزید بن حبیب کہتے ہیں کہ جب عمرو بن العاص رض مصر میں داخل ہوئے تو ان کے ساتھ ساڑھے تین ہزار مجاہدین تھے ۔ حضرت عمر بن الخطاب رض نے ان کی کمزوری کی رعایت کرتے ہوئے ان کی طرف بارہ ہزار مجاہدین کی کمک زیر سرکردگی حضرت زبیر رض روانہ کردی ۔ چنانچہ حضرت زبیر رض ان کے پاس پہنچے اور مصر فتح کرنے میں ان کے ساتھ شریک رہے ۔ پھر مصر میں حضرت زبیر رض نے فسطاط و اسکندریہ میں زمین کے رہائشی قطعات تقسیم کئے ۔

بازاروں اور منڈیوں کے ٹھکانوں کا قاعدہ

ابو عبید رح :- یہ ہیں وہ روایات جو اراضی اور رہائشی مکانات کے سلسلہ میں ان لوگوں سے ہم تک پہنچی ہیں ۔ اب رہا بازاروں کے متعلق حکم ، سو وہ ان سب سے جداگانہ ہے ۔ اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل روایات ہیں :-

(۲۲۶) اصبغ بن نباتہ کہتے ہیں کہ میں حضرت علی رض کے ساتھ بازار میں نکلا تو انہوں نے دیکھا کہ منڈی والوں نے وہاں اپنی اپنی جگہیں مخصوص کر کے انہیں اپنی ملکیت بنا رکھا ہے ، اس پر حضرت علی رض نے پوچھا "یہ کیا ہے ؟" لوگوں نے جواب دیا "بازار والوں نے اپنی اپنی جگہیں خاص کر کے اپنی اپنی ملکیت بنا لی ہیں" اس پر حضرت علی رض نے فرمایا "ان لوگوں کو یہ حق نہیں پہنچتا ، مسلمانوں کی منڈی مسلمانوں کی مسجد کی طرح ہوتی ہے ، اور اس کا قاعدہ یہ ہے کہ جو وہاں پہلے پہنچ کر کسی جگہ پر قبضہ کر لے وہ جگہ اس دن بھر کے لئے اس کی رہے گی تا آنکہ وہ اسے چھوڑ دے ۔"

(۲۲۷) عبید بن نسطاس کہتے ہیں کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رض کے زمانہ میں ہمارا دستور یہ تھا کہ ہم صبح کو بازار پہنچتے ، اور وہاں جو جس جگہ بیٹھ جاتا رات تک وہی اس کا سب سے زیادہ حقدار رہتا ، پھر جب زیاد ہمارے ہاں متعین ہوئے تو انہوں نے یہ قانون بنا دیا کہ جو بازار میں جس جگہ بیٹھ جائے وہ جب تک بھی اس میں رہے اس جگہ کا زیادہ حقدار رہے ۔

(۲۲۸) ابوہریرہ رض سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : "جب کوئی

شخص اپنی بیٹھنے کی جگہ سے اُٹھ کر چلا جائے اور پھر وہاں واپس آجائے تو وہی اس جگہ کا زیادہ مستحق ہے۔"

(۲۲۹) حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے اس بات سے منع کیا کہ کوئی آدمی کسی دوسرے آدمی کے بیٹھنے کی جگہ پر اس کے اُٹھنے کے بعد، بیٹھے۔ آپؐ نے فرمایا کہ جب کوئی آدمی اپنی نشست گاہ سے اُٹھنے کے بعد پھر وہاں واپس آ جائے تو وہی اس کا زیادہ حقدار ہو گا۔

(۲۳۰) حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: "کوئی آدمی کسی آدمی کو اس کی نشست گاہ سے اُٹھا کر خود اس کی جگہ نہ بیٹھے۔ لیکن ہونا یہ چاہیئے کہ کھل کر بیٹھو اور کشادگی پیدا کرو۔"

باب

اگر فوجی قوت کے ذریعہ مفتوحہ خراجی زمین کا مالک اسلام قبول کرلے تو اس سے خراج کے ساتھ عشر بھی لیا جائے گا یا نہیں؟

خراجی زمین کے مسلم مالک سے خراج کے ساتھ عشر نہیں لیا جائیگا

(۲۳۱) طارق بن شہاب کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے نہرالملک کی اس زمیندار عورت کے بارے میں جو مسلمان ہوگئی تھی مجھے لکھا تھا کہ اس کی زمین اسے دے دو، وہ اس کا خراج ادا کرتی رہے گی۔

(۲۳۲) زبیر بن عدی سے روایت ہے کہ حضرت علیؓ کے عہدِ خلافت میں ایک زمیندار مسلمان ہوا تو حضرت علیؓ نے اس سے کہا: "اگر تو اپنی زمین پر کام کرتا رہے گا تو ہم (تجھ پر سے) تیرا جزیہ معاف کردیں گے۔ اور اگر تو اپنی زمین سے چلا جائے گا تو ہم اس زمین کے زیادہ حقدار ہوں گے۔

(۲۳۳) محمد بن عبیداللہ کہتے ہیں کہ ایک زمیندار اسلام لاکر حضرت علیؓ کی خدمت میں پہنچا تو حضرت علیؓ نے اس سے کہا: "اگر تم اپنی زمین میں رہو گے تو تم پر جو جزیہ ہے وہ ختم ہو جائے گا۔ اور اگر تم اپنی زمین سے چلے جاؤ گے تو ہم اس زمین کے زیادہ حق دار ہونگے۔

(۲۳۴) ابوعون محمد بن عبیداللہ ثقفی کہتے ہیں کہ ایک زمیندار اسلام قبول کرکے حضرت علیؓ کے پاس آیا۔ حضرت علیؓ نے اس سے کہا: "اب جہاں تک تمہاری ذات کا تعلق ہے تم پر تو کوئی جزیہ واجب نہیں رہا۔ البتہ تمہاری زمین ہمارے قبضہ میں آجائے گی۔"

ابو عبیدؒ:۔ ان روایات کی بنا پر فقہاء کی ایک جماعت نے یہ کہا ہے کہ خراجی زمین پر مسلمانوں سے عشر نہیں لیا جائے گا، اس لیئے کہ حضرات عمرؓ و علی رضؓ نے اسلام قبول کر لینے والے زمینداروں سے عشر ادا کرتے رہنے کی کوئی شرط نہیں کی تھی۔ چنانچہ یہی امام ابوحنیفہؒ اور ان کے ساتھیوں کا فتویٰ ہے۔

خراج کے ساتھ عُشر بھی واجب ہوگا

لیکن ہمارا خیال ہے کہ حضرات عمرؓ اور علی رضؓ کی روایات میں عُشر کا ذکر نہ ہونا اس امر کی دلیل نہیں ہے کہ اب ان سے عشر ختم ہو گیا۔ اس لئے کہ عشر تو صاحب نصاب مسلمانوں کی زمین پر ایک معلوم و مفروض حق ہے۔ اور کوئی ضروری نہیں کہ جب وہ زمینوں میں عمل دخل کرنے لگیں تو اس ادائے حق کی از سرِ نو تجدید کی جائے۔ چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب فرمایا:۔

"مَنْ اَحْیَا اَرْضًا مَیْتَۃً فَھِیَ لَہٗ" "جو بھی کسی مُردہ زمین کو کاشت کر کے اسے آباد کر لے تو وہ اسی کی ہو جائے گی۔"

تو آپ نے یہ شرط نہیں کی کہ وہ اس کا عشر بھی ادا کرتا رہے۔ کیا یہاں عشر کا ذکر نہ ہونے کی وجہ سے کسی کو یہ حق پہنچ سکتا ہے کہ وہ ایسی زمین کو عشر سے معاف قرار دے دے؟ اسی طرح آپؐ نے یا آپ کے بعد خلفاء نے جب بھی کسی کو کوئی قطعہ اراضی دیا تو ایسے موقع پر انہوں نے کبھی یہ شرط نہیں لگائی کہ الاٹی عشر ادا کرتا رہے۔ اور یہ اس لئے کہ ہر مسلمان خواہ عشر کا ذکر کیا جائے یا نہ کیا جائے جانتا ہے کہ اس کی زمین کے بارے میں اللہ کا حکم اور رسول اللہؐ کی سنت کیا ہے۔ دراصل خراج کی زمین کا حکم بھی ان دوسری زمینوں کی طرح ہے جسے مرد مسلم مالکان زمین سے کرایہ پر لیتا ہے اور پھر اس میں کاشت کرتا ہے، اور ہر ایک جانتا ہے کہ ایسی صورت میں کرایہ دار نہ صرف مالک کو زمین کا کرایہ دے گا، بلکہ اگر پیداوار کی آمدنی بقدر نصاب ہو جائے تو پیداوار کا عشر بھی نکالے گا۔

عشر اور خراج دو مستقل واجبات ہیں

عشر اور خراج دو جُداگانہ مستقل ٹیکس ہیں۔ یہ بات آپ پر اس تفصیل کے بعد

اُبھر کر سامنے آجائے گی کہ ان دونوں مدوں کی آمدنی کے مصارف الگ الگ ہیں۔ "خراج"

اور ان کے مصارف بھی جُداگانہ ہیں

کے مدسے فوجیوں کو تنخواہیں، اور (ان کے) اہل وعیال کو وظائف دیئے جاتے ہیں اور "عشر" صدقہ (زکوٰۃ) ہے جس کا مصرف ان آٹھ مدوں میں ہوگا جو مقرر ہیں۔ لہٰذا یہ ہو نہیں سکتا کہ دو مستقل حقوق میں سے ایک حق کی ادائیگی دوسرے حق سے معافی کا سبب بن جائے۔ تاہم ان ہر دو کو بیک وقت ادا کرنے کا بہت سے فاضل علماء وفقہا نے فتویٰ دیا ہے:۔

خراج کے ساتھ عشر دینے کے متعلق عمر بن عبدالعزیز کا فتویٰ

(۲۳۵) عمرو بن میمون بن مہران کہتے ہیں کہ میں نے عمر بن عبدالعزیز سے ایسے عربی یا مسلم کے بارے میں فتویٰ دریافت کیا جس کے قبضہ میں خراجی زمین ہو اور جب اس سے عُشر کا مطالبہ کیا جائے تو وہ یہ جواب دے کہ میں تو

خراج زمین کا ٹیکس ہے اور عشر پیداوار کی زکواۃ

خراج ادا کرتا ہوں (اور عشر میرے ذمہ واجب الادا نہیں) تو عمر بن عبدالعزیز نے کہا: "خراج تو زمین کا ٹیکس ہے اور عشر غلہ و پیداوار پہ واجب ہوگا۔

(۲۳۶) ابراہیم بن ابی عبلہ عُقیلی سے روایت ہے کہ عمر بن عبدالعزیز نے فلسطین پر اپنے عامل عبداللہ بن عوف (یا ابن ابی عوف[ل]) کو یہ تحریر بھیجی کہ جن مسلمانوں کے قبضہ میں جزیہ (خراج) کے ساتھ زمینیں ہیں تو اوّلاً ان سے زمین کا جزیہ (خراج) وصول کیا جائے۔ اور جزیہ کے بعد جو بچے اس پر زکوٰۃ لی جائے۔ ابن ابی عبلہ کہتے ہیں کہ خود میں بھی اسی مصیبت کا شکار ہو چکا ہوں اور مجھ سے یہ دونوں (ٹیکس) لئے جاتے رہے ہیں۔

خراج و عشر ملا کر لینے کی تائید میں علماء سنت کی رائے

(۲۳۷) معاویہ بن صالح راوی ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز نے کہا: "جو شخص جزیہ کے ساتھ زمین لے، تو جزیہ دینے پر اس سے پیداوار کا عُشر معاف نہیں ہوگا"۔

ل۔ یہ شک ابوعبید رح کو ہے۔

(۲۳۸) مغیرہ کہتے ہیں کہ اس پر خراج کے ساتھ عُشر بھی واجب ہوگا۔

(۲۳۹) مالک بن انس اور اوزاعی دونوں کی رائے بھی یہ تھی کہ ایسے شخص پر خراج کے ساتھ عُشر بھی واجب ہوگا۔

(۲۴۰) ابن بکیر نے بھی مالک سے یہی روایت کی ہے۔

(۲۴۱) ابن بکیر کہتے ہیں کہ لیث بن سعد عُشر واجب نہیں سمجھتے تھے، تاہم وہ خود اپنی زمین پر خراج کے ساتھ عشر بھی نکالتے تھے۔

(۲۴۲) قبیصہ کہتے ہیں کہ سفیان ایسی زمین لینے والے پر خراج کے ساتھ عشر بھی واجب خیال کرتے تھے۔

(۲۴۳) نُعیم بن حماد کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن مبارک کو بارہا مروان کے گھر والوں کو یہ حکم دیتے سُنا ہے کہ خراج کے ساتھ عشر بھی دیا کرو۔

ابوعبیدؒ:۔ یہی رائے ابن ابی لیلیٰ سے منقول ہے کہ وہ خراج کے ساتھ عشر کی ادائیگی ضروری قرار دیتے تھے۔ اور یہ سب حضرات (رحمہم اللہ تعالیٰ) سنت کے عالم تھے۔ البتہ ابن عباسؓ سے ایک روایت ایسی ہے جس کی رو سے خراج و عشر کو ملایا نہیں جا سکتا۔

(۲۴۴) عبیداللہ بن ابی جعفر کی روایت ہے کہ ابن عباسؓ نے کہا: "مجھے یہ اچھا معلوم نہیں ہوتا کہ کسی مسلمان سے بیک وقت واجب ہونے والا صدقہ (زکوٰۃ) اور کافر پر واجب ہونے والا جزیہ (دونوں) ملا کر لئے جائیں۔"

ابوعبیدؒ: میرے نزدیک ان کے اس قول کی توجیہ یہ ہے کہ وہ مسلمان کے لئے ناپسند کرتے تھے کہ وہ خراج کی زمین لے اور اس طرح اس پر دو واجبات (خراج اور عشر) عائد ہو جائیں۔ ان کی یہ ناپسندیدگی اس جواب سے ظاہر ہوتی ہے جو انہوں نے خراجی زمین میں عمل دخل کی بابت پوچھنے والے کو دیا تھا جس میں انہوں نے یہ آیت پڑھی:

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ	اہلِ کتاب میں سے جو نہ اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور نہ
وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ	روزِ آخر پر، نہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی حرام کردہ
مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ	چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں، اور نہ ہی وہ

دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ (التوبہ: ۲۹) — دین حق کی اطاعت کرتے ہیں۔ ان سے جنگ جاری رکھو تاوقتیکہ وہ محکوم بن کر خود جزیہ ادا کرنے لگیں۔

پھر انہوں نے کہا: "ایسا نہ کرو کہ اس (محکومیت کے قلادہ) کو ان کی گردنوں سے اُتار کر اپنی گردنوں میں ڈال لو۔" یہ روایت ہم پہلے بیان کر چکے ہیں (دیکھئے نمبر ۱۹۸)

(۲۴۵) عکرمہ نے بھی حضرت ابن عباسؓ سے یہ روایت کی ہے کہ وہ خراجی زمین خریدنے کو ناپسند کرتے تھے۔

ابو عبیدؒ:۔ حضرت ابن عباسؓ سے اس بارے میں یہی رائے مشہور ہے، اور ہمارے علم میں کوئی صحابیؓ اس رائے کا قائل نہیں کہ خراج اور عشر یکجا نہیں ہوگا، نہ ہمیں تابعین میں سے سوائے عکرمہ کے کوئی اس رائے کا مؤید ملا۔ عکرمہ کا یہ قول ایک خراسانی سے مروی ہے جس کی کنیت ابوالمنیب ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک حق وہی ہے جو اوّل الذکر علماء کا قول ہے۔

یہ تو ہوا اس خراجی زمین کے متعلق حکم جو مسلمان کے قبضہ میں ہو۔

عشری زمین کا حکم جو ذمی کے قبضہ میں ہو

اب رہا عشری زمین کا حکم جو ذمی کے قبضہ میں ہو۔ سو اس کے احکام جُداگانہ ہیں۔ اور اس ضمن میں چار اقوال مذکور ہیں:۔

(۱) عُشری زمین خراجی بن جائے گی

(۲۴۶) مجھ سے محمد نے ابو حنیفہؒ کا یہ قول روایت کیا کہ جب کوئی ذمّی عشری زمین خرید لے تو وہ زمین خراجی بن جاتی ہے۔ اور ابو یوسفؒ کا قول ہے کہ اس ذمی سے دُگنا عُشر (۱/۵) لیا جائے گا۔

ابو عبیدؒ:۔ اور مجھے اطلاع ملی ہے کہ یہی رائے خالد الحذاء اور اسمٰعیل بن ابی مسلم اور ایک تیسرے عالم کی بھی ہے۔ یعنی وہ بصرہ کی زمین پر ذمی سے عُشر کا دوچند (۱/۵) لیا کرتے تھے۔

(۲) عُشری رہے گی

لیکن سفیان بن سعید کہتے تھے کہ جہاں تک میرا گمان ہے اس

سے عُشر ہی لیا جائے گا۔

محمد بن حسن بھی سفیان کے ہم خیال ہیں۔

لیکن مالک بن انس کی رائے ان سب سے مختلف ہیں:۔

(۱۱۱) عُشری زمین پر ذمی سے کچھ نہیں لیا جائیگا

(۲۴۷) یحییٰ بن بُکیر نے مالک بن انس سے یہ روایت کی ہے کہ وہ عشری زمین پر ذمی سے کچھ لینے کے قائل نہ تھے، اس لئے کہ صدقہ تو مسلمانوں کے مال کی تطہیر و تزکیہ کے لئے مقرر کیا گیا ہے، لیکن مشرکین کی زمینوں یا ان کے مویشیوں پر کسی قسم کا صدقہ نہیں لیا جائے گا۔ ان سے محکومیت کے اعتراف کی وجہ سے فی کس جزیہ لیا جائے گا نیز تجارتی مال پر ٹیکس لیا جائے گا۔

(۱۱۲) اسلامی ریاست کو مالی نقصان پہنچنے کی وجہ سے ایسی زمین کسی مسلمان کو بیچ دینے کا حکم دیا جائے گا

(۲۴۸) بعض حضرات نے مالکؒ سے یہ رائے نقل کی ہے کہ ایسے ذمی پر عشر تو نہیں لگے گا۔ البتہ اسے حکم دیا جائے گا کہ وہ یہ عشری زمین (کسی مسلمان کو) بیچ دے، کیونکہ اس ذمی کے پاس رہنے سے صدقہ (اسلامی حکومت کی عشر کے ذریعہ آمدنی) ختم ہو جاتی ہے۔

(۲۴۹) حسن بن صالح سے بھی یہی مروی ہے کہ ایسے ذمی پر جو مسلمان سے عشری زمین خرید لے نہ عشر واجب ہوگا نہ خراج۔ اسی طرح جیسے وہ مسلمان کے مویشی خرید لیتا تو اس پر مویشیوں کے سلسلہ میں کوئی صدقہ عائد نہ ہوتا۔ اسی سے مشابہ رائے شریک بن عبداللہ سے بھی مروی ہے:۔

عُشری زمین ذمی کو کرایہ پر دی جائے تو نہ مسلمان عُشر ادا کرے گا نہ ذمی، نہ ہی ذمی خراج دے گا

(۲۵۰) اُنہوں نے کہا کہ ایسی صورت میں جبکہ کوئی ذمی مسلمان کی عشری زمین کرایہ پر لے تو نہ مسلمان زمین پر عشر دے گا اس لئے کہ غلہ دوسرا لے گا اور نہ ہی ذمی پر

کچھ واجب الادا ہوگا، نہ عشر نہ خراج - اس لئے کہ زمین اس کی ملکیت نہیں ہے۔

ابوعبیدؒ:- میرے خیال میں اس بارے میں مالک، حسن بن صالح اور شریک کی رائے زیادہ صحیح ہے - اس لئے کہ ذمی سے اس صورت میں کہ وہ زمین کا مالک ہو جائے خراج ساقط ہو جائے گا - اس لئے کہ خراج تو وہ ادا کرتا ہے جو دوسرے کی زمین پر کام کر رہا ہو - اس ضمن میں ہم پہلے بتا آئے ہیں کہ خراج کی حیثیت پیداوار اور کرایہ کی سی ہے - نیز اس ذمی سے عشر بھی ساقط ہو جائے گا اس لئے کہ کافر کی جائداد یا مویشیوں پر صدقہ (یا عشر) نہیں ہے - یہی صورت اس کی زمین پر ہوگی جو بہر حال اس کے مال کا ایک حصہ ہے۔

اسی مضمون کی روایات حسن اور ابراہیم سے بھی ہیں :-

ذمیوں پر جزیہ، خراج اور تجارتی مال پر چنگی کے علاوہ کچھ واجب الادا نہیں

(۲۵۱) حسن کہتے ہیں کہ ذمیوں کے مال پر ان سے صدقہ (و زکوٰۃ) نہیں لی جائے گی ان پر تو صرف جزیہ واجب الادا ہے۔

(۲۵۲) ابراہیم کہتے ہیں کہ اہلِ کتاب میں سے جو تجارت کرے گا اس سے صدقہ (زکوٰۃ یا ٹیکس) لیا جائے گا۔

(۲۵۳) **ابوعبیدؒ**:- اس کا مطلب یہ ہے کہ ذمیوں سے تجارت کے علاوہ کسی چیز پر مزید ٹیکس نہیں لیا جائے گا - ابن عباس رضؓ کی مندرجہ ذیل روایت کی تاویل بھی یہی ہے :-

ابراہیم بن سعد نے ابن عباس رضؓ سے دریافت کیا کہ ذمیوں کے اموال پر کتنا ٹیکس لیا جائے گا تو انہوں نے جواب دیا " ان کو معافی ہے"۔

ابوعبیدؒ:- مطلب یہ ہے کہ ذمیوں سے زکوٰۃ و صدقات معاف ہیں (ان سے صرف جزیہ لیا جائے گا) اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی طرح ہے (جو آپؐ نے مسلمانوں سے فرمایا)۔

(۲۵۴)[1] حضرت علیؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہم نے تم سے گھوڑوں اور غلاموں پر صدقہ معاف کر دیا ہے۔"

ابو عبیدؒ: یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کے اُڑا دینے کو معافی سے تعبیر فرمایا ہے، اسی طرح ابن عباسؓ نے معافی کے لفظ سے یہ مُراد لی ہے کہ ان ذمیوں سے صدقہ ساقط ہو جائے گا۔

حضرت معاویہؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے بعض ذمیوں کے بارے میں گفتگو کی اور ان سے خراج ہٹا دیا، اور عشر بھی ان سے نہ لیا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز سے بعض اہل سواد (عراق) کے بارے میں خط وکتابت کے ذریعہ یہ مطالبہ کیا گیا کہ انہیں عُشری بنا دیا جائے تو انہوں نے یہ مطالبہ تسلیم نہ کیا۔

مذکورہ بالا تمام روایات واضح کر رہی ہیں کہ ذمیوں کی زمین سے کسی قسم کا صدقہ نہیں لیا جائے گا۔

(۲۵۵) یزید بن ابی حبیب کہتے ہیں کہ حسن بن علیؓ نے حضرت معاویہؓ سے حفن[2] والوں کے بارے میں بات چیت کی تو انہوں نے حفن والوں سے جزیہ یا خراج ہٹا دیا۔

ابو عبیدؒ: یہاں جزیہ یا خراج سے مُراد زمین سے ادا ہونے والا خراج ہے نہ کہ فی کس ادا کیا جانے والا جزیہ، اس میں یہ مذکور نہیں کہ جب ان سے خراج معاف کر دیا تو عشر لگا دیا گیا تھا۔

خراجی زمین مسلمانوں کی فئے ہے

(۲۵۶) حُصَین کہتے ہیں کہ عبدالحمید بن عبدالرحمٰن نے عمر بن عبدالعزیز کو لکھا کہ سواد (عراق) کے مقیم باشندے خراج بند کروا کر اپنے اوپر صدقہ لگوانا چاہتے ہیں تو حضرت عمر بن عبدالعزیز نے انہیں تحریری جواب دیا: "میرے علم میں ایسی کوئی چیز نہیں جو اسلام کی تقویت کے لئے

ل۔ اصل کتاب میں یہ نمبر حدیث سے قبل ہے، اور نمبر کے ساتھ سند ہے حدیث نہیں ہے۔

۲۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند ابراہیم کی والدہ ماریہ قبطیہؓ کی مشہور بستی کا نام ہے جو مصر کے علاقہ صعید میں واقع ہے۔

کوئی ایسی کارروائی جس سے مسلمانوں کی فئے کو نقصان پہنچے جائز نہیں ہے

اس زمین سے زیادہ پائدار و مفید ہو جو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بطور "فئے" بخشی ہے، لہٰذا جس کا بھی گھر بار اس علاقہ میں ہو تو وہ اس زمین کے ہر جدول پر خراجی زمین کے مطابق رقم ادا کرے لیکن جس کا گھر بار وہاں نہ ہو تو وہ اس زمین کو وہاں کے نچلے طبقہ کے باشندوں کو واپس کر دے"۔

حصین کہتے ہیں کہ اس کلام کا مدعا یہ ہے کہ جس کے قبضہ میں خراجی زمین ہو اور وہ اس کا خراج ادا کرنے پر رضامند ہو تو فبہا ورنہ اسے وہ زمین وہاں کے اصلی باشندوں کو جو اس کا خراج ادا کرتے رہیں واپس کر دینا چاہیئے۔

ابو عبیدؒ۔ خراجی زمین کے بارے میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کا مذہب یہ تھا کہ وہ "فئے" ہے اور اسی لئے وہ وہاں کے باشندوں کو اسے فروخت کرنے سے منع کرتے تھے۔

(۲۵۷) میمون بن مہران کہتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز نے مجھے لکھا: "اما بعد! خراجی زمین والوں کو اپنے قبضہ کی زمین نہ بیچنے دو، اس لئے کہ وہ (ان کی زمین نہیں، بلکہ) مسلمانوں کی "فئے" بیچتے ہیں۔

(۲۵۸) سفیان بن ابی حمزہ سے روایت ہے کہ عمر بن عبدالعزیز نے لکھا: "ذمیوں کا کوئی آلہ و اوزار فروخت نہیں کیا جائے گا"۔

ابو عبیدؒ:۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اوزار ہی کمائی کا سبب ہیں جن کی وجہ سے وہ خراج ادا کرنے کے قابل ہو سکتے ہیں۔ اب اگر ان کے ہل وغیرہ کی قسم کے آلات جو کاشتکاری کے کام آتے ہیں فروخت ہو جائیں تو وہ بے کھیتی باڑی کے رہ جائیں گے اور خراج ادا نہ کر سکیں گے۔

باب
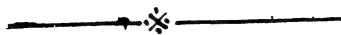
فوجی طاقت کے ذریعہ مفتوحہ علاقے اور مسلمانوں کے ملک میں ذمیوں کو کن امور کی اجازت اور کن کاموں کی ممانعت ہو گی

اسلام میں خصی کرنے اور نئے کنیسہ تعمیر کرنے کی اجازت نہیں

(۲۵۹) توبۃ بن النمر حضرمی، قاضیِ مصر، اپنی سند سے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: "اسلام میں خصی کرنے کی اور (تعمیر) کنیسہ کی اجازت نہیں ہے۔"

(۲۶۰) یزید بن ابی حبیب بواسطہ ابوالخیر روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا: "اسلام میں نہ (تعمیر) کنیسہ کی اجازت ہے نہ خصی کرنے کی۔"

(۲۶۱) مذکورہ بالا روایت ابوالخیر کے واسطہ کا ذکر کئے بغیر ابو حبیب نے حضرت عمرؓ سے کی ہے۔

(۲۶۲) اُبَیّ بن عبداللہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس عمر بن عبدالعزیز کا خط آیا جس میں لکھا تھا: "تم نہ کسی کنیسہ کو منہدم کرو نہ یہود کے معبد کو نہ آتش کدہ کو۔ نہ ہی کوئی نیا کنیسہ تعمیر ہونے دو، نہ یہود کا معبد، نہ آتش کدہ، نہ کسی چوپائے کے سر سے پھل (چھری وغیرہ کی دھار) تیز کرو۔ اور بغیر کسی عذر کے دو وقت کی نمازوں کو جمع (جمع بین الصلاتین) نہ کرو۔

(۲۶۳) قیس بن سعد کہتے ہیں کہ میں نے طاؤس کو یہ کہتے سُنا: "کسی خانۂ رحمت

کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ خانۂ عذاب کے نزدیک ہو۔"

ابوعبیدؒ:۔ ان کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ اسلامی مملکت میں مسجدوں کے ساتھ کنیسے، یہودی عبادت گاہیں اور آتش کدے نہیں ہونے چاہئیں۔

یہ تو وہ احکام ہیں جو کنیسوں، یہودی عبادت گاہوں اور آتش کدوں سے متعلق ہیں، ایسے ہی احکام (ممانعت) شراب اور خنزیر کے لئے بھی آئے ہیں:۔

غیر اسلامی معاشرت سے بچنا

(۲۶۴) ابوامامہ راوی ہیں کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے فرمایا: "گھڑسواروں کو تربیت دو۔ اور خبردار عجمیوں کے آداب و اخلاق سے بچتے رہنا، اسی طرح سوروں کے پڑوس میں نہ رہنا، اور ایسا بھی نہ ہو کہ تمہارے درمیان صلیب اُٹھائی جائے۔"

خنزیروں کو مار کر اُن کی قیمت منہا کردینا

(۲۶۵) لیث بن ابی سلیم کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے اسلامی ریاست کے صوبائی گورنروں کے نام یہ تحریری ہدایات جاری کیں کہ سوروں کو مار ڈالو اور جزیہ کی رقم سے ان کی قیمت منہا کردو۔

ابوعبیدؒ:۔ مذکورہ بالا روایتیں سوروں کے بارے میں آئی ہیں اب شراب کے متعلق سنیئے:۔

شراب کی تجارت پر شدید پابندی

(۲۶۶) ابوعمرو شیبانی کہتے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ کو اطلاع ملی کہ سواد (عراق) کے باشندوں میں سے ایک شخص شراب کی تجارت میں بڑا نفع کما کر امیر بن گیا تو انہوں نے لکھا: "اس کی ہر چیز جس تک تمہاری رسائی ہو توڑ ڈالو، اس کے تمام چوپایوں کو ہانک کر لے آؤ، اور دیکھو اس کی کسی چیز کو کوئی پناہ نہ دے۔"[1]

(۲۶۷) ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے قبیلہ ثقیف کے ایک شخص کے گھر میں شراب دیکھی تو اس (گھر) کو جلا ڈالنے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ جلا دیا گیا۔ اس شخص کا نام رُوَیشد

---

[1] حضرت عمرؓ کے اس عمل کی توجیہ نمبر ۲۷۹ کے تحت ابوعبید کے محاکمہ میں ملاحظہ فرمائیے۔

(راشد کی تصغیر) تھا۔ حضرت عمرؓ نے کہا: "تو فُوَیسق (فاسق کی تصغیر) ہے۔

(۲۶۸) ربیعہ بن زکاءؔ[۱] کہتے ہیں کہ حضرت علی بن ابی طالبؓ نے زُرارہ بستی پر نظر ڈال کر پوچھا: "یہ کون سی بستی ہے؟" لوگوں نے جواب دیا "یہ بستی زرارہ کہلاتی ہے، اور یہاں اوباش لوگ جمع ہو جاتے تھے۔ اور شراب فروخت ہوتی ہے۔ تو حضرت علیؓ نے کہا: اس کا راستہ کدھر سے ہے؟" لوگوں نے جواب دیا "پُل کے دروازہ سے"۔ ایک شخص نے کہا "یا امیرالمومنین ہم آپ کے لئے کشتی لے لیتے ہیں جس کے ذریعہ آپ دریا پار کر کے اس مقام تک پہنچ جائیں گے" حضرت علیؓ نے کہا "یہ تو بیگار ہو جائے گا، ہم بیگار نہیں لینا چاہتے، چلو ہمیں پُل کے دروازے پر لے چلو" چنانچہ وہ چلتے ہوئے اس بستی میں پہنچے اور کہا: "میرے پاس آگ لاؤ۔ اس بستی میں آگ لگا دو[۲] اس لئے کہ خبیث (چیز کے اجزاء آپس ہی میں) ایک دوسرے کو کھا لیتے ہیں۔ راوی کہتا ہے کہ اس بستی کے سروں تک آگ لگ گئی تا آنکہ خواستا بن جبرونا[۳] کے باغ تک آگ پہنچ گئی۔

ابو عبید:- یہ کچھ اہل سواد میں ہوتا تھا جو ذمی تھے، البتہ رُوَیشد اس سے مستثنیٰ ہے کیونکہ وہ مدینہ کے مسلمانوں میں سے تھا۔

غیر مسلموں پر یہ پابندیاں مسلم آبادی کی حدود تک محدود تھیں

اور یہ جو ذمیوں پر کنیسوں (یہود کی) عبادت گاہوں، آتشکدوں، صلیب خنزیر اور شراب کی پابندی لگائی ہے تو صرف ایسی صورت میں جبکہ وہ مسلم آبادی کے علاقوں میں ہوں، جس کی وضاحت حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت سے ہو رہی ہے:-

(۲۶۹) عکرمہ راوی ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ نے کہا: "جو شہر بھی عرب آباد کریں اس میں کسی ذمی کو معبد بنانے، شراب فروخت کرنے، سؤر پالنے، اور ناقوس (گھنٹہ) بجانے کا حق

[۱] - مروان بجائے "زکاء" کے "زکار" کہتے ہیں۔

[۲] - حضرت علیؓ کے اس عمل کی توجیہ نمبر ۲۶۹ کے تحت ابو عبید کے محاکمہ میں ملاحظہ فرمائیے۔

[۳] - یہ نام معجم البلدان میں "خواستا برجیرونا" ہے۔ دیکھئے جلد ۴: ۳۸۱

نہیں ہوگا، البتہ ان میں سے جو کچھ پہلے سے (وہاں موجود) ہو اس کے بارے میں مسلمانوں پر واجب ہے کہ اُن سے کئے ہوئے عہد کو وفا کریں۔"

عربوں کی آبادی کا مفہوم مسلم آبادی ہے

ابو عبیدؒ:- یہ جملہ کہ جو شہر بھی عرب آباد کریں کئی پہلو رکھتا ہے۔ اس میں وہ علاقے آجاتے ہیں جہاں کے باشندے اسلام قبول کرلیں مثلاً مدینہ منورہ، طائف، یمن۔ نیز اس میں وہ شہر بھی آجاتے ہیں جن کا پہلے وجود نہ تھا بلکہ مسلمانوں نے ہی وہاں کی زمینوں کو تقسیم کر کے وہاں اقامت اختیار کی مثلاً کوفہ، بصرہ اور اسی ضمن میں سرحدی علاقے بھی آتے ہیں۔ اس تعریف میں وہ علاقے بھی آجاتے ہیں جو مسلمانوں کی فوج قوت کے ذریعے فتح کرلے اور امام فتح کے بعد ان علاقوں کو وہاں کے اصل باشندوں کے حوالہ کردینا مناسب نہ خیال کرے بلکہ فاتحین میں اس علاقہ کو تقسیم کردے جیسے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ خیبر کے ساتھ معاملہ کیا تھا۔

رسول اللہؐ نے خیبر کا فیصلہ وقتی مصلحت کے تحت فرمایا تھا؟

یہ مسلمانوں کے ایسے علاقے قرار پائیں گے جن میں ذمیوں کو کسی قسم کی مراعات حاصل نہیں ہوں گی۔ یہ الگ بات ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے مفاد اور ان کی ضرورت کو مدِنظر رکھتے ہوئے خیبر کے یہود سے بٹائی پر معاملہ کرلیا تھا، لیکن جب حضرت عمرؓ کو ان کی ضرورت نہ رہی تو انہوں نے ان (یہودیوں) کو جلاوطن کردیا اور اس طرح خیبر کا علاقہ بھی دیگر مسلم آبادی کے علاقوں کی طرح ہوگیا۔

سرزمین عرب سے مشرکین کے اخراج کا حکم

تاہم یہ حکم ملک عرب کے شہروں تک محدود ہوگا، اور ہمارے خیال میں اس فیصلہ کی بناء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث پر ہے: "مشرکوں کو جزیرہ عرب سے باہر نکال دو۔" اس مضمون کی تائید مندرجہ ذیل روایات سے ہوتی ہے:

(۲۷۰) حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے جزیرہ عرب سے یہودیوں کو باہر نکالنے کا حکم دیا۔

(۲۷۱) حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں ضرور یہودیوں اور عیسائیوں کو جزیرہ عرب سے نکال باہر کروں گا، تاآنکہ یہاں مسلمان کے سوا کسی (دوسرے مذہب والے) کو نہیں چھوڑوں گا"۔ راوی کہتا ہے کہ پھر حضرت عمرؓ نے ان سب کو نکال دیا۔

جزیرہ عرب میں دو دین نہیں رہیں گے

(۲۷۲) ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے جزیرہ عرب سے مشرکین کو نکال باہر کیا اور کہا: "جزیرہ عرب میں دو دین یکجا جمع نہیں ہوں گے"۔ نیز حضرت عمرؓ نے وہاں آنے والے غیر مسلموں کے لئے صرف اس قدر مدت اقامت مقرر کی جس میں وہ اپنے تجارتی سامان کو فروخت کر سکیں۔

(۲۷۳) سالم بن ابی الجعد کہتے ہیں کہ نجران کے (عیسائی) باشندے حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے کہنے لگے: "آپ کی زبانی سفارش اور آپ کے ہاتھ کی تحریر[1] (ہمارے لئے کافی ہوگی)۔ حضرت عمرؓ نے ہمیں ہماری زمینوں سے باہر نکال دیا۔ اب آپ ہم پر احسان فرماکر پھر ہمیں واپس کر دیجئے"۔ حضرت علیؓ نے جواب دیا: "تمہارا برا ہو۔ حضرت عمرؓ نہایت صحیح اور حق فیصلے کرتے تھے۔ میں حضرت عمرؓ کے کئے ہوئے کاموں میں کوئی تبدیلی نہیں کروں گا"۔

(۲۷۴) اعمش کہتے ہیں کہ لوگ کہتے تھے: "اگر حضرت علیؓ کے دل میں حضرت عمرؓ کی طرف سے کوئی شکایت ہوتی تو وہ بالضرور اس موقع سے فائدہ اٹھاتے"۔

(۲۷۵) شعبی کہتے ہیں کہ جب حضرت علیؓ کوفہ میں آئے تو انہوں نے اعلان کیا کہ میں اس لئے نہیں آیا ہوں کہ حضرت عمرؓ کے نافذ کردہ قوانین منسوخ کروں۔

ابو عبیدؒ:۔ ہمارا خیال ہے کہ حضرت عمرؓ نے اہل نجران کی جلاوطنی کے لئے ——— جو صلح کے بعد مغلوب ہوئے تھے وجہ جواز ایک حدیث رسولؐ سے نکالی تھی جو خاص طور پر باشندگان نجران کے متعلق اس طرح ہے:۔

(۲۷۶) ابو عبیدۃ بن الجراحؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے جو آخری بات نکلی وہ یہ تھی: "یہود کو سرزمین حجاز سے باہر نکال دو اور نجرانیوں کو جزیرۂ عرب سے باہر نکال دو"۔

---

[1] ۔ فتوح البلدان میں ہے کہ انہوں نے حضرت علیؓ سے کہا ہم آپ کے داہنے ہاتھ کی لکھائی کا واسطہ دے کر آپ سے آپکے نبیؐ کی خدمت میں یہ سفارش چاہتے ہیں کہ آپ ہمیں اس تکلیف سے نجات دلائیں۔

دیس سے نکالنے کے لئے قانونی وجہ جواز ضروری تھا۔

ابو عبیدہؒ۔ اور ہم سمجھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے یہ بات اسی وقت کہی ہو گی جبکہ آپؐ نے ان میں بدعہدی کے آثار پائے ہوں گے یا معاہدۂ صلح کے برخلاف کوئی نئی روش دیکھی ہو گی اور اس کا ثبوت حضرت عمرؓ کے اس خط میں ملتا ہے جو انہوں نے نجرانیوں کو جلاوطن کرنے سے پہلے لکھا تھا:۔

(۲۷۷) ابن عون کہتے ہیں کہ محمد بن سیرین کے ایماء پر میں نے حضرت عمرؓ کا خط زیاد بن جبیر سے لے کر پڑھا۔ اس کی عبارت یہ تھی:۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ امیرالمومنین عمر کی جانب سے تمام اہلِ رُعاش کو یہ خط لکھا جا رہا ہے۔

سلام علیکم۔ میں تمہارے سامنے اس اللہ کی حمد کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

اما بعد، تم سمجھے ہو کہ تم مسلمان ہو، حالانکہ بعد میں تم لوگ مرتد ہو گئے۔ اب تم میں سے جو توبہ کر کے اپنی حالت درست کر لیتا ہے تو اسے اس کے ارتداد سے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا، اور ہم اس کے ساتھ خوش اسلوبی سے رہیں گے۔ لہٰذا تم ہوش میں آجاؤ اور ہلاکت میں نہ پڑو۔ تم میں سے جو اسلام قبول کرے گا اس کے لئے خوشخبری ہے لیکن جو نصرانیت ہی سے چمٹا رہنا چاہتا ہے تو وہ سن لے کہ رمضان کی بیس تاریخ کے بعد سے میں نجران کے عیسائیوں سے بری الذمہ ہوں۔

دوسری بات یہ کہ یعلیٰ نے مجھے عذر خواہی کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس نے تم میں سے کسی کو اسلام قبول کرنے کے لئے مجبور نہیں کیا نہ اس بات پر کسی قسم کی سزا دی۔ ہو سکتا ہے کہ کچھ دباؤ، جبر اور دھمکی دی ہو جو زبانی حد تک رہی اور ان میں سے کسی پر عمل دخل نہیں کیا گیا۔

میں نے یعلیٰ کو حکم دے دیا ہے کہ زمین میں تمہاری محنت سے جو پیداوار ہو اس کا

نصف حصہ لے لیا کرے، اور جب تک تم سدھار اور اصلاح کرتے رہو گے میں تم سے یہ نہیں چھینوں گا۔

مسلم علاقہ میں غیر اسلامی ادیان کی تبلیغ پر پابندی

ابو عبیدؒ:۔ یہ ہیں وہ علاقے جن کا تذکرہ ہم نے اس باب کے آغاز میں کیا ہے ان علاقوں میں نیز اسی قسم کے دیگر علاقے جنہیں مسلمان آباد کریں ان میں ذمیوں کو اپنے دین کی کسی قسم کی تبلیغ کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔

صلحی علاقہ میں شرائطِ صلح کی پابندی کی جائے گی

البتہ وہ علاقے جن پر صلح کے بعد قبضہ کیا گیا ہے ان میں اس صلح کے مطابق معاملہ رکھا جائے گا۔ جو ان سے کی گئی ہو، ان کا کوئی حق چھینا نہیں جائے گا۔ ابنِ عباسؓ کی روایت کا اول الذکر فقرہ :۔ "جو کچھ پہلے سے ہو اس کے بارے میں مسلمانوں پر واجب ہے کہ ان سے کئے ہوئے عہد کو وفا کریں"۔ یہی مطلب رکھتا ہے۔ (دیکھئے نمبر ۲۶۹)

صلح کے علاقوں میں ہجر، بحرین، اَیلہ، دُومۃ الجندل، اور اَذرُح شامل ہیں، یہ وہ بستیاں ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جزیہ ادا کرتی تھیں۔ ان کے ساتھ وہی اصول رکھا گیا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے طے کیا تھا، یہی طریقہ ان علاقوں کے ساتھ رہا جو آپ کے بعد صلح کے ذریعہ فتح ہوئے مثلاً بیت المقدس، جسے حضرت عمرؓ نے صلح کے ذریعہ فتح کیا۔ نیز دمشق، جسے خالد بن الولیدؓ نے صلح کے ذریعہ فتح کیا، اور اسی انداز پر شام کے تمام علاقے ــــ سوائے یزید بن ابی سفیان، شرحبیل بن حسنہ، ابوعبیدہ بن الجراحؓ اور خالد بن الولیدؓ کے ہاتھوں مفتوحہ علاقے ـــــ صلح کے ذریعہ مفتوحہ ہیں، اسی طرح جزیرۂ (فرات) کے بارے میں یہی منقول ہے کہ وہ سب کا سب بذریعہ صلح فتح ہوا تھا، اور ان سے معاہدۂ صلح عیاض بن غنم نے کیا تھا۔ یہی حال مصر کے قبطیوں کا ہے جن سے عمرو بن العاصؓ نے معاہدہ صلح کیا تھا نیز بلادِ خراسان کا، جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ تمام کا تمام یا اس کا بیشتر حصہ عبداللہ بن عامر بن کُریز کے

ہاتھوں بذریعہ صلح فتح ہوا تھا، اور اس کی آخری حد "مَرو الرّوذ" تھی۔ اور یہ حضرت عثمان رضؓ کے عہد کا واقعہ ہے۔ اس حد کے آگے کے علاقے بعد میں سعید بن عثمان بن عفان، مہلّب بن ابی صُفرہ اور قُتیبہ بن مسلم وغیرہم کے ہاتھوں فتح ہوئے۔

وہ اسلامی مفتوحہ علاقے جہاں اُن کے اصلی باشندوں کو آباد رہنے دیا جائے صلحی علاقہ کی طرح ہوں گے

ابو عبیدؒ:۔ ان علاقوں کے باشندوں سے شرائط صلح کے مطابق معاملہ رکھا جائے گا۔ اور ان سے طے کردہ شرائط میں کسی قسم کی خلاف ورزی نہیں کی جائے گی۔ یہی حال ان علاقوں کا ہوگا جو فوجی قوت کے ذریعہ فتح کئے جائیں۔ پھر امام کی رائے یہ ہو کہ ان علاقوں میں وہاں کے اصلی باشندوں کو بحال اور انہیں ان کی ضمانت و ذمہ داری اور ان کے دین پر ہی باقی رہنے دیا جائے جیسے حضرت عمرؓ نے سواد (عراق) والوں کے ساتھ معاملہ کیا تھا۔ جس کا علاقہ فوجی قوت کے ذریعہ حضرت سعدؓ کے ہاتھوں فتح ہوا تھا۔ اسی طرح ملک شام کا تمام علاقہ، ماسوا یزید بن ابی سفیان، شرجبیل بن حسنہ، ابو عبیدۃ بن الجراحؓ، اور خالد بن الولیدؓ کے ہاتھوں فتح ہونے والے علاقہ کے فوجی قوت سے مفتوحہ ہے۔ اسی طرح معرکہ جلولاء میں الجبل کا علاقہ، نیز سعد بن ابی وقاصؓ اور نعمان بن مقرّنؓ کے ہاتھوں نہاوند کا علاقہ اور ابو موسیٰ اشعریؓ، عثمان بن ابی العاصؓ، عتبہ بن غزوانؓ اور دیگر صحابہ کرام کے ہاتھوں اہواز یا اس کا بیشتر حصہ نیز ملک فارس، اور عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے ہاتھوں مغرب (افریقہ) کا علاقہ، فوجی قوت کے ذریعہ مفتوحہ علاقے ہیں۔

(۲۷۸) ریاح کہتے ہیں کہ مغرب کا تمام علاقہ فوجی طاقت کے ذریعہ فتح ہوا۔

ابو عبیدؒ:۔ اور اسی طرح ثغور (شام کے سرحدی علاقے)

(۲۷۹) عبدالرحمٰن بن ابی العصماء خثعمی جو فتح قیساریہ میں شریک تھے کہتے ہیں کہ امیر معاویہ نے کچھ مہینہ کم سات سال تک قیساریہ کا محاصرہ کرنے کے بعد اسے فتح کیا تو حضرت عمر بن الخطابؓ کو اس فتح کی خبر بھیجی، چنانچہ حضرت عمرؓ نے کھڑے ہوکر لوگوں میں اعلان کیا کہ لوگو! قیساریہ فوجی دباؤ ڈالنے اور قوت صرف کرنے کے بعد فتح ہوگیا۔

ابوعبید:- یہ فوجی قوت کے ذریعہ ایسے مفتوحہ علاقے ہیں جہاں ان کے قدیم باشندوں کو ان کے ادیان ومذاہب اور شرائع ومراسم کی آزادی کے ساتھ بحال کر دیا گیا تھا۔ ان میں سے ہر ایک کی تاریخ اور خبریں ہیں جنہیں اپنی معلومات کے مطابق ہم پیش کریں گے۔ ان شاء اللہ۔

ذمیوں پر سختی کی وجہ

حضرت عمرؓ نے جو شراب کی تجارت سے امیر بننے والے کے مویشی ضبط اور سامان توڑ پھوڑ ڈالنے کا حکم دیا تھا۔ (دیکھئے نمبر ۲۶۶)۔ اور حضرت علیؓ نے اہلِ زرارہ کو ان کی بستی میں آگ لگا کر جو سزا دی تھی۔ (دیکھئے نمبر ۲۶۸)۔ باوجودیکہ یہ ان لوگوں میں سے تھے جنہیں ان کے دین وملت کی آزادی کے ساتھ بحال رکھا تھا تو ہماری نظر میں اس کی توجیہ یہ ہے کہ ان دونوں حضرات نے جو شرائط ان لوگوں سے کی تھیں ان میں ان لوگوں کو شراب نوشی کی تو اجازت تھی لیکن شراب کی تجارت اور اسے ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ میں لے جانے کی اجازت نہ تھی۔ اور یہ بات عمر بن عبدالعزیز کی اس روایت میں واضح طور پر نظر آ رہی ہے؟۔

(**۲۸۰**) مثنیٰ بن سعید کہتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز نے اپنے کوفہ کے عامل عبدالحمید بن عبدالرحمٰن کو لکھا: "شراب ایک بستی سے دوسری بستی میں نہ منتقل کی جائے۔ اور تمہیں جو شراب کشتیوں پر لدی ہوئی ملے اسے سرکہ میں تبدیل کردو۔ چنانچہ عبدالحمید نے یہ حکم اپنے واسط کے نمائندہ محمد بن المنتشر کو لکھ بھیجا۔ انہوں نے خود پہنچ کر کشتیوں کا معائنہ کیا اور ہر شراب کے ڈرم میں نمک اور پانی ڈال کر اسے سرکہ بنا دیا۔

ابوعبید:- حضرت عمرؓ نے ان کی شراب نوشی بند نہ کی اس لئے کہ شرائط صلح میں یہ بھی ایک شرط تھی۔ لیکن انہوں نے شراب کی تجارت اور اسے ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ میں لے جانے پر پابندی عائد کر دی۔

مسلم اور ذمی کے مال میں فرق
شراب کا سرکہ بنا لینا

ہمارا خیال ہے کہ انہوں نے شراب زمین پر گرا کر تلف کر دینے کے بجائے اسے سرکہ بنا لینے کا حکم اس لئے دیا کہ وہ ذمیوں کے مال کا ایک حصہ تھی۔ اگر وہ مسلمانوں کا مال ہوتا تو سوائے زمین پر انڈیل دینے کے اس کے لئے

کوئی دوسری شکل جائز نہ ہوتی۔ یہی حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور آپؐ کے صحابہ رضؓ سے مروی ہے :۔

(۲۸۱)۔ ابراہیم کہتے ہیں کہ ایک آدمی یتیموں کے مال سے تجارت کرتا تھا۔ چنانچہ اس نے اس مال سے شراب خرید لی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کہا " اسے زمین پر انڈیل دو "۔ اس شخص نے کہا " یہ تو یتیموں کا مال ہے "۔ آپؐ نے فرمایا " اسے زمین پر انڈیل دو "۔ چنانچہ اس نے وہ شراب انڈیل دی جو (خاصی مقدار ہونے کی وجہ سے) وادی میں بہ گئی۔

ابوعبیدؒ :۔ اگر مسلم کی شراب کا سرکہ بنا کر اس سے فائدہ اٹھانا جائز ہوتا تو یتیم کے مال میں ضرور اجازت مل جاتی۔ اس بارے میں ایک اور حدیث بھی ہے۔

(۲۸۲)۔ انس بن مالک رضؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کیا شراب کا سرکہ بنایا جا سکتا ہے ؟۔ تو آپؐ نے فرمایا : " نہیں "۔

(۲۸۳)۔ حسن کہتے ہیں کہ عثمان بن ابی العاص نے ایک شخص کو تجارت کے لئے مال دیا۔ اس نے جا کر اس مال کی شراب خرید لی۔ پھر بہت نفع لے کر آیا اور عثمان کو بتایا کہ اس نے بڑے نفع کا سودا کر لیا ہے۔ عثمان نے پوچھا " وہ کونسا سودا ہے ؟ "۔ اس نے کہا " شراب "۔ تب عثمان چل کر ساحلِ دریا پر جا بیٹھے اور اس شخص کو تمام شراب لانے کا حکم دیا اور وہ شراب دریائے دجلہ میں پھنکوا دی۔ اس پر ان سے کہا گیا : " آپ اس کا سرکہ کیوں نہیں بنا لیتے ؟ " تو انہوں نے کہا " نہیں " اور پھر حکم دیا اور سب شراب پھینک دی گئی۔

(۲۸۴) حسن سے ایسے شخص کے بارے میں فتویٰ پوچھا گیا جسے میراث میں شراب ملی ہو کیا وہ اس کا سرکہ بنا سکتا ہے ؟ " تو انہوں نے اسے ناپسند اور مکروہ قرار دیا۔ اُنہوں نے کہا " ہمیں یہ ناپسند ہے کہ حرام کو حلال یا حلال کو حرام بنائیں "۔

(۲۸۵) عطاء ایسے شخص کے بارے میں جسے میراث میں شراب ملی ہو کہتے ہیں کہ وہ اسے پھینک دے۔ ان سے کہا گیا کہ اگر اس نے اس شراب میں پانی ملا لیا ہو اور وہ سرکہ میں تبدیل ہو چکی ہو ؟ " انہوں نے جواب دیا " اگر سرکہ بن چکی ہو تو وہ اسے بیچ دے "۔

(۲۸۶) مجاہد کہتے ہیں کہ ایک شخص کو میراث میں چاندی کے بُت، شراب اور سؤر ملے۔ تو اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے صحابہؓ کی ایک جماعت سے اس بارے میں فتویٰ پوچھا۔ تو انہوں نے کہا: "بُتوں کو توڑ کر چاندی بنا لو۔ لیکن اُنہوں نے شراب اور سؤروں کی قیمت لینے سے اسے منع کر دیا۔"

بُتوں کی چاندی سے استفادہ لیکن شراب اور سوروں کی قیمت حرام

ابو عبیدؒ:۔ یہی عمل حضرت عمرؓ نے رُویشد ثقفی کے مال کے ساتھ اس کا گھر جلا کر کیا اور اُنہوں نے اسے یہ اجازت نہ دی کہ وہ اس کو سرکہ میں تبدیل کر لے۔

(۲۸۷) ابن عُمرؓ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ثقیف قبیلہ کے ایک شخص کے گھر میں شراب پائی تو اس گھر میں آگ لگانے کا حکم دے دیا۔ چنانچہ وہ جلا دیا گیا۔ اس شخص کا نام رُویشد تھا تو حضرت عمرؓ نے کہا "تم تو فُویسق" ہو۔ (دیکھئے نمبر ۲۶۷)

ابو عبیدؒ:۔ ہمیں کوئی صحابیؓ یا تابعی ایسا نہیں ملتا جو شراب کو سرکہ میں تبدیل کر لینے کی اجازت دیتا ہو، یا اس بارے میں وہ کسی حیلہ یا چالبازی کی تلقین کرتا ہو۔ حضرت عمرؓ سے اس باب میں ممانعت و کراہت مروی ہے۔

(۲۸۸) اسلم کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ بن الخطاب نے کہا: "وہ سرکہ نہ استعمال کرو جو شراب کو (مصنوعی طور پر) بگاڑ کر بنایا جائے۔ البتہ قدرتی طور پر شراب سے بنا ہوا سرکہ استعمال میں لاؤ۔ نیز اگر کوئی شخص اہلِ کتاب کے پاس سرکہ دیکھے اور اسے معلوم نہ ہو کہ انہوں نے مصنوعی طور پر اسے بنایا ہے تو اس کے خرید لینے میں کوئی حرج نہیں (ہاں اگر یہ معلوم ہو جائے کہ اہلِ کتاب نے عمداً شراب کو بگاڑ کر سرکہ بنا لیا ہے تو اس سے احتراز کرنا چاہیئے)۔

(۲۸۹) سعید کہتے ہیں کہ کھجور کے سرکہ کے متعلق بھی عبد اللہ ابن المبارک کی یہی رائے تھی۔

ابو عبیدؒ:۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی حدیث سے اس کی کراہت ملتی ہے اور یہ ایک واضح ثبوت ہے۔

(۲۹۰) عبداللہ بن دیلمیؒ کہتے ہیں کہ ان کے باپ نے یا دیلم کے کسی باشندہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے کہا: "یا رسول اللہؐ! ہم جہاں سے نکلے ہیں آپؐ کو اس کا علم ہے اور جن لوگوں میں اُترے ہیں اسے بھی آپؐ جانتے ہیں اب فرمائیے کہ ہمارا ولی کون ہے؟" آپؐ نے فرمایا: "اللہ اور اس کا رسول"۔ اس نے کہا "یا رسول اللہؐ! ہم لوگ انگور کے باغات کے مالک اور شراب کا کاروبار کرنے والے تھے، اللہ تعالیٰ نے شراب حرام کر دی ہے تو اب ہم انگور کے باغات کا کیا کریں؟" آپؐ نے فرمایا: "انگور خشک کر کے ان کے کشمش (منقّے) بنا لو"۔ وہ بولے "کشمش اور منقّے کس کام میں لائیں؟" آپؐ نے فرمایا "انہیں مشکوں کے اندر پانی میں بھگو لو۔ دوپہر کو بھگو کر شام کو کھانے کے ساتھ پی لو۔ شام کو بھگو کر صبح کھانے کے ساتھ پی لو۔ اگر یہ کشمش (منقّے) کا پانی چوبیس گھنٹے رہ جائے گا تو شراب بننے سے پہلے سرکہ بن جائے گا۔

ابوعبیدؒ:۔ ملاحظہ فرمائیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کس طرح حلال چیز کے تبدیل ہو کر حلال بننے پر کفایت کر رہے ہیں اور ان دو حلال چیزوں کے درمیان جو حرام شئے ہے اس سے اعراض فرما رہے ہیں۔

(۲۹۱) ام خداش کہتی ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شراب سے بنے ہوئے سرکہ سے روٹی کھاتے ہوئے دیکھا۔

ابوعبیدؒ:۔ اس روایت سے بعض لوگوں نے یہ ثبوت فراہم کیا ہے کہ وہ (سرکہ) شراب تھا جو تبدیل ہو کر سرکہ بن گیا تھا۔ لیکن اس روایت میں ان کے دعویٰ پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ کیا کسی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ حضرت علیؓ کی اس روایت کا جبکہ وہ مبہم ہے رسول اللہؐ کی سنت سے الگ ہٹ کر کوئی مفہوم پیدا کر لے۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی سنّت اس بارے میں یہی ہے کہ آپؐ نے صرف اس صورت میں اجازت دی جبکہ وہ حرام بننے سے پہلے سرکہ بن جائے۔ یا پھر حضرت عمرؓ کا طریق کار حجت ہو سکتا ہے۔ جن کا قول ہے کہ اہلِ کتاب سے سرکہ خرید لینے میں کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ یہ نہ معلوم ہو کہ انہوں نے قصداً شراب بگاڑ کر سرکہ بنا لیا ہے۔ اور ہمارا خیال ہے کہ اسی بناء پر ابن سیرینؒ "شراب کے سرکہ" کا لفظ نہیں

ف۱۵۔ عبداللہ بن دیلمی ہمارے نزدیک ایک عربی باشندے ہیں، چھوٹی عمر میں دیلم میں جا بسنے کی وجہ سے وہ دیلمی کہلائے۔ (ابوعبید)

استعمال کرتے تھے۔

(۲۹۲) ابن عون کہتے ہیں کہ ابن سیرین (ایسے) سرکہ کو "شراب کا سرکہ" نہیں کہتے تھے بلکہ "انگور کا سرکہ" کہتے تھے اور اسے کھا لیا کرتے تھے۔

ابوعبیدؒ:۔ مطلب یہ ہے کہ ان کے نزدیک وہ انگور کا رس ہے۔ جو تبدیل ہو کر سرکہ کی شکل اختیار کر گیا ہے۔

ایسی ہی روایت مجھے ابواسحٰق فزاری کے متعلق ملی ہے کہ وہ ثغر (سرحدی علاقہ) میں ان لوگوں کو جو انگور کے رس سے سرکہ بنانا چاہتے تھے یہ حکم دیتے تھے کہ رس نکالتے وقت ہی اس (رس) میں تھوڑا سرکہ ملا دیا کرو۔ اس طرح سرکہ کی ترشی رس میں ایسا اثر کرتی ہے کہ وہ جوش مارنے سے قبل ہی سرکہ میں تبدیل ہو جاتا ہے اور شراب کبھی نہیں بنتا۔ صالحین یہ عمل اس لئے کرتے تھے کہ شراب سے کسی قسم کا بھی فائدہ حاصل کرنے سے بچے رہیں خواہ ایک مرتبہ ہی اس پر شراب کا اطلاق ہو اور بعد میں وہ سرکہ کی شکل اختیار کرلے۔

ہمیں سوائے حارث عُکلی کے اسلاف میں سے کسی کے بارے میں یہ اطلاع نہیں ملی کہ اس نے کسی مسلمان کو شراب سے سرکہ بنا لینے کا فتویٰ یا اجازت دی ہو۔

(۲۹۳) شُبرمہ راوی ہیں کہ حارث عُکلی نے اس شخص کے بارے میں جس نے میراث میں شراب پائی تھی، کہا تھا "وہ اس میں نمک ڈال لے تاکہ وہ سرکہ بن جائے۔"

ابوعبیدؒ:۔ کہاں یہ روایت اور کہاں ہمارے مذکورہ مستند آثار؟۔ البتہ مُرّیٰ کے سلسلہ میں ابوالدرداء کی روایت اس سے جداگانہ ہے:۔

(۲۹۴) جُبیر بن نُفیر کہتے ہیں کہ ابوالدرداء نے کہا: "مُرّی میں کوئی مضائقہ نہیں اس لئے کہ اسے دھوپ، نمک اور مچھلیاں بے جان کر دیتی ہیں۔"

ابوعبیدؒ:۔ یہ (مُرّی) ایک چیز تھی جو انگور کے رس سے شامی اہلِ کتاب بنا لیا کرتے تھے اور اسے مرّی کی شکل میں مسلمان خرید لیتے تھے۔ وہ (مسلمان) یہ نہیں جانتے کہ قبل ازیں وہ کس صورت میں تھی۔ جیسے کہ حضرت عمرؓ نے کہا تھا: "اگر کسی کو اہلِ کتاب کا سرکہ ملے تو

۵ؔ۔ مری کے متعلق ابوعبیدہ کی شرح نمبر ۲۹۴ کے تحت دیکھئے۔

اس کے خرید لینے میں کوئی حرج نہیں تاوقتیکہ اسے یہ نہ معلوم ہو جائے کہ انہوں نے شراب کو قصداً بگاڑ کر سرکہ بنا لیا ہے۔" حضرت عمرؓ کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ انہوں نے اس سودے کو اہلِ کتاب سے کرنے کی اجازت دی ہے مسلمانوں سے نہیں۔

اسی طرح عمر بن عبدالعزیز کے اس عامل نے کیا تھا جس کا تذکرہ ہم پہلے کر آئے ہیں (دیکھئے نمبر ۲۸۰) کہ انہوں نے اہلِ سواد (عراق) کی شراب میں پانی ملا دیا۔ یاد رہے وہ شراب ذمیوں کی تھی۔ اگر مسلمانوں کی شراب ہوتی تو (اسے تلف کرنے کے سوا) اس سے کچھ بھی فائدہ اُٹھانا جائز نہ ہوتا۔

باب

فوجی قوّت کے ذریعہ مفتوحہ علاقوں کے (باشندوں) قیدیوں، غلاموں اور لونڈیوں کے بارے میں حکم

احسان کرتے ہوئے یا فدیہ کے عوض چھوڑ دینا یا قتل کر ڈالنا

(۲۹۵) ابو عبیدؒ: مشرک قیدیوں کے بارے میں ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی احادیث سے جو احکام ملتے ہیں ان کی رُو سے تین صورتیں ہوتی ہیں (۱) احسان کرتے ہوئے چھوڑ دینا (۲) معاوضہ (فدیہ) لے کر چھوڑ دینا (۳) قتل کر ڈالنا۔ اور یہ ہر سہ احکام قرآن مجید میں موجود ہیں:۔

احسان کرتے ہوئے یا فدیہ لے کر چھوڑنے کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے :۔

فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً حَتَّىٰ تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا: (محمدؐ: ۴) — پھر یا تو احسان کرتے ہوئے چھوڑ دو یا فدیہ لے کر، تا آنکہ جنگ اپنے اسلحہ ڈال دے (یعنی ختم ہو جائے)

قتل کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے :۔

فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ (التوبہ: ۵) — جہاں کہیں بھی تم مشرکین کو پا لو انہیں قتل کر ڈالو۔

اور ان میں سے ہر ایک کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کا عمل موجود ہے۔

(۱) احسان کے حکم پر حضورؐ کا عمل اہلِ مکّہ کے ساتھ آپؐ کا سلوک

احسان کی صورت وہ ہے جو آپؐ نے مکّہ والوں کے ساتھ کی۔ اس کا قصّہ فتح مکّہ کی کیفیت کے ساتھ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے کسی (پُرامن) باشندہ کو نہ تو جانی گزند پہنچایا نہ مالی۔ بلکہ آپؐ کے منادی نے یہ اعلان کر دیا "خبردار! کوئی کسی زخمی کو جان سے نہ مار ڈالے، اور دیکھو جو پیٹھ دکھا کر بھاگ رہا ہو اس کا تعاقب نہ کیا جائے۔ نہ کسی قیدی کو قتل کیا جائے۔ اور جو اندر سے اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے اس نے امن پا لیا۔"

ابو عبیدؒ:۔ ایسی روایت ہمیں عبید اللہ بن عتبہ سے پہنچی ہے۔

استثناء (۲۹۶) چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار آدمیوں کے سوا تمام لوگوں کو امان بخش دی۔ اور وہ چار یہ ہیں۔ ابن خَطَل، ابن ابی سَرح، سارَہ جو حاطب کا خط مکہ والوں کے پاس لے گئی تھی۔ اور میرا خیال ہے کہ چوتھا مقیس بن صُبابہ ہے[1]

ان میں سے ہر ایک کا قصہ ہے۔

---

[1] فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہؐ نے اپنے سپہ سالاروں کو مکہ میں داخل ہوتے وقت یہ ہدایات دی تھیں کہ وہ صرف اسی سے لڑیں جو ان سے برسرپیکار ہو جائے۔ نیز آپؐ نے چند لوگوں کے نام لئے اور انہیں قتل کر دینے کا حکم صادر فرمایا خواہ یہ لوگ خانہ کعبہ کے پردہ کے نیچے ہی کیوں نہ چھپے ہوئے ہوں۔ ان میں عبداللہ بن سعد بن ابی سرح تھا جو اسلام لانے کے بعد مرتد ہو گیا تھا۔ چنانچہ اس نے حضرت عثمانؓ کی پناہ لی جن کا یہ دودھ شریک بھائی تھا۔ انہوں نے عبداللہ کو چھپا لیا اور پھر انہیں لے کر رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے لئے امان طلب کی۔ آپؐ بہت دیر تک ان کی درخواست پر کوئی فیصلہ نہ دیتے ہوئے خاموش رہے۔ اور بالآخر آپؐ نے "ہاں" کہہ دیا۔ جب حضرت عثمانؓ انہیں واپس لے جانے لگے تو رسول اللہؐ نے اپنے اردگرد بیٹھے ہوئے صحابہ سے فرمایا! "واللہ میری خاموشی اس لئے تھی کہ تم میں سے کوئی اٹھ کر اس کی گردن مار دیتا۔" حاضرین میں سے ایک انصاری نے کہا: تو یا رسول اللہؐ! آپؐ نے مجھے اشارہ کیوں نہ کر دیا؟" آپؐ نے جواب دیا "نبی کے لئے یہ زیبا نہیں کہ وہ اشارہ کر کے کسی کو قتل کرائے۔"

دوسرا شخص بنی تمیم بن غالب کا عبداللہ بن خَطَل تھا۔ یہ مسلمان تھا۔ رسول اللہ نے اس کے قتل کا حکم اس لئے دیا تھا کہ جب آپؐ نے اسے صدقہ کی وصولی کے لئے بھیجا تو اس کے ساتھ

(۲۹۷) انس بن مالک رضؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن مکہ میں داخل ہوئے۔ اس وقت آپؐ کے سر پر لوہے کا خود تھا۔ جب آپ نے اسے اُتارا تو آپ کو خبر دی گئی کہ یا رسول اللہؐ! یہ ابن خطل کعبہ کے پردوں سے لٹکا ہوا ہے۔ تو آپؐ نے فرمایا "اسے قتل کر ڈالو"۔

امان بخشی کا اعلان

فتح مکہ کے سلسلہ میں بہت سی حدیثیں ہیں جو طویل ہیں۔
الغرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام بقیہ افراد کو امان بخش دی۔

ایک انصاری بھیجا۔ عبداللہ بن خطل کے ساتھ اس کا غلام خدمتگار بھی تھا۔ یہ شخص جب ایک پڑاؤ پر اُترا تو اُس نے اپنے غلام کو ایک بکرا ذبح کرکے پکا ڈالنے کا حکم دیا اور خود سو گیا جب وہ بیدار ہوا تو اس نے یہ دیکھ کر کہ غلام نے کچھ نہیں پکایا غصہ میں اسے مار ڈالا اور خود مرتد ہو کر مشرک ہو گیا۔ اس کے پاس دو گانے والی کنیزیں تھیں "قرتنا" اور اس کی ساتھی، جو رسول اللہؐ کی ہجو میں اشعار گاتی تھیں۔ آپؐ نے اس کے ساتھ اس کی ان دو کنیزوں کو بھی قتل کر دینے کا حکم دیا تھا۔

ایک اور شخص جس کے قتل کا آپؐ نے حکم دیا تھا حویرث بن نقیذ بن وہب تھا۔ یہ شخص رسول اللہ کو مکہ میں تکلیفیں دیتا۔ (اور جب حضرت فاطمہ رضؓ اور ان کی بہن ام کلثوم رضؓ ہجرت کرکے مدینہ آ رہی تھیں تو اسی شخص نے نیزہ چبھو کر ان کے اُونٹ کو بدکایا تھا جس سے وہ دونوں شدید مجروح ہو گئی تھیں۔)

انہی میں ایک شخص مقیس بن صبابہ تھا اس نے ایک انصاری کو قتل کر دیا تھا جس نے اس کے بھائی کو قتل کیا تھا اور پھر مرتد ہو کر قریش سے جا ملا تھا۔

انہی میں عکرمہ بن ابی جہل تھا جو بھاگ کر یمن چلا گیا تھا۔ اس کی بیوی ام حکیم بنت حارث بن ہشام مسلمان ہو گئی اور اس نے رسول اللہؐ سے اپنے شوہر کی جان بخشی کرا لی۔ پھر اس کی تلاش میں نکلی اور اسے رسول اللہؐ کی خدمت میں لے آئی۔

انہیں میں سارہ بھی تھی جو بنی عبدالمطلب میں سے کسی کی آزاد کردہ کنیز تھی۔

عبداللہ بن خطل کو سعید بن حریث مخزومی اور ابو برزہ اسلمی نے مل کر قتل کر دیا تھا اور قیس بن صبابہ کو اسی کی قوم کے ایک فرد نمیلہ بن عبداللہ نے قتل کر دیا تھا۔ ابن خطل کی دو گانے والی کنیزوں میں سے ایک کو قتل کر دیا گیا اور دوسری بھاگ گئی جسے بعد میں رسول اللہؐ نے امان بخش دی۔ سارہ کے لئے بھی امان طلب کی گئی اور اسے بھی امان بخشدی گئی یہاں تک کہ آخر عہد فاروقی میں وہ کسی آدمی کے گھوڑے تلے آکر کچلی گئی۔ حویرث بن نقیذ کو حضرت علی رضؓ نے قتل کر دیا۔ (دیکھئے سیرۃ ابن ہشام مع الروض الانف ج ۲: ۲۷۳)

اور اس موضوع پر ان کے سامنے خطبہ بھی دیا :-

(۲۹۸) عبدالرحمٰن بن ابی حسین کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے مکہ فتح کیا تو بیت اللہ میں داخل ہو کر دو توں ستونوں کے درمیان نماز ادا فرمائی۔ پھر دروازہ کی چوکھٹ کے دونوں بازوؤں پر اپنے ہاتھوں کو رکھتے ہوئے فرمایا؟ ایک اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ وہ اکیلا ہے۔ اس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا۔ اپنے بندہ کی مدد فرمائی۔ اور اس نے تنہا تمام جماعتوں کو شکست دے دی۔ اے لوگو! تم کیا کہتے ہو اور کیا گمان رکھتے ہو؟" لوگوں نے کہا؟ "ہم خیر کہتے ہیں اور اچھا گمان رکھتے ہیں۔ آپؐ کریم بھائی ہیں اور کریم بھائی کے بیٹے ہیں۔ اور اب آپؐ نے قابو پالیا ہے"۔ آپؐ نے فرمایا: میں تم سے وہی کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسف صلی اللہ علیہ وسلّم نے کہا تھا:-

لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ (یوسف ۱۲ : ۹۲)

آج تم پر کسی قسم کی ملامت نہیں، خدا تمہیں معاف فرمائے اور وہ تمام رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

لوگو! سن رکھو! جاہلیت کا ہر خون، ہر مال اور ہر روایتی قابل فخر کارنامہ میرے پیروں تلے ہے۔ البتہ بیت اللہ کی خدمت گذاری اور حاجیوں کو پانی پلانے کی ذمہ داری (یہ دو معزز عہدے) باقی رہیں گے۔[۱]

---

[۱] بنی کعب بن لوئی میں قصی سب سے پہلے شخص تھے جنہیں ایسی حکومت حاصل ہوئی تھی جس میں ان کی قوم ان کی فرمانبردار بن گئی تھی۔ چنانچہ قریش کے تمام معزز عہدے حجابۃ البیت (دربانی کعبہ) سقایۃ (زمزم وسقائی کی تولیت) رفادۃ (ضرورت مند حاجیوں کے لئے جمع ہونے والے چندہ کی تولیت) ندوۃ (دارالشوری کی تولیت) اور لواء (جھنڈے کی تولیت) یہ سب مناصب قصیؔ کے ہاتھ میں آگئے تھے۔ جب وہ بوڑھے ہو گئے تو ان کی اولاد میں عبدالدار پہلوٹے لڑکے تھے، اور عبد مناف اپنے باپ ہی کے زمانہ میں بڑی بزرگی اور اثر و رسوخ حاصل کر چکے تھے اور عبدالعزیٰ اور عبد تھے۔

قصی نے عبدالدار سے کہا: واللہ میں تمہیں ان لوگوں کے برابر کر دوں گا اگرچہ وہ عزت و شرف میں تجھ سے بڑھ گئے ہیں۔ لو میں تمہیں حجابۃ کعبہ سونپتا ہوں اور اب کعبہ میں بغیر تمہارے کھولے، کوئی داخل نہ ہو سکے گا اسی طرح لواء بھی تمہیں دیتا ہوں تاکہ قریش کا جھنڈا ان کی حفاظت کے لئے تمہارے سوا کسی کا ہاتھ نہیں

(۲۹۹) عقبہ بن اوس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے ایک صحابی سے روایت کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے خطبہ میں فرمایا "حمد اس اللہ کے لئے ہے جس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا۔ اپنے بندہ کی مدد فرمائی۔ اور اس نے تنہا جماعتوں کو شکست دے دی۔ لوگو! یاد رکھو۔ جاہلیت کے تمام قابلِ فخر کارنامے جنہیں بطور فخر بیان کیا جاتا تھا اور جن کے دعوے کئے جاتے تھے۔ اسی طرح تمام خون اور تمام دعوے میرے ان دو پیروں تلے مسلے گئے۔ البتہ بیت اللہ کی خدمت اور حجاج کی سقایت (کے دو معزز عہدے) باقی رہیں گے۔

قتلِ خطا عمد کا خوں بہا

اور دیکھو خطا عمد کے مقتول کا۔ جسے کوڑے، لاٹھی، یا پتھر سے مار ڈالا گیا ہو۔ سو اونٹ خوں بہا ہوگا جن میں سے چالیس اونٹنیاں چھ برس سے لے کر ۹ برس تک کی اور یہ سب حاملہ ہوں گی"۔

باندھے گا۔ اور مکہ میں کوئی تمہاری سقائی کے بغیر سیراب نہ ہوگا۔ اور حج کے موقع پر بغیر تیرے کھلائے کوئی حاجی کھانا کھا سکے گا۔ اور قریش اپنا کوئی فیصلہ تیرے دار الندوہ کے بغیر طے نہ کر سکیں گے۔ چنانچہ انہوں نے عبدالدار کو دار الندوہ، حجابۃ، لواء، سقایہ اور رفادۃ سب ہی عہدے سونپ دئے۔ رفادہ سے مراد وہ چندے تھے جو قریش ہر حج کے موقع پر بے توشہ و زاد حجاج کے کھانے کے لئے جمع کر کے قصی کو دیتے تھے۔

پھر عبد مناف کی اولاد نے حلفاء سے مل کر یہ طے کیا کہ عبدالدار کی اولاد سے وہ سب عہدے چھین لیں جو ان کے جدِّ اعلیٰ نے عبدالدار کو دئے تھے۔ اور جب لوگ جنگ کرنے پر تُل گئے تو بنی عبدالدار نے اس شرط پر صلح کی پیش کش کی کہ وہ بنی عبد مناف کو سقایہ اور رفادہ دے دیں اور اپنے پاس حجابہ، لواء اور ندوہ بحال رکھیں۔ چنانچہ فریقین نے یہ شرط منظور کر لی۔ اور اسلام آنے تک وہ اسی شرط کے مطابق رہے اور رسول اللہ صلی اللہ نے فرمایا: "جاہلیت کے رفاہی معاہدوں کو اسلام اور پختہ ہی کرے گا"۔ الغرض فتح مکہ کے وقت سقایہ عباس بن عبدالمطلب کے پاس تھا اور سدانہ (دربانی و خدمت خانہ کعبہ) عثمان بن طلحہ کے ہاتھ میں تھی۔ اور اس وقت بنی ہاشم کے بعض افراد نے خانہ کعبہ کی کنجی حاصل کرنے کی کوشش کی، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے وہ کنجی پھر عثمان بن طلحہ ہی کو دے دی اور فرمایا "اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے لے لو۔ اور یہ کنجی تم سے سوائے ظالم کے کوئی نہیں چھینے گا (از حاشیہ کتاب الاموال بحوالہ سیرۃ ابن ہشام ۱: ۸۷)

خزاعہ کا بنی بکر کے ساتھ استثناء

(۴۰۰) عمرو بن شعیب اپنے باپ اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کیا تو فرمایا: "ہتھیار کا استعمال بند کر دو۔ صرف خزاعہ بنی بکر کے ساتھ ہتھیار استعمال کرتا رہے۔ انہیں ایسا کرنے کی نمازِ عصر تک اجازت ہے۔ پھر آپؐ نے فرمایا "ہتھیار کا استعمال بند کر دو۔" اس اعلان کے بعد خزاعہ قبیلہ کے ایک شخص کو بنی بکر کا ایک شخص ملا اور اس نے بنی بکر کے اس شخص کو قتل کر ڈالا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ملی تو دوسرے دن آپؐ اپنی پشت سے کعبہ کا سہارا لیتے ہوئے کھڑے ہوئے اور آپؐ نے خطبہ میں فرمایا: "اللہ کی سب سے زیادہ نافرمانی اور سرکشی کرنے والا وہ ہے جو حرم میں حد سے تجاوز کرتا ہے۔ اور جو اپنے قاتل کے علاوہ دوسرے کو قتل کرتا ہے۔ نیز وہ جو جاہلیت کی دشمنی اور جاہلیت کے خون کے بدلہ میں قتل کرتا ہے۔"

ابو عبیدؒ: یہ ہے رسول اللہؐ کا وہ سلوک جو آپؐ نے اہلِ مکہ کے ساتھ فرمایا۔

احسان کے عمل کا دوسرا نمونہ اہلِ خیبر ہیں

مزید برآں آپؐ نے جن لوگوں پر احسان فرمایا ان میں اہلِ خیبر ہیں یہ علاقہ فوجی قوت کے ذریعہ فتح ہوا۔ اس کا واقعہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پر فتح کا قصہ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں کی زمین تو (مسلمانوں میں) تقسیم فرما دی لیکن یہاں کے مغلوب باشندوں پر احسان کرتے ہوئے وہاں کی زمینوں پر انہیں نصف پیداوار کی بٹائی کے عوض مزدوروں کی حیثیت سے باقی رہنے دیا، کیونکہ اس وقت مسلمانوں کو ان کی ضرورت تھی۔ حتیٰ کہ عہد فاروقی میں جب مسلمانوں کو ان کی ضرورت باقی نہ رہی، حضرت عمرؓ نے ان یہودیوں کو جلا وطن کر دیا۔

(۱) بنو قریظہ میں احسان کے کچھ اور نمونے

نیز آپ نے جن لوگوں کو احسان فرماتے ہوئے چھوڑا ان میں معرکہ (بنی) قریظہ کے عمرو بن سعد ——— یا ابن سُعدیٰ[1]۔ اور زبیر بن باطا ہیں جن کے قتل کا فرمان جاری ہو

---

[1] شاید سُعدیٰ اس کی ماں کا نام ہے

چکا تھا :-

(۳۰۱) ابن شہاب کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کو بنو قریظہ کی بستی کی طرف تشریف لے گئے اور ان کا محاصرہ کرلیا، پھر بنو قریظہ نے طے کیا کہ ہمارے حق میں جو فیصلہ سعد بن معاذؓ کریں گے وہ ہمیں منظور ہوگا۔ چنانچہ حضرت سعدؓ نے یہ فیصلہ دیا کہ ان کے بالغ مرد قتل کردئے جائیں اور ان کے مال اور اہل وعیال مسلمانوں میں تقسیم کردئے جائیں چنانچہ اس دن ان کے اتنے اتنے[1] مرد قتل کئے گئے، اور عمرو بن سعد۔ یا ابن سُعدیٰ بچ گئے۔ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ یہ شخص اس لئے بچ گیا کہ وفاداری کا حکم دیتا، اور غداری سے منع کرتا تھا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زبیر کو ثابت بن قیس بن شماسؓ کے حوالہ کردیا، جنہوں نے زبیر کو آزاد کردیا کیونکہ زبیر نے ثابتؓ کو معرکہ بُعاث میں پناہ دی تھی۔ ثابتؓ نے زبیر سے کہا "یہ میں تم کو بعاث کے دن کا بدلہ دے رہا ہوں"۔ زبیر نے کہا: "کیا میں بغیر اہل وعیال اور مال کے زندگی گذار دوں گا؟" تب رسول اللہؐ نے فرمایا: "اگر یہ اسلام قبول کرلیتا ہے تو اسے اس کا مال اور اہل وعیال سب واپس کردئے جائیں گے" ثابت نے زبیر سے کہا" لو رسول اللہؐ نے تمہارا مال اور تمہارے اہل وعیال کو تمہیں واپس دے دیا ہے"۔ زبیر نے دریافت کیا: "کعب بن اسد، ابو نافع، ابو یاسر اور ابن ابی الحقیق کا کیا بنا؟" انہوں نے کہا: "وہ قتل کردئے گئے"۔ زبیر نے کہا: "ان میں سے کسی کو محفل میں نہیں دیکھوں گا۔ اور پھر زندہ بھی رہوں گا؟ میں ان کی جدائی ایک لمحہ کے لئے بھی برداشت نہیں کرسکتا، تم اپنی تیز تلوار اٹھا کر مجھ پاجی کا خاتمہ کرڈالو۔ میری طرف سے تم بری الذمہ ہوگئے، چنانچہ زبیر کو بنی حارثہ کے ایک شخص مُحیصہ کے حوالہ کردیا گیا جس نے اسے قتل کردیا[2]۔

(۲) بدر کے قیدیوں میں احسان ہی کے تحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ جواب ہے جو آپؐ نے جبیر بن مطعم کو بدر کے قیدیوں کی

---

[1] ۔ بنی قریظہ کے مقتولین کی تعداد چھ سو سے نوسو تک بتائی گئی ہے۔ دیکھئے سیرۃ ابن ہشام ج ۳: ۲۵۹ مطبع حجازی قاہرہ ۱۹۳۶ء۔ [2] ۔ اس لئے کہ یہود نے اس کے بھائی حویصہ بن مسعود کو جب ان کے ساتھ خیبر میں گئے تھے، قتل کردیا تھا۔ (از حاشیہ کتاب الاموال)

سفارش پر دیا تھا:

(۳۰۲) جبیر بن مطعم کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں بدر کے قیدیوں کی سفارش کرنے کے لئے پہنچا۔ جب میں آپؐ کے پاس پہنچا تو آپؐ صحابہؓ کو مغرب یا عشاء کی نماز پڑھا رہے تھے۔ میں نے آپؐ کی تلاوت کی آواز جو مسجد سے باہر آ رہی تھی سُنی۔ آپ پڑھ رہے تھے:

اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ۝ بے شک تیرے رب کا عذاب بالضرور واقع ہونے مَا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ ۝ (الطور ۵۲، ۷، ۸) والا ہے۔ اسے کوئی دفع کرنے والا نہیں ہے۔

" ایسا معلوم ہوُا جیسے میرا دل پھٹ گیا، جب آپؐ نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے بدر کے قیدیوں کی رہائی کے بارے میں آپؐ سے بات چیت کی۔ آپؐ نے فرمایا: " ایک بوڑھا تھا (یعنی جُبیر کا باپ مطعم بن عدی) اگر وہ ہمارے پاس آکر ان قیدیوں کے بارے میں سفارش کرتا تو ہم اس کی سفارش منظور کر لیتے۔"

راوی کہتے ہیں کہ اس کے باپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم پر ایک احسان[۱] کیا تھا۔

ابو عبیدؒ:۔ احسان کرتے ہوئے آزاد کر دینے کے ضمن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ سنت ہے اور اس پر آپؐ کے بعد ائمہ (یعنی مملکتِ اسلامی کے سربراہ) بھی عمل پیرا رہے ہے۔

(۱۶) اشعث بن قیس کا واقعہ

(۳۰۳) ابراہیم نخعی کہتے ہیں کہ کندہ قبیلہ کے کچھ آدمیوں کے ساتھ اشعث بن قیس بھی مرتد ہوگیا تھا۔ تو اس کا محاصرہ کر لیا گیا۔ اس نے اپنے ستّر آدمیوں کے لئے امان طلب کر لی لیکن خود اپنے لئے نہ طلب کی۔ جب وہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس لایا گیا تو انہوں نے کہا: " تمہیں امان نہیں ملی ہے لہٰذا ہم تم کو قتل کریں گے۔" تب اس نے کہا: " آپ مجھ پر احسان فرمائیں، اور میں اسلام قبول کر لیتا ہوں؟" چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے ایسا ہی کیا اور اس کی شادی اپنی بہن سے کرادی۔

(۱۷) ہرمزان کا واقعہ

انس بن مالک کہتے ہیں کہ ہم نے تستر (ایرانی علاقہ) کا محاصرہ کیا۔ بالآخر ہرمزان حضرت عمرؓ کے فیصلہ پر رضامند ہوگیا۔

---

[۱] ہجرت سے قبل مطعم بن عدی نے آنحضرتؐ کو پناہ دی تھی۔ یہ شخص ہجرت کے بعد جلدی وفات پا گیا تھا۔ اسی لئے حضورؐ نے فرمایا تھا کہ اگر وہ زندہ ہوتا اور ہم سے یہ سفارش کرتا تو ہم اس کی سفارش قبول کر لیتے۔ (ملخص از البدایہ والنہایہ لابن کثیر ج ۳: ۱۳۷)

چنانچہ ابوموسیٰ نے ہرمزان کو میرے ساتھ حضرت عمرؓ کے پاس بھیج دیا۔ جب ہم حضرت عمرؓ کے پاس پہنچے تو ہرمزان کچھ نہ بولا اور چپ رہا۔ تب حضرت عمرؓ نے اس سے کہا: "بولو"۔ اس پر وہ بولا: "زندہ کی سی بات کروں یا مردہ کی سی بات؟" حضرت عمرؓ نے کہا: "کوئی مضائقہ نہیں بات تو کرو"۔ تب ہرمزان نے کہا: "اے عربو! جب تک اللہ تعالیٰ نے ہمیں اور تمہیں چھوڑ رکھا تھا ہم تمہیں مار بھگاتے تھے اور اپنے سے دور رکھتے تھے، لیکن جب اللہ تمہارے ساتھ ہو گیا تو ہم تمہارا بال بیکا نہ کر سکے"۔ حضرت عمرؓ نے کہا: "اے انس! کیا خیال ہے تمہارا؟" میں نے کہا: "امیرالمومنین! میں نے اپنے پیچھے بڑی فوجی قوت اور کثیر تعداد چھوڑی ہے۔ اگر آپ اسے قتل کر دیں گے تو وہ لوگ زندگی سے مایوس ہو جائیں گے اور اس طرح ان کی تندی و قوت کو مزید تقویت پہنچے گی۔ اور اگر آپ اسے زندہ چھوڑ دیں گے تو وہ لوگ پُر امید رہیں گے"۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا: "انس! براء بن مالکؓ اور مجزاۃ بن ثورؓ کے قاتل کو میں زندہ چھوڑ دوں؟"

انس کہتے ہیں "جب مجھے خطرہ ہوا کہ حضرت عمرؓ اسے قتل ہی کر ڈالیں گے تو میں نے کہا: "آپ کے پاس اسے قتل کرنے کے لئے کوئی وجہ جواز نہیں ہے"۔ حضرت عمرؓ نے کہا: "کیوں؟ کیا اس نے تمہیں کچھ دے دیا، یا تم نے اسے کوئی قول دے دیا ہے؟" میں نے کہا: "میری طرف سے کوئی بات نہیں ہوئی، البتہ آپ ہی تو اس سے کہہ چکے ہیں کہ کوئی مضائقہ نہیں، بات تو کرو۔ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا "اپنے ساتھ ایک دوسرا گواہ لاؤ جو اس بات کی گواہی دے کہ میں نے ایسا کہا ہے۔ ورنہ پہلے میں تمہیں سزا دوں گا"۔ انس کہتے ہیں کہ میں حضرت عمرؓ کے پاس سے نکلا تو راستہ میں زبیر بن العوامؓ مل گئے اور انہیں بھی حضرت عمرؓ کی وہ بات یاد تھی جو میں نے یاد کی تھی۔ چنانچہ ان کی گواہی پر حضرت عمرؓ نے ہرمزان کو چھوڑ دیا۔ بعدازاں ہرمزان نے اسلام قبول کر لیا، اور حضرت عمرؓ نے بیت المال سے اس کا وظیفہ مقرر کر دیا۔

(۳۵) حضرت انسؓ ہی سے اس معنی کی ایک اور روایت دوسری سند سے بھی ہے۔

فدیہ لے کر چھوڑ دینا (بدر کے قیدی)

ابو عبیدؒ :- یہ روایات ہیں جو قیدیوں پر احسان کر کے انہیں چھوڑ دینے سے متعلق ہمیں پہنچی ہیں - اب لیجئے فدیہ کو :-

(۳۰۶) عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں : معرکۂ بدر میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قیدی ہاتھ آئے تو آپؐ نے صحابہؓ سے اُن کی رائے دریافت کی - حضرت عمرؓ نے کہا " یا رسول اللہؐ ! یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے آپؐ کو جھٹلایا، آپؐ کو دلیس سے نکالا، ان کی گردنیں مار دیجئے " عبداللہ بن رواحہؓ نے کہا : " یا رسول اللہؐ ! یہ وادی جس میں آپ ہیں بکثرت ایندھن اپنے اندر رکھتی ہے - اس ایندھن میں آگ لگوا کر ان قیدیوں کو اس میں ڈال کر جلا دیجئے " اس پر عباسؓ نے کہا " خدا تیری رشتہ داری کا تعلق منقطع کر دے " حضرت ابوبکرؓ نے کہا : یا رسول اللہؐ ! یہ آپؐ کا کنبہ اور آپؐ کا گھرانہ ہے - آپؐ کا خاندان اور آپؐ کی قوم ہے - ان سے درگذر فرمائیے ، خدا آپؐ کے ذریعہ ان لوگوں کو آگ سے نجات دے گا " بعد ازاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف لے گئے - تب مجمع میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں کوئی کہتا تھا کہ بات تو حضرت عمرؓ کی ہے - کوئی کہتا تھا کہ بات تو حضرت ابوبکرؓ کی ہے ، پھر آپؐ باہر تشریف لے آئے اور فرمایا " ان دونوں (ابوبکرؓ و عمرؓ) کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے - ان دونوں کی مثال تم سے پہلے کے تمہارے بھائیوں کی سی ہے - (یعنی حضرت عمرؓ کی سختی حضرت نوحؑ اور حضرت موسیٰؑ سے مشابہ ہے) حضرت نوحؑ نے کہا تھا :-

قَالَ نُوحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا (نوح : ۲۶)

نوحؑ نے کہا - اے پروردگار ! زمین پر کافروں میں سے کسی باشندہ کو باقی نہ چھوڑنا -

اسی طرح حضرت موسیٰؑ نے کہا تھا :-

رَبَّنَا اطْمِسْ عَلَىٰ أَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ (یونس : ۸۸)

اے پروردگار ان کے اموال کو ملیا میٹ کر دے اور ان کے دلوں کو سخت کر دے -

(ان کے مقابلہ میں حضرت عیسیٰؑ اور حضرت ابراہیمؑ حضرت ابوبکرؓ سے مشابہ ہیں) حضرت عیسیٰ کہتے ہیں :۔

إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ ، فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (المائدہ : ۱۱۸)

(الہٰی !) اگر تو انہیں عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں، اور اگر تو انہیں بخش دے تو بے شک تو عزت و غلبہ والا حکیم ہے

اور حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا تھا :

فَمَنْ تَبِعَنِي فَإِنَّهُ مِنِّي وَمَنْ عَصَانِي فَإِنَّكَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ۔ (ابراھیم : ۳۶)

تو جس نے میری پیروی کی وہ تو یقیناً میرے ساتھیوں میں سے ہے اور جس نے میری نافرمانی کی تو (اے مولا!) تو بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ اس نے اپنی محبت میں بہت سے آدمیوں کے دلوں کو سخت بنا دیا ہے حتیٰ کہ وہ پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو گئے ہیں اور بہت سے آدمیوں کے دلوں کو نرم بنا دیا ہے حتیٰ کہ وہ انتہائی نرم ہو گئے ہیں[1] اب تمہاری مالی حالت کمزور ہے لہٰذا ان قیدیوں

فدیہ یا قتل

میں سے کوئی بھی بچ کر نہ نکلے۔ یا تو فدیہ دے یا پھر اس کی گردن مار دی جائے۔" عبداللہ کہتے ہیں یہاں میں نے اضافہ کر دیا: "اِلّا سہیل بن بیضاء (جسے چھوڑ دیا جائے) کہ میں اسے اسلام کا ذکر کرتے سنتا تھا۔" عبداللہ کہتے ہیں یہ اضافہ تو میں نے کر دیا لیکن پھر اپنی جسارت پر کہ میں نے رسول اللہؐ کے سامنے زبان کھولی ہے، مجھے ڈر لگا، میں آسمان کی طرف دیکھنے لگا کہ کب مجھ پر پتھر برسنے لگیں ؟ حتیٰ کہ رسول اللہؐ نے (میری لاج رکھ لی اور) فرمایا: "اِلّا سہیل بن بیضاء" اس پر مجھے بڑی خوشی ہوئی۔

ابوعبیدہؓ:۔ اہلِ علم سیرت نگاروں نے یہاں سہیل کے بجائے سہل بن بیضاء کہا ہے جو سہیل کے بھائی تھے۔ سہیل تو مہاجر تھے اور جنگ بدر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کر رہے تھے۔

---

[1] ۔ یہاں بعض راویوں نے "مِنَ اللِّيْنِ" کے بجائے "مِنَ اللَّبَنِ" کہا ہے جس کے معنے ہوں گے "دودھ سے بھی زیادہ نرم"۔ موخرالذکر کی تائید قرطبی کی تفسیر سے بھی ہوتی ہے۔ دیکھئے مذکورہ بالا آیت کی تفسیر۔

(۳۰۷) عبداللہ بن عباسؓ حضرت عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ اس (بدر کے) دن ستر کو قید کیا اور ستر کو قتل کیا۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ جب لوگوں نے قیدیوں کو گرفتار کر لیا تو رسول اللہؐ نے دریافت فرمایا: "ان قیدیوں کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟" حضرت ابوبکرؓ نے کہا: "یا رسول اللہؐ! یہ چچیرے بھائی اور خاندان والے ہیں۔ میرا خیال یہ ہے کہ ہم ان سے فدیہ لے کر انہیں رہا کر دیں۔ اس طرح ہمیں کافروں کے مقابلہ میں قوت حاصل ہو جائے گی اور بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اسلام کی توفیق عطا فرما دے۔" پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا: "اے عمرؓ! تمہاری کیا رائے ہے؟" اس پر میں نے کہا: "اے اللہ کے نبیؐ! میں اس رائے سے متفق نہیں جو حضرت ابوبکرؓ نے دی ہے۔ میری رائے تو یہ ہے کہ آپؐ انہیں ہمارے قابو میں دے دیجئے اور ہم ان کی گردنیں اڑا دیں۔ عُقیل کو حضرت علیؓ کے حوالہ کیجئے تاکہ وہ اس کی گردن اُڑا دیں۔ مجھے فلاں = میرا رشتہ دار۔ حوالہ کیجئے میں اس کی گردن اُڑا دوں۔ یہی لوگ تو کفر کے ائمہ و قائدین ہیں۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے حضرت ابوبکرؓ کی رائے سے موافقت کی اور میری رائے نہ مانی۔ دوسرے دن جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؐ اور حضرت ابوبکرؓ بیٹھے رو رہے تھے۔ اس پر میں نے عرض کی: "یا رسول اللہ! مجھے بتائیے کہ آپؐ اور آپؐ کے ساتھی کس وجہ سے رو رہے ہیں۔ اگر کوئی رونے کی بات ہوگی تو میں بھی رونے لگوں گا۔ اگر رونا مجھے نہ آیا تو بھی آپ دونوں کے رونے کی وجہ سے میں (بتکلف) رونے لگوں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں تمہارے ساتھیوں کی رائے کے مطابق ان قیدیوں کے فدیہ قبول کر لینے پر رو رہا ہوں، مجھے تمہارا عذاب اس درخت۔ حضورؐ کے قریب ہی کے ایک درخت۔ سے بھی زیادہ قریب دکھایا گیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ وحی نازل فرمائی:۔

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝	نبی کے لئے یہ سزاوار نہیں کہ ملک میں اسلامی غلبہ اور اچھی طرح کفار کا استیصال کئے بغیر وہ قیدی بنالے۔ تم دُنیا کی پیش افتادہ دولت چاہتے ہو اور اللہ آخرت چاہتا ہے۔ اور اللہ غالب و حکیم ہے۔

لَوْلَا كِتَابٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَا اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا۔

اگر پہلے سے اللہ کا کوئی نوشتہ نہ ہوتا تو جو کچھ تم نے لیا اس پر تمہیں ضرور سخت عذاب پہنچتا۔ اب جو کچھ تم نے غنیمت حاصل کی ہے اسے حلال و طیّب سمجھتے ہوئے کھالو۔

(الانفال : ۶۷ - ۶۹)

اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے غنیمت کو حلال کر دیا۔

چار ہزار درہم فدیہ یا بچّوں کو لکھنا سکھانا

(۳۰۸) شعبی کہتے ہیں کہ بدر کے قیدیوں سے جو فدیہ وصول ہوا تھا وہ چار ہزار (درہم) کے لگ بھگ تھا جس قیدی کے پاس کچھ بھی نہ تھا اسے حکم دیا گیا کہ وہ انصار کے بچوں کو لکھنا سکھا دے۔

(۳۰۹) عکرمہ کہتے ہیں کہ بدر کے قیدیوں سے مختلف نوعیّت کا فدیہ لیا گیا تھا۔ ان میں سے بعض کا فدیہ یہ تھا کہ وہ مدرسہ کے بچّوں کو پڑھائے یا بچّوں کو لکھنا سکھا دے۔

(۳۱۰) حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: "تم سے پہلے کالے سروالوں (انسانوں) کے لئے غنیمتیں کبھی حلال نہیں کی گئی تھیں۔ پہلے مالِ غنیمت کے انبار کو اُوپر سے آگ آ کر کھا لیتی تھی۔ معرکۂ بدر میں اس سے پہلے کہ غنیمت کے حلال ہونے کی اطلاع ملے لوگوں نے از خود اسے استعمال کرنا شروع کر دیا اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی :-

لَوْلَا كِتَابٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَا اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ

اگر اللہ کی طرف سے پہلے سے کوئی نوشتہ نہ ہوتا تو جو کچھ تم نے لیا اس پر تمہیں سخت عذاب پہنچتا۔

(الانفال : ۶۸)

(۳۱۱) سعید بن جبیر نے مذکورہ بالا آیت کی تفسیر کرتے ہوئے کہا :-

لَوْلَا كِتَابٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ

اگر اللہ کی طرف سے پہلے سے کوئی نوشتہ نہ ہوتا۔

یعنی بدر میں شرکت کرنے والے مجاہدین کے لئے۔

لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ　　تو ضرور پہنچتا تمہیں اس پر جو تم نے لیا۔

یعنی فدیہ

عَذَابٌ عَظِيمٌ　　بڑا عذاب

(۳۱۲) ابن جُریج اس آیت کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ واقعہ غنیمتوں کے حلال ہونے سے پہلے کا ہے۔ چنانچہ اس کے بعد ارشاد ہے۔

فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلَالًا طَيِّبًا　　تو جو کچھ تم نے مالِ غنیمت میں حلال و طیب حاصل کیا ہے اسے کھالو

(الأنفال: ۶۹)

(۳۱۳) ابن عباسؓ آیت کریمہ:

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَى حَتَّى يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ۔　　کسی نبی کے لئے یہ سزاوار نہیں کہ ملک میں اچھی طرح قتل کئے بغیر وہ قیدی بنالے۔

(الأنفال: ۶۷)

کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ معرکۂ بدر کا واقعہ ہے اور مسلمان اس وقت کم تعداد میں تھے۔ بعد میں جب ان کی تعداد بڑھ گئی اور انہیں قوت حاصل ہو گئی۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا:-

فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً　　تو اس کے بعد یا تو تم احسان کرتے ہوئے یا فدیہ لے کر رہا کردو۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے مومنین کو قیدیوں کے بارے میں اختیار دے دیا کہ اگر وہ چاہیں تو انہیں قتل کر ڈالیں یا اگر چاہیں تو فدیہ لے کر چھوڑ دیں۔

ابو عبیدؒ۔ میرا خیال یہ ہے کہ انہوں نے کہا تھا "اور اگر چاہیں تو اُن پر احسان کردیں (اور چھوڑ دیں)

فدیہ میں نقد رقم صرف بدر میں لی گئی دیگر مواقع میں حضورؐ نے یا تو احسان فرمایا یا آدمیوں کا تبادلہ کیا

بدر کے قیدیوں ہی کی ایک مثال ایسی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مال بطور فدیہ لے کر قیدیوں کو رہا کیا تھا ورنہ اس کے بعد آپ کو جتنی فتوحات بھی حاصل ہوئیں مثلاً خیبر، مکہ، حنین اور بنی المصطلق، بلعنبر، فزارہ اور بعض یمنی قبائل کے قیدی، جن میں سے ہر ایک کے بارے میں احادیث مروی ہیں۔ ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہیں یہ ثبوت نہیں ملتا کہ آپؐ نے زرِ فدیہ لے کر کسی قیدی کو چھوڑا ہو۔ ان تمام مواقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل یہ رہا ہے کہ آپؐ نے یا تو بلا معاوضہ احسان کرتے ہوئے ان قیدیوں کو چھوڑ دیا جیسے مکہ والوں، خیبر والوں کے ساتھ کیا اور جس طرح آپؐ نے ہوازن اور معرکہ اوطاس کے قیدیوں کے ساتھ کیا یا پھر آپؐ نے آدمیوں کے عوض آدمیوں کو مرد ہوں یا عورتیں (فدیۃً) تبادلہ کیا۔

ہوازن پر آپؐ کے احسان کی تفصیل

مکہ اور خیبر والوں پر آپ نے جو احسان کیا اس کی تفصیل ہم بیان کر آئے ہیں۔ اب ہوازن کے ساتھ آپؐ کے احسان کی تفصیل بیان ہوتی ہے:۔

(۲۱۴) ابن شہاب کہتے ہیں کہ مجھے سعید بن مسیب اور عروۃ بن الزبیر نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہوازن قبیلوں کے چھ ہزار قیدیوں کو جن میں مرد و زن اور بچے شامل تھے اسلام قبول کرنے پر واپس قبائل ہوازن میں بھیج دیا اور ان عورتوں کو جو قریشی مردوں کے پاس تھیں اختیار دے دیا (کہ اگر چاہیں تو اپنے قبیلوں میں واپس چلی جائیں یا جن مردوں کے ساتھ ہیں انہیں کے ساتھ رہیں) قریش میں سے عبدالرحمٰن بن عوف اور صفوان بن امیہ کے پاس عورتیں تھیں اور ان دونوں نے اپنے قبضہ میں آنے والی عورتوں کو کنیز بنا لیا تھا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں عورتوں کو بھی اختیار دیا جس پر انہوں نے اپنی قوم میں جانا پسند کیا۔

عروۃ بن الزبیر کا کہنا ہے کہ مروان بن الحکم اور مسور ابن مخرمہ نے انہیں بتایا کہ جب ہوازن کے وفد نے اسلام قبول کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر

مطالبہ کیا کہ انہیں ان کے اموال اور قیدی واپس کردئے جائیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: "میرے ساتھ جو لوگ ہیں انہیں تم دیکھ رہے ہو، اور سب سے زیادہ سچی بات مجھے سب سے زیادہ پسندیدہ ہے، لہٰذا تم دو چیزوں میں سے ایک کو پسند کرلو۔ یا تو اپنے قیدی واپس لے لو یا اموال۔ اور میں نے ان کا فیصلہ کرنے میں خاصی تاخیر کردی تھی۔ راوی کہتا ہے کہ حضورؐ نے طائف سے پلٹ کر دس سے کچھ دن اُوپر ان لوگوں کا انتظار کیا تھا۔
العزض جب ان لوگوں کو وضاحت سے یہ معلوم ہوگیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم اُنہیں دونوں میں سے ایک ہی چیز واپس کریں گے تو انہوں نے کہا کہ آپؐ ہمیں ہمارے قیدی واپس کردیجئے۔ بعد ازاں رسول اللہؐ صلی اللہ علیہ وسلّم مسلمانوں کے مجمع میں خطبہ کے لئے کھڑے ہوئے اور اللہ عزّ وجل کی شایانِ شان حمد وثنا کر چکنے کے بعد آپؐ نے فرمایا: "اما بعد، تمہارے یہ بھائی توبہ کرکے آگئے ہیں۔ اور میں نے یہ طے کرلیا ہے کہ ان کے قیدی انہیں واپس کردوں۔ لہٰذا تم میں سے جو بھی بطیب خاطر ایسا کرنا پسند کرے تو وہ کرڈالے۔ اور تم میں جو یہ چاہتا ہو کہ وہ اپنا حصہ اس شرط پر دے کہ پہلی "فئے" جو ہمیں حاصل ہو اس میں سے اس کا معاوضہ ادا کردیں تو وہ اس شرط پر ایسا کرڈالے۔ اس پر لوگوں نے کہا: "یا رسول اللہ! ہم انہیں اپنے قبضہ کے قیدی بطیب خاطر دیتے ہیں۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس ہجوم میں ہمیں صاف طور پر معلوم نہیں ہوتا کہ کون بخوشی آمادہ ہے اور کون نہیں۔ لہٰذا تم لوگ اپنے اپنے حلقوں میں واپس چلے جاؤ تاکہ ہمارے پاس تمہارے سردار آکر تمہاری رائے کی ترجمانی کریں۔ چنانچہ لوگ اپنے اپنے حلقوں میں واپس چلے گئے۔ جہاں اُن کے سرداروں نے ان سے تبادلۂ خیال کیا پھر وہ سردار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس آئے اور انہوں نے بتایا کہ ہمارے سب آدمی (اپنے قبضہ کے قیدیوں کو) بطیب خاطر اس بات کی اجازت دیتے ہیں (کہ وہ واپس اپنے قبائل میں چلے جائیں).

(۳۱۵) عمرو بن شعیب سے مروی ہے کہ ہوازن بولے: "یا رسول اللہؐ! آپؐ باپ اور ہم بچے، (یا انہوں نے کہا آپؐ بچے اور ہم باپ)۔ ہم اس لئے حاضرِ خدمت ہوئے ہیں کہ مومنوں سے مراعات حاصل کرنے میں آپؐ کی مدد اور سفارش کریں اور آپؐ

سے مراعات حاصل کرنے میں مومنوں کی مدد اور سفارش حاصل کریں۔ اب صورت حال یہ ہے کہ ہمارا جو کچھ مال آپ لوگوں کو ملا ہے تو وہ ہم بطیب خاطر آپ کو دیتے ہیں لیکن ہمارے اہل وعیال آپ ہمیں واپس کر دیجئے۔" آپؐ نے ان سے کہا: "تم لوگ شام کو آکر کھڑے ہونا اور اپنی یہ بات دوہرانا۔" جب شام ہوئی تو وہ کھڑے ہو گئے اور انہوں نے اپنی بات دوہرائی۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جہاں تک اللہ و رسول کا معاملہ ہے تو جو کچھ اُن کو حصّہ میں ملا ہے وہ تمہیں واپس ہے۔" یہ سُن کر مہاجرین نے کہا: "جو کچھ ہمیں ملا ہے وہ اللہ و رسول کا ہے۔" پھر انصار نے بھی ایسی ہی بات کہی، بعدازاں عباس بن مِرداس نے کہا: "لیکن جہاں تک میرے اور بنی سُلیم کے حصّہ کا تعلق ہے تو اسے میں نہیں بخشتا۔" اس پر بنی سُلیم نے کہا: "ہمارے حصّے تو ہم اللہ اور اس کے رسول کو دیتے ہیں۔ رہ گیا تمہارا اکیلے کا حصّہ تو تم مختار ہو۔" اقرع بن حابس اور عُیینہ بن حصن نے بھی عباس بن مِرداس کی سی بات کہی تو ان دونوں میں سے ایک کے قبیلہ نے اپنے سردار کو وہی جواب دیا جو بنی سُلیم نے عباس بن مِرداس کو دیا تھا (اس روایت کا ایک راوی محمد بن کثیر کہتا ہے کہ میں ان دونوں میں سے ایک قبیلہ کو متعین طور پر نہیں جانتا)۔

بنی المصطلق کا واقعہ

ابوعبیدؒ:۔ یہ ہے قبائل ہوازن کی تفصیل اب بنی المصطلق کو لیجیئے:۔

(۳۱۶) ابن عون کہتے ہیں کہ میں نے نافع کو خط لکھ کر پوچھا: "کیا جنگ سے پہلے کفار کو دعوتِ اسلام دی جاتی تھی؟" (یعنی انہیں اسلام کی دعوت قبول کر لینے اور بصورتِ دیگر جنگ سے آگاہ کر دیا جاتا تھا؟) تو انہوں نے مجھے تحریری جواب بھیجا: بے شک اس قسم کی دعوت آغازِ اسلام میں دی جاتی تھی (بعد میں جب قبائل عرب پر یہ دعوت ظاہر ہو چکی تو یہ سلسلہ باقی نہ رہا) خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی المصطلق پر حملہ کیا تو وہ بے خبر تھے اور ان کے مویشی پانی پی رہے تھے۔ پھر آپؐ نے اُن کے بالغ جنگجو افراد کو قتل کر دیا اور بال بچوں کو قید کر لیا۔ اسی معرکہ میں جُوَیریہ بنت حارث بھی گرفتار ہو کر

آئی تھیں۔ مجھے یہ واقعہ عبداللہ بن عمرؓ نے بتایا جو اس معرکہ میں شریک تھے۔

(۳۱۷) ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہؐ کے ساتھ بنی المصطلق پر حملہ کیا۔ ہمیں اس معرکہ میں عرب کی شریف زادیاں ہاتھ لگیں۔ بعد ازاں انہوں نے عزل[1] کے بارے میں ایک حدیث کا تذکرہ کیا۔

(۳۱۸) شعبی کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے (ام المومنین) جُوَیریہ بنت حارث کو آزاد کر دیا، اور اُن کی آزادی نیز ان کی قوم سے جن کو آزاد کیا گیا، ان سب کی آزادی کو ان کے مہر کا معاوضہ قرار دیا۔

یمن اور بلعنبر

ابوعبیدؒ:۔ یہ ہو گیا بنی المصطلق کا بیان۔ اب یمن اور بلعنبر کے متعلق سُنیے:۔

(۳۱۹) حسن اور ابن سیرین دونوں میں سے کسی ایک سے متعلق روایت ہے: "آنحضرتؐ کی ازواج مطہرات میں سے ایک پر — دوسرے راوی نے ان کا نام متعین کر کے ام سلمہؓ بتایا۔ اولاد اسماعیلؑ میں سے ایک غلام آزاد کرنا قرض تھا، جب یمن والوں کے قیدی آئے تو انہوں نے چاہا کہ ان میں سے ایک غلام آزاد کر دیں۔ اس پر رسول اللہؐ نے فرمایا" ان میں سے مت آزاد کرو۔" پھر جب بلعنبر کے قیدی آئے تو آپؐ نے ان سے کہا:" ان میں سے آزاد کرو۔"

ابوعبیدؒ:۔ یہ تمام قیدی بدر کے بعد کے ہیں اور آنحضرتؐ نے ان میں سے جس پر احسان فرمایا اسے بغیر جان یا مال کا فدیہ لئے (احسان کرتے ہوئے) آزاد کر دیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری عمل (کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے اور اسی) پر عمل کیا جاتا ہے۔ لیکن دوسری طرف یہ بھی آپؐ ہی کا عمل ہے کہ آپؐ نے مسلمان مردوں (کی آزادی) کے عوض

---

[1] ۔عزل مجامعت کے ایسے طریقہ کو کہتے ہیں جس میں حمل قرار پانے سے گریز کیا جائے۔ ابوسعید خدریؓ کی مشار الیہ روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ اس غزوہ میں ہم پر تجرد گراں گذرا لہٰذا ہم عورتوں سے تمتع چاہتے تھے لیکن دوسری طرف فدیہ میں ان سے تبادلہ بھی کرنا تھا۔ اندریں صورت ہم نے حضورؐ سے عزل کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا" اگر ایسا نہ کرو تو کوئی گزند نہیں۔ قیامت تک جو جان بھی وجود پذیر ہونے والی ہے وہ ہو کر رہے گی"۔ یہ روایت ابوداؤد۔ بخاری، مسلم اور نسائی میں ہے۔ (از حاشیہ کتاب الاموال)

مشرک مرد اور عورتیں فدیۃً دیں اور یہ بھی آپؐ کی جاری سنت ہے۔

مسلمان قیدیوں کے عوض کفار قیدیوں کا تبادلہ

(۳۲۰) سلمۃ بن الاکوع کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے حضرت ابوبکرؓ کو بنی فزارہ کی طرف (حملہ کے لئے) بھیجا۔ میں بھی اُن کے ساتھ گیا تھا۔ وہاں میں نے لوگوں کی ایک ٹولی دیکھی جس میں عورتیں اور بچے تھے۔ اچانک میری نگاہ بنی فزارہ کی ایک عورت پر پڑی جس پر چمڑے یا سمور کا کوٹ تھا۔ اس کے ساتھ اس کی بیٹی تھی جو عرب کی حسین ترین دوشیزہ تھی۔ میں اس ٹولی کو گھیر کر حضرت ابوبکرؓ کے پاس لے گیا۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے مجھے اس عورت کی یہ حسین دوشیزہ انعام میں دے دی۔ میں نے اس کے بدن کا کوئی کپڑا کھول کر اسے نہیں دیکھا تا آنکہ میں مدینہ پہنچا۔ بازار میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم مجھے ملے اور آپؐ نے فرمایا: "یہ عورت مجھے دے دو"۔ میں نے کہا: "یا رسول اللہؐ! اللہ کی قسم، مجھے یہ بہت اچھی لگی ہے اور ابھی تک میں نے اس کے بدن کے کسی حصّہ سے کپڑا نہیں اُٹھایا ہے۔" آپؐ نے فرمایا: "خدا تیرا بھلا کرے۔ اس عورت کو مجھے دے دے"۔ تب میں نے کہا: "یا رسول اللہؐ! یہ آپ کی ہوگئی"۔ چنانچہ حضورؐ نے اسے مکہ والوں کے پاس بھیج دیا۔ آپؐ نے اسے ان مسلمانوں کے عوض فدیۃً بھیجا جو مشرکوں کے قبضہ میں قیدی بنے ہوئے تھے۔

(۳۲۱) عمران بن حصین کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے دو مسلمانوں کے عوض ایک کافر فدیۃً دیا۔

ابوعبیدؒ:۔ مطلب یہ ہے کہ آپؐ نے جتنا دیا اس سے زیادہ لیا۔ یہ ہیں وہ احادیث جو رسول اللہؐ سے فدیہ کے بارے میں منقول ہیں۔ مزید برآں بہت سے علماء فقہاء نے بھی فدیہ کا فتویٰ دیا ہے۔

قیدی کو قتل کرانے کی کراہت

(۳۲۲) حسن سے مروی ہے کہ وہ قیدی کے قتل کرنے کو مکروہ سمجھتے تھے اور کہتے تھے یا تو احسان کرتے ہوئے اسے چھوڑ دو یا پھر فدیہ لے کر آزاد کر دو۔

(۳۲۳) عطاء سے بھی مذکورہ بالا خیال کی تائید مروی ہے۔

(۳۲۴) اشعث کہتے ہیں "میں نے عطاء سے قیدی کو قتل کر دینے کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ یا تو اس پر احسان کرتے ہوئے اسے چھوڑ دو یا پھر فدیہ لے کر آزاد کر دو۔"

اشعث کہتے ہیں کہ میں نے حسن سے یہی مسئلہ دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ قیدی کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے گا جو رسول اللہؐ نے بدر کے قیدیوں سے کیا تھا۔ یعنی یا تو ان پہ احسان کرتے ہوئے انہیں چھوڑ دیا جائے گا یا پھر انہیں فدیہ لے کر چھوڑا جائے گا۔

ابو عبیدؒ:۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں حسن فدیہ میں مال لینے کو بھی جائز قرار دے رہے ہیں۔ خود حضرت عمرؓ سے بھی ایک ایسی روایت ہے جس کی تاویل یہی ہوتی ہے:۔

(۳۲۵) ضبہؒ بن محصن کہتے ہیں کہ مجھے ابو موسیٰ اشعریؓ سے ایسی شکایت پیدا ہو گئی تھی جیسی کہ ایک آدمی کو اپنے حاکم سے ہو جاتی ہے۔ چنانچہ میں ایک ایسے موقع پر حضرت عمرؓ کے پاس پہنچا جب ابو موسیٰ اشعریؓ بھی وہاں آئے ہوئے تھے۔ حضرت عمرؓ کے پاس پہنچ کر میں نے کہا: "یا امیر المومنین! ابو موسیٰؓ نے اپنے لئے اساورہ کے چالیس آدمی انتخاب کر کے خاص کر لئے۔ یہ واقعہ ان کی ایک طویل روایت میں مذکور ہے۔۔۔۔ ضبہؒ کہتے ہیں کہ تھوڑی دیر بھی نہ گذری ہو گی کہ ابو موسیٰؓ بھی وہاں آ گئے۔ حضرت عمرؓ نے ان سے دریافت کیا: "ان چالیس اساورہ کے آدمیوں کا کیا قصہ ہے جنہیں تم نے اپنے لئے چن کر خاص کر لیا ہے؟" ابو موسیٰؓ نے کہا: "ہاں میں نے انہیں چن تو لیا تھا۔ اور مجھے یہ خطرہ تھا کہ کہیں لشکر کو اس بارے میں دھوکہ نہ لگ جائے۔ پھر یہ کہ مجھے ان کے بطور فدیہ استعمال کرنے کے بارے میں سب سے زیادہ علم تھا۔ چنانچہ میں نے اولاً فدیہ کی کوشش کی اور بعد ازاں پانچ حصّے کر کے انہیں تقسیم کر دیا۔" ضبہؒ نے اس پر کہا: "واللہ! یہ سچ کہہ رہے ہیں۔" چنانچہ اس پہ نہ تو امیر المومنین حضرت عمرؓ نے انہیں غلطی کرنے کی وجہ سے ٹوکا اور نہ میں نے انہیں جھٹلایا۔

ابو عبیدؒ:۔ ان کا یہ کہنا: "میں نے اولاً فدیہ کی کوشش کی۔ بعد ازاں پانچ حصّے کر کے انہیں تقسیم کر دیا" بتا رہا ہے کہ انہوں نے ان کے عوض مال فدیہ میں لینا چاہا تھا نہ کہ انہیں مسلمان قیدیوں کو چھڑانے کے عوض فدیہ میں دیا تھا۔ اور یہ بھی ایک رائے ہے جسے کچھ

مال کے عوض مشرک کو رہا کرنے کی کراہت

لوگ جائز قرار دیتے ہیں۔ لیکن بیشتر علماء وفقہاء اس چیز کو ناپسند اور مکروہ قرار دیتے ہیں کہ مشرکوں کو مال لے کر چھوڑ دیا جائے اور اس طرح انہیں (مشرکین کو) انسانی قوت فراہم کی جائے۔

اسے مکروہ قرار دینے والوں میں سے اوزاعی، مالک بن انس اور سفیان کی روایات ہمیں ملی ہیں[1]

※

---

[1] ۔ یہاں کتاب الاموال کا پہلا جزو ختم ہوتا ہے۔ اگرچہ عبارت مسلسل چل رہی ہے۔

باب

فوجی قوّت کے ذریعہ مفتوحہ علاقوں کے قیدیوں غلاموں اور لونڈیوں کے بارے میں حکم[1]

عورتوں کے عوض فدیہ میں مال لینا اور زن و مرد میں سے ہر ایک کو ایک دوسرے کے عوض فدیہ میں دینا

ابو عبید: بعض علماء نے مشرک عورتوں کے عوض فدیہ میں مال لینے کی اجازت دی ہے اور تمام کے تمام علمائ اس امر پر متفق ہیں کہ عورتوں اور مردوں میں سے ایک کو دوسرے کے عوض فدیہ میں دیا جا سکتا ہے۔

کفّار کے چھوٹے قیدی بچّوں کا حکم

(۳۲۶) مشرکین کے بچوں سے متعلق اوزاعی کا خیال یہ ہے کہ انہیں فروخت یا تقسیم کے بعد کسی حالت میں کبھی بھی مشرکین کو واپس نہیں کیا جائے گا، نہ فدیہ لے کر نہ اور کسی صورت میں۔ ان کی رائے ہے کہ چھوٹا بچہ جب مسلمان کی ملکیت میں آگیا تو وہ مسلمان ہوگیا، خواہ اس بچّہ کے ساتھ اس کے کافر ماں باپ بھی ہوں۔ ان کا کہنا ہے کہ ملکیت کا تعلق نسب کے تعلق سے زیادہ مضبوط ہے۔

لیکن عراقی علماء چھوٹے بچّہ کو جبکہ اس کے ساتھ ماں باپ دونوں ہوں یا دونوں میں سے ایک ہو فدیہ لے کر چھوڑ دینے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے، کیونکہ ان کے خیال میں بچّہ ماں باپ کے ساتھ قید کیا جائے تو ان کے دین پر مانا جائے گا۔ اور اس مسئلہ میں وہ مالک رحمہ سے اختلاف

---

[1] یہ باب مسلسل چل رہا ہے اور پہلے باب کا حصّہ ہے، چونکہ یہاں "کتاب الاموال" کا پہلا جزء ختم ہو کر دوسرا شروع ہوا۔ اس لئے یہ سرخی مکرر لکھی گئی ہے۔

کرتے ہیں۔

ابو عبیدؒ:۔ میرے نزدیک اوزاعی کی رائے وزنی ہے۔ اور کوئی وجہ نہیں کہ بچّہ کے ماں باپ اس کے مالک سے زیادہ مستحق ہوں، اور جب تک ماں باپ غلام ہوں اور بچّہ بھی غلام ہو نہ ماں باپ کو نگرانی و ولایت کا حق پہنچتا ہے نہ میراث کا۔ بلکہ اس بچّہ کا مالک ہی، موت و زیست نیز دیگر احکام بشمولِ دین۔ بلکہ دین بدرجہ اوّل ہے ــ اس بچہ کا زیادہ حقدار ہوگا، اس لئے کہ اسلام غالب رہتا ہے اور مغلوب نہیں ہوتا:۔

(۳۲۷) حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اسلام بلند رہتا ہے اور اسے زیر نہیں کیا جائے گا۔

ابو عبیدؒ:۔ یہ روایات مشرک قیدیوں کے احکام سے متعلق ہیں، لیکن مسلمان (قیدیوں) کے بچّے اور عورتیں بھی فدیہ میں مردوں کے مساوی ہیں۔ امام اور جماعت مسلمین

اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ امکانی ذرائع سے مشرکین کے قبضہ میں چلے جانے والے مسلمانوں کو نجات دلائے

پر بہر طور اپنے پورے ذرائع استعمال کر کے انہیں مشرکوں کے قبضہ سے آزاد کرانا اور نجات دلانا فرض ہے۔ خواہ ایسا آدمیوں (کے تبادلہ) کے ذریعہ ہو، خواہ مال کے ذریعہ۔ اور یہ شرط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے انصار و مہاجرین سے کی تھی۔

(۳۲۸) ابن شہاب کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے یہ عہد نامہ تحریر فرمایا تھا:۔

"یہ محمد نبی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی طرف سے قریشی اور مدنی مومنین و مسلمین نیز ان لوگوں کے درمیان عہد نامہ ہے جو ان کی اتباع کرتے ہوئے ان میں شامل ہو جاتے ہیں اور ان کے ساتھ رہائش پذیر ہو کر ان کے ساتھ جہاد کرتے ہیں۔ اس معاہدہ کی رو سے یہ لوگ تمام دوسرے لوگوں سے الگ ہو کر ایک امّت بن گئے۔ قریشی مہاجرین حسب سابق باہم اپنے خون بہا اور تاوان و فدیہ ادا کریں گے اور وہ مومنوں کے درمیان اپنے قیدیوں کو دستور کے مطابق انصاف سے رہا کرائیں گے۔" بعد ازاں انہوں نے ایک طویل حدیث "خون بہا" (دیت) کے بارے میں بیان کی۔

(۳۲۹) ابن شہاب ہی کی دوسری سند سے یہی روایت ایک معمولی لفظی اختلاف سے مروی ہے۔

ابو عبیدؒ:۔ اور یہ روایت میرے نزدیک محفوظ (وارجح) ہے۔

(۳۳۰) ابن جُریج سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عہدنامہ میں جو آپؐ نے قریشی اور مدنی مسلمانوں اور مومنوں نیز ان لوگوں کے لئے تحریر فرمایا تھا جو مومنوں کی اتباع کرتے ہوئے ان سے جاملیں اور ان کے ساتھ مل کر جہاد کریں، یہ شق موجود تھی:۔

"مومنین اپنے اندر کسی کو زیر بار نہیں چھوڑیں گے بلکہ دستور کے مطابق فدیہ یا تاوان ادا کرنے میں ایسے زیر بار لوگوں کی اعانت کریں گے۔"

ابو عبیدؒ:۔ قیدی اور زیر بار دو ایسے الفاظ ہیں کہ ان میں عورت و مرد دونوں آجاتے ہیں پھر قیدی کے لفظ میں بچے بھی آجاتے ہیں۔ یہ ہے وہ شرط جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مسلمانوں سے کی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حسین بن علیؓ سے مروی مندرجہ ذیل حدیث اسی کی شرح کر رہی ہے:۔

(۳۳۱) حضرت حسین بن علیؓ سے دریافت کیا گیا کہ قیدی کے فدیہ کی ادائی کس پر واجب ہوتی ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا: "اس علاقہ پر جس کی مدافعت میں وہ جنگ کرتا ہے"۔ پھر ان سے پوچھا گیا "بچہ کو کب سے حصہ ملنے لگتا ہے؟"۔ انہوں نے جواب دیا: "جب وہ (پیدا ہوتے ہی) اپنی پہلی چیخ مارتا ہے۔"

ابو عبیدؒ:۔ "جب وہ پہلی چیخ مارتا ہے" سے یہ مراد ہے کہ جس طرح وہ بچہ وظیفہ کا مستحق ہو جاتا ہے اسی طرح وہ فدیہ کا حقدار بھی ہو جاتا ہے۔ اسی بارے میں یہ مرفوع حدیث ہے:۔

(۳۳۲ و ۳۳۳) دو مختلف سندوں سے ابوموسیٰؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بھوکے کو کھلاؤ، بیمار کی عیادت کرو اور قیدی کو چھڑاؤ۔"

ذمیوں کی آزادی کے لئے جہاد

ابو عبیدؒ:۔ یہی صورت ذمیوں کے ساتھ ہوگی، ان کی مدافعت میں جہاد کیا جائے گا۔ اور ان کے قیدی رہا کرائے جائیں گے۔ رہائی کے بعد وہ آزاد ہو کر اپنی ذمہ داری اور عہد و پیمان پر بحال ہو جائیں گے۔

اس بارے میں مختلف روایات ہیں :-

(۳۳۴) عمرو بن میمون کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے دمِ مرگ جو وصیت کی تھی اس میں تھا: "میں اپنے جانشین کو فلاں فلاں باتوں کی وصیت کرتا ہوں کہ جن کی ذمہ داری اللہ اور اس کے رسول نے لی ہے ان کے ساتھ بہتر سلوک رکھے۔ یعنی ان (ذمیوں) کی مدافعت میں جنگ کرے، اور انہیں ان کی قوتِ برداشت سے زیادہ کسی بات کی تکلیف نہ دے۔"

ذمی کا دشمن کے قبضہ میں جا کر واپس آنا

(۳۳۵) سفیان بن مغیرہ ایسے ذمیوں کے بارے میں جنہیں دشمن نے قید کر لیا ہو اور بعد ازاں مسلمان انہیں دشمن سے آزاد کرالیں ابراہیم سے روایت کرتے ہیں کہ ان ذمّیوں کو غلام نہیں بنایا جائے گا۔

(۳۳۶) مُساور وراق کہتے ہیں کہ میں نے شعبی سے ایک ذمی عورت کے متعلق دریافت کیا جسے دُشمنوں نے قید کر لیا ہو اور بعد ازاں (غنیمت میں) وہ ایک مسلمان کے حصہ میں آجائے، تو انہوں نے کہا: "میرا خیال یہ ہے کہ وہ اپنے پہلے کے معاہدہ اور ذمہ میں واپس کر دی جائے۔ (یعنی اسے ذمی قرار دیا جائے)

(۳۳۷) ولید بن رفاعہ نے ہشام بن عبدالملک سے ان ذمیوں کے بارے میں تحریری استفسار کیا جنہیں دُشمن نے قید کر کے اہلِ قبرص کے ہاتھوں فروخت کیا۔ پھر اہلِ قبرص نے مسلمانوں کو فروخت کر دیا۔ اور جب وہ ذمی (مسلمانوں کے پاس) آئے تو وہ (مسلمانوں سے) جھگڑنے لگے۔ جواب میں ہشام نے لکھا کہ جو (مسلمان) انہیں خریدلے اس کی بیع جائز قرار دو۔

(۳۳۸) لیث کہتے ہیں "میرا خیال ہے کہ مسلمانوں کے بیت المال سے ایسے قیدیوں کا فدیہ ادا کر کے انہیں سابقہ معاہدہ کے تحت ذمی قرار دیا جائے۔"

(۳۳۹) صالح بن جُبیر کہتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز نے ایک شخص کو قیدیوں کے فدیہ کے لئے مال دے کر بھیجا، اس شخص نے پوچھا: "یا امیر المومنین! ہمیں ایسے لوگ بھی ملیں گے جو بخوشی دُشمن کی طرف کوچ کر گئے ہیں۔ کیا انہیں بھی فدیہ دے کر چھڑالیں؟" اُنہوں نے کہا: "ہاں۔" اس شخص نے پھر دریافت کیا: "اپنی خوشی سے بھاگنے والے غلاموں اور لونڈیوں کو؟" اُنہوں نے جواب دیا:

"انہیں بھی فدیہ دے کر چھڑالو" اس شخص کا قول ہے کہ میں نے اس دن مسلمانوں کے لشکر سے متعلق جس قسم کے آدمیوں کا بھی ذکر کیا اس کے جواب میں انہوں نے یہی حکم دیا کہ انہیں بھی فدیہ دے کر چھڑالو۔

(۳۴۰) عطاء اس آزاد شخص کے بارے میں جسے دشمن نے قید کرلیا ہو پھر کوئی مسلمان اسے خرید لے، کہتے ہیں "اس کا خریدار اپنی ادا کردہ قیمت حاصل کرنے کے لئے کوشاں رہے گا لیکن وہ اسے غلام نہیں بنائے گا۔" ان کا خیال ہے کہ یہی سلوک ذمیوں کے ساتھ بھی ہوگا۔"

ابو عبیدؒ:۔ یہ روایات ہیں جو قیدیوں کو فدیہ دے کر چھڑانے کے متعلق ہیں۔

قیدیوں کو قتل کرنے کا حکم

اب قتل سے متعلق روایات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(۳۴۱) سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ مشرکین قیدیوں کو قتل کر دیا جائے گا اور اس وقت تک انہیں فدیہ لے کر نہیں چھوڑا جائے گا جب تک کہ ان کو اچھے طریقے سے قتل نہ کرلیا جائے۔ پھر انہوں نے یہ آیت تلاوت کی :۔

حَتّٰٓى اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ، فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ؛
(محمد : ۴)

یہاں تک کہ تم انہیں اچھی طرح سے قتل کرلو تب انہیں قید کرو، پھر اس کے بعد یا تو احسان کرتے ہوئے، یا فدیہ لے کر (چھوڑ دو) تاآنکہ جنگ اپنے ہتھیار ڈال دے۔

(۳۴۲) حضرت ابن عباسؓ آیت کریمہ:۔

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ
(الانفال : ۶۷)

نبی کے لئے یہ سزاوار نہیں کہ وہ قیدی بنالے تاآنکہ وہ ملک میں خوب اچھی طرح (کفار کو) قتل نہ کرلے۔

کی تفسیر میں فرماتے ہیں :

"یہ بدر کا واقعہ ہے۔ اس وقت مسلمان کم تھے۔ بعد میں جب مسلمانوں کی کثرت ہوگئی اور ان کی حکومت طاقتور ہوگئی تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا :۔

فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً

تو اب سے یا تو احسان کرتے ہوئے یا پھر فدیہ

(محمد : ۴) لے کر (چھوڑ دو)

اس طرح اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو قیدیوں کے بارے میں اختیار دے دیا۔ اگر وہ چاہیں تو انہیں قتل کر دیں یا پھر وہ فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دیں۔

ابو عبیدؒ:۔ میرا خیال ہے کہ انہوں نے کہا تھا: "اگر وہ چاہیں تو ان پر احسان کریں اور انہیں غلام بنائیں" ـــــ راوی کہتا ہے کہ یہ شک ابو عبید کو ہوا ہے[1]

(۳۴۳) سفیان کہتے ہیں کہ میں نے سُدّی کو آیہ کریمہ:

فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً (محمد : ۴) پھر یا تو احسان کرتے ہوئے چھوڑ دو اور یا فدیہ لے کر۔

کے بارے میں یہ کہتے سُنا کہ یہ آیت منسوخ ہے اور اس کی ناسخ آیت یہ ہے:

فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ (التوبة : ۵) مشرکین کو جہاں کہیں تم پاؤ قتل کر ڈالو۔

(۳۴۴) حجاج نے بھی ابن جریج سے روایت کی ہے کہ یہ آیہ کریمہ منسوخ ہے، اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معرکۂ بدر میں عُقبہ بن ابی معیط کو قید کر کے قتل کیا۔

(۳۴۵) سعید بن جُبیر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے روز تین اشخاص کو قید کر کے قتل کیا تھا۔ عقبہ بن ابی معیط، نضر بن حارث، مُطعِم بن عدی۔

ابو عبیدؒ:۔ اس روایت کے یہی الفاظ ہیں، لیکن علماء تاریخ و مغازی اس معرکہ میں مطعم بن عدی کے قتل کو تسلیم نہیں کرتے۔ ان کا کہنا ہے کہ وہ مکہ میں بدر سے پہلے مرا تھا۔ البتہ اس کا بھائی طُعیمہ بن عدی مارا گیا تھا لیکن وہ بھی جنگ میں قتل کیا گیا، قید کر کے قتل نہیں کیا گیا تھا۔ ان لوگوں کے قول کی تصدیق حدیث (نمبر ۳۰۲) سے ہوتی ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے قیدیوں کی سفارش کرنے پر جُبیر بن مطعم سے کہا تھا: "ایک بوڑھا تھا (یعنی جبیر کا باپ، مطعم بن عدی) اگر وہ ہمارے پاس آ کر ان قیدیوں کے بارے میں سفارش کرتا تو ہم اس کی سفارش منظور کر لیتے۔" تو یہ کیوں کر ہو سکتا ہے کہ وہ اسی معرکہ میں قتل ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بارے

---

[1] دیکھئے نمبر ۳۱۳

میں یہ بات فرماتے؟ البتہ عُقبہ اور نضر کے قتل میں کسی کو اختلاف نہیں ہے۔

(۳۴۶) حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے پچیس دن تک بنی قُریظہ کا محاصرہ کیا، جب ان پر آزمائش کی گھڑی سخت مشکل ہوگئی۔ تو ان سے کہا گیا "تمہارے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم جو فیصلہ فرمائیں اسے مان لو"۔ مگر انہوں نے کہا: "سعد بن معاذؓ جو فیصلہ ہمارے لئے کریں گے ہمیں وہ تسلیم ہوگا"۔ چنانچہ جب سعدؓ آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ان سے کہا: "ان کے بارے میں فیصلہ کرو"۔ چنانچہ انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ ان کے بالغ جنگجو افراد قتل کردئے جائیں، ان کے اہل وعیال کو قید کرلیا جائے، اور ان کا مال تقسیم کرلیا جائے"۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ان سے کہا: تم نے ان کے بارے میں جو فیصلہ کیا ہے وہی اللہ کا فیصلہ اور اس کے رسول کا فیصلہ ہے"۔

(۳۴۷) عُروۃ کہتے ہیں کہ بنی قریظہ نے اپنے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے فیصلہ کو منظور کرلیا تھا۔ چنانچہ رسول اللہ نے ان کے فیصلہ کی ذمہ داری سعد بن معاذؓ پر ڈال دی اور انہوں نے بنی قریظہ کے متعلق یہ حکم سنایا کہ ان کے جنگجو بالغین کو قتل کردیا جائے۔ ان کے اہل وعیال کو قید کرکے لونڈی غلام بنا لیا جائے، اور ان کے اموال کو (مسلمانوں میں) تقسیم کردیا جائے۔ اس پر رسول اللہؐ نے فرمایا "تم نے ان کے بارے میں جو فیصلہ کیا ہے وہ اللہ کا فیصلہ ہے۔"

(۳۴۸) جنگِ خندق میں حضرت سعد بن معاذؓ کے تیر لگ گیا تھا۔ لوگوں نے ان کے ہاتھ کی اکحل نامی رگ کاٹ دی۔ پھر رسول اللہؐ نے اسے (آگ سے) داغ کر بند کردیا۔ جس سے ان کا ہاتھ متورّم ہوگیا۔ اور ان کا اتنا خون خارج ہؤا کہ وہ نڈھال ہوگئے۔ آپؐ نے دوبارہ اس جگہ کو (آگ سے) داغ کر بند کیا، ان کا ہاتھ اور متورّم ہوگیا۔ جب حضرت سعدؓ نے اپنی یہ حالت دیکھی تو کہا: اے اللہ! میری جان اس وقت تک نہ نکلے جب تک کہ میں بنی قریظہ کا انجام دیکھ کر اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا نہ کرلوں۔ چنانچہ انہوں نے اپنی بہنے والی رگ کو مضبوطی سے کس لیا۔ پھر اس میں سے ایک بوند بھی نہ بہی۔ حتیٰ کہ بنو قریظہ حضرت سعدؓ کے فیصلہ پر رضامند ہوگئے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے انہیں بُلا بھیجا پھر انہوں

نے یہ فیصلہ کیا کہ ان کے (بالغ) مردوں کو قتل کر دیا جائے، عورتوں اور بچوں کو زندہ رکھا جائے تاکہ مسلمان ان سے کام لیں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: "تم نے ان کے بارے میں بالکل اللہ کے فیصلہ کے مطابق فیصلہ کیا ہے۔" ان (بنو قریظہ کے مردوں) کی تعداد چار سو تھی۔ جب ان کے قتل سے فراغت ہوئی تو حضرت سعدؓ کی رگ پھٹ گئی اور وہ انتقال کر گئے۔

(۳۴۹) ابن شہاب کہتے ہیں: "وہ لوگ حضرت سعدؓ کے فیصلہ پر رضامند ہو گئے تھے۔ چنانچہ انہوں نے فیصلہ کیا کہ ان کے (بالغ) مرد قتل کر دئے جائیں، ان کے اہل و عیال اور اموال تقسیم کر دئے جائیں۔ نتیجتہً اس روز ان میں سے اتنے اور اتنے قتل ہوئے۔

(۳۵۰) عطیّہ قرظی کہتے ہیں کہ معرکہ قریظہ میں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے سامنے پیش کیا گیا۔ لوگوں نے میرے بالغ ہونے میں شک کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: "دیکھو اس کے (بغل اور زیر ناف) بال اُگے ہیں یا نہیں۔ ان لوگوں نے دیکھا کہ میرے بال نہیں اُگے ہیں، چنانچہ انہوں نے مجھے (نابالغ) بچوں میں شمار کیا (اور قتل نہ کیا)

(۳۵۱) انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم فتح مکہ کے موقع پر جب آہنی خود پہنے مکّہ میں داخل ہوئے تو آپؐ سے کہا گیا: "یہ ابن خَطَل کعبہ کے پردوں سے چمٹا ہوا ہے۔" آپؐ نے فرمایا: "اسے قتل کر دو۔"

ابو عبیدؒ۔ یہ ہیں وہ روایات جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم سے قیدیوں کے قتل کے بارے میں منقول ہیں، اور آپؐ کے بعد آپؐ کے خلفاء نے بھی آپؐ کی اس سنت پر عمل کیا۔

(۳۵۲) عبدالکریم سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو مشرکین کے ایک قیدی کے بارے میں لکھا گیا کہ اس کے عوض اتنا اور اتنا زر فدیہ دیا جا رہا ہے، تو انہوں نے لکھا: "اسے فدیہ لے کر نہ چھوڑنا بلکہ قتل کر ڈالنا۔"

(۳۵۳) عبدالرحمٰن بن عوف کہتے ہیں کہ میں نے اس بیماری میں حضرت ابوبکرؓ کی عیادت کی جس میں آپ نے وفات پائی تھی، اندر پہنچ کر میں نے انہیں سلام کیا اور کہا:

"الحمدللہ ! مجھے آپ کی حالت بہتر نظر آرہی ہے - دُنیا کا کیا اندیشہ - اللہ کی قسم جہاں تک ہمارا علم ہے آپ کو ہم نے صالح اور مصلح ہی پایا - اس پر انہوں نے کہا: مجھے بھی کسی بات پہ رنج نہیں، البتہ کچھ کام ہیں جن میں سے تین کام تو ایسے ہیں جنہیں کر لینے کے بعد مجھے یہ تمنّا رہی کہ میں نے انہیں نہ کیا ہوتا - اور تین کام ایسے ہیں کہ مَیں نہ کر سکا اور میری تمنّا رہی کہ انہیں کر ڈالتا، اور تین ایسے کام ہیں جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے استفسار کر لینے کی مجھے تمنّا رہی -

حضرت ابوبکرؓ کی نو تمنائیں

وہ تین کام جو میں نے کیئے اور مجھے تمنّا رہی کہ انہیں نہ کرتا یہ ہیں ـــــــ یہاں انہوں نے ایک کام کا ذکر کیا - ابو عبید کہتے ہیں کہ میں اسے بیان کرنا نہیں چاہتا ـــــــ دوسری بات یہ کہ سَقیفہ بنی ساعدہ کے دن (مجھ پر جو بارِ خلافت ڈالا گیا تو میری خواہش ہے کہ) میں یہ ذمہ داری حضرت عمرؓ یا ابوعبیدہؓ دونوں میں سے کسی ایک کے کاندھے پر ڈال دیتا، وہ امیر بن جاتے اور میں ان کا وزیر بن جاتا - تیسری تمنّا یہ رہی کہ جب میں نے مرتدین سے لڑنے کے لئے خالدؓ (بن ولید) کو بھیجا تھا تو خود ذی القصّہ میں ٹھہرتا - اگر مسلمان فتحمند ہو جاتے تو فبہا ورنہ میں مقابلہ کرتا یا کمک بھیجتا -

تین وہ کام جنہیں میں نے چھوڑ دیا اور میری خواہش رہی کہ انہیں کر ڈالتا - ان میں سے پہلا یہ ہے کہ جس دن اشعث بن قیس قید ہو کر میرے پاس آیا تو میں اس کی گردن اُڑا دیتا، اس لئے کہ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص (انتہائی فسادی ہے) جہاں بھی شر دیکھتا ہے اس کا ساتھ دیتا ہے - دوسری خواہش یہ رہی کہ جس دن فجاءۃ میرے پاس لایا گیا تو میں اسے جلا نہ ڈالتا بلکہ کھول کر اسے قتل کر ڈالتا یا کامیابی سے رہا کر دیتا - تیسری خواہش یہ رہی کہ جہاں میں نے شامیوں کی طرف خالدؓ کو بھیجا وہاں عمرؓ کو عراق روانہ کر دیتا اور اس طرح میں اپنے دونوں دائیں اور بائیں ہاتھوں کو راہِ خدا میں پھیلا لیتا -

اب رہ گئیں وہ تین باتیں جن کے متعلق مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے استفسار کر لینے کی تمنّا رہی، تو ان میں سے پہلی یہ ہے کہ میں آپؐ سے یہ نہ پوچھ سکا کہ (آپؐ کے بعد) حکومت و خلافت کسے ملے گی؟ تاکہ خلافت کے حصول میں کشاکش نہ رہتی - ثانیاً مجھے یہ خواہش رہی کہ میں آپؐ

سے دریافت کر لیتا کہ آیا انصار کا بھی حکومت و خلافت میں کوئی حصہ رہے گا؟ مثلاً ثانیاً مجھے خواہش رہی کہ میں آپؐ سے پھوپھی اور بھتیجی کی میراث کے بارے میں پوچھ لیتا، اس لئے کہ میرے دل میں اس طرف سے خلش ہے۔

(۳۵۴) ایک دوسری سند سے بھی عبدالرحمٰن بن عوف کے واسطہ سے حضرت ابوبکرؓ سے یہی روایت مروی ہے۔

ابوموسیٰؓ کے ہاتھوں سوس کے دہقان کا واقعۂ قتل

(۳۵۵) خالد بن زید مزنی۔ ان کی ایک آنکھ معرکہ سوس میں جاتی رہی تھی۔ کہتے ہیں کہ ہم نے سوس کا محاصرہ کیا جس میں ہمیں بڑی مشکل اور سخت دشواریاں پیش آئی تھیں۔ ہمارے سالار لشکر ابوموسیٰ اشعریؓ تھے۔ چنانچہ اس علاقہ کے دہقان (بڑے زمیندار اور سردار) نے ہم سے اس شرط پر صلح کی کہ وہ شہر کا دروازہ کھول دے گا اور اس کے خاندان کے سو آدمیوں کو جان کی امان دی جائے گی۔ چنانچہ ابوموسیٰؓ نے اس کی پیشکش منظور کر لی۔ اس پر اس زمیندار سردار نے ابوموسیٰ اشعریؓ اور ان کے ساتھیوں سے بھی عہد کیا پھر ابوموسیٰؓ نے کہا: "اپنے ان آدمیوں کو جن کی جان بخشوانا چاہتے ہو الگ کر لو۔" چنانچہ وہ انہیں الگ کرتے لگا۔ ابوموسیٰؓ اپنے رفقاء سے کہنے لگے مجھے اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے اپنی جان کی طرف سے دھوکہ میں رکھے گا۔ چنانچہ اس نے سو آدمی الگ کر دئے۔ اور وہ اللہ کا دشمن ان (سو میں شامل ہونے) سے بچ گیا۔ چنانچہ ابوموسیٰؓ نے اس کے قتل کا حکم دے دیا۔ وہ چلّایا چیخا بہت سا مال دینے لگا۔ لیکن ابوموسیٰؓ نے ایک نہ سُنی اور اس کی گردن اُڑا دی۔

(۳۵۶) عبداللہ بن عامر نے ابن عمرؓ کو ـــــ جبکہ وہ ایران میں تھے ـــــ ایک مضبوطی سے جکڑا ہوا قیدی قتل کے لئے بھیجا، ابن عمرؓ نے اسے دیکھ کر کہا: "جب تک یہ بندھا جکڑا رہے گا میں اسے قتل نہیں کروں گا۔"

عمر بن عبدالعزیز کا قیدی کو قتل کرنا

(۳۵۷) یزید بن حبیب کہتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز کے پاس خزر کا ایک قیدی آیا۔ عمر بن عبدالعزیز نے کہا: "ہم بالضرور تجھے قتل کر ڈالیں گے۔" قیدی نے کہا: "ایسی صورت میں

تم غزر کی آبادی میں سے کچھ کمی نہ کروگے"۔ چنانچہ عمرؓ نے اسے قتل کر دیا۔ اپنی خلافت کے دوران عمر بن عبدالعزیز نے اس قیدی کے سوا کسی قیدی کو قتل نہیں کیا۔

احسان، فدیہ، قتل، عربوں کے لئے خصوصی حکم ہے۔ کسی عرب کو غلام نہیں رکھا جائے گا

ابو عبیدؒ:۔ یہ ہیں قیدیوں سے متعلق احکام۔ یعنی احسان کرتے ہوئے انہیں چھوڑ دینا، فدیہ لے کر چھوڑ دینا، قتل کر دینا۔ اور یہ احکام خصوصیت کے ساتھ عربوں کے لئے ہیں۔ اس لئے کہ عرب کے مردوں کو غلام نہیں بنایا جاتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی یہی سنت رہی کہ آپؐ نے کسی عرب مرد کو غلام نہیں بنایا۔ یہی فیصلہ عربوں کے بارے میں حضرت عمرؓ کا رہا۔ چنانچہ اُنہوں نے عرب جاہلیت کے قیدیوں اور کنیز زادوں کو اس شرط پر آزاد کر کے ان کے قبائل میں واپس کر دیا کہ وہ ان مسلمانوں کو فدیہ دے دیں جن کے قبضہ میں وہ آئے ہیں۔ یہی ان کی مشہور رائے ہے۔

(۳۵۸) شعبی کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے کھڑے ہو کر کہا "کسی عربی پر مالکانہ حقوق (غلام یا مملوک بنا کر) حاصل نہیں ہوں گے۔ ساتھ ہی ہم کسی شخص سے جو اسلام قبول کر چکا ہو، اس کی ملکیت سے کوئی چیز نہیں چھینیں گے۔ البتہ ہم لوگوں کے لئے (عرب غلاموں کی آزادی کے سلسلہ میں) پانچ اونٹ بطور دیت مقرر کر دیتے ہیں۔

(۳۵۹) شعبی کہتے ہیں کہ ہم میں ایسے لوگ تھے جو بعض عربی قبائل کے اپنے ان رشتہ داروں کو پہچان لیا کرتے تھے جنہیں زمانہ جاہلیت میں قید کر کے غلام بنا لیا گیا تھا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کے سامنے اس کا تذکرہ ہوا۔ اور انہوں نے ایسے ہر قیدی کا فدیہ چار سو درہم دے کر اسے چھڑا لیا اسی طرح حضرت عثمانؓ نے بھی ایک ہمدان قبیلہ کے قیدی کو چار سو درہم فدیہ دے کر چھڑا لیا۔

(۳۶۰) غاضرہ عنبری کہتے ہیں کہ ہم حضرت عمرؓ کے پاس ان عورتوں اور لونڈیوں کا مسئلہ لے کر گئے جنہیں زمانۂ جاہلیت میں فروخت کر دیا گیا تھا تو انہوں نے ان عورتوں کی اولاد کے بارے میں یہ حکم دیا کہ ان کے باپوں کے لئے ان کی قیمتیں مقرر کر دی جائیں۔

اور یہ کہ انہیں غلام نہ بنایا جائے [۱]

امارت کا دارومدار شوریٰ پر ہوگا

(۳۶۱) ابنِ عباسؓ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے دمِ مرگ فرمایا: "مجھ سے تین باتیں گرہ میں باندھ لو۔ امارت کا دارومدار شوریٰ پر ہوگا۔ عربی قیدی کا فدیہ ایک غلام، اور لونڈی کے بیٹے کا دو اونٹ۔" راوی کہتا ہے کہ ابنِ عباس نے تیسری بات پوشیدہ رکھی۔

(۳۶۲) سعید بن مسیب کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ہر فردِ عربی کا فدیہ چھ جوان اونٹنیاں مقرر کیا۔ ان کا یہی فیصلہ ان لوگوں کے لئے بھی تھا جو عرب کی لونڈی سے شادی کریں یعنی یہ کہ ہر انسان کا فدیہ چھ جوان اونٹنیاں دیا جائے گا۔

ابو عبیدؒ:۔ اس سے مراد اُن کی وہ اولاد ہے جو کنیزوں کے پیٹ سے تھی۔

امام کی صوابدید پر مرد قیدیوں کے لئے احسان، فدیہ اور قتل کے ساتھ غلام بنا لینے کا چوتھا قانون مروّج ہوا

یہ ہیں قیدیوں کے اس وقت کے احکام جب عربوں کو قید کر کے لونڈی غلام بنا لیا جاتا تھا۔ یہ دور ختم ہو چکا، اور مسلمانوں نے عجمی ممالک فتح کر ڈالے چنانچہ انہوں نے مذکورہ تین احکام کے ساتھ لونڈی غلام بنانے کا قانون بھی نافذ رکھا۔ اس ضمن میں ان لوگوں کا اصول یہ تھا کہ مرد قیدیوں کے بارے میں امام کو مندرجہ ذیل چاروں احکام میں سے کسی ایک پر عمل پیرا ہونے کا اختیار حاصل ہے ۱۔ احسان کرتے ہوئے چھوڑ دینا ۲۔ فدیہ لے کر چھوڑ دینا ۳۔ قتل کر ڈالنا ۴۔ غلام بنا لینا۔

(۳۶۳) اوزاعی کہتے ہیں کہ میں نے زہری سے دریافت کیا: "حضرت عمرؓ قیدیوں کا کیا کرتے تھے؟" انہوں نے جواب دیا "کبھی انہیں قتل کر ڈالتے تھے اور کبھی انہیں فروخت

---

[۱] یہ بچے دو قسم کے ہوتے تھے ایک تو وہ جوان لونڈیوں کے پہلے شوہروں سے ہوتے اور بعد میں غلام بنانے والوں کے پاس پہنچ جاتے یا پھر ان لونڈیوں کے مالکوں کی اولاد ہوتے۔ ہر دو حال میں یہ اپنے پہلے قبائل میں پہنچا دئے جاتے اور آزاد قرار پاتے اور ان کے سابقہ مالکوں کو ان کا مقررہ فدیہ دے دیا جاتا۔

کر دیتے تھے۔"

ابوعبیدؒ:۔ اس روایت کا اطلاق صرف (غیر عربی) عجمی قیدیوں پر ہے۔ اس لئے کہ حضرت عمرؓ کے عہد میں جتنے ملک بھی فتح ہوئے وہ عجمی ممالک تھے یعنی ایران اور روم۔

اسی موضوع سے متعلق عمرو بن العاصؓ کی یہ روایت ہے:۔

(۳۴۶) ابوالعالیہ کہتے ہیں کہ میں نے عمرو بن العاص کو منبر پر یہ کہتے سنا:۔

"میں اپنی اس نشست گاہ پر بیٹھا ہوں تو مصر کے کسی قبطی سے میرا نہ کوئی عہد ہے نہ کوئی پیمان، مجھے اختیار ہے چاہوں تو قتل کر دوں، چاہوں تو فروخت کر دوں۔ اور اگر چاہوں تو (غنیمت کی طرح) پانچ حصے کر (کے تقسیم کر) دوں۔ ہاں صرف انطابلس والوں سے ہمارا معاہدہ ہؤا ہے جو اُن سے وفا کیا جائے گا۔"

ابوعبیدؒ:۔ عمر بن الخطابؓ اور عمرو بن العاصؓ سے قیدیوں کو قتل کرنے [۱] اور فروخت کرنے کی روایات ہیں۔ احسان کر کے چھوڑ دینے اور فدیہ لے کر چھوڑ دینے کے احکام قرآن مجید میں ہیں اور احادیث و روایات میں بھی۔ تو یہ قیدیوں سے متعلق چار احکام ہو گئے۔ اور ان احکام کا تعلق خصوصی طور پر (بالغ) مردوں کے ساتھ ہے۔

قیدی عورتوں اور بچوں کے لئے ایک ہی حکم ہے اور وہ ہے غلامی

رہ گئیں عورتیں اور بچے سو ان کے لئے صرف ایک ہی حکم ہے۔ اور وہ ہے غلامی:۔

احسان کرتے ہوئے چھوڑنے کا مطلب ہے ذمی بنا لینا

قیدی کو احسان کر کے آزاد چھوڑنے سے یہ مطلب نہیں کہ اسے کافر رہتے ہوئے دارالحرب واپس چلے جانے کی اجازت دے دی جائے بلکہ اس سے مُراد یہ ہے کہ وہ دارالاسلام میں ذمی بن کر رہے گا اور جزیہ ادا کرے گا۔ یہی وہ سلوک ہے جو حضرت عمرؓ نے سواد (عراق) کے باشندوں کے ساتھ کیا، اور اسی عمل کی تائید ان کی ایک دوسری مندرجہ ذیل روایت سے ہو رہی ہے:۔

---

[۱] ۔ اس سے پہلے ابوعبیدؒ انہیں قتل کرنے کا ثبوت قرآن مجید سے فراہم کر چکے ہیں (دیکھئے نمبر ۳۴۱ تا ۳۴۳)

(۳۶۵) انس بن مالک رضؓ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ابوموسیٰؓ کو (مناذیہ) بھیجا جہاں اُنہوں نے بہت سے آدمیوں کو قید کیا۔ حضرت عمرؓ نے کہا: "ہر کسان اور کاشتکار کو آزاد کردو۔"

اسلام قبول کرلینے پر قیدی کا موقف

ابوعبیدؒ:۔ واضح رہے کہ امام کو قیدیوں کے بارے میں اسی وقت تک اختیار ہے جب تک کہ وہ اسلام قبول نہیں کرلیتے۔ جب وہ اسلام قبول کرلیں تو ان سے یہ تمام احکام اُٹھا لئے جائیں گے اور ان چار میں سے کوئی شکل بھی روانہ ہوگی۔ البتہ اسلام لانے سے پہلے اگر انہیں فروخت کردیا گیا ہو یا تقسیم کرچکے ہوں تو غلامی کی یہ ایک مخصوص شکل باقی رہے گی۔ اس ضمن میں احادیث و روایات موجود ہیں:۔

(۳۶۶) حسن کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک قیدی لایا گیا تو اس نے کہا: "اے اللہ! میں تیری طرف توبہ (رجوع) کرتا ہوں اور محمدؐ کی طرف توبہ نہیں کرتا۔" اس پر آپ نے فرمایا: "اس نے حق کو اس کے حقیقی مالک میں پہچان لیا، (یعنی مسلمان ہوگیا) اسے چھوڑ دو۔"

(۳۶۷) مجاہد کہتے ہیں: "جب قیدی اسلام قبول کرلے تو اس کا خون حرام ہو جاتا ہے۔"

(۳۶۸) یزید بن ابی حبیب کہتے ہیں کہ عمر بن الخطاب رضؓ نے سعد بن ابی وقاص رضؓ کو لکھا:۔

جنگ اور شکست سے قبل اور اُس کے بعد اسلام لانے میں فرق

"میں تمہیں لکھ چکا ہوں کہ (جنگ شروع کرنے سے قبل) تین دن تک لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے رہو، اور جو جنگ سے پہلے تمہاری دعوت قبول کرلے وہ مسلمانوں میں شامل ہوجائے گا۔ اس پر انہی قوانین کا اطلاق ہوگا جو مسلمانوں کے لئے ہیں۔ اور اسے اسلام کی بناء پر حصہ بھی ملے گا، اور جو اس دعوتِ اسلام کو جنگ اور شکست کے بعد قبول کرے تو اس کا مال و جائداد مسلمانوں کے لئے بمنزلہ "فے" ہوگا، اس لئے کہ اس کا مال و جائداد اُس کے مسلمان ہونے سے قبل

ہی مسلمانوں کی ملکیت بن چکی - یہ ہے میرا فرمان نامہ جو تمہیں بھیجا جا رہا ہے۔"

ابو عبیدؒ:- میرا خیال ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس کے مال و جائداد کو "فئے" قرار دیا لیکن خود اسے "فئے" نہیں بنایا بلکہ اسلام لے آنے کی وجہ سے آزاد قرار دیا۔ یہ بھی اس لئے کہ وہ فروخت ہونے یا غنیمت میں تقسیم ہونے سے پہلے ہی مسلمان ہوگیا۔ اگر وہ ان مراحل سے گذر چکا ہوتا اور وہ اللہ کے حصہ کے خمس (⅕) یا مسلمانوں کے حصوں میں آجاتا تو پھر غلام بن جاتا، اور ایسی صورت میں قیدیوں کا اسلام لے آنا بھی ان کی غلامی کو ختم نہیں کرے گا۔ اس مسئلہ کی توضیح مجاہد کی اس روایت سے ہو رہی ہے۔

(۳۶۹) مجاہد کہتے ہیں کہ جو شہر بھی فوجی قوت کے ذریعہ فتح ہو اور وہاں کے باشندے اس سے پہلے کہ انہیں تقسیم کر دیا جائے اسلام قبول کرلیں تو وہ آزاد قرار دئے جائیں گے، لیکن ان کے مال و جائداد مسلمانوں کے لئے "فئے" قرار پائیں گے۔

ابو عبیدؒ:- اہلِ سواد (عراق) کے بارے میں ابن عُیینہ یہی توجیہہ کرتے تھے اور کہتے تھے کہ وہ اس لئے آزاد چھوڑے گئے کہ انہیں تقسیم نہیں کیا گیا تھا۔

(۳۷۰) بعض علماء کا خیال ہے کہ یہ حکم صرف عربوں کے لئے مخصوص ہے اس لئے کہ انہیں غلام نہیں بنایا جا سکتا۔

(۳۷۱) اس مسئلہ میں ایک تیسری رائے بھی ہے اور وہ یہ کہ جب ایک مرتبہ فوجی قوّت کے ذریعہ لوگوں پر قبضہ و غلبہ حاصل ہو جائے تو وہ غلام ہی رہیں گے خواہ وہ تقسیم نہ بھی ہوئے ہوں۔

قیدیوں کی تقسیم سے قبل امام کو ان کے بارے میں اختیار رہے تقسیم کے بعد وہ سفارش کر سکتا ہے

ابو عبیدؒ:- مجھے اس خیال کی تائید میں کوئی حدیث اور روایت نہ مل سکی۔ میرے خیال میں ابن عُیینہ ہی کی بات صحیح ہے یعنی یہ کہ جب تک قیدیوں کو تقسیم نہ کیا جائے امام کو ان کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنے کا اختیار ہے لیکن تقسیم کے بعد امام کا اختیار ختم ہو جاتا ہے۔ البتہ وہ ان لوگوں سے —— جن کی ملکیت میں قیدی پہنچ چکے ہوں —— رضا کارانہ عطیہ کے طور پر ان

قیدیوں کو مانگ سکتا ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حنین والوں کے ساتھ کیا تھا کہ آپؐ نے ان میں سے کسی سے بھی کوئی قیدی واپس نہ لیا بلکہ ان سے طیب خاطر قیدی واپس کرنے کی استدعا کی۔ اس لئے کہ آپؐ قیدی تقسیم فرما چکے تھے لیکن خیبر والوں کے ساتھ آپؐ نے ایسا نہ کیا، انہیں احسان کرتے ہوئے آزاد کر دیا یہی وجہ ہے کہ ان میں سے کسی کو عنا کارانہ واپس مانگنے کی ضرورت ہی نہ ہوئی کیونکہ آپؐ نے انہیں تقسیم ہی نہیں کیا تھا۔

وہ حدیث جس میں حنین کے قیدیوں کی تقسیم کا ذکر ہے پہلے بھی بیان کی جا چکی ہے۔ (دیکھئے نمبر ۳۱۴ و ۳۱۵) یہ ہے:-

(۳۷۲) عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ اور صفوان بن امیہ رضؓ نے اپنے حصہ میں آنے والی دو عورتوں کو کنیز بنا لیا تھا حتیٰ کہ رسول اللہؐ نے ان دونوں عورتوں کو اختیار دیا، چنانچہ ان دونوں عورتوں نے اپنی قوم میں واپس جانے کو ترجیح دی۔

(۳۷۳) اسی مضمون کی تائید ابوسعید خدری رضؓ کی یہ حدیث کر رہی ہے۔

"معرکۂ حنین میں عرب کی شریف زادیاں ہمارے قبضہ میں آ گئیں۔ ہم چاہتے تھے کہ ان کو فدیہ لے کر چھوڑ دیں۔ اور یہ بھی چاہتے تھے کہ ان سے عزل کریں، چنانچہ ہم نے اس خیال کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا۔

یہی مضمون انس بن مالک رضؓ اور سلمہ بن اکوع رضؓ کی روایت کردہ حدیثوں کا ہے:-

(۳۷۴) سلمہ بن اکوع رضؓ کہتے ہیں کہ ہم غزوہ حنین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ جب دشمن حضورؐ پر ٹوٹ پڑے تو آپؐ نے ایک مٹھی مٹی بھری، پھر اسے ان کے چہروں کے سامنے ڈالتے ہوئے فرمایا: "چہرے بگڑ جائیں"۔ چنانچہ ان میں سے کوئی ایسا شخص نہ بچا جس کی آنکھوں میں مٹی نہ بھر گئی ہو۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے انہیں شکست دی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے حاصل شدہ غنیمتوں کو مسلمانوں میں تقسیم فرما دیا۔"

(۳۷۵) انس بن مالک رضؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ حنین سے حاصل شدہ غنیمتیں تقسیم فرما دیں (اسی میں سے) اقرع بن حابس کو سو اونٹ اور عُیینہ بن حصن کو سو اونٹ دئیے۔ بعد ازاں لمبی حدیث بیان کی۔

ابو عبیدؒ:- حنین اور خیبر سے متعلق بہت سی احادیث مروی ہیں۔ بہر حال یہ ہیں دونوں حکموں کے بارے میں تفصیلی بیانات، اور دونوں طریقے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت جاریہ ہیں یعنی یہ کہ قیدیوں کے بارے میں امام کو اختیار اسی وقت تک حاصل ہے جب تک کہ انہیں تقسیم نہ کر دیا جائے اور یہ کہ تقسیم ہو چکنے کے بعد امام کا اختیار ختم ہو جاتا ہے۔ امام کے اختیار کی مثال رسول اللہ ﷺ کا خیبر والوں کے ساتھ سلوک ہے نیز حضرت عمرؓ کا سواد والوں کے ساتھ بشرطیکہ حضرت عمرؓ کے اس عمل کی یہ توجیہہ ان لوگوں کی بات مانتے ہوئے کی جائے جو سواد والوں کو قیدی مانتے ہیں۔ کیونکہ بعض حضرات کے نزدیک نہ انہیں قید کیا گیا تھا نہ وہ غلام بنے تھے۔

(۳۷۶) حضرت عمر بن الخطابؓ کے پاس رفیل اور باشندگان سواد (عراق) کے سردار آئے اور انہوں نے عرض کی "یا امیر المؤمنین! پہلے ہمارے اوپر ایرانی حاکم ہو گئے تھے، جو ہمیں تکلیف پہنچاتے اور ہمارے ساتھ بدسلوکی کرتے تھے۔ پھر انہوں نے اپنے اوپر ایرانیوں کی زیادتیوں کے کچھ قصّے بیان کئے۔ بعد ازاں کہنے لگے" اب جبکہ اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کو لے آیا ہے ہم آپ کی آمد سے بڑے خوش ہوئے۔ ہم نہ آپ کو کسی طرح پریشان کرنا چاہتے ہیں نہ آپ سے لڑائی کرنا چاہتے ہیں، لیکن اب آخر میں ہم کچھ ایسی خبریں سُن رہے ہیں کہ آپ لوگ ہمیں غلام بنا لینا چاہتے ہیں" اس پر حضرت عمرؓ نے کہا "اب تمہاری مرضی ہے تم چاہو تو اسلام قبول کر لو اور چاہو تو جزیہ ادا کرنے پر راضی ہو جاؤ بصورتِ دیگر ہم تم سے جنگ کریں گے"۔ چنانچہ ان لوگوں نے جزیہ دینا قبول کر لیا۔

(۳۷۷) مہلب بن ابی صفرۃ کہتے ہیں کہ ہم (مسلمانوں) نے مَنَاذِر کا محاصرہ کیا اور وہاں سے قیدی ہاتھ لگے تو اس کی اطلاع حضرت عمرؓ کو دی گئی چنانچہ انہوں نے جواب میں لکھا "مَنَاذِر سواد کی بستیوں میں سے ایک بستی ہے لہٰذا وہاں سے جو کچھ تمہیں ہاتھ لگا ہے انہیں واپس کر دو"۔

(۳۷۸) ابوالرقاد شُوَیس کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ کے عہد میں دو ہزار دو درہم لئے، اور میسان والوں میں سے ایک لڑکی قید کی۔ اور ایک مدت تک اس سے مباشرت کرتا رہا۔ پھر ہمیں حضرت عمرؓ کا فرمان نامہ ملا کہ تمہارے قبضہ میں میسان کے جو قیدی ہیں انہیں رہا کر دو۔ چنانچہ رہا کئے جانے والوں میں وہ کنیز بھی میں نے رہا کر دی۔ اللہ کی قسم مجھے نہیں معلوم کہ کس بناء پر میں نے اسے رہا کیا۔

یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ حاملہ تھی یا غیر حاملہ۔ مجھے اندیشہ ہے کہ میری صُلب سے میسان میں مرد اور عورتیں ہوں گی۔

ابوعبیدؒ:۔ سواد کی زمین کے بارے میں تو تمام مسلمان متفق ہیں کہ وہ فوجی قوت کے ذریعہ فتح کی گئی ہے۔ اس لئے کہ وہ ایرانیوں کے قبضہ سے چھینی گئی۔ البتہ اس میں تین علاقے ایسے ہیں جو فوجی قوت کے ذریعہ مفتوحہ نہیں ہیں اور ان کا تذکرہ ہم کسی اور جگہ کر آئے ہیں۔ (دیکھئے نمبر ۲۱۳ تا ۲۱۹)

البتہ یہاں کے باشندوں کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ اگرچہ وہ فوجی قوت کے ذریعہ مغلوب کئے گئے ہیں تاہم انہیں (مسلمانوں میں) تقسیم نہیں کیا گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ ان سے نہ کوئی تعرض کیا گیا نہ انہیں قید کیا گیا۔ اس لئے کہ نہ تو انہوں نے لڑائی کی، نہ اپنی حفاظت و مدافعت کی۔ بہر حال دونوں میں سے جو صورت بھی تھی اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ ان پر جزیہ عائد ہوا۔ اس لئے کہ خواہ انہیں قید نہ بھی کیا گیا ہو وہ پہلے سے آزاد ہی تھے اور اگر انہیں قید کر کے امام نے احسان کرتے ہوئے تقسیم سے پہلے چھوڑ دیا تو بھی وہ خیبر والوں کی طرح آزاد ہو گئے۔ اور یہ لوگ اپنی گواہیوں، شادیوں اور میراث نیز دیگر ذمہ داریوں وغیرہ میں آزاد مانے جائیں گے۔ اور

جزیہ عہد و پیمان اور آزادی کا ثبوت ہے

اس آزادی کا ثبوت یہ ہے کہ ان سے جزیہ لیا جا رہا ہے اور سنت یہی ہے کہ جزیہ صرف آزاد مردوں سے لیا جائے۔

(۳۷۹) شعبی کہتے ہیں: "سواد کے باشندوں سے کوئی معاہدہ اور قول و قرار نہ تھا۔ پھر جب ان سے جزیہ لیا جانے لگا تو ان سے عہد و پیمان ہو گیا۔

مصر کے بزور مفتوحہ یا صلحی علاقہ ہونے میں اختلاف ہے

ابوعبیدؒ:۔ یہی حال مصری قبطیوں کا ہے۔ ان کا قصہ باشندگانِ سواد سے ملتا جلتا ہے۔ ان پر رومی حکومت اس طرح مسلط تھی جس طرح سواد والوں پر ایرانی، انہیں نہ آزادی حاصل تھی نہ اقتدار۔ چنانچہ جب رومی حکومت کو اُن کے اوپر سے نکال دیا گیا تو یہ از خود مسلمانوں کے زیرِ اقتدار آ گئے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے بارے میں مختلف روایات ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ انہیں فوجی طاقت کے ذریعہ فتح کیا گیا اور بعض کا خیال ہے کہ ان کی

طرف سے رومی حکومت نے مسلمانوں سے صلح کر لی تھی۔ ان میں سے ہر خیال کی تائید میں روایات ملتی ہیں:۔

(۳۸۰) ابو العالیہ کہتے ہیں کہ میں نے عمرو بن العاصؓ کو منبر پر یہ کہتے سُنا: "میں جب اپنی اس نشست گاہ پر بیٹھا ہوں[1] تو میرا کسی مصری قبطی سے کوئی عہد و پیمان نہیں ہوا۔ میں چاہوں تو انہیں قتل کر دوں چاہوں تو فروخت کر دوں، چاہوں تو (غنیمت کی طرح) پانچ حصّے (کر کے انہیں تقسیم) کر دوں۔ ہاں صرف انطابلس کے باشندوں سے ہمارا عہد ہے جو ان سے وفا کیا جائے گا"

(۳۸۱) ابنِ عمرؓ کہتے ہیں کہ مصر کسی معاہدہ کے بغیر ہی فتح ہوُا۔

(۳۸۲) صلت بن ابی عاصم جو حیان بن شُریح، (عمر بن عبدالعزیز کی طرف سے مصر کے گورنر) کے سکرٹری تھے کہتے ہیں کہ حیّان بن شُریح کے پاس عمر بن عبدالعزیز کا خط آیا جس میں لکھا تھا کہ مصر فوجی قوت کے ذریعہ فتح ہوُا اور وہاں کے باشندوں سے کوئی عہد و پیمان نہیں ہوا ہے۔

(۳۸۳) جُنادہ کہتے ہیں کہ جن لوگوں نے مصر فتح کیا تھا وہ بغیر کسی عہد و پیمان کے مصر میں داخل ہوئے تھے۔

(۳۸۴) زید بن اسلم کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطابؓ کے ان مکاتیب میں، جن سے غیر عربی ممالک کے ساتھ ان کے معاہدوں کا علم ہوتا ہے، ہمیں صلح مصر کے متعلق کوئی مکتوب نہیں ملتا۔

ابو عبیدؒ:۔ یہ ہیں وہ روایات جن سے مصر کا فوجی طاقت کے ذریعہ فتح ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ اب وہ روایات پیش کی جاتی ہیں جن سے صلح کے ذریعہ فتح ہونے کی تائید ہوتی ہے۔

(۳۸۵) عبیداللہ بن جعفر کہتے ہیں کہ میں نے قدماء میں سے ایک بزرگ سے دریافت کیا: "کیا مصر والوں کے ساتھ کوئی معاہدہ ہوُا تھا؟" انہوں نے جواب دیا: "ہاں" میں نے پوچھا: "کیا ان کے پاس کوئی عہد نامہ تھا؟" انہوں نے کہا: "ہاں، ایک عہد نامہ طُلما کے پاس تھا جو اِخنا کا حاکم تھا۔ ایک معاہدہ فلاں کے پاس، ایک فلاں کے پاس"۔ میں نے پوچھا: "ان سے کیا عہد ہوُا تھا؟" انہوں نے جواب دیا: "ان پر دو دینار جزیہ مقرر کیا تھا اور مسلمانوں کی خوراک

---

[1] یعنی جب میں نے مصر کی زمامِ حکومت سنبھالی۔

(کا اہتمام)۔ میں نے ان سے سوال کیا: "کیا آپ کو وہ شرائط معلوم ہیں جو ان سے کی گئی تھیں؟" انہوں نے کہا: "ہاں، چھ شرائط تھیں ۔ وہ[1] اپنے گھروں سے نہ نکالے جائیں گے ۔ اُن[2] کی عورتیں اور بچے[3] اُن سے نہ چھینے جائیں گے ۔ ان کے خزانے[4] اور اُن کی زمینیں[5] انہی کے پاس رہنے دی جائیں گی۔ اور اُن[6] پر (متعین کی جانے والی پابندیوں میں) کوئی اضافہ نہیں کیا جائے گا۔"

اس اختلاف کی توجیہہ

ابو عبیدؒ:۔ مصریوں کے متعلق روایات میں اختلاف پایا جاتا ہے ۔ میرا خیال ہے کہ یہ دونوں باتیں ہی موجود تھیں۔ اور دونوں مختلف روایات صحیح ہیں، اس لئے کہ مصر دو مرتبہ فتح ہوا ہے۔ پہلی مرتبہ صلح کے ذریعہ فتح ہوا تھا، لیکن رومی پھر پلٹ کر ان پر حکومت کرنے لگے لہٰذا دوسری بار فوجی قوت کے ذریعہ ان پر فتح حاصل کی گئی۔ ہمارے اس خیال کی تصدیق متعدد روایات سے ہوتی ہے:

(۳۸۶) علی بن رباح کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ نے حاطب بن ابی بلتعہ کو مقوقس حاکم مصر کی طرف روانہ کیا وہ قرن کے مشرقی علاقہ سے گذرے تو ان سے صلح کر لی اور وہاں کے باشندوں نے انہیں (جزیہ) دیا ۔ یہ سلسلہ برابر جاری رہا تا آنکہ عمرو بن العاصؓ مصر میں داخل ہوئے اور انہوں نے ان سے لڑائی کی اور وہ صلح ختم ہوگئی۔

(۳۸۷) یزید بن ابی حبیب راوی ہیں کہ مقوقس حاکم مصر نے عمرو بن العاصؓ سے اس شرط پر صلح کر لی تھی کہ وہ ہر قبطی پر دو دو دینار (جزیہ) مقرر کر دیں ۔ جب اس صلح کی اطلاع ہرقل شاہِ روم کو ہوئی تو وہ سخت برہم ہوا اور اس نے فوجیں وہاں بھیج دیں جنہوں نے وہاں پہنچ کر اسکندریہ کے راستے بند کر دئے اور عمرو بن العاصؓ سے اعلانِ جنگ کر دیا۔ چنانچہ انہوں نے ان (فوجوں) سے جنگ کی اور حضرت عمر بن الخطابؓ کو لکھا:

"امابعد۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہماری فوجی قوت کے ہاتھوں ہمارے لئے اسکندریہ کو فتح کرادیا ہے۔ بغیر کسی عہد و پیمان اور بغیر کسی شرط و قرار کے۔"

راوی کہتا ہے کہ یزید بن ابی حبیب کے قول کے مطابق مصر تمام کا تمام صلح کے ذریعہ فتح ہوا اور صرف اسکندریہ فوجی طاقت کے ذریعہ۔ یہی لیث بن سعد کا بھی قول تھا۔

*

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فصل

صلحی علاقوں کے احکام وقوانین

(ایسے علاقے فئے شمار ہوں گے، غنیمت نہیں)

باب

صلحی اقوام کے ساتھ شرائطِ صلح کا ایفاء اور اس ضمن میں مسلمانوں کی ذمہ داریاں، نیز صلحی اقوام پر پابندیوں میں اضافہ کی کراہت کا بیان

شرائطِ صلح کی پابندی کی تاکید اور ان پر اضافہ کی ممانعت

(۳۸۸) جہینہ قبیلہ کے ایک صحابی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قوی امکانات ہیں کہ ایسے لوگوں سے تمہاری لڑائیاں ہوں جو تمہیں مال دے کر اپنی اور اپنے بال بچوں کی جانیں بچانے کی پیشکش کریں اور تم سے معاہدۂ صلح کریں۔ تو ایسے لوگوں سے شرائط صلح سے زائد نہ لینا، اس لئے کہ وہ (شرائط صلح پر اضافہ) تمہارے لئے حلال نہیں ہے"۔

(۳۸۹) ایک دوسری سند سے انہی صحابی سے یہ حدیث اسی طرح مروی ہے۔

ابو عبیدؒ:۔ یہ حدیث صلحی علاقہ کے متعلق بتا رہی ہے کہ از روئے سُنت صلح کے ذریعہ طے شدہ خراج (اور دیگر شرائط) میں کوئی اضافہ نہیں کیا جائے گا۔ خواہ مفتوح قوم اس سے زائد

دینے کی طاقت ہی کیوں نہ رکھتی ہو، اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا فرمان ہے: "ایسے لوگوں سے (طے شدہ شرائط سے) زیادہ نہ لینا اس لئے کہ وہ تمہارے لئے حلال نہیں۔" یہ حتمی امر ہے اس میں کوئی استثناء نہیں کہ اگر وہ زیادہ قوت رکھتے ہوں تو زائد لے لیا جائے۔ یہ بات حضرت عمرؓ کے مندرجہ ذیل فتووں میں کھول کر بیان کی گئی ہے:۔

(۳۹۰) ابراہیم کہتے ہیں کہ ایک شخص حضرت عمر بن الخطابؓ کے پاس آیا اور اُس نے کہا: "میں نے اسلام قبول کر لیا ہے لہٰذا آپ میری زمین سے خراج اُٹھا دیجئے۔" تو اُنہوں نے جواب دیا: "تمہاری زمین تو فوجی طاقت کے ذریعہ فتح ہوئی ہے۔"

ایک اور شخص انؓ کے پاس آیا اور اس نے کہا: "فلاں فلاں زمین متعینہ خراج سے زیادہ ادا کرنے کی قوت رکھتی ہے۔" تو انہوں نے کہا: "ان لوگوں پر اضافہ کا کوئی جواز نہیں کیونکہ ہم نے ان لوگوں سے صلح کی ہے۔"

(۳۹۱) ابن شہاب کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطابؓ معاہدہ صلح کرنے والوں سے اتنا ہی لیا کرتے تھے جس پر ان سے صلح کرتے تھے۔ نہ ان (شرائط میں) سے کچھ کم کرتے تھے نہ ان میں کچھ اضافہ کرتے تھے۔ اور جو لوگ بلا تعینِ مقدار محض جزیہ ادا کرنے پر رضا مند ہو جاتے تھے ان کے مسئلہ میں حضرت عمرؓ غور کرتے تھے۔ اگر وہ لوگ ضرورت مند ہوتے تو ان سے جزیہ کی رقم میں تخفیف کر دیتے، اگر آسودہ حال ہوتے تو ان کی حیثیت کے مطابق اس رقم میں اضافہ کر دیتے تھے۔

(۳۹۲) ایک اور سند سے بھی ابن شہاب حضرت عمرؓ سے ایسی ہی روایت کرتے ہیں۔

(۳۹۳) عبید اللہ بن ابی جعفر کہتے ہیں کہ مجھے مصر کے ایک معمّر بزرگ نے بتایا کہ معاویہؓ نے وَردان کو تحریر کیا تھا: "قبطیوں پر فی کس ایک ایک قیراط بڑھا دو۔" تو وَردان نے انہیں جواب میں لکھا: "میں کیسے بڑھا دوں جبکہ معاہدہ میں یہ شرط مذکور ہے کہ ان پر کوئی اضافہ نہیں کیا جائے گا؟"

شرائط صلح میں اضافہ ممنوع ہے لیکن کمی کے امکانات ہیں

ابو عبیدؒ:۔ میرے خیال میں حضرت عمرؓ کی صلح والی روایت میں "نہ ان سے کچھ کم کرتے تھے نہ اس میں اضافہ کرتے تھے" کا مطلب یہ ہے کہ جب تک صلحی ذمیوں میں اس مقدار کے ادا کرنے کی طاقت رہتی تھی تو مقررہ رقم میں کمی نہیں کی جاتی تھی لیکن اگر وہ مجبور ہو جاتے اور وہ مقررہ رقم ادا کرنے کے قابل نہ رہتے تو ان کی قوتِ برداشت کے مطابق رقم میں کمی کر دیتے تھے۔ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ ان سے متعینہ رقم سے زائد نہیں لیا جائے، لیکن آپؐ نے ایسی صورت میں جبکہ وہ متعینہ رقم ادا کرنے کے قابل نہ رہیں، جزیہ کی رقم میں کمی کرنے کے متعلق کوئی قید نہیں لگائی ہے۔

رہ گیا وہ خط جو معاویہؓ نے وردان کو بھیجا تھا کہ قبطیوں کا جزیہ بڑھا دو تو ہمارے خیال میں یہ درست تھا، اس لئے کہ مصر فوجی قوت کے ذریعہ فتح ہوا تھا۔ اس لئے معاویہؓ نے اضافہ کرنا جائز خیال کیا تھا۔ لیکن وردان کے خیال میں وہ بذریعہ صلح فتح ہوا تھا لہٰذا انہوں نے اضافہ کرنا ناپسند کیا۔ اور اس طرح دونوں میں اختلاف ہو گیا۔

مصر کی فتح کے بارے میں یہ اختلاف رائے ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔

باب

ذمیوں کی ان شرائطِ صلح کا بیان جن کے بعد انہیں اُن کے دین پر بحال رکھا جاتا ہے

جزیہ، فوجیوں کی خوراک اور مسلمان مسافروں کی مہمانی

(۳۹۳) اسلم کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے چاندی رکھنے والوں پر چالیس درہم اور سونا رکھنے والوں پر چار دینار جزیہ مقرر کیا۔ اس کے ساتھ ہی ان کے ذمّہ مسلمانوں کی خوراک اور تین دن کی مہمانی کا فرض بھی عائد کیا۔

(۳۹۴) حارثہ بن مُضرّب کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اہل سواد کے ذمّہ ایک روز و شب کی مہمانی فرض کی تھی اور یہ قانون مقرر کیا تھا کہ ذمیوں کے پاس جو غلّہ اور چارہ ہو اس میں دست اندازی نہ کی جائے۔

(۳۹۵) حارثہ بن مضرّب کہتے ہیں کہ ہماری موجودگی میں حضرت عمرؓ کا خط پڑھا گیا جس میں لکھا تھا: "ہم نے اہلِ سواد پر ایک روز و شب کی مہمانی فرض کی ہے۔ اگر کسی (مسلمان) کو بارش یا بیماری اس مدت سے زائد قیام کرنے پر مجبور کر دے تو پھر وہ اپنا مال خرچ کرے۔

(۳۹۶) احنف بن قیس کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے صلح کی شرائط میں ذمیوں پر ایک روز و شب کی ضیافت فرض کی، نیز ان کے ذمہ پُلوں کی مرمّت رکھی، اور یہ کہ اگر ان کے علاقہ میں کوئی مسلمان قتل ہو جائے تو وہ سب مل کر اس کی دیت ادا کریں۔

(۳۹۷) حکیم بن عمیر کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ بن الخطاب نے لکھا تھا: "مسلمان مسافروں کا کوئی قافلہ اگر معاہدہ کئے ہوئے ذمیوں کے پاس رات میں پناہ لیتے ہوئے پہنچے اور وہ ان کے بسیرے کا انتظام نہ کریں تو اسلامی حکومت کی ذمہ داری ان ذمیوں سے ختم ہو جاتی ہے۔

(۳۹۸) عبدالملک بن عُمیر کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ ابن الخطاب نے شامی نبطیوں سے یہ شرط طے کی تھی کہ ان کے پھلوں اور چارہ کے استعمال کا مسلمانوں کو حق حاصل ہوگا لیکن مسلمان یہ چیزیں لاد کر نہیں لے جائیں گے۔

معاہدین کے بال بچوں کی خریداری کا مسئلہ

(۳۹۹) عبداللہ بن ہُبیرہ سبائی کہتے ہیں کہ عمرو بن العاص رضؓ نے اہل انطابُلس سے جزیہ دینے پر جو صلح کا معاہدہ کیا تھا اس میں یہ شرط بھی تھی کہ وہ اپنے جزیہ کی رقم کے عوض اپنے بیٹوں میں سے جسے چاہیں فروخت بھی کر سکتے ہیں۔

(۴۰۰) یزید بن عبداللہ حضرمی کہتے ہیں کہ جب وہ انطابلس کے حاکم بنے تو ان کے پاس ابن دِیاس اپنا عہد نامہ لے کر آیا۔

ابوعبیدؒ:- ابن دِیاس عیسائی ہیں اور مصری نبطیوں میں سے قبطی ہیں۔

(۴۰۱) یزید بن ابی حبیب کہتے ہیں کہ مصریوں اور افریقی دیگر سیاہ فام نسلوں کے درمیان کوئی عہد و پیمان نہیں۔ البتہ ان کے اور ہمارے درمیان امن و صلح تھی۔ ہم انہیں کچھ گیہوں اور مسور دیتے تھے اور وہ ہمیں اس کے عوض آٹا[ل] دیتے تھے۔ ہمارے لئے اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ ہم ان کا آٹا ان سے اور دوسروں سے خرید لیں۔

ابوعلیدؒ:- سیاہ فاموں سے مُراد نُوبہ (سیاہ فاموں کی ایک مخصوص نسل) اور ان کی قسم کے دیگر سیاہ فام ہیں۔ صلح خاص طور پر نوبہ سے تھی۔

(۴۰۲) لیث بن سعد کہتے ہیں کہ ہمارے اور نوبہ کے درمیان باہم جنگ نہ کرنے پر صلح تھی ۔۔ اور یہ کہ وہ ہمیں آٹا دیتے رہیں اور ہم انہیں غلہ اور کھانے کی چیزیں۔ لیث کہتے ہیں کہ اگر وہ اپنے بچے یا عورتیں فروخت کریں تو میرے خیال میں لوگوں پر اس کا سودا کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

(۴۰۳) لیث کہتے ہیں کہ یحییٰ بن سعید انصاری اس بارے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے

ل۔ یہاں آٹے کے لئے عربی لفظ دَقیق ہے۔ ایک قلمی نسخہ میں دقیق کے بجائے رقیق ہے یعنی غلام۔ آگے نمبر ۴۰۲ میں آٹے کی جگہ غلام ہے۔

تھے۔ نیز وہ کہتے ہیں: اہلِ صلح دشمنوں میں سے جو بھی اپنے بچّے فروخت کرے تو ان سے ان بچّوں کو خرید لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

(۴۰۴) ابو عبیدؒ:- یہی اوزاعی کی رائے تھی۔ وہ بھی اس سودے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔ اس لیئے کہ ہمارے احکام و قوانین ان لوگوں پر نافذ نہیں ہوتے۔

(۴۰۵) لیکن سفیان اور اہلِ عراق اس (سودے) کو ناپسند کرتے ہیں۔

ابو عبیدؒ:- میرے نزدیک دونوں اقوال میں سے مؤخر الذکر زیادہ پسندیدہ ہے۔ اس لیئے کہ صلح میں امن وامان شامل ہے اور ایسی صورت میں غلام کیونکر بنایا جا سکتا ہے؟

(۴۰۶) صفوان بن عمرو وغیرہ راوی ہیں کہ معاویہؓ نے بذاتِ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کی ایک جماعت کے ساتھ جن میں حضرات ابو ذرؓ، ابوالدرداءؓ، شداد ابن اوسؓ، مقداد بن اسودؓ اور تابعین میں سے کعب الاحبار اور جُبیر بن نُفَیر تھے، قبرص پر حملہ کیا۔ اور وہاں سے بڑی کامیابی اور فتح و نصرت کے ساتھ واپس آئے، اور بڑی غنیمتیں ہاتھ لگیں، بعد ازاں مسلمان پیہم اہلِ قبرص پر یلغار کرتے رہے تا آنکہ معاویہؓ نے اپنے عہد میں ان سے اس شرط پر دائمی صلح کر لی کہ وہ سات ہزار دینار (سالانہ) دیتے رہیں مسلمانوں کی خیر خواہی کرتے رہیں، اور مسلمانوں کے دشمن رومیوں کی افواج کے مسلمانوں کی طرف آمد اور نقل و حرکت سے انہیں باخبر کرتے رہیں۔ یہ یا اسی قسم کی شرائط تھیں۔

(۴۰۷) اسمٰعیل بن عیاش کہتے ہیں کہ حبیب بن مَسلمہ فہری نے جُرزان اور ارمینیا کے باشندوں سے اس شرط پر صلح کی تھی کہ یہ لوگ (اسلامی) لشکر کی اہل کتاب کے حلال کھانوں سے مہمانی کریں گے۔

(۴۰۸) محمد بن سیرین کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے ماوراء النہر والوں سے عہد و پیمان کیا تھا۔

باب

شرائطِ صلح کے علاوہ مسلمانوں کے لئے ذمیوں کے مال سے کیا کچھ حلال ہے

ذمیوں کا نقصان کئے بغیر اپنی معمولی اور چھوٹی چھوٹی ضرورتوں کی تکمیل

(۴۰۹) ابوظبیان کہتے ہیں کہ ہم نے سلمان سے دریافت کیا: "ہمیں ہمارے ذمہ میں آنے والوں (ذمیوں) سے کیا کچھ (استفادہ) حلال ہے؟" تو انھوں نے کہا: "وہ کچھ جس کے ذریعہ تم اندھیرے سے روشنی میں آجاؤ[1] اور اپنی ضرورت اس حد تک پوری کرنا کہ احتیاج نہ رہے۔ اور یہ کہ جب تم میں سے کوئی ان کے ساتھ چلے تو اس کی سواری پر سوار ہو جائے لیکن جدھر وہ (ذمی) جانا چاہتا ہو اس سمت سے اس کی سواری کا رخ نہ پھیرے، اور یہ کہ تم اس کے کھانے میں سے کھالو اور وہ تمہارے کھانے میں سے کھالے۔

(۴۱۰) جندب بن عبداللہ کہتے ہیں کہ ہم ذمیوں کے پھل اور عمدہ چیزوں کو استعمال کرلیتے تھے لیکن ان کی عورتوں اور مالوں میں حصہ نہیں لگاتے تھے اور ہم اپنی رہنمائی کے لئے ان سے بیگار لیتے تھے۔

(۴۱۱) سعید بن عبدالعزیز کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے فلسطینی نبطیوں سے بیت المقدس کی صفائی کے لئے بیگار لی۔ اس میں بڑا گھورا (کوڑا کرکٹ اکٹھا) ہوگیا تھا۔

---

[1] ۔ یعنی اگر ان کے علاقہ میں راہ میں بھٹک جاؤ تو ان میں سے کسی کی خدمات رہنمائی کے لئے لے لو۔

یہ چھوٹی چھوٹی باتیں جزیہ کے ساتھ شرائط صلح میں شامل ہوتی تھیں

ابو عبیدؒ:۔ میری رائے میں مسلمانوں کے ذمیوں سے ان اشیاء کے لینے کی توجیہ یہ ہے کہ مسلمان معاہدہ صلح میں جزیہ کے ساتھ ان امور کو بھی شرائط میں شامل کر لیتے تھے۔ یہی سبب ہے کہ مسلمان ان چیزوں کا لینا جائز سمجھتے تھے۔ اس لئے کہ مسلمانوں کی طرف سے ان کے ساتھ کیا ہوا عہد اور ذمہ داری پوری کی جاتی تھی۔ شریک اور حسن بن صالح سے بھی اسی طرح مروی ہے اور مالکؒ سے بھی اسی مضمون کی روایت ہے:

(۴۱۲) ابن بکیر کہتے ہیں کہ مالکؒ سے ان چیزوں کے متعلق دریافت کیا گیا جو ذمیوں سے لی جا سکتی ہیں، تو انہوں نے جواب دیا: "ان سے بغیر ان کی خوشنودی و مرضی کے کوئی چیز نہیں لی جا سکتی۔" ان سے سوال کیا گیا: "اس مہمانی کے متعلق کیا فرماتے ہیں جو اُن پر عائد ہے؟" تو انہوں نے کہا: "اس میں بھی ان سے (باعتبار شرائط) تخفیف و سہولت کی جاتی تھی۔" اوزاعی سے بھی اسی مضمون کی روایت ہے۔

(۴۱۳) ولید بن مسلم کہتے ہیں کہ میں نے اوزاعی سے ذمیوں کے پھلوں کے بارے میں استفسار کیا تو انہوں نے جواب دیا: "مسلمان ان کے پھلوں میں سے تھوڑی سی مقدار لے لیا کرتے تھے یہ اس صورت میں کہ مسلمانوں کا لشکر ذمیوں کے علاقے سے نہ گزر رہا ہو اس لئے کہ لشکر کو ان کے پھل لینا روا نہیں"۔

ابو عبیدؒ:۔ اوزاعی کے اس جواب کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان وہ معمولی مقدار اس لئے لیا کرتے تھے کہ اس کا معاہدہ صلح میں ذکر ہوتا تھا، لیکن ہماری معلومات کے مطابق اس سے زیادہ لینے کی اجازت کسی عالم نے نہ قدیم زمانہ میں دی ہے نہ جدید دور میں۔ اس بارے میں آثار متواترہ ہیں:۔

شرائط صلح میں مندرجہ اشیا کے سوا ذمیوں سے کوئی چیز لینا حلال نہیں

(۴۱۴) ابو امامہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ سے ایک شخص نے کہا: "ہم ذمیوں کے علاقے سے گزرتے ہیں تو ہم ان (کی کھیتی) کے جو

یا اور کوئی چیز استعمال کر لیتے ہیں" اس پر ابن عباسؓ نے کہا: "تمہارے لئے معاہدہ صلح میں درج شدہ امور کے سوا ذمیوں کی کوئی چیز لینا حلال نہیں ہے۔"

(۴۱۵) صعصعہ کہتے ہیں کہ میں نے ابن عباسؓ سے کہا: "ہم ذمیوں کے علاقے سے گذرتے ہیں تو ان کی کچھ چیزیں اپنے استعمال میں لے آتے ہیں۔" انہوں نے پوچھا "بغیر قیمت ادا کئے؟" میں نے کہا "ہاں، بغیر کسی قیمت کے" اس پر انہوں نے کہا: "تم وہی کر رہے ہو جو اہل کتاب کہا کرتے تھے:۔

لَیْسَ عَلَیْنَا فِی الْاُمِّیّٖنَ سَبِیْلٌ وَ یَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰهِ الْکَذِبَ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ۔ (آل عمران: ۷۵)

اُمیّوں کے بارے میں ہم پر کوئی (گرفت کی) راہ نہیں۔ اور وہ جانتے بوجھتے اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں

(۴۱۶) حضرت ابن عباسؓ سے ایسی ہی روایت ایک اور سند سے بھی مروی ہے۔

(۴۱۷) طلحہ بن مُصَرِّف کہتے ہیں کہ خالد بن الولیدؓ نے کہا: "تین قدم بھی اس ارادے سے آگے نہ بڑھانا کہ تین آدمیوں پر حکمرانی کرو یا کسی معاہدہ کئے ہوئے (ذمی) کو (ناحق) سوئی یا اس سے بھی کمتر چیز کا نقصان پہنچاؤ یا مسلمانوں کے امام پر کوئی آفت ڈھانے کا ارادہ کرو۔"

(۴۱۸) ابو عبداللہ (سعد کے آزاد کردہ غلام) یا ابو عبدالرحمٰن[1] کہتے ہیں کہ میں سعدؓ کے ساتھ تھا کہ رات ہمیں باغ میں گذارنا پڑی ——— دوسری روایت میں تصریح ہے کہ یہ باغ ذمی کا تھا ——— چنانچہ ہم نے اس باغ کے مالک کی تلاش کی لیکن وہ ہمیں نہ ملا۔ اس پر سعدؓ نے کہا: "اگر تمہیں یہ پسند ہو کہ کل اللہ سے مسلمان کی حیثیت سے ملو تو اس باغ کی کسی چیز کو نقصان نہ پہنچانا" چنانچہ ہم دونوں نے بھوکے پیٹ رات گذاری حتیٰ کہ صبح ہو گئی۔

(۴۱۹) سعید بن عبدالعزیز نے ہمیں بتایا کہ ابو الدرداءؓ ذمیوں کی بستیوں میں سے کسی بستی میں پڑاؤ کرتے تھے تو اس سے زیادہ کچھ فائدہ نہ اُٹھاتے کہ ان کے پانی میں سے پی لیتے، ان کے سایہ میں آرام کر لیتے، اور ان کا جانور ان کی چراگاہوں میں چر لیتا، جس پر وہ اپنے آدمیوں کو حکم دیتے کہ انہیں کچھ چیز یا سکّے دے دینا۔

---

[1] یہ شک ابو عبید کو ہے۔

(۴۲۰) عثمان بن ابی العاتکہ کہتے ہیں کہ عبادۃ بن الصامت رضؓ دُعمؔ نامی ایک بستی سے گذرے جو غوطہ کے علاقہ میں تھی، اور انہوں نے اپنے خادم کو دریائے بَرَدَی کے ساحل سے صفصاف کی ایک مسواک لانے کا حکم دیا۔ وہ تعمیل حکم کے لئے چلا تو انہوں نے اسے آواز دی کہ واپس آجاؤ، اور کہا کہ اگرچہ اس وقت وہ (شاخ) کوئی قیمت نہیں رکھتی تاہم خشک ہوکر ایندھن بن جانے پر قیمتی ہو جائے گی۔

(۴۲۱) اوزاعی کہتے ہیں کہ ابوہریرہؓ نے ایک شخص سے جو جہاد پر جارہا تھا، کہا "کسی کھیت کو نہ روندنا، اور اپنے امام (فوجی کمانڈر) کی اجازت کے بغیر کسی بلندی پر نہ چڑھنا، اور خبردار ایک دو توبڑے (بھی جانور کے چارہ کے) ذمیوں کے مال میں سے نہ بھرنا ورنہ تمہارے غزوہ وجہاد کا اجر باطل ہو جائے گا۔" پھر وہ شخص ابن عباسؓ سے ملا تو اُنہوں نے بھی اسی طرح کی نصیحت فرمائی۔

(۴۲۲) ابوظَبیان کہتے ہیں کہ ہم جَلولا، یا نہاوند میں سلمانؓ (فارسی) کے ساتھ تھے کہ ایک آدمی آیا جس نے اپنی سواری کا جانور پھلوں سے لاد رکھا تھا اور جس کے پاس سے گزرتا اسے بھی وہ ان پھلوں میں سے کھلاتا۔ حضرت سلمانؓ نے اسے بُرا بھلا کہا، تو اُس نے بھی سلمانؓ کو پلٹ کر گالی دی۔ پھر جب اس شخص کو بتایا گیا کہ یہ بزرگ سلمانؓ (فارسی صحابی) ہیں۔ تو وہ ان کے پاس جاکر ان سے معافی مانگنے لگا۔

(۴۲۳) یزید بن ابی مالک کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی ایک جماعت جن میں حضرت عمرؓ ابن الخطاب بھی موجود تھے جابیہ میں تھی۔ اس موقع پر ایک ذمی شخص حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور اس نے انہیں بتایا کہ لوگ (مسلمان) اس کے انگور تیزی سے لے جارہے ہیں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ اس طرف نکل گئے جہاں انہوں نے اپنے ساتھیوں میں سے ایک کو دیکھا کہ وہ اپنی ڈھال میں انگور بھرے اُٹھائے لئے چلا جارہا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اس سے کہا: "ارے تو بھی یہ حرکت کر رہا ہے؟" اس نے جواب دیا: "امیرالمومنین! ہم فاقہ میں مبتلا ہوگئے تھے۔" چنانچہ حضرت عمرؓ واپس ہوگئے اور انہوں نے حکم دیا کہ انگور والے کو اس کے

انگوروں کی قیمت دے دی جائے۔

امام کسی نقصان کی ضمانت نہ لینے کا اعلان کرسکتا ہے

(۴۲۴) حکیم بن عمیر کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی نے ذمیوں سے، لشکر سے پہنچنے والے نقصان[1] کی ذمہ داری لینے سے برائت کا اظہار کیا تھا۔

---

[1] اس میں فوجی نقل و حرکت کے باعث فصلوں اور باغات کا نقصان نیز امیر کی اجازت کے بغیر لشکر کا کسی بستی والوں سے لڑنا وغیرہ شامل ہے۔

باب

صلح کے بعد مفتوحہ علاقہ کے لوگوں کو اُن کے سابقہ معاملات (اعمال واطوار) پر بحال رہنے دیا جائے گا

صلح سے قبل کے مروجہ مراسم ومعابد کی بحالی

(۴۲۵) عبداللہ بن قیس (یا عبداللہ بن ابی قیس) کہتے ہیں کہ میں ان لوگوں میں تھا جو حضرت عمر بن الخطابؓ کی شام میں آمد پر ابو عبیدہؓ کی معیت میں ان کا استقبال کر رہے تھے۔ ابھی حضرت عمرؓ چل رہے تھے کہ اذرعات کے باشندوں میں سے کچھ کھیل کرتب کرنے والے لوگوں نے تلواروں اور گلدستوں سے ان کا استقبال کرنا شروع کیا۔ حضرت عمرؓ نے کہا: "بس کرو، ان کو روک دو اور انہیں واپس کر دو۔" اس پر ابو عبیدہؓ نے کہا: "یا امیر المومنین! یہ تو ان عجمیوں کا دستور ہے۔ اگر آپ انہیں اس سے روکیں گے تو یہ خیال کریں گے کہ آپ ان سے کئے ہوئے معاہدہ صلح میں کچھ خلل ڈالنا چاہتے ہیں۔" اس پر حضرت عمرؓ نے کہا: "انہیں رہنے دو۔ عمرؓ اور آلِ عمرؓ (اس علاقہ میں) ابو عبیدہؓ کے زیرِ فرمان ہیں۔"

ابو عبیدؒ:۔ کھیل کرتب والی یہ جماعت اپنے علاقہ میں آنے والے حاکموں اور بادشاہوں کا استقبال اسی انداز سے کرتی تھی۔ حضرت عمرؓ نے اسے ناپسند کرتے ہوئے انہیں روک دیا لیکن پھر بحال کر دیا۔ اس لئے کہ یہ رواج صلح سے پہلے ان میں جاری تھا۔ یہی حال ان کے دیگر رسم ورواج اور دستور وغیرہ نیز گرجوں اور معبدوں کا ہوگا جن کی موجودگی میں صلح کی گئی ہو۔ لہٰذا کسی کے لئے یہ عہد شکنی روا نہیں۔ اور یہی حضرت ابن عباسؓ کے اس

قول کا مفہوم ہے "جو امور پہلے سے جاری ہوں تو مسلمانوں کا فرض ہے کہ ان کے ساتھ ان امور میں وفاشعاری اختیار کریں"۔ اس کی تائید میں مزید روایات ہیں :

(۴۲۶) رجاء بن ابی سلمہ کہتے ہیں کہ حسان بن مالک نے دمشق کے عجمیوں کے خلاف (ان کے) کسی کنیسہ کے بارے میں عمر بن عبدالعزیز کے سامنے مقدمہ پیش کیا۔ حسان بن مالک نے کہا کہ فلاں حاکم ——— انہوں نے کسی حاکم کا نام بھی لیا ——— نے یہ کنیسہ مجھے بطور جاگیر بخشا تھا۔ عمر بن عبدالعزیز نے کہا: "اگر وہ ان پندرہ کنیسوں میں سے ہے جن کے باقی رکھنے کے متعلق ہم نے ان سے معاہدہ کر رکھا ہے تو وہ کسی طریقہ سے تمہیں نہیں مل سکتا۔"

(۴۲۷) علی بن ابی حملہ کہتے ہیں کہ ہم نے دمشق کے عجمیوں کے خلاف ایک کنیسہ کے بارے میں عمر بن عبدالعزیزؒ کے سامنے مقدمہ پیش کیا، جسے فلاں امیر نے دمشق کے بنی نصر کو جاگیر کے طور پر دے دیا تھا۔ عمر بن عبدالعزیزؒ نے ہمیں اس سے بے دخل کر دیا اور وہ کنیسہ عیسائیوں کے حوالہ کر دیا۔ لیکن جب یزید بن عبدالملک کا دورِ حکومت آیا تو انہوں نے عیسائیوں کو بے دخل کر کے وہ کنیسہ پھر بنی نصر کو واپس دے دیا۔

(۴۲۸) ولید بن ہشام مُعَیطی کہتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز نے مجھے قنسرین کے صوبہ کا گورنر بنایا جو صلح کے ذریعہ فتح ہوا تھا تو وہاں کے ذمیوں نے عمر بن عبدالعزیز کے پاس جا کر مسلمانوں کی شکایت کی کہ وہ ہمارے گھروں میں اقامت پذیر ہو گئے ہیں۔ چنانچہ عمر بن عبدالعزیز نے مجھے لکھا: "آپ ان لوگوں کے ان گھروں کی تحقیق کیجئے جن میں یہ صلح کے وقت رہتے تھے پھر ان میں سے مسلمانوں کو بے دخل کر دیجئے۔" چنانچہ میں نے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ ایسے لوگ کم ہیں۔ پھر انہوں (ذمیوں) نے مجھے ایسا کرنے سے منع کر دیا تو میں نے کوئی اقدام نہ کیا۔

ابو عبیدؒ:۔ عمر بن عبدالعزیز نے مکانات اور کنیسوں کا ذمیوں کے حق میں اس لئے فیصلہ کیا تھا کہ صلح کے بموجب وہ ان کے مالکانہ حقوق یا دینی حقوق میں شامل تھے، لیکن اگر یہ کوئی ایسی چیز ہوتی جس میں مسلمانوں کا حق ہوتا تو وہ صلح میں شامل نہ ہوتا۔ اور مسلمان اس کے زیادہ مستحق ہوتے۔ جیسا کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے بیت المقدس کی مسجد کے بارے میں عمل کیا تھا۔ انہوں نے یہ ملک صلح کے ذریعے فتح کیا تھا لیکن بعد ازاں انہوں نے

ذمیوں کو اس مسجد سے بے تعلق کر دیا اور انھوں نے اس مسجد میں ان کا کوئی حق نہ سمجھا۔

(۴۲۹) یزید بن ابی حبیب کہتے ہیں کہ عمر بن الخطاب رضؓ نے خالد بن ثابت فہمی کی سرکردگی میں ایک لشکر بیت المقدس روانہ کیا، اور خود حضرت عمر رضؓ جابیہ میں قیام فرما رہے۔ چنانچہ انھوں نے وہاں پہنچ کر ان (کفار) سے جنگ کی۔ کفار نے اس شرط پر خود کو سونپنے کی پیشکش کی کہ انہیں قلعہ کی حدود کا اندرونی حصہ مل جائے جس کے عوض وہ کچھ دیتے رہیں گے اور قلعہ کے باہر کا حصہ مسلمانوں کا ہوگا۔ خالد نے کہا کہ ہم اس شرط پر تمہاری یہ پیشکش منظور کرتے ہیں کہ امیر المومنین اسے قبول کرلیں۔ چنانچہ اُنھوں نے حضرت عمر رضؓ کو ان تفصیلات پر مشتمل ایک خط لکھا، جس کے جواب میں حضرت عمر رضؓ نے لکھا "میرے آنے تک تم اسی حالت میں رکے رہو" اس کے بعد خالد نے ان لوگوں سے جنگ بند کر دی تا آنکہ حضرت عمر رضؓ وہاں آگئے، چنانچہ ان لوگوں نے خالد بن ثابت سے کئے ہوئے معاہدہ کے مطابق حضرت عمر رضؓ کے لیے بیت المقدس کا دروازہ کھول دیا۔ اسی وجہ سے بیت المقدس کو فتوحات عمر بن الخطاب رضؓ کہا جاتا ہے۔

(۴۳۰) عبداللہ بن ابی عبداللہ کہتے ہیں کہ جب حضرت عمر رضؓ خلیفہ ہوئے تو اُنھوں نے شام والوں کا معائنہ کیا۔ وہ جابیہ میں ٹھہرے اور جدیلہ قبیلہ کے ایک شخص کو بیت المقدس کی مہم پر بھیجا جس نے اسے صلح کے ذریعہ فتح کیا۔ پھر حضرت عمر رضؓ آئے اور ان کے ساتھ کعب بھی تھے۔ حضرت عمر رضؓ نے ان سے کہا "اے ابو اسحٰق! کیا تمہیں چٹانؒ کی جگہ معلوم ہے؟" انھوں نے جواب دیا: "وادی جہنم سے متصل دیوار سے اتنے اتنے ہاتھ ناپو، پھر اس جگہ کو کھودو تو تمہیں وہ چٹان مل جائے گی" وہ جگہ اس وقت کھودا بنی ہوئی تھی چنانچہ لوگوں نے اس جگہ کو کھودا، اور وہ چٹان نمودار ہوگئی۔ پھر حضرت عمر رضؓ نے کعب سے کہا: "کیا خیال ہے تمہارا ہم مسجد —— یا قبلہ —— کدھر بنائیں؟" اُنھوں نے جواب دیا: "اس چٹان کے پیچھے، تاکہ دونوں قبلے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قبلے۔ اکٹھے ہو جائیں"۔ اس پر حضرت عمر رضؓ نے کہا: اے ابو اسحٰق! تم نے تو یہودیت سے مشابہت پیدا کردی، مسجدوں کا بہترین حصہ ان

لہ اس سے مراد بیت المقدس کا وہ صخرہ ہے جس پر بعد میں قبۃ الصخرۃ بنا دیا گیا۔

کا اگلا حصّہ ہوتا ہے۔" چنانچہ اُنہوں نے قبلہ مسجد کے اگلے حصّہ میں بنوایا۔

(۴۳۱) سعید بن عبدالعزیز کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے بیت المقدس کی صفائی اور جھاڑو کے لئے فلسطینی نبطیوں سے بیگار لی۔ بیت المقدس میں بڑا گھورا تھا۔

ابو عبیدؒ:۔ ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ حضرت عمرؓ نے مسجد مسلمانوں کے حق میں داخل کردی اور ذمیوں کو مسجد سے جُدا کردیا۔ اور وہ آج تک اسی طرح ہے کہ ذمی اس میں داخل نہیں ہوتے۔ وہ علاقہ تو صلح کے ذریعہ فتح ہوا تھا لیکن حضرت عمرؓ نے مسجد کو صلح میں شامل نہیں کیا۔ اس لئے کہ وہ ذمیوں کے حقوق میں سے نہ تھی۔

باب

صلح کے ذریعہ مفتوحہ علاقہ کے (ذمی) باشندے اگر اسلام قبول کرلیں تو اُن کی زمینیں خراجی ہوں گی یا عُشری؟

اسلام قبول کرلینے کے بعد بھی ذمی کے پاس فئے کی جو زمین ہوگی وہ خراجی ہی رہے گی

(۴۳۲) زہری کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے بحرین کے مجوسیوں سے جزیہ قبول کرلیا تھا، پھر ان میں سے جس نے اسلام قبول کیا اس کا اسلام تسلیم کرلیا گیا۔ اور اس اسلام کی بدولت اس کی جان و مال محفوظ ہوگئی۔ سوائے زمین کے کہ وہ مسلمانوں کے لئے "فئے" ہی رہے گی کیونکہ اس کا (ذمی) مالک اپنی پہلی خود مختاری و آزادی کی حالت میں مسلمان نہیں ہوا۔

(۴۳۳) ایک اور سند سے بھی یہی مضمون مروی ہے۔

ابو عبیدؒ: "اس کی زمین مسلمانوں کے لئے "فئے" ہی رہے گی۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس (ذمی) کے اسلام لے آنے پر وہ اس سے چھین لی جائے گی بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کے لئے "فئے" ہے اور وہ مسلمانوں کی مملوکہ زمینوں کی طرح یہ زمین عشری نہیں مانی جائے گی۔ یہ ان علماء کا مذہب ہے جو صلح کے ذریعے مفتوحہ علاقے کی زمینوں کی خریداری ناپسند کرتے ہیں۔

اس مضمون کی تائید حضرت عمر بن عبدالعزیز کی اس روایت سے ہوتی ہے:۔

صلحی اور غیر صلحی زمینوں کی ملکیّت میں اختلاف

(۴۳۴) لیث بن سعد کہتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز نے کہا: "جن لوگوں سے ادائی جزیہ کی شرط پر صلح کی گئی ہو پھر ان میں سے کوئی مسلمان ہو جائے تو اس (مسلمان) کی زمین اس کی قوم کے بقیہ (غیر مسلم) افراد کی ہو جائے گی۔"

ابو عبیدؒ:۔ اس کے معنے یہ ہیں کہ اس زمین پر وہی قانون لاگو ہو گا جو اس کی قوم کے دیگر افراد پر لاگو ہوتا ہے، یعنی جو خراج اس کی قوم کے دیگر افراد زمین کا ادا کر رہے ہیں وہی اس سے لیا جائے گا۔

لیکن مالک بن انس کی رائے اس سے مختلف ہے:۔

(۴۳۵) مالک کہتے ہیں کہ اہلِ صلح میں سے جو اسلام لے آئے وہ اپنی زمین کا زیادہ حق دار ہو گا، البتہ فوجی قوت کے ذریعہ مفتوح علاقہ کے لوگوں کی زمینیں اور اموال مسلمانوں کی ملکیّت ہو جائیں گے۔ اس لئے کہ مؤخر الذکر علاقہ کے لوگ مجبور و مغلوب ہو گئے تھے اور ان کا مال مسلمانوں کے لئے "فئے" بن گیا۔ لیکن جن سے صلح کی گئی وہ صلح کر لینے تک اپنے ملک اور اپنی جانوں کی حفاظت کرتے رہے۔ لہٰذا ان کے ساتھ وہی سلوک ہو گا جس کا ذکر صلح کے معاہدہ میں ہوا ہو۔

ابو عبیدؒ:۔ ابن سیرین سے بھی اس سے ملتا جلتا قول مروی ہے:۔

(۴۳۶) ابن سیرین کہتے ہیں: "سواد کا کچھ علاقہ فوجی قوت کے ذریعہ اور کچھ علاقہ صلح کے ذریعہ فتح کیا گیا۔ جو علاقہ صلح کے ذریعہ فتح ہوا ہو وہ وہاں کے باشندوں ہی کا مال ہے لیکن جو فوجی قوت کے ذریعہ فتح ہوا وہ مسلمانوں کی ملکیت ہے۔

ابو عبیدؒ:۔ گویا ابن سیرین اور مالک کے مذہب کی رُو سے صلحی علاقہ کی زمینوں کی خریداری میں کوئی مضائقہ نہیں ہو گا۔ اس لئے کہ وہاں کی زمینیں وہاں کے اصل سابقہ باشندوں کی ملکیت رہتی ہیں۔

(۴۳۷) حسن بن صالح سے بھی یہی مروی ہے وہ بھی صلحی علاقہ کی زمینوں کی خریداری

میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔ البتہ فوجی قوت کے ذریعہ مفتوحہ علاقہ کی زمین خرید نا مکروہ خیال کرتے تھے۔

صلحی زمین کا اسلام قبول کر لینے والا مالک خراج دے گا یا عشر؟

ابو عبیدؒ: اس مسلک سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ صلحی زمین والے ذمی جب اسلام قبول کرلیں تو ان کی زمین (بجائے خراجی کے) عشری ہو جائے گی اس لئے کہ وہ انہی کی ملکیت تھی۔

لیکن امام ابو حنیفہؒ کا قول اس سے مختلف ہے:۔

(۴۳۸) مجھے محمدؒ نے بتایا کہ امام ابو حنیفہؒ کہتے تھے: "ان (صلحی ذمیوں) میں سے جو اسلام قبول کرلے یا اس کی زمین کوئی مسلمان خرید لے تو اس پر صلح کے شرائط حسب سابق باقی رہیں گے۔

(۴۳۹) ابو عبیدؒ: لیکن اس بارے میں جس قول کو میں ترجیح دیتا ہوں یہ ہے کہ جب وہ سب اسلام قبول کرلیں تو ان کے پرانے قانون منسوخ ہو کر ان پر مسلمانوں کے احکام جاری ہوں گے۔ اس طرح ان کی زمینیں عشری ہو جائیں گی اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں یہ شرط تھی کہ "جو مسلمان ہو جائے گا اس کو وہ مراعات حاصل ہونگی جو مسلمانوں کو حاصل ہیں۔ نیز اس پر وہ ذمہ داریاں عائد ہوں گی جو مسلمانوں پر عائد ہوتی ہیں۔ اس لئے کہ اسلام اپنے سے ماقبل کو منہدم کر دیتا ہے۔

آپ جانتے ہیں کہ ایسے لوگوں پر اسلام کے بعد سابقہ شراب خوری وغیرہ ممنوع ہو جاتی ہے۔ یہی حال ان کے ملک (اور زمینوں) کا بھی ہوگا کہ جب تک وہ ذمی رہیں ان سے خراج لیا جائے گا۔ جب مسلمان ہو جائیں گے تو ان پر وہ زکوٰۃ فرض ہو جائے گی جو اللہ نے مسلمانوں پر فرض کی ہے اور اس طرح ان کے معاملات تمام مسلمانوں کے مطابق ہو جائیں گے۔

باب

مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان میعادی امن و صلح کا بیان

(۴۴۰ و ۴۴۱) دو مختلف سندوں سے عروۃ روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ کے موقع پر مسلمانوں سے بیعت لی تو اس بیعت نے یرغمال شدہ[1] مشرکین کو ترغیب دلائی[2] اور انہوں نے امن و صلح کی پیش کش کی، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں:۔

وَهُوَ الَّذِیْ كَفَّ اَیْدِیَهُمْ عَنْكُمْ وَاَیْدِیَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَیْهِمْ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرًا ۝
(الفتح ۴۸: ۲۴)

وہی ذات ہے جس نے مکہ کے نشیبی علاقہ میں تمہیں ان پر فتحمند کرنے کے بعد ان کے ہاتھوں کو تم سے اور تمہارے ہاتھوں کو ان سے روک دیا اور اللہ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے خوب واقف ہے۔

---

[1] صلح حدیبیہ کے دوران جب حضرت عثمانؓ مکہ گئے ہوئے تھے اور مشرکین کا وفد رسول اللہؐ کے پاس تھا ایک طرف تو یہ مشہور ہو گیا کہ حضرت عثمانؓ شہید کر دئے گئے، اور دوسری طرف کفار نے مسلمانوں پر پتھراؤ کر دیا۔ اس موقع پر خطرات کے پیش نظر مشرکین مکہ نے حضرت عثمانؓ کو یرغمال بنا لیا تھا اور رسول اللہؐ نے اپنے پاس مشرکین کو یرغمال بنا لیا تھا۔ دیکھئے عیون الاثر ۲: ۱۲۲۔ [2] یہاں اصل عبارت میں "رَغِبَتْ" ہے جیسے "غ" کے بجائے "ع" سے پڑھنے پر معنی یہ ہوں گے کہ بطور یرغمال رکھے جانے والے مشرکین کو اس بیعت نے خوفزدہ کر دیا۔ موخر الذکر کو ہم ترجیح دیتے ہیں۔ (مترجم)

پھر اللہ تعالیٰ نے جنگ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا :۔

وَلَوْ قَاتَلَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوَلَّوُا الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُونَ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ۝ (الفتح : ۲۲)

اور اگر کفار تم سے جنگ کرتے تو ضرور وہ شکست کھا کر بھاگتے پھر انہیں کوئی حمایتی اور مددگار نہ ملتا۔

صلح میں موقع و محل اور اسلامی مفاد ملحوظ رکھا جائے گا۔

چنانچہ قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدۂ صلح کر لیا جو چار شقوں[ل] پر مشتمل تھا۔ یہ کہ وہ آپس میں ایک دوسرے سے بے خوف و مامون ہو جائیں۔ آپس میں نہ خیانت کریں گے نہ چوری اور نہ تلوار کشی ۔ بنا بریں جو (مسلمان) حج یا عمرہ کرنے کے لئے یا یمن و طائف جانے کے لئے مکہ میں آئے گا وہ امن پائے گا۔ اسی طرح جو مشرک شام یا مشرق کی طرف جاتے ہوئے مدینہ سے گزرے

ل ۔ یہاں اصل عبارت میں سنین اربع (چار سال) ہے اور حاشیہ میں دے رکھا ہے کہ اصل عینی میں سنن اربع (چار شقوں یا چار طریقوں) ہے ۔ ہم نے ترجمہ میں "سنین" کے بجائے "سنن" کو ترجیح دی ہے اس لئے کہ یہ معاہدہ بعض روایات کے بموجب دس سال کی مدت کا تھا (دیکھئے سیرۃ ابن ہشام مع الروض الانف ۲ : ۲۳۰) اور بعض روایات کے بموجب دو سال کا تھا (دیکھئے عیون الاثر ۲ : ۱۲۶) چار سال کا نہ تھا ہم نے چار شقوں کو اس لئے بھی ترجیح دی ہے کہ اس معاہدہ میں چار بنیادی شقیں یہ تھیں :۔

۱۔ دس سال تک باہم جنگ نہ کرنے کا عہد۔

۲۔ قریش کا جو فرد بغیر اپنے ولی کی اجازت کے رسول اللہ ؐ سے جا ملے تو اسے قریش کی طرف واپس کر دیا جائے گا جبکہ رسول اللہ ؐ کے ساتھیوں کو قریش کے پاس پہنچنے پر واپس نہ کیا جائے گا۔

۳۔ جو لوگ رسول اللہ ؐ کے حلیف بننا چاہیں وہ رسول اللہ ؐ سے عہد کر سکتے ہیں اور جو قریش کے حلیف بننا چاہیں وہ قریش سے عہد کر سکتے ہیں۔

۴۔ اس سال رسول اللہ ؐ مکہ میں داخل نہ ہوں اور آئندہ سال محدود ہتھیار لے کر اپنے صحابہ کے ساتھ مکہ میں داخل ہوں۔ (مترجم)

وہ بھی مامون و محفوظ رہے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے ساتھ معاہدہ میں بنی کعب کو شامل کرلیا تھا اور قریش نے اپنے ساتھ معاہدہ میں اپنے حلیف بنی کنانہ کو داخل کرلیا تھا۔ نیز یہ کہ جو (قریشی یا ان کے حلفاء میں سے) مسلمان ہوکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس پہنچا۔ آپؐ اسے قریش کو واپس کردیں گے لیکن جو مسلمان قریش کے پاس پہنچے گا وہ اسے رسول اللہؐ کو واپس پہنچائیں گے۔"

(۲۴۴) مسور بن مخرمہ اور مروان بن الحکم کہتے ہیں کہ حدیبیہ کے موقع پر قریش اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم میں جو معاہدہ ہوا تھا اس میں یہ شرط بھی تھی کہ آپؐ اس سال واپس چلے جائیں اور آئندہ سال مکہ میں اس طرح داخل ہوں کہ آپؐ کے پاس (معمولی مسافر) سوار کا ہتھیار ہو (نہ کہ فوجی کا سا) اور جب آپؐ مکہ میں داخل ہوں تو وہ تلواریں میانوں میں ہوں۔ اور یہ کہ آپؐ یہاں تین دن اقامت رکھیں۔

(۳۴۴) براء بن عازبؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم ذوالقعدہ میں عمرہ کے لئے نکلے لیکن اہلِ مکّہ نے آپؐ کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیا۔ تاآنکہ آپؐ نے ان سے سمجھوتہ کرتے ہوئے معاہدۂ صلح میں یہ شق رکھی کہ آپؐ تین دن مکہ میں اقامت کریں گے۔ اور میان میں تلوار کے سوا اپنے ساتھ کوئی ہتھیار نہ رکھیں گے۔ جب معاہدہ لکھا جانے لگا تو حضرت علی بن ابی طالبؓ نے لکھا:

"یہ ہے وہ معاہدۂ صلح جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے کیا"۔ اس پر کفار قریش نے اعتراض کرتے ہوئے کہا: "ہم یہ نہیں مانتے۔ ہمیں اگر یہ اعتراف ہوتا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو ہم آپؐ کو مکہ میں داخل ہونے سے منع ہی نہ کرتے۔ ہمارے عقیدہ کے مطابق آپؐ محمد بن عبداللہ ہیں"۔ اس پر آپؐ نے فرمایا: "میں عبداللہ کا بیٹا بھی ہوں اور رسول اللہؐ بھی"۔ پھر آپؐ نے حضرت علیؓ سے کہا: "رسول اللہ (کا کلمہ) مٹا دو"۔ حضرت علیؓ نے کہا: "میں تو اسے کبھی نہیں مٹاؤں گا"۔ چنانچہ جس کاغذ پر لکھا جارہا تھا وہ آپؐ نے لے لیا۔ آپ خوشنویس نہ تھے۔ پھر لکھا:

"یہ ہے وہ معاہدۂ صلح جو محمد بن عبداللہ نے اہلِ مکّہ سے کیا۔ شرائط یہ ہیں کہ وہ مکہ میں

سوائے میان میں تلوار کے کسی ہتھیار کے ساتھ داخل نہ ہوگا۔ اور یہ کہ وہاں کے باشندوں میں جو بھی اس کے پیچھے آنا چاہے گا وہ ان میں سے کسی کو بھی اپنے ساتھ لے کر وہاں سے نہ نکلے گا۔ اور اس کے ساتھیوں میں سے جو بھی وہاں رہ جانا پسند کرے گا وہ ان میں سے کسی کو اس ارادہ سے نہ روکے گا۔"

بعد ازاں جب آپؐ مکہ میں داخل ہوئے اور مقررہ مدّت ختم ہو گئی تو ان لوگوں نے حضرت علیؓ کے پاس پہنچ کر ان سے کہا: "اپنے ساتھی سے کہو کہ وہ ہمارے ہاں سے چلے جائیں کیونکہ مقررہ مدت ختم ہو چکی ہے۔" چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم وہاں سے نکل گئے۔

(۴۴۴) ابن عباسؓ کہتے ہیں: "جب حَرُوریہ[1] نے بغاوت کی تو میں مناظرہ کرنے کے لئے ان کے پاس پہنچا۔ ان لوگوں نے حضرت علیؓ کے خلاف جو دلائل پیش کئے تھے ان میں ایک دلیل یہ بھی تھی کہ انہوں (حضرت علیؓ) نے اپنے آپ سے امیر المومنین کا لقب مٹا لیا ہے۔ اس پر میں نے ان سے کہا کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت علیؓ سے کہا کہ اے علیؓ لکھو! "یہ ہے وہ معاہدۂ صلح جو رسول اللہؐ نے کیا" تو قریش نے کہا: "اگر ہم یہ مان لیتے کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں تو پھر ہم آپؐ کو مکہ میں داخلہ سے نہ روکتے ـــــ یا آپ سے جنگ نہ کرتے ـــــ تو رسول اللہؐ نے فرمایا: "اے علی! مٹا دو" پھر فرمایا: "الٰہی تو جانتا ہے کہ میں تیرا رسول ہوں۔" پھر حضرت علیؓ سے کہا: "لکھو! "یہ وہ معاہدۂ صلح ہے جو محمد بن عبداللہ نے کیا۔" پھر میں نے کہا: "حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم حضرت علیؓ سے بدرجہا بہتر تھے۔" بعد ازاں میں نے ان لوگوں سے پوچھا: "کیوں تمہاری دلیل کا جواب ہو گیا؟" وہ لوگ بولے! "ہاں، ہو گیا۔" یہ

---

[1] ۔ عراق کے حروراء مقام پر حضرت علیؓ کے خلاف بغاوت کرنے والوں (خوارج) کی ایک جماعت۔ یہ جماعت مسلسل بغاوتیں کرتی رہی۔

ان کی طویل روایت کا ایک ٹکڑا ہے[۵]۔

[۵] حروریوں کی یہ باغی جماعت حضرت علیؓ کے خلاف جمع ہوگئی تھی۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ ان سے مناظرہ کے لئے پہنچے تو انہوں نے تین سوال کئے تھے۔ پہلا سوال یہ تھا کہ حضرت علیؓ نے لوگوں کو حکم بنا لیا حالانکہ از روئے قرآن مجید"اِنِ الحکم الا للہ" حکم صرف اللہ ہی ہو گا۔ ان کا دوسرا سوال یہ تھا کہ حضرت علیؓ نے اپنے مخالفوں سے لڑائی کی اور لڑائی کے بعد مخالفین کے بال بچوں کو قید نہیں کیا نہ ان کے اموال کو غنیمت قرار دیا۔ اس کے معنے یہ ہیں کہ جن لوگوں سے انہوں نے لڑائی کی وہ کافر نہ تھے۔ اور مسلمانوں سے جنگ حلال نہ تھی۔ تیسرا سوال ان کا یہ تھا کہ انہوں نے اپنے نام کے ساتھ "امیرالمومنین" کا لفظ مٹا دیا لہٰذا وہ امیر الکافرین ہیں۔

ان سوالات کا جواب دینے سے قبل حضرت ابن عباسؓ نے ان سے کہا کہ اگر ان سوالات کا جواب قرآن و سنت رسولؐ سے دے دیا جائے تو کیا آپ لوگ مان جائیں گے۔ انہوں نے کہا "ہاں"۔

پہلے سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ میں آپ کے سامنے ایک آیت تلاوت کرتا ہوں جس میں اللہ تعالیٰ نے پاؤ درہم کی چیز مثلاً خرگوش وغیرہ کی قسم کے شکار کرنے پر دو آدمیوں کو حکم بنانے کی تعلیم دی ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ وَمَنْ قَتَلَهُ مِنْكُمْ مُتَعَمِّدًا فَجَزَاءٌ مِثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِنْكُمْ	اے مومنو! جب تم نے احرام باندھ رکھا ہو تو شکار نہ مارو اور جو تم میں سے قصداً شکار مارے تو اسے چوپایوں میں سے مارے ہوئے جانور کے مثل بدلہ دینا ہوگا اور اس کا فیصلہ تم میں سے دو عدل والے کریں گے۔

(المائدہ: ۹۶)

یہاں اللہ تعالیٰ نے دو انسانوں کو حکم بنانے کے لئے کہا ہے۔ اب آپ لوگ فیصلہ کیجئے کہ اس قسم کے شکار میں انسانوں کو حکم بنانا زیادہ مفید ہے یا آپس میں صلاح اور خون کے معاملات میں؟ ظاہر ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو وہ خود ہی فیصلہ کر دیتا اور کسی انسان کو حکم نہ بناتا۔ ایک اور مقام پر عورت اور اس کے شوہر میں صلح صفائی کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو حکم بنایا۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:۔

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِنْ اَهْلِهَا اِنْ يُرِيْدَا	اور اگر تمہیں ان کے درمیان اختلاف کا اندیشہ ہو تو ایک حکم شوہر کے گھرانہ سے اور ایک حکم بیوی کے گھرانہ سے بلا لو

(باقی اگلے صفحہ پر)

ابو عبیدؒ: مشرکین اور مسلمانوں کے درمیان صلح وامن اور جنگ بندی اسی وقت ہوگی جب امام کو اندیشہ ہو کہ وہ مسلمانوں پر غالب آجائیں گے نیز اسے مسلمانوں کی قوت کی طرف سے پورا اطمینان نہ ہو یا پھر یہ کہ اس طرح وہ کوئی چال چل رہا ہو۔ لیکن اگر

(بقیہ صفہ ۳۰۷)

اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا (النساء: ۳۶) اگر وہ دونوں صلح کرنا چاہیں تو اللہ ان کے درمیان توفیق کر دے گا۔
دیکھئے یہاں اللہ تعالیٰ نے آدمیوں کو حکم بنانا ایک بے خطر سنت قرار دیا۔ اب بتائیے آپ کو جواب مل گیا؟ انہوں نے کہا "ہاں"۔

دوسرے سوال کے جواب میں انہوں نے کہا: کیا اپنی ماں حضرت عائشہ کو قیدی بنا لیتے؟ کیا جس طرح غیر مسلم کنیزوں کے ساتھ سلوک روا رکھا جاتا ہے حضرت عائشہ رضؓ سے بھی روا رکھا جاتا؟؟ یہ تو کفر ہو جاتا جبکہ وہ ہماری ماں ہیں۔ اگر تم کہو کہ وہ ہماری ماں نہیں تو بھی کفر لازم ہوگا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔
اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ نبی مومنوں کا خود ان کی جانوں سے زیادہ والی ہے اور اس
وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ (الاحزاب: ۶) کی بیویاں مومنین کی مائیں ہیں۔
اندریں حالات دونوں صورتیں گمراہی ہوتیں، جو بھی کارروائی ان کے ساتھ کی جاتی وہ ضلالت ہوتی، اب بتاؤ تمہیں اس پر کوئی اعتراض ہے۔ انہوں نے کہا: "نہیں"۔
اب رہ جاتی ہے تمہاری تیسری بات کہ حضرت علی رضؓ نے اپنے نام سے "امیرالمومنین" کا لفظ مٹا دیا تو میں اس کے جواب میں تمہیں صلح حدیبیہ کی یاد دلاتا ہوں جب معاہدہ کے الفاظ املا کراتے ہوئے رسول اللہ نے حضرت علی رضؓ سے کہا تھا کہ لکھو "یہ وہ شرائط ہیں جن پر محمد رسول اللہ ؐ نے صلح کی" تو مشرکوں نے کہا "واللہ یہ نہیں لکھا جائے گا، ہمیں تمہارے رسول اللہ ہونے کا اعتراف نہیں۔ اگر یہ مان لیا جائے تو پھر ہم تم سے لڑائی کیوں کرتے؟" اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: "اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میں رسول اللہ ہوں۔ اچھا تو لکھو علی: "یہ وہ شرائط ہیں جن پر محمد بن عبداللہ نے صلح کی"۔
واللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم حضرت علی رضؓ سے زیادہ بہتر و بلند مرتبہ تھے۔ اور جب آپؐ نے اپنے لئے رسالت کا منصب مٹا دیا تھا تو اس سے یہ مراد نہ تھی کہ آپؐ نبی یا رسول نہ رہے۔
(مختصر ترجمہ حاشیہ کتاب الاموال بحوالہ مستدرک للحاکم ج ۲: ۱۵۰)

ان میں سے کوئی صورت بھی نہ ہو تو پھر صلح و جنگ بندی نہیں ہوگی ۔ اس لئے کہ ارشادِ خداوندی ہے :۔

وَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْا اِلَى السَّلْمِ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ (محمد : ۳۵)

اور کمزوری کا اظہار کرتے ہوئے صلح کی طرف نہ بلاؤ ۔ حالانکہ تم ہی سب سے بلند ہو اور اللہ تمہارے ساتھ ہے ۔

اسلامی حکومت کا سربراہ موقع کی نزاکت دیکھتے ہوئے کچھ دے کر بھی صلح کر سکتا ہے

اسی طرح اگر امام کو دشمن کی طرف سے یہ خطرہ ہو کہ وہ مسلمانوں پر غلبہ حاصل کرے گا اور وہ ضرورت محسوس کرے کہ شکست سے بچنے کے لئے مسلمانوں کی طرف سے کچھ مال انہیں دے دیا جائے تو اسے اس اقدام کا بھی حق حاصل ہے ۔ جیسے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے جنگِ خندق کے موقع پر ارادہ فرمایا ۔ اس لئے کہ امام مسلمانوں کے امور کا نگران اور ان کا محافظ ہے ۔

(۴۴۴)[ف] ابنِ شہاب کہتے ہیں : " جنگِ خندق ، اُحُد کے دو سال بعد ہوئی ۔ اس جنگ میں رسول اللہؐ نے خندق کھودی ۔ اس معرکہ میں ابوسفیان بن حرب کفار کے لشکر کی قیادت کر رہا تھا ، کفار کے لشکر نے دس سے کچھ اُوپر دنوں تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا محاصرہ کیا جس سے مسلمانوں کو بڑی تکلیف ہوئی ، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی : " الٰہی تو اپنے عہد و پیمان کو یاد رکھنا ۔ الٰہی ! اگر تو چاہے تو تیری عبادت نہ کی جائے " یہاں تک کہ حضورؐ نے اس موقع پر اپنا قاصد عُیَینہ بن حصن کے پاس بھیجا جو ابوسفیان کے ساتھ اس وقت قبائل غطفان کا سردار تھا ۔ اور اس قاصد کے ذریعہ آپؐ نے اسے یہ پیش کش کی کہ اگر وہ قبائل غطفان کو لے کر واپس چلا جائے اور مخالف جماعتوں کا ساتھ نہ دے تو آپؐ اسے مدینہ کی کھجوروں کا ثلث (⅓) دیں گے ۔ عُیَینہ نے اس کے جواب میں آپؐ کو کہلا بھیجا کہ اگر آپؐ مدینہ کے نصف کھجور دینے کا وعدہ کریں تو میں چلا جاؤں گا ۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے مشورہ کرنے کے لئے قبیلہ اوس کے

ف ۔ یہاں عربی اصل مطبوعہ کتاب میں نمبر کی تکرار ہے اور پھر اگلے نمبر غلط ہو گئے ہیں ، ہم بھی اصل کا تتبع کرتے کرتے ہوئے وہی نمبر جاری رکھیں گے تاکہ مراجعت میں سہولت ہو سکے ۔ یہ نمبر ۴۴۵ ہونا چاہیئے تھا ۔ (مترجم)

سردار سعد بن معاذؓ اور قبیلہ خزرج کے سردار سعد بن عبادہؓ کو بلوایا اور فرمایا: "عیینہ مجھ سے تمہاری کھجوروں کی پیداوار کا نصف طلب کر رہا ہے جس کے عوض وہ اپنے غطفانی ساتھیوں کو لے کر واپس چلا جائے گا اور کفار کے لشکر کی مدد نہیں کرے گا۔ میں نے اسے ثلث (⅓) کی پیشکش کی تھی لیکن وہ نصف پر اصرار کر رہا ہے۔ آپ دونوں کی کیا رائے ہے؟" ان دونوں نے جواب دیا: "یا رسول اللہؐ! اگر آپؐ کو اللہ کی طرف سے ایسا کرنے کا حکم ملا ہے تو آپؐ اسے کر دیجئے۔"

اللہ کے حکم کو روبعمل لانے میں شوریٰ کی ضرورت نہیں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اگر اللہ کی طرف سے حکم ہوتا تو پھر میں تم سے مشورہ نہ کرتا۔ یہ تو (میری) رائے ہے جسے میں تم دونوں کے سامنے پیش کر رہا ہوں اس پر ان دونوں نے کہا: "ہماری رائے تو یہ ہے کہ ہم انہیں تلوار کے سوا اور کچھ نہیں دینگے" اس پر رسول اللہؐ نے فرمایا: "پھر ٹھیک ہے۔"

ابو عبیدؒ:۔ معاویہؓ نے بھی اپنے عہدِ حکومت میں ایسا کیا تھا:۔

(۴۴۵) صفوان بن عمرو اور سعید بن عبدالعزیز روایت کرتے ہیں کہ رومیوں نے معاویہؓ سے صلح کی اور یہ شرط رکھی کہ وہ انہیں کچھ مال ادا کرتے رہیں اور معاویہؓ نے بطور یرغمال ان کے کچھ آدمی لئے اور انہیں بعلبک میں رکھا۔ بعد میں رومیوں نے غدّاری کی تو معاویہؓ اور مسلمانوں نے (اپنے قبضہ کے) یرغمال قیدیوں کا خون روا نہ سمجھا، اور انہیں آزاد کر دیا اور اپنے اس (اخلاقی جراتمندانہ) عمل سے مخالفین پر غلبہ حاصل کرنا چاہا اور کہا: "غدّاری کے عوض وفاداری کرنا، غدّاری کے عوض غداری کرنے سے بہتر ہے۔"

(۴۴۶) اوزاعی نے بھی ایسا ہی فتویٰ دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں: "مخالفین کی غدّاری کی پاداش میں یرغمال کو قتل نہیں کرنا چاہیئے۔"

باب

عارضی صلح کی مقرّرہ میعاد ختم ہو چکنے کے بعد مسلمانوں کو کیا اقدام کرنا چاہیئے؟

میعاد کے خاتمہ پر معاہدہ جاری رکھنے یا ختم کر دینے کی اطلاع دی جائے گی

(۴۴۷) سُلَیم بن عامر روایت کرتے ہیں کہ معاویہؓ اور رومی حکومت کے کچھ آدمیوں کے درمیان معاہدہ تھا۔ چنانچہ وہ ان (رومیوں) کے علاقہ میں جاتے رہتے تھے۔ پھر انھوں نے ارادہ کیا کہ معاہدہ کی مدت ختم ہوتے ہی ان پر حملہ کر دیا جائے، تو انھوں نے ایک آدمی کو یہ کہتے سُنا "اللہ اکبر! وفا اختیار کرو نہ کہ غداری"۔ انھوں نے پوچھا: "یہ کون ہے؟" لوگوں نے کہا: "عَمرو بن عبسہؓ"۔ تب عمرو بن عبسہؓ نے کہا "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو یہ فرماتے سُنا ہے: "جس کا کسی قوم سے معاہدہ ہو تو وہ اس معاہدہ کو اس وقت تک ختم نہ کرے تاوقتیکہ وہ انھیں یہ اطلاع نہ پہنچا دے کہ ہم اب وہ معاہدہ ختم کرنے کے بعد برابر ہو گئے ہیں۔

اس روایت کی سند کا ایک راوی یزید بن ہارون کہتا ہے: "معاویہؓ معاہدہ کی مدّت ختم ہونے سے قبل حملہ نہیں کرنا چاہتے تھے۔ ان کا ارادہ یہ تھا کہ جونہی مدّت ختم ہو وہ ان کے علاقہ میں موجودگی سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے وہیں سے دُشمن کی بے خبری میں ان پر حملہ کر دیں۔ یہ چیز تھی جسے عمرو بن عبسہؓ نے بُرا مانا، اور معاویہؓ سے کہا کہ جب تک تم انھیں معاہدہ کے ختم ہونے کی اطلاع دے کر یہ نہ بتا دو کہ ہم تم پر حملہ کر رہے ہیں ان کے علاقہ میں داخل نہ ہو۔

ابو عبیدؒ:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے بھی جن لوگوں سے میعادی معاہدے کئے تھے ان کی میعاد کے ختم ہونے پر یہی عمل فرمایا تھا، بعض حالات میں آپ نے معاہدہ کی مدّت میں توسیع بھی فرمائی اور یہی تعلیم کتاب اللہ نے بھی دی ہے:

(۴۴۸) مجاہد نے آیہ کریمہ:

بَرَاءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖۤ اِلَى الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔ (التوبہ: ۱)

اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے ان مشرکین کی طرف جن سے تم نے معاہدہ کیا، علیحدگی اور بے تعلقی کا اعلان کیا جاتا ہے۔

کی تفسیر میں کہا کہ یہ اہلِ معاہدہ خزاعہ، مدلج اور دیگر وہ قبائل ہیں جن سے عہد و پیمان کئے گئے تھے۔ ان کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم جب غزوۂ تبوک سے فارغ ہوئے اور آپؐ نے حج کا ارادہ کیا تو فرمایا: "خانہ کعبہ میں مشرک بھی آتے ہیں جو وہاں عریاں طواف کرتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ جب تک یہ سلسلہ بند نہ ہو جائے حج کو نہ جاؤں۔ چنانچہ آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ کو روانہ کیا۔ ان دونوں حضرات نے ذوالمجاز میں ان کی تمام منڈیوں اور حج کے جملہ اجتماع گاہوں کا دورہ کیا اور وہاں انہوں نے تمام معاہدین کو یہ اعلان سُنایا کہ وہ چار ماہ جو حرام مہینے ہوں گے۔ اور گیارہ ذوالحجہ سے لے کر گیارہ ربیع الآخر تک مسلسل جاری رہیں گے[۱] پُرامن گذارلیں۔ بعدازاں ان سے کیا ہوا کوئی معاہدہ باقی نہیں رہے گا۔ اور انہوں نے اعلان کیا کہ اس مدّت کے بعد ان لوگوں کو چھوڑ کر جو ایمان لے آئیں، سب لوگوں سے جنگ کی جائے گی۔

(۴۴۹) مجاہد کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ مذکورہ بالا آیت تلاوت کرتے پھر کہتے تھے: "اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کرنے نہیں آئے اور کوئی ننگا ہو کر خانہ کعبہ کا طواف نہ کرے۔"

(۴۵۰) ابن جریج کہتے ہیں کہ عطاء کا خیال تھا کہ حضرت علیؓ "بَرَاءَةٌ" سے سُنانا

---

[۱] مستقل حرام مہینے چار ہیں ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرّم اور رجب لیکن یہاں یہ چار مہینے مراد نہیں بلکہ وہ چار مسلسل مہینے ہیں جن میں جنگ نہ کرنے کے اعلان کی وجہ سے انہیں حرام قرار دے دیا گیا اس کی مزید تفصیل نمبر ۲۴۵ میں ملے گی۔

شروع کرتے اور "فَمَا اسْتَقَامُوا لَكُمْ" الآیہ پر ختم کرتے تھے۔

(۴۵۱) جابر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ یہ آیات منیٰ میں پڑھتے تھے۔

(۴۵۲) مجاہد کہتے ہیں کہ آیت کریمہ:

فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ — تو جب حرام مہینے ختم ہو جائیں۔
(التوبۃ : ۵)

میں حرام مہینوں سے مُراد (باتواتر) چار ماہ ہیں جن کے متعلق ہے:

فَسِيْحُوْا فِى الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ — تو تم ملک میں چار ماہ (بلغیر روک ٹوک آزادی سے) گھومتے پھرتے رہو۔
(التوبہ: ۲)

اور یہ اس لئے حرام مہینے ہوئے کہ اُن لوگوں کو ان مہینوں میں بے خوف ہو کر گھومنے پھرنے کا موقع دیا گیا تھا۔

ابو عبیدؒ:۔ مجاہد کی تفسیر کا مطلب یہ ہے کہ یہاں قرآن مجید حرام مہینوں سے وہ چار مہینے مُراد نہیں لے رہا جو حرام ہیں، جن کے لئے دوسری جگہ فرمایا:

مِنْهَا اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ — ان (سال کے بارہ مہینوں) میں سے چار (مہینے) حرام ہیں
(التوبہ: ۳۶)

کیونکہ اگر یہ مہینے مراد ہوتے تو ماہ محرم کے ختم ہوتے اور صفر کے شروع ہوتے ہی یہ مدّت ختم ہو جاتی۔ لیکن یہاں قرآن مجید پورے چار ماہ مراد لے رہا ہے جو یوم النحر (۱۰ ذوالحجہ) سے شروع ہو کر دس ربیع الآخر تک پورے ہوں گے۔ اور اسی چیز کو مجاہد نے یہ کہہ کر بیان کیا کہ یوم النحر سے لگاتار پورے چار ماہ۔

ان مہینوں کو حرام اس لئے کہا گیا کہ اِن میں امان دیا گیا نیز اُن کے ساتھ پیمان کیا گیا اور اُن کے ساتھ لڑائی ان مہینوں میں اپنے اُوپر حرام کر لی۔

(۴۵۳) ابن شہاب کہتے ہیں کہ مجھ سے سعید بن المسیب نے کہا کہ ماہ ذوالقعدہ میں

لے۔ یہ سورۃ براءۃ (التوبہ) کی ساتویں آیت کا ٹکڑا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک وہ تمہارے ساتھ کئے ہوئے اپنے عہد پر قائم رہیں تم بھی قائم رہو۔

غزوۂ حنین وطائف سے فراغت پا چکنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے جعرانہ سے عمرہ ادا کیا، پھر مدینہ واپس تشریف لے گئے اور اس سال حج کا امیر حضرت ابوبکرؓ کو متعین فرمایا اور انہیں حکم دیا کہ لوگوں میں اعلانِ براءت کردیں۔

(۴۵۴) ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ نے اس حج کے موقع پر یوم النحر میں مجھے بھی دیگر اعلان کرنے والوں کے ساتھ یہ اعلان کرنے کے لئے بھیجا: "اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرے اور نہ کوئی ننگا خانہ کعبہ کا طواف کرے۔"

حمید بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں: "پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت علیؓ کو اپنی سواری کے پیچھے سوار کیا اور انہیں حکم دیا کہ وہ لوگوں میں اعلان براءت کردیں۔

ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ پھر حضرت علیؓ نے یوم النحر میں منیٰ کے اجتماع کو اعلان براءت سُنایا اور یہ بھی اعلان کیا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے نہ کوئی ننگا خانہ کعبہ کا طواف کرے۔

(۴۵۵) ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ جب رسول اللہؐ نے حضرت علیؓ کو اہلِ مکہ کی طرف سے براءت پہنچانے پر مامور کیا تو میں حضرت علیؓ بن ابی طالب کی طرف سے اعلان کرنے والا مقرّر ہوا تھا۔ میں نے اس قدر آوازیں لگائیں کہ میری آواز بیٹھ گئی۔ ابوہریرہؓ کے بیٹے مُحرّر نے ان سے دریافت کیا: "آپ نے لوگوں کے سامنے کیا آوازیں لگائی تھیں؟" انہوں نے جواب دیا: "میں نے یہ آوازیں لگائی تھیں کہ نفسِ مؤمنہ کے سوا کوئی جنّت میں داخل نہ ہوگا۔ اور اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کرنے نہ آئے۔ اور کوئی ننگا خانہ کعبہ کا طواف نہ کرے۔ اور جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے کوئی معاہدہ ہے تو اسے معلوم ہونا چاہیئے کہ وہ چار ماہ کی مدّت کے بعد ختم ہوجائے گا اور جونہی یہ چار مہینے گذر چکیں گے اللہ اور اُس کا رسول مشرکین سے کئے ہوئے تمام عہد وپیمان سے بری اور بے تعلق ہوجائیں گے۔"

(۴۵۶) زید بن یثیعؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اعلانِ براءت کرنے کے لئے حضرت ابوبکرؓ کو بھیجا۔ پھر ان کے پیچھے حضرت علیؓ کو روانہ کیا تو حضرت

ابوبکرؓ غمگین ہو کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے کہا: "یا رسول اللہؐ! کیا میرے متعلق کچھ اللہ کی طرف سے وحی ہوئی ہے؟" آپؐ نے فرمایا: "نہیں، البتہ مجھے یہ حکم ملا کہ یہ اعلان میں خود یا میرے اہلِ بیت میں سے کوئی شخص پہنچائے"۔ چنانچہ حضرت علیؓ مکّہ والوں کے پاس پہنچے اور وہاں انہوں نے کہا: "میں تمہارے پاس اللہ کے رسولؐ کا پیامبر بن کر آیا ہوں اور چار باتیں تمہیں پہنچانے کے لئے آیا ہوں"۔

بعدازاں انہوں نے ابوہریرہؓ سے مروی مذکورہ بالا روایت بیان کی۔
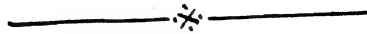
باب

عہد شکنی کرنے پر صلح و معاہدہ کرنے والوں کا خون کب روا ہو جاتا ہے؟

عہد نامہ کی کسی شق کی مخالفت پر عہد شکنی کرنے والے کا خون روا ہو جاتا ہے

(۴۵۷) میمون بن مہران کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ خیبر کا بیس سے تیس راتوں تک محاصرہ کیا۔ پھر قلعہ والوں نے اس شرط پر اپنی اور اپنے بال بچوں کی جانوں کی امان حاصل کر لی کہ قلعہ کا تمام مال و متاع رسول اللہ لے لیں۔ اس قلعہ میں ایک ایسا گھرانہ بھی تھا جو رسول اللہ کا سخت مخالف اور حد سے زیادہ آپؐ کی شان میں گستاخ تھا۔ چنانچہ رسول اللہؐ نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا:

خاندان ابی الحقیق کا واقعہ

"اے خاندان ابی الحُقَیق! مجھے اللہ و رسولؐ سے تمہاری شدید مخالفت اور دشمنی کا علم ہے بایں ہمہ میں جس طرح تمہارے ساتھیوں کو امان دے رہا ہوں تم بھی اس میں شریک ہو۔ لیکن یاد رکھو تم سب نے مجھ سے جو عہد کیا ہے اس میں ایک شق یہ بھی موجود ہے کہ اگر تمؐ کوئی چیز بھی چھپاؤ گے تو ہمارے لئے تمہارا خون روا ہو جائے گا۔ اے فلاں! اور اے فلاں! بتاؤ تمہارے برتن کیا ہوئے؟[۱]" اُنھوں نے جواب دیا: "ہم نے وہ

---

[۱] یہاں مُراد وہ ظروف ہیں جن میں لوگ اپنی دولت رکھتے تھے، اور جنہیں ان لوگوں نے کھنڈروں میں دفن کر دیا تھا اور تفتیش پر مامور صحابہ نے ان سے وہ مقامات معلوم کر لیئے۔

سب جنگ میں کھپا دئے۔" پھر آپ نے اپنے صحابہؓ کو حکم دیا چنانچہ وہ اس جگہ گئے جہاں اُن کے برتن (مدفون) تھے۔ اور انہیں کھود کر نکال لیا۔ اور اس عہد شکنی پر ان کی گردنیں مار دی گئیں۔

(۴۵۸) ابن جریج مدینہ کے ایک شخص سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے بنی ابی الحُقَیق سے اس شرط پر صلح کی تھی کہ وہ آپؐ سے کوئی خزانہ پوشیدہ نہ رکھیں گے۔ لیکن بعد میں ان لوگوں نے چھپایا تو اس عہد شکنی پر آپؐ نے ان کا خون روا قرار دیا۔

(۴۵۹) ابن کعب بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ایک جماعت کو ابن ابی الحُقَیق کے قتل کے لئے بھیجا چنانچہ اُنہوں نے اسے قتل کر ڈالا۔

بنو قریظہ کا واقعہ

(۴۶۰) حسن کہتے ہیں کہ حُیَیّ بن اَخطَب نے رسول اللہؐ سے معاہدہ کیا کہ وہ آپؐ کے خلاف کسی کی مدد نہیں کرے گا اور اس معاہدہ پر اللہ کو ضامن و گواہ بنایا۔ غزوۂ بنی قریظہ میں وہ اور اس کا بیٹا گرفتار ہو کر حضورؐ کے سامنے پیش کئے گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: "ضامن نے اپنی ذمہ داری پوری پوری ادا کر دی۔" پھر آپؐ کے حکم پر اس کی اور اس کے بیٹے کی گردن مار دی گئی۔

ابو عبیدؒ:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے بنی قریظہ کے خون اس لئے حلال قرار دئے کہ یہ لوگ پہلے معاہدہ کر چکے تھے اور اس کے باوجود انہوں نے جنگِ خندق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے خلاف اُٹھنے والی جماعتوں کی مدد کی۔ اُن کے اس عمل کو رسول اللہؐ نے عہد شکنی قرار دیا حالانکہ ان میں سے کوئی بھی رسول اللہؐ کے ساتھیوں کے مقابلہ میں لڑنے نہیں آیا تھا۔ یہ واقعہ قرآن مجید میں سورۂ احزاب میں مذکور ہے:۔

(۴۶۱) مجاہد نے مندرجہ ذیل آیات کریمہ کی تفسیر اس طرح کی ہے:

اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ (الاحزاب ۳۳: ۱۰) جبکہ وہ تمہارے اُوپر کی طرف سے آئے۔

عیینہ بن حصن کے قول کے مطابق اس سے مراد اہلِ نجد ہیں۔

وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ (الاحزاب ۳۳: ۱۰) اور تمہارے نیچے کی طرف سے۔

اس سے مُراد ابو سفیان ہے۔

وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِغَیْظِهِمْ لَمْ یَنَالُوْا خَیْرًا (الاحزاب ۳۳: ۲۵)

اور اللہ نے کافروں کو اُن کے غصہ کے ساتھ واپس کر دیا۔ اور انہیں کچھ منفعت بھی حاصل نہ ہوئی۔

یہاں کافروں سے مُراد وہ تمام جماعتیں ہیں جو جنگ خندق کے موقع پر جمع ہو گئی تھیں۔

وَاَنْزَلَ الَّذِیْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ (الاحزاب ۳۳: ۲۶)

اور اہلِ کتاب میں سے ان لوگوں کو جنہوں نے ان (کفار) کی مدد کی اُتار دیا۔

یہ بنو قریظہ ہیں۔

مِنْ صَیَاصِیْهِمْ (الاحزاب ۳۳: ۲۶) ان کے قلعوں اور محلاّت سے

وَقَذَفَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِیْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِیْقًا (الاحزاب ۳۳: ۲۶)

اور ان کے دلوں میں رُعب ڈال دیا تو ان میں سے ایک جماعت کو تم نے قتل کر دیا اور ایک جماعت کو قید کر لیا۔

ان کا خیال ہے کہ یہ سب واقعات غزوۂ خندق میں ہوئے تھے۔

(۴۶۲) ابن شہاب کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم جب غزوۂ خندق سے پلٹے تو اپنے گھر تشریف لے گئے اور ہتھیار رکھ دیئے۔ اُسی وقت آپ کے پاس جبریلؑ حاضر ہوئے اور انہوں نے کہا: "آپؐ ہتھیار اُتار رہے ہیں حالانکہ ہم مسلسل دُشمنوں کی تلاش میں لگے ہوئے ہیں؟ آپؐ باہر تشریف لے چلئے۔ اللہ تعالےٰ نے آپؐ کو بنی قریظہ کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا ہے اور ان کے بارے میں یہ وحی نازل کی ہے:

وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِیَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَیْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْخَآئِنِیْنَ (الانفال: ۵۹)

اور اگر تمہیں کسی قوم کی طرف سے خیانت و غدّاری کا اندیشہ ہو تو انہیں باخبر کر دو کہ معاہدہ ختم ہو چکا ہے اور فریقین برابر ہیں۔ بے شک اللہ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

بعد ازاں وہ پوری روایت بیان کی جس میں ان کے محاصرہ، حضرت سعدؓ بن معاذ کے

فیصلہ پر رضامندی، نیز حضرت سعدؓ کا ان کے بارے میں قتل اور قید کر کے لونڈی غلام بنا لینے کا فیصلہ مذکور ہے، جو ہم پہلے درج کر آئے ہیں (دیکھئے نمبر ۳۴۶ تا ۳۵۰)

(۴۶۳) یہی حدیث دوسری سند سے حضرت عائشہؓ سے بھی مروی ہے۔

ابو عبیدؒ:۔ یہ ہے بنی قریظہ کی عہد شکنی جس کی وجہ سے رسول اللہؐ نے ان کا خون روا کیا۔ اسی طرح ابی الحقیق کے گھرانہ نے جب معاہدہ میں کسی چیز کو نہیں چھپانے کی شرط کے باوجود چھپایا تو اسے بھی آپؐ نے معاہدہ شکنی قرار دیا۔ اور ایسا ہی فیصلہ مصر میں عمرو بن العاصؓ نے کیا:

مصر میں والیٔ صعید کا واقعہ

(۴۶۴) ہشام بن ابی رقیہ — جو مصر فتح کرنے والوں میں سے ہیں — روایت کرتے ہیں کہ مصر عمرو بن العاصؓ کی زیرِ قیادت فتح ہوا۔ اس وقت انہوں نے وہاں اعلان کیا: "جس کے پاس مال ہو وہ اسے ہمارے سامنے حاضر کر دے"۔ چنانچہ وہاں بہت مال آگیا، انہوں نے صعید کے والی سے بھی کہلا بھیجا کہ اپنی دولت حاضر کرو۔ اس نے کہا: "میرے پاس کچھ مال نہیں"۔ چنانچہ انہوں نے اس والی کو قید کر لیا۔ اور عمرو بن العاصؓ ہر شخص سے جو اُن کے پاس آتا یہ پوچھتے: "کیا تم اس (والی) سے کسی کا تذکرہ سُنتے تھے؟" انہوں نے کہا: "ہاں، طور کے ایک راہب کا یہ ذکر کرتا تھا"۔ چنانچہ عمرو بن العاصؓ نے اس والی کی مہر منگوائی، پھر ایک خط اس (والی) کی رومی زبان میں لکھا اور اس پر وہ مہر ثبت کی۔ پھر اس (والی) کی طرف سے ایک قاصد کو وہ خط دے کر اس راہب کے پاس بھیجا۔ چنانچہ اس کے جواب میں وہ قاصد سیسہ سے منہ بند کیا ہوا ایک تانبے کا مرتبان لایا۔ جب اس کی مُہر کھولی گئی تو اُس میں سے ایک خط برآمد ہوا جس میں لکھا تھا: "اے میرے بیٹو! اگر تمہیں اپنا مال لینے کی خواہش ہو تو پانی کی ٹنکی کے نیچے کا حصہ کھود لو"۔ چنانچہ عمرو بن العاصؓ نے چند معتمد لوگوں کو پانی کی ٹنکی کی طرف بھیجا۔ انہوں نے مذکورہ مقام کھودا اور پچاس اردب دینار برآمد کئے۔ اس پر اس نبطی (والی) کی گردن اُڑا دی گئی اور اسے صلیب پر لٹکا یا گیا۔

ابو عبیدؒ:۔ اس عمل کی توجیہہ یہ ہے کہ عمرو بن العاصؓ نے معاہدہ صلح میں یہ شق رکھی تھی

کہ وہ اپنے اموال نہیں چھپائیں گے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ابی الحُقیق کے گھرانہ سے شرط کی تھی۔

عہد شکنی کا واضح ثبوت ضروری ہے محض شک وشبہ کافی نہیں

واضح رہے کہ معاہدوں سے لڑائی، یا ان کے خون کو روا قرار دینے کا اقدام اسی صورت میں کیا جائے گا جبکہ ان کی عہد شکنی کا ثبوت کھل کر ظاہر ہو جائے جیسے کہ رسول اللہؐ پر خزانہ کا چھپانا خزانہ مل جانے سے ظاہر ہو گیا تھا اور جس طرح عمرو بن العاص رضؓ کو خزانہ مل گیا تھا یا جس طرح بنی قریظہ کا معاملہ آشکارا ہو گیا تھا اور جنگِ خندق کے موقع پر جمع ہونے والی جماعتوں سے ان کی ساز باز اور مدد کا ثبوت پایۂ تکمیل تک پہنچ گیا تھا۔ محض گمان اور شک وشبہ پر اس قسم کا اقدام کسی طرح جائز نہ ہو گا۔

عربسوس کا واقعہ

اس کی تائید حضرت عمر رضؓ کی اس روایت سے ہو رہی ہے:۔

(۴۶۵) ابن سیرین کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے عمیر بن سعید (یا سعد) کو شام کے ایک علاقہ کا والی بنایا۔ وہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضؓ کے پاس آئے اور انہوں نے کہا: "یا امیرالمومنین! ہمارے علاقہ اور رومیوں کے علاقہ کے درمیان ایک شہر عرب السوس (عربسوس) نامی ہے۔ یہاں کے باشندے ہمارے دشمنوں سے ہمارے کسی راز کو پوشیدہ نہیں رکھتے اور ہمیں ان کے کسی راز سے باخبر نہیں کرتے۔" حضرت عمر رضؓ نے ان سے کہا: "جب تم وہاں پہنچو تو انہیں ان کی ہر چیز کے عوض دو دو چیزیں) ایک بکری کے عوض دو بکریاں، ایک اُونٹ کے عوض دو اُونٹ دینے کے بعد ان سے اس علاقہ کو چھوڑ دینے کی شرط کرنا، اگر وہ اسے منظور کر لیں تو فبہا اور اس علاقہ کو اُجاڑ دینا ورنہ ان سے کہہ دینا کہ ہمارے تمہارے درمیان کوئی معاہدہ نہیں رہا پھر انہیں ایک سال کی مدّت دے دینا۔ اس مہلت کے بعد اس علاقہ کو تاخت وتاراج کر ڈالنا۔" اُنہوں نے کہا: "آپ اس مضمون کا عہد نامہ لکھ دیجئے۔" چنانچہ انہوں نے ان کے لئے یہ عہد نامہ لکھ دیا۔ پھر جب عمیرؓ ان لوگوں کے پاس پہنچے تو انہوں نے وہ عہد نامہ ان لوگوں کے سامنے پیش کیا، لیکن

انہوں نے وہ پیش کش منظور نہ کی۔ اس پر عمیرؓ نے انہیں ایک سال کی مہلت دے دی اور پھر اس علاقہ کو تاخت و تاراج کر ڈالا۔

ابو عبیدؒ:۔ عربُ السّوس ایک مشہور شہر ہے جو سرحدی علاقہ میں حَدَث (نامی قلعہ) کی طرف ہے، اسے عَربُ سوس بھی کہتے ہیں۔ ان لوگوں سے پہلے معاہدہ ہو چکا تھا۔ حضرت عمرؓ نے انہیں جلاوطن کرنے اور ان کی ہر چیز کے عوض دو دو چیزیں دینے کی جو پیشکش کی تو اس کی وجہ ہمارے خیال میں یہ تھی کہ ان کا جرم عہد شکنی حضرت عمرؓ کی نظر میں پایۂ ثبوت تک نہ پہنچا تھا۔ یا پھر یہ کہ اُن کی اکثریت نے نہیں بلکہ بعض جماعتوں نے عہد شکنی کی ہوگی۔ اگر وہ مجموعی طور پر عہد شکنی کے مرتکب ہوتے تو حضرت عمرؓ سوائے جنگ و قتال کےاُن کے سامنے کوئی دوسری تجویز پیش نہ کرتے۔

چند لوگوں کی عہد شکنی کی سزا پوری قوم کو نہیں دی جائے گی

اسی قسم کا ایک واقعہ حال ہی میں اوزاعی کے زمانہ میں شام کے ایک علاقہ جبل لبنان میں ہو چکا ہے۔ جہاں معاہدین آباد تھے اور اُنہوں نے کوئی عہد شکنی کی۔ اس وقت شام کے والی صالح بن علی تھے۔ چنانچہ انہوں نے معاہدین سے جنگ کی اور انہیں جلاوطن کر دیا تو اوزاعیؒ نے انہیں ایک طویل خط اس موضوع پر لکھا۔ جس میں یہ عبارت بھی تھی:۔

(۴۶۶) جبل لبنان میں رہنے والے ذمیوں کی جلاوطنی کا عمل ایسی صورت میں جبکہ سب جلاوطن کئے جانے والے بغاوت میں ایک دوسرے کے معاون نہ تھے نہ سب مجموعی طور پر مجرم تھے صحیح فیصلہ نہیں، آپ ان میں سے ایک جماعت کو (جس کا جرم ثابت ہو جائے) قتل کر دیں اور باقیماندہ لوگوں کو ان کی بستیوں میں واپس لے آئیں۔ یہ کیونکر درست ہو سکتا ہے کہ خواص کے عمل پر عوام کی گرفت کی جائے؟ اور اُن کی پاداش میں انہیں ان کے گھروں اور مال و متاع سے بے دخل کر دیا جائے؟ جبکہ اللہ عزّوجلّ کا یہ فیصلہ ہم تک پہنچ چکا ہے کہ وہ خواص کے عمل پر عوام کی گرفت نہیں کرتا بلکہ عوام کے عمل پر خواص کی گرفت کرتا ہے۔ لہذا ہمارے لئے سب سے زیادہ قابل اقتداء فیصلہ جس سے آگے

خواص کے عمل پر عوام کی گرفت نہیں ہوتی البتہ عوام کے عمل پر خواص کی گرفت ہو سکتی ہے

ہمیں قدم نہیں بڑھانا چاہیئے اللہ تبارک و تعالیٰ کا فیصلہ ہے، اور تمام وصیتوں میں سب سے

زیادہ حفاظت کی مستحق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت ہے اور آپؐ کا فرمان ہے "جس نے کسی معاہد پر ظلم کیا یا اس کی قوت برداشت سے زیادہ اس پر بار ڈالا تو میں اس کی طرف سے مدافعت کروں گا۔" اور جس کا خون حرام ہو جائے اس کا مال بھی حرام ہو جاتا ہے اور اس عزت کے مطابق اس سے عدل بھی کیا جائے گا۔ واضح رہے کہ معاہدین غلام نہیں کہ تمہیں ان پر اختیار ہو کہ انہیں ایک شہر سے دوسرے شہر میں نکال دو۔ وہ تو آزاد اور ذمی ہیں ان کا شادی شدہ شخص بدکاری کی پاداش میں رجم کیا جائے گا۔ اگر ہم میں سے کوئی ان کی عورتوں سے شادی کرلے تو ان کی عورتیں ہماری عورتوں سے دنوں کی تقسیم میں قاعدہ کے مطابق اپنا حصہ لیں گی۔ نیز طلاق و عدت میں ان پر برابری کے ساتھ ہماری عورتوں کے سے قانون نافذ ہوں گے۔"

اہلِ قبرص کا معاملہ

(۴۶۷) بعد ازاں قبرص والوں کا واقعہ ہے۔ قبرص بحیرہ روم کا ایک جزیرہ ہے جو اسلامی حکومت اور رومی حکومت کے درمیان واقع ہے۔ امیر معاویہؓ نے یہاں کے باشندوں سے صلح کی تھی اور معاہدہ میں یہ شرط رکھی تھی کہ وہ مسلمانوں کے باجگذار رہیں گے۔ اس کے ساتھ ہی وہ لوگ رومی حکومت کے بھی باجگذار تھے۔ اس طرح وہ دونوں حکومتوں کے ذمی تھے۔ یہ لوگ اسی حالت میں چلے آرہے تھے تا آنکہ سرحد پر عبدالملک بن صالح[۱] کا تقرر ہوا۔ اس زمانہ میں وہاں کے لوگوں نے یا بعض لوگوں نے (غیر معمولی) شورش بپا کی جسے عبدالملک نے ان کی عہد شکنی پر محمول کیا۔ یہ وہ دور تھا جب علماء فقہاء بکثرت تھے چنانچہ عبدالملک نے ان سے جنگ کرنے کے جواز کے بارے میں مشورہ کے لئے چند فقہاء کو سوالنامہ بھیجا جن میں سے بعض فقہاء یہ ہیں:

اہل قبرص کے سلسلہ میں فقہا کے نام عبدالملک کا سوالنامہ

لیث بن سعد[۲]۔ مالک بن انس[۳]۔ سفیان بن عیینہ[۴]۔ موسیٰ بن اعین[۵]، اسمٰعیل بن عیاش[۶]۔ یحییٰ بن حمزہ[۷]۔ ابو اسحٰق فزاری اور مخلد بن حسین[۸]۔ ان سب نے اُسے اپنے

---

[۱] یہ خلیفہ رشید و امین کے زمانہ میں بڑا سپہ سالار تھا۔ ۱۹۶ھ میں وفات پائی [۲] لیث بن سعد (متوفی ۱۷۵ھ) آپ مصر کے قاضی اور مفتی تھے۔ [۳] مالک بن انس (متوفی ۱۷۹ھ) آپ امام دار الہجرۃ (مدینہ) تھے۔ [۴] سفیان بن عیینہ مکہ کے بڑے فقیہ تھے۔ [۵] موسیٰ بن اعین (متوفی ۱۷۷ھ) آپ عراق کے فقہاء میں سے تھے۔ [۶] اسماعیل بن عیاش مفتی شام تھے۔ [۷] یحییٰ بن حمزہ قاضی دمشق تھے۔ [۸] ابو اسحٰق فزاری اور مخلد بن حسین دونوں فقہاء شامی سرحدی علاقوں (ثغور) میں قیام پذیر تھے۔

جوابات لکھ بھیجے ۔

ابو عبیدؒ:- ان حضرات کے عبدالملک کے نام یہ خطوط اس کے دفتر سے برآمد ہوئے اور مجھے ملے ۔ میں اس موضوع سے متعلق ان کی آراء کا مفہوم مختصراً پیش کروں گا ۔ ان تمام فقہاء نے عبدالملک کے نتیجۂ فکر سے اختلاف کیا ہے البتہ ان میں سے ایسے فقہاء کی اکثریت تھی جنہوں نے اہل قبرص کے کچھ لوگوں کی غداری وعہد شکنی کے باوجود ان سے مجموعی طور پر جنگ نہ کرنے اور کئے ہوئے عہد کو نباہنے کا مشورہ دیا تھا (اور ایسے علماء کم تھے جنہوں نے ان سے جنگ کا مشورہ دیا)

لیث بن سعد کا جواب

لیث بن سعد نے عبدالملک بن صالح کے سوالنامہ کا جواب یہ دیا:-

(۴۶۸) ہمارے ہاں روایات چلی آرہی ہیں کہ ہم قبرص والوں پر مسلمانوں کے ساتھ غداری و بدعہدی کا اور رومیوں کے ساتھ دوستی و خیرخواہی کرنے کا الزام لگاتے رہتے ہیں۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان یہ ہے :-

وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَاءٍ (الانفال : ۵۸)	اور اگر تمہیں کسی قوم سے خیانت کا اندیشہ ہو تو انہیں معاہدہ ختم کردینے کی اطلاع دے کر برابری کی حالت میں آجاؤ۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا: "انہیں معاہدہ ختم کر دینے کی اطلاع نہ دینا تاوقتیکہ ان کی خیانت کھل کر ظاہر ہو جائے ۔ میری رائے یہ ہے کہ آپ انہیں معاہدہ ختم کرنے کی اطلاع پہنچا دیں ۔ پھر انہیں ایک سال کی مہلت دی جائے جس میں وہ باہم مشورہ کرلیں اور جو اُن میں سے اسلامی مملکت میں رہنا پسند کرے ۔ اس شرط پر کہ خراج ادا کرتا رہے تو اسے یہ موقع ملنا چاہیئے اور جو رومی حکومت میں رہنا چاہے، اُسے اس کی اجازت ہونا چاہیئے ۔ اور جو قبرص میں رہ کر جنگ کرنے پر تیار ہو وہ وہاں رہے ۔ پھر ان لوگوں سے مسلمان اس طرح جنگ کریں جیسے وہ اپنے دشمنوں سے جنگ کرتے ہیں ۔ ایک سال کی مہلت دینے سے ایک طرف تو ان پر اتمام حجت ہو جائے گا اور دوسری طرف ان سے جو عہد کیا گیا تھا اس کی بھی رعایت ہو جائے گی ۔

سفیان بن عُیَینہ کا جواب

(۴۶۹) سفیان بن عُیینہ نے اس سوالنامہ کے جواب میں لکھا:-

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے جب کسی قوم سے معاہدہ کیا اور پھر اس قوم نے عہدشکنی کی تو آپؐ نے ہمیشہ ان کا خون روا ٹھہرایا۔ اس باب میں ہمیں صرف اہل مکّہ کا استثنا ملتا ہے کہ انہیں حضورؐ نے احسان فرماتے ہوئے آزاد کردیا۔ اہلِ مکہ کی عہدشکنی جس پر ان سے جنگ روا سمجھی گئی، یہ تھی کہ جب اُن کے حلیف بنی بکر نے رسول اللہؐ کے حلیف قبیلہ خزاعہ سے جنگ کی تو اہلِ مکّہ نے رسول اللہؐ کے حلیف قبیلہ کے مقابلہ میں بنی بکر کی مدد کی۔ اس جُرم کی پاداش میں ان سے جنگ حلال ہوگئی۔ قرآن مجید میں ان عہدشکنوں کے متعلق مندرجہ ذیل آیات نازل ہوئیں:-

أَلَا تُقَاتِلُونَ قَوْمًا نَّكَثُوا أَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوا بِإِخْرَاجِ الرَّسُولِ وَهُم بَدَءُوكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ أَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللَّهُ أَحَقُّ أَن تَخْشَوْهُ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۝ قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللَّهُ بِأَيْدِيكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِينَ ۝ (التوبہ: ۱۳-۱۴)

کیا تم ان لوگوں سے جنگ نہیں کروگے جنہوں نے اپنے معاہدوں کو توڑ ڈالا اور رسول اللہؐ کو نکالنے کا ارادہ کیا۔ اور انہوں نے ہی پہلی بار تمہارے خلاف ابتدا کی۔ کیا تم اُن سے ڈرتے ہو حالانکہ اگر تم مومن ہو تو اللہ زیادہ حقدار ہے کہ تم اس سے ڈرو۔ ان سے جنگ کرو۔ اللہ تمہارے ہاتھوں انہیں عذاب پہنچائے گا اور انہیں رُسوا کرے گا اور ان کے مقابلہ میں تمہاری مدد کرے گا اور مومنین کے دلوں کو اطمینان و سکون بخشے گا۔

انہی لوگوں کے بارے میں یہ آیات بھی نازل ہوئیں:-

إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِندَ اللَّهِ الَّذِينَ كَفَرُوا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝

بے شک اللہ کے نزدیک زمین پر چلنے والوں میں بدترین مخلوق وہ لوگ ہیں جو کفر کرتے ہیں اور

اَلَّذِيْنَ عَاهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ○ فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ○

(الانفال : ۵۵ تا ۵۷)

ایمان نہیں لاتے۔ یہ وہی لوگ ہیں جن سے آپؐ نے معاہدہ کیا پھر وہ اپنا معاہدہ ہر بار توڑ دیتے ہیں اور وہ بے باک ہیں۔ تو اگر آپؐ ان لوگوں کو جنگ میں پالیں تو انہیں ایسی عبرت ناک سزا دیں جو اُن کے پیچھے رہ جانے والوں میں ابتری پیدا کر دے تاکہ یہ نصیحت حاصل کریں۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے اہلِ نجران سے صلح کرتے وقت یہ شرط رکھی تھی کہ جس نے بھی ان میں سے پہلے کا سود کھایا تو ہماری ذمہ داری اس سے ختم ہو جائے گی [۱]۔ الغرض اس باب میں ہم تک جو معلومات پہنچی ہیں، اُن کا خلاصہ یہ ہے: "جس نے بھی اپنے معاہدہ کی شرائط میں بدعہدی کی پھر تمام قوم اس بدعہدی پر متفق ہو گئی تو ایسے لوگوں سے کوئی عہد باقی نہیں رہتا اور نہ ان کی ذمہ داری لی جائے گی۔"

مالک بن انس کا جواب

(۴۷۰) مالک بن انس نے اس سوالنامہ کا جواب دیتے ہوئے لکھا:

"اہلِ قبرص کو جو امان دی گئی ہے، اس کا سلسلہ قدیم زمانہ سے تمام والیوں کی طرف سے برابر چلا آرہا ہے اور ان سب کا خیال یہی رہا کہ ان کو امان دے دینا اور انہیں اُن کی حالت پر چھوڑ دینا ہی اُن کی محکومی و ماتحتی اور مسلمانوں کے غلبہ و اقتدار کے مترادف ہے۔ اس لئے کہ ایک طرف تو مسلمانوں کو ان سے جزیہ ملتا ہے اور دوسری طرف اُن کے ذریعہ مسلمان اپنے دشمنوں کو نقصان پہنچانے کا موقع پاتے ہیں۔ مجھے تاریخ میں کوئی ایسا والی نہیں ملتا جس نے ان سے صلح ختم کی یا انہیں اُن کے وطن سے نکالا ہو۔ میرا بھی یہی خیال ہے کہ آپ ان سے معاہدہ ختم کرنے اور اعلانِ جنگ کرنے میں جلدی نہ کریں تاآنکہ ان پر اتمامِ حجت نہ ہو جائے اور

---

[۱] ۔ چنانچہ جب انہوں نے عہد شکنی کرتے ہوئے سودی کاروبار شروع کر دیا تو حضرت عمرؓ نے انہیں جلاوطن کر دیا۔

ان پر جرم ثابت نہ ہو جائے ، اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے :

فَاَتِمُّوْا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ (التوبہ : ۴)

تم ان سے کئے ہوئے معاہدہ کو اُن کی مدت تک پورا کرو۔

اگر اس مدت کے بعد وہ راہِ راست پر نہ آئیں اور دھوکا دہی نہ چھوڑیں اور آپ دیکھیں کہ اُن کی طرف سے بدعہدی و غداری ہو رہی ہے تو اس وقت آپ ان پر حملہ کر دیں اور حملہ سے قبل ان کے سامنے اپنے عذرات و دلائل پیش کر دیں ۔ اس طرح آپ کو ان کے خلاف زیادہ قوت حاصل ہو گی ۔ آپ غلبہ و مدد سے زیادہ قریب ہو جائیں گے اور وہ ذلت و خواری سے ۔ ان شاء اللہ ۔

موسیٰ بن اعین کا جواب

(۴۷۱) موسیٰ بن اَعین کے جواب میں تھا :

اس قسم کے واقعات ماضی میں بھی ہوتے رہتے تھے ۔ اور حکام ان کے متعلق غور و فکر کرتے رہتے تھے لیکن مجھے نہیں معلوم کہ ماضی میں کسی والی نے اہلِ قبرص سے معاہدہ توڑا ہو یا اس میں کوئی تبدیلی کی ہو ۔ بہت ممکن ہے کہ وہاں کے خواص جو زیادتیاں کرتے ہیں انہیں وہاں کے عوام کی تائید حاصل نہ ہو ۔ میرا خیال یہ ہے کہ آپ معاہدہ پر قائم رہیں اور اس کی شرائط پوری کرتے رہیں خواہ ان کی طرف سے اس قسم کے واقعات ہؤا کریں ۔

میں نے اوزاعی سے ایسے لوگوں کے بارے میں جن سے مسلمانوں کا معاہدہ ہو اور پھر وہ مشرکین کو مسلمانوں کی کمزوریوں سے مطلع کرتے رہیں ۔ یہ کہتے سُنا ہے کہ اگر وہ ذمی ہو تو اس کا معاہدہ ٹوٹ جاتا ہے اور وہ (اسلامی حکومت کی) ذمہ داری سے نکل جاتا ہے ۔ اس پر اگر والی چاہے تو اس کو قتل کر سکتا ہے اور سولی دے سکتا ہے ۔ لیکن اگر وہ ذمی نہ ہو بلکہ صرف ان لوگوں میں سے ہو جن سے صلح کی گئی ہے تو والی معاہدہ ختم کر کے طرفین کو برابر کی آزادی حاصل ہونے کا اعلان کر دے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ۔

اسماعیل بن عیّاش کا جواب

اور اسماعیل بن عیّاش کے جواب میں یہ تھا :

(۴۷۲) اہلِ قبرص مغلوب و مقہور رہیں اور رومی اُن کی جانوں اور اُن کی عورتوں کو اپنے قبضہ میں لے لیتے ہیں ۔ ہمارا فریضہ ہے کہ ہم اُن کی حمایت و

مدانعت کریں۔ حبیب بن مسلمہ نے جب ارمینیا والوں کے ساتھ معاہدہ کیا تھا اور انہیں امان دی تھی تو معاہدہ میں لکھا تھا "اگر مسلمانوں کو اپنی مصروفیت کی وجہ سے تمہاری دیکھ بھال کا موقع نہ ملا اور تمہارے دشمن تم کو زیر کرلیں تو اس پر تمہاری گرفت نہیں کی جائے گی۔ نہ اس کی وجہ سے تمہارا معاہدہ ٹوٹے گا۔ جبکہ تم مسلمانوں کے ساتھ وفاداری کا دم بھرتے رہو گے۔"

میرا خیال ہے کہ ان (اہلِ قبرص) کو ان کے عہد و ذمہ پر بحال رکھو۔ ایک مرتبہ ان لوگوں کو یزید بن عبدالملک نے جلاوطن کر کے شام بھیج دیا تھا تو مسلمان فقہاء نے اس عمل کو نہایت نازیبا حرکت اور بڑی زیادتی قرار دیا تھا۔ چنانچہ جب یزید بن ولید برسرِ حکومت آیا تو اس نے ان لوگوں کو پھر قبرص واپس بھیج دیا۔ مسلمانوں نے اس کے اس عمل کو سراہا اور اسے عدل سے تعبیر کیا۔

یحییٰ بن حمزہ کا جواب

(۴۷۳) یحییٰ بن حمزہ نے اپنے جواب میں لکھا:-

"قبرص کا مسئلہ عربسوس کے مسئلہ سے ملتا جلتا ہے اور اس مسئلہ کے لئے وہ بہترین مثال اور قابلِ تقلید نمونہ ہے۔ اگر قبرص، عربسوس کی طرح مسلمانوں کے دشمنوں سے جا ملے تو بھی اسے اس کے حال پر چھوڑ دینا اور وہاں کے حالات پر صبر کرنا ہی بہتر ہے

۱ۓ۔ یہاں فتوح البلدان میں "اہلِ تفلیس" ہے ۱۶۱

۲ۓ عربسوس کے بارے میں عمیر بن سعد نے حضرت عمر کو بتایا تھا کہ ہمارے اور رومیوں کے درمیان عربسوس نامی علاقہ حائل ہے۔ یہاں کے باشندے ہمارے دشمنوں کو ہمارے راز سے باخبر کر دیتے ہیں لیکن ہمیں ہمارے دشمنوں کے راز نہیں بتاتے۔ اس پر حضرت عمر نے ان سے کہا تھا "جب تم ان کے پاس جاؤ تو ان (پر جزیہ دگنا کر دو یعنی ان) سے ایک بکری کی جگہ دو بکریاں، ایک گائے کی جگہ دو گائیں۔ اور ہر ایک چیز کی جگہ دو دو لو۔ اور ساتھ ہی انہیں ایک معین زمانہ کی مہلت دے کر اس کے بعد اس بستی کو تاخت و تاراج کر دو۔ اگر وہ دگنا جزیہ دینے پر رضامند نہ ہوں تو ان سے معاہدہ ختم کرنے کا اعلان کر دو اور ایک سال کی مہلت دے کر اس کے بعد ان کی بستی کو تاخت و تاراج کر دو"۔ چنانچہ عربسوس والوں نے دگنا جزیہ دینا منظور نہ کیا اور انہوں نے ایک سال کی مہلت دے کر اس بستی کو ویران کر دیا۔ (فتوح البلدان: ۱۶۱) کتاب الاموال نمبرہ ۴۶ میں اس سے اختلاف سے عربسوس کے معاملہ کا حل ملتا ہے وہاں بھی دیکھئے۔ (مترجم)

کیونکہ اس طرح مسلمانوں کو اس علاقہ کا جزیہ نیز وہاں سے اپنی ضرورت کی اشیاء ملتی رہیں گی۔ اس علاقہ کو امان بخشنے اور بحال چھوڑنے کا یہی سبب ہے۔ مسلمانوں اور اسلام دشمن قوتوں کے درمیان جو مقام ان قبرص والوں کو حاصل ہے۔ وہ جس معاہد قوم کو بھی حاصل ہو گا، خواہ زمانہ قدیم ہو یا جدید اُس سے احتیاط برتی جائے گی اور چوکنا رہا جائے گا۔ اور جتنے بھی ایسے معاہد لوگ ہیں جن کی مدافعت میں مسلمان جنگ نہیں کرتے اور جن میں مسلمانوں کے احکام جاری نہیں ہوتے انہیں

قبرص کی قسم کی آبادی اہلِ ذمہ نہیں بلکہ اہلِ فدیہ ہے

اہلِ ذمہ (ذمی) نہیں کہا جائے گا بلکہ وہ اہلِ فدیہ کہلائیں گے۔ وہ جب تک ہم سے تعرض نہیں کریں گے ہم بھی ان سے رُکے رہیں گے۔ اور جب تک وہ وفاداری کا دم بھرتے رہیں گے، ہم بھی ان سے وفا کرتے رہیں گے۔ اور جو کچھ بھی وہ بطیب خاطر ادا کرتے رہیں گے، ان سے قبول کیا جائے گا۔ اور یہ جائز نہیں کہ ایسی (اہلِ ذمہ والی) حالت مسلمانوں کی ہو کہ وہ کچھ دے کر کفار سے معاملہ کریں۔ اِلا یہ کہ انہیں کفار سے کوئی بڑا خطرہ لاحق ہو۔ یا وہ کمزوری کے باعث ان سے لڑنے کی تاب نہ رکھتے ہوں یا انہیں کسی دوسرے محاذ پر ایسی مصروفیت ہو کہ اس دشمن کی طرف متوجہ نہ ہو سکیں۔ حضرت معاذ بن جبلؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کا کسی مقررہ رقم کے عوض دشمن سے صلح کرنا مکروہ قرار دیا۔ الا یہ کہ مسلمان ان سے صلح کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ اس لئے کہ کسے معلوم کہ اس صلح سے وہ آسودہ و غالب ہو جائیں اور اُن کو کسی قسم کی ذلت و محکومیت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

ابو اسحٰق اور مخلد بن حسین کا جواب

(۴۷۴) ابو اسحٰق اور مخلد بن حسین نے یہ لکھا تھا:

"ہماری نظر میں مسئلہ قبرص (اور اس کے فیصلہ) سے سب سے زیادہ ملتا جلتا مسئلہ عربسوس کا مسئلہ اور اس کا حضرت عمرؓ والا فیصلہ ہے۔ (بعد ازاں انہوں نے ہماری مذکورہ بالا پوری روایت نمبر ۴۶ درج کی)۔ اوزاعی بیان کرتے تھے کہ "مسلمانوں نے قبرص فتح کیا پھر وہاں کے باشندوں کو اُن کی حالت پر چھوڑ دیا گیا۔ ان سے معاہدہ میں چودہ ہزار دینار ادا کرتے رہنے کی شرط طے ہوئی، جن میں سے سات ہزار مسلمانوں کو، اور سات ہزار رومی حکومت

کو ادا کیا جائے گا۔ معاہدہ میں یہ بھی شرط تھی کہ وہ (اہلِ قبرص) مسلمانوں سے اُن کے دشمنوں کا کوئی معاملہ پوشیدہ نہ رکھیں گے۔ نہ رومی حکومت سے مسلمانوں کا معاملہ چھپائیں گے"۔ اوزاعیؒ یہ بھی کہا کرتے تھے: "اہلِ قبرص نے کبھی بھی ہم سے وفا نہیں کی، بایں ہمہ ہمارا خیال یہی ہے کہ ان لوگوں سے عہد و پیمان کیا گیا ہے۔ ان سے جو معاہدۂ صلح ہوا ہے اس میں بعض شرائط ان کے حق میں اور بعض شرائط ان کے مفاد کے خلاف ہیں۔ لیکن اس معاہدہ کو توڑ ڈالنا درست نہیں ہوگا تاوقتیکہ اُن کی طرف سے کوئی ایسی بات نہ ہو جس سے ان کی غداری و عہد شکنی کا ثبوت مل جائے۔"

ابو عبیدؒ:۔ میرا خیال ہے کہ ان فقہاء کی اکثریت پابندئ عہد کی تاکید اور ان لوگوں سے جنگ کرنے کی ممانعت کر رہی ہے۔ تاوقتیکہ مجموعی طور پر پوری قوم عہد شکنی کی مرتکب نہ ہو جائے۔ اور دونوں اقوال میں سے یہی قول زیادہ قابلِ اتباع ہے، نیز یہ اصول کہ خواص کے جرم پر عوام کی گرفت نہیں کی جائے گی۔ ہاں اگر یہ معلوم ہو جائے کہ خواص کے اقدام کو عوام کی تائید و خوشنودی حاصل ہے تو ایسی صورت میں عوام کا خون روا ہو جائے گا۔

حضرت علیؓ سے بھی اس مضمون کی تائید میں روایت ملتی ہے:

خوارج کا واقعہ

(۴۷۵) ابو مجلز روایت کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے اپنے ساتھیوں کو خوارج پر دست درازی کرنے سے منع کر دیا تھا تاآنکہ وہ کوئی خلاف قانون اقدام نہ کریں۔ پھر یہ ہوا کہ خوارج عبداللہ بن خبابؓ کو گرفتار کر کے لے گئے۔ راستہ میں انہیں ایک کھجور کے درخت کے نیچے ایک کھجور پڑی ملی، اُن میں سے کسی نے وہ کھجور اُٹھا کر اپنے منہ میں ڈال لی تو اُن میں سے کسی نے اس سے کہا: "معاہَد کی کھجور تم نے کس بنا پر اپنے لئے حلال سمجھی؟" اِس پر اُس نے وہ کھجور اپنے منہ سے پھینک دی۔ پھر وہ لوگ آگے بڑھے تو راستہ میں ایک سوّر ملا۔ ان میں سے ایک نے اسے اپنی تلوار کی نوک چبھوئی تو اُن کے بعض ساتھیوں نے کہا: "معاہَد کے سور کو مارنا کس دلیل سے تم نے حلال سمجھا؟"۔ اس پر عبداللہ بن خبابؓ نے ان سے کہا: "کیا میں تمہیں اس سے کہیں زیادہ واجب الحرمت شخص کی نشاندہی نہ کروں؟" اُنہوں نے کہا: "کیوں نہیں، ضرور کیجئے" انہوں نے کہا: "خود میں ہوں"۔ اس

پران لوگوں نے انہیں قتل کر ڈالا۔ جب حضرت علیؓ کو اس حادثہ کی اطلاع ملی تو انہوں نے ان خوارج کو پیغام بھیجا کہ ہمیں عبداللہ بن خبابؓ کے خون کا قصاص دو۔ انہوں نے جواب دیا: "ہم عبداللہ کا قصاص کیونکر دیں۔ ہم سب ہی اس کے قاتل ہیں۔" تب حضرت علیؓ نے کہا: "کیا تم سب نے انہیں قتل کیا ہے؟" انہوں نے جواب دیا: "ہاں۔" حضرت علیؓ نے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا پھر اپنے آدمیوں کو ان پر حملہ کرنے کا حکم دے دیا۔

خواص کے عمل پر عوام کی تائید کی مثال

ابو عبیدؒ: ۔ ملاحظہ فرمائیے حضرت علیؓ نے خواص کے کئے پران کے عوام سے جنگ روا نہ سمجھی تا آنکہ ان سب نے اس عمل کو بخوشی اپنی طرف منسوب نہ کر لیا اور اس کی تائید نہ کر دی۔ یہی صورت عہد شکنی کی بھی ہو گی۔

فوجی قوت اور صلح کے ذریعہ مفتوحہ علاقوں کے مشکوک ہونے پر تمام علاقہ کو صلحی قرار دیا جائے گا

اسی طرح اگر کسی علاقہ کا کچھ حصّہ فوجی قوت کے ذریعہ اور کچھ حصّہ صلح کے ذریعہ فتح ہوا اور پھر دونوں علاقوں میں حدود کا امتیاز نہ رہ سکے تو شبہ کے اندیشہ سے تمام علاقہ کو صلحی قرار دیا جائے گا۔ فتح دمشق میں بھی کچھ ایسی ہی صورت پیدا ہوئی تھی۔

(۴۷۶) واثلہ بن اسقع لیثی کہتے ہیں کہ جب خالد بن الولیدؓ مرج الصُّفَّرؔ میں اُترے تو میں اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر بڑھا تا آنکہ میں باب جابیہ[۱] پہنچا، تو وہاں سے ایک بڑی گھڑسواروں کی فوج نکلی۔ میں نے اسے مہلت دی تا آنکہ وہ میرے اور دیر ابن ابی ادفی کے درمیان آ گئی تب میں نے نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہوئے پیچھے سے ان پر حملہ کر دیا۔ وہ جماعت یہ سمجھی کہ اُن کے شہر کا محاصرہ کر لیا گیا ہے۔ چنانچہ وہ جہاں سے نکلے تھے وہاں واپس جانے لگے۔ میں نے ان کے بڑے سردار پر حملہ کر کے نیزہ سے اسے مار گرایا اور پلٹ کر اس کے خچر کی لگام پکڑ لی اور دوڑ پڑا۔ جب اس فوج نے دیکھا کہ میں تنہا ہوں تو میری طرف بڑھے۔ میں نے ان کی طرف دیکھا تو ایک شخص ان کے آگے تنہا آتے ہوئے نظر آیا۔ میں نے لگام تو زین کی پشت میں اٹکائی، بڑھ کر

---

[۱] یہ دمشق کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے (ابو عبید)

اُس کے نیزہ گھونپا اور اُسے مار ڈالا پھر پلٹ کر اس خچر کے پاس پہنچ گیا، وہ لوگ میرا تعاقب کرتے رہے اور میں پہلے کی طرح پلٹ کر وار کرتا حتیٰ کہ میں نے لگاتار ان میں سے تین کا خاتمہ کر دیا جب انہوں نے میرا یہ کارنامہ دیکھا تو وہ واپس ہو گئے، میں بڑھ کر خالد بن الولیدؓ کے پاس صُفرؓ پہنچا اور اپنا کارنامہ انہیں بتایا۔ اس وقت اُن کے پاس روم کا حاکم اعلیٰ موجود تھا جو شہر والوں کے لئے امان کا طلبگار تھا۔ خالدؓ نے اسے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں ــــــ یعنی تمہارے جانشین ــــــ کو قتل کرا دیا ہے۔ اس نے رومی زبان میں کہا: "مشالوس" (یعنی معاذ اللہ) اس پر میں وہ خچر لے کر سامنے آ گیا جب اس رومی حاکم اعلیٰ نے وہ خچر دیکھا تو اسے پہچان گیا اور اُس نے کہا: "کیا تم میرے ہاتھ اس کی زین فروخت کرو گے؟" میں نے کہا: "ہاں" اُس نے کہا: "میں تمہیں دس ہزار (درہم) دوں گا" تو خالدؓ نے مجھ سے کہا "یہ اس کے ہاتھ بیچ دو" میں نے خالدؓ سے کہا: "اے امیر! آپ ہی اسے بیچ دیجئے" چنانچہ انہوں نے اسے فروخت کر دیا اور انہوں نے اس مقتول سردار سے چھینی ہوئی تمام چیزیں مجھے دے دیں اور ان میں سے کچھ بھی نہ لیا۔

ابوعبیدؒ: میرے خیال میں اس روایت سے معلوم ہو رہا ہے کہ امان طلبی کی جدوجہد جاری تھی اور ہنوز وہ غیر مستحکم تھی اگرچہ آخرالامر صلح ہی ہوئی۔

(۴۷۷) ابوالاشعث صنعانی اور ابوعثمان صنعانی روایت کرتے ہیں کہ ابوعبیدہ ابن الجراحؓ باب جابیہ پر ٹھہرے رہے اور انہوں نے چار ماہ تک شہر والوں کا محاصرہ کیا۔

(۴۷۸) سعید بن عبدالعزیز کہتے ہیں کہ جابیہ میں یزید بن ابی سفیان چھوٹے دروازہ سے فوجی قوت کے ذریعے داخل ہوئے تھے اور خالد بن الولیدؓ مشرقی دروازہ سے صلح کرنے کے بعد داخل ہوئے تھے، اور دونوں طرف کی مسلمان افواج مقسلاط (کے مقام) پر مل گئیں اور انہوں نے وہ تمام علاقہ صلحی قرار دیا۔

اگر مشرکین سرداروں کو عوام کا اعتماد حاصل نہ ہو تو اُن سے کیا ہوا معاہدہ اُن کے عوام کی توثیق کے بعد نافذ کرنا زیادہ مناسب ہے

ابوعبیدؒ: اسی طرح اگر کسی شہر کے مشرکین کے سردار مسلمانوں سے کوئی معاہدہ کریں اور صلح کر لیں تو احتیاط و اعتماد کا تقاضا ہے کہ اسے عوام پر منطبق نہ کریں تا آنکہ وہ سب

اس پر اپنی رضامندی کا اظہار نہ کر دیں۔

(۴۷۹) مکحول کہتے ہیں کہ جب مسلمان کسی قلعہ کا محاصرہ کریں اور دشمن مسلمانوں سے صلح کا خواستگار ہو تو ان میں سے کچھ گھرانوں کے کہنے پر انہیں امان دے دینا مناسب نہ ہوگا تا آنکہ امیرِ لشکر اپنے آدمی کو قلعہ میں بھیج کر تمام قلعہ والوں کو اکٹھا کر کے ان سب کو اس صلح کی درخواست سے باخبر نہ کر دے۔ پھر اگر وہ سب اس کی منظوری دے دیں تو صلح کر لی جائے بصورتِ دیگر انہیں قلعہ ہی میں رکھا جائے گا اور صلح نہیں کی جائے گی۔

مکحول کہتے ہیں کہ جب امام ایسی صلح کرتا جس میں قلعہ کے تمام لوگوں کو معاہدہ صلح سے آگاہ نہ کیا جاتا تو لوگ اس علاقہ[1] سے کوئی چیز نہ خریدتے تھے۔

عمر بن عبدالعزیز سے بھی اس کی تائید میں ایک روایت ہے:

(۴۸۰) صفوان بن عمرو کہتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز سے پہلے امام قلعہ کے سرداروں اور لیڈروں کی مرضی پر صلح کر لیا کرتے تھے اور تمام بقیہ قلعہ والوں کو جو ردمی تھے شرائط صلح سے آگاہ نہ کرتے تھے، عمر بن عبدالعزیز نے یہ طریقہ ممنوع قرار دے کر اپنے لشکروں کے سرداروں کو اس طریقہ پر عمل کرنے سے روک دیا اور حکم دیا کہ ایسی صلح کی پیش کش کرنے والوں سے اس وقت تک صلح نہ کریں جب تک وہ معاہدہ کو تحریری شکل میں قاصد اور ان گواہوں کے ساتھ نہ بھیجیں جو اس معاہدہ پر تمام اہلِ قلعہ کی تائید کی شہادت دے دیں۔

ابوعبیدؒ:۔ یہی صلح کا صحیح طریقہ ہے اس لئے کہ اہلِ قلعہ اِن سرداروں اور لیڈروں کے زرخرید غلام نہیں کہ بہرصورت اِن کی مرضی کا فیصلہ عوام پر ٹھوپ دیا جائے۔ اِلّا یہ کہ تمام پیرو اپنے سرداروں سے متفق ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم جن لوگوں سے بھی معاہدہ کرتے تھے اس کی یہی صورت ہوتی تھی۔ چنانچہ آپ نے جب اہلِ نجران وغیرہم کے سرداروں سے صلح کا معاہدہ کیا تو اس معاہدہ میں ان کے بڑے بڑے سردار اور معزز افراد شامل تھے اور عوام اپنے سرداروں کی کسی رائے سے اختلاف نہ رکھتے تھے نہ انہیں اس معاہدہ پر مجبور کیا گیا تھا۔

---

[1] ۔ یہاں عربی عبارت میں "ھٰذا الرقیق" ہے جس کے معنے "اس غلام" ہوتے ہیں۔ (مترجم)

یہ ہیں وہ آثار و روایات جو عہد شکنی کرنے پر صلحی اقوام اور ان کے قوانین سے متعلق ہیں۔
یہی صورت ان یہود و نصاریٰ اور مجوسی ذمیوں کی ہوگی جو اسلامی ریاست میں مقیم ہوں، یعنی ان میں سے جو بھی غیر قانونی حرکت کرے جس کا معاہدہ کی شرائط میں اندراج نہ ہو تو اس کی پاداشں میں اس کا خون حلال ہو جائے گا۔ اس سے توبہ کا مطالبہ یا معذرت قبول نہیں کی جائے گی۔ اس مضمون کی احادیث و روایات یہ ہیں:-

عہد شکنی پر عورت کا خون بھی روا ہو جائے گا

(۴۸۱) عکرمہ کہتے ہیں کہ ایک شخص[1] کی امّ ولد (لونڈی جس سے بچہ ہو گیا ہو) تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت زبان درازی کرتی رہتی تھی۔ اس کا آدمی اسے منع کرتا لیکن وہ باز نہ آتی تھی۔ اس پر اس آدمی نے اسے قتل کر ڈالا۔ یہ مقدمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہوا تو آپؐ نے اس (کنیز) کا خون رائیگاں قرار دیا (یعنی اس کا بدلہ نہیں لیا جائے گا)

(۴۸۲) عروۃ بن محمد بلقین کے ایک شخص سے روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دی تو خالد بن الولید رضؓ نے اسے قتل کر ڈالا۔

---

[1] یہ شخص نابینا تھے۔ اس عورت سے ان کے دو خوبصورت بچے تھے۔ عورت اپنے آدمی کے ساتھ محبت کی زندگی گذار رہی تھی۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی سے باوجود بار بار منع کرنے کے باز نہ رہتی تھی۔ ایک رات حسب دستور جب اس نے رسول اللہؐ کو گالیاں دینا شروع کیں تو انھوں نے اپنے پاس چھپے ہوئے تیز خنجر کو اس عورت کے پیٹ پر رکھ کر اس پر اپنا سارا بوجھ ڈال دیا اور وہ مر گئی۔ صبح جب اس قتل کی اطلاع رسول اللہ کو پہنچی تو آپؐ نے لوگوں کو جمع کیا اور انہیں قسم دے کر کہا کہ جس نے یہ کیا ہے وہ کھڑا ہو جائے۔ چنانچہ یہ اندھا صفوں کو چیرتا پھاڑتا لڑکھڑاتا پہنچا اور پورا واقعہ بیان کر دیا۔ آپؐ نے کہا: "لوگو گواہ رہو کہ اس عورت کا خون رائیگاں گیا۔" (مختصر از ابوداؤد)

اور ایسا ہی قصہ عصماءؔ[1] نامی یہودی عورت کا ہے :۔

ابوعبیدؒ:۔ ذمیوں کا خون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو گالی دینے پر اس لئے حلال ہوجاتا ہے کہ اس کی تصریح معاہدہ صلح میں کر دی جاتی ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی تکذیب پر ان کا خون حلال نہیں ہوگا اس لئے کہ ان کی تکذیب کے باوجود ان سے صلح کی جاتی ہے۔ رسول اللہؐ کو سبّ وشتم پر ذمیوں کو قتل کرنے کے بارے میں مرد وعورت مساوی ہیں۔ آپ نے ملاحظہ کر لیا ہوگا کہ اس قسم کے جتنے قتل کے واقعات ہوئے وہ سب عورتوں ہی کے تھے۔ اسی طرح جب عورتیں مرتد ہوں گی تو انہیں بھی قتل کر دیا جائے گا۔

مرتد عورت کو بھی قتل کیا جائے گا

اس روایت سے ان لوگوں کی تردید ہوتی ہے جو کہتے ہیں کہ مرتد عورت کو قتل نہیں کیا جائے گا، اس لئے کہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اس کا قتل غلط نہیں بتایا۔ پھر حضرت ابوبکرؓ کی مثال موجود ہے کہ اُنھوں نے ایک مرتد عورت کو قتل کیا اور دوسری کو خالد بن الولیدؓ نے قتل کر دیا :

(۴۸۳) سعید بن عبدالعزیز تنوخی کی روایت ہے کہ مرتد ہونے والوں میں امِ قرفہ فزاریہ بھی تھی۔ چنانچہ اسے بھی حضرت ابوبکرؓ کے سامنے حاضر کیا گیا اور انہوں نے اسے قتل کر دیا اور اس کو دوسروں کے لئے عبرت ناک مثال بنایا[2]

ابو مُسہر جو اس روایت کے ایک راوی ہیں کہتے ہیں کہ سعید نے ہمیں یہ نہ بتایا کہ انہوں

---

[1] ۔ عصماء بنت مروان بنی امیہ بن زید کی ایک عورت تھی۔ اس کا شوہر یزید بن زید تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی شان میں گستاخی، ہجویہ شاعری اور اسلام پر اعتراضات کرتی رہتی تھی، عمیر بن عدیؓ نے جو نابینا تھے رات کی تاریکی میں اس کے گھر میں بستر پر اسے قتل کر ڈالا۔ اُنہوں نے فجر کی نماز مدینہ پہنچ کر حضورؐ کے ساتھ پڑھی۔ حضورؐ نے ان سے دریافت کیا: "کیا تم نے بنت مروان کو قتل کر ڈالا؟" انہوں نے کہا: "جی ہاں"۔ فرمائیے کیا مجھے اس عمل پر کچھ بھگتنا پڑے گا؟" آپؐ نے فرمایا: "اس عمل پر تو کسی اختلاف واعتراض کی گنجائش ہی نہیں ہے۔" (مختصر از ابن سعد)

[2] ۔ یہاں عربی عبارت "مَثَّلَ بِھا" ہے جس سے مثلہ کرنا بھی مراد ہوسکتا ہے جو حرام ہے (مترجم)

نے اسے کیسے عبرت ناک مثال بنایا۔

ابو عبیدؒ:۔ میرا خیال ہے کہ یہ کوئی اور عورت ہوگی اس لئے کہ ام قرفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قتل کی گئی تھی جیساکہ کتب مغازی میں مذکور ہے۔

(۴۸۴) یہی عصماء یہودیہ کا قصہ ہے اسے بھی رسول اللہ کو گالی دینے کے جرم میں قتل کیا گیا۔

ابو عبیدؒ:۔ اس طرح ارتداد کی سزا میں مرد و زن برابر ہوں گے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے "جو بھی اپنا دین بدل دے اسے قتل کردو۔ اس حکم میں مرد و زن دونوں یکساں شامل ہیں۔

اس مسئلہ میں جس نے حربی عورتوں سے استدلال کیا ہے وہ درست نہیں۔ اس لئے کہ حربی عورتوں کو تو قید کرلیا جاتا ہے اور پھر لونڈی بنالیا جاتا ہے۔ لیکن مرتد عورت کو لونڈی نہیں بنایا جاسکتا۔ لہٰذا ان دونوں کے احکام مختلف ہیں۔

عہد عمرؓ میں عہد شکنی پر سولی کی سزا

ذمیوں کے ایک شخص سے عہد شکنی کا واقعہ حضرت عمرؓ کے عہد میں ہونا مروی ہے:

(۴۸۵) سُوَید بن غَفَلہ کہتے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ شام تشریف لائے تو اہل کتاب میں سے ایک شخص ان کے دربار میں کھڑا ہوا اور کہنے لگا "یا امیرالمؤمنین! ایک مسلمان نے میری یہ گت بنا دی ہے جو آپ دیکھ رہے ہیں" وہ شخص زخمی تھا اور اس کے چوٹیں لگی تھیں۔ اس پر حضرت عمرؓ بہت غصہ ہوئے اور صہیبؓ کو حکم دیا کہ جس نے اس کے ساتھ یہ سلوک کیا ہے اسے تلاش کرکے میرے پاس لاؤ۔ چنانچہ صہیبؓ گئے اور انہیں معلوم ہوا کہ وہ شخص عوف بن مالک اشجعی ہیں۔ اُنھوں نے اُن سے کہا کہ امیرالمومنین تمہارے اُوپر بہت غصہ ہوئے ہیں۔ تم معاذ بن جبلؓ کے پاس جاؤ تاکہ وہ تمہارا معاملہ حضرت عمرؓ کے سامنے پیش کریں ورنہ مجھے خطرہ ہے کہ جلدی میں وہ تمہارے خلاف کوئی اقدام نہ کر ڈالیں۔ جب حضرت عمرؓ نماز سے فارغ ہوئے تو اُنھوں نے کہا: "صہیب کہاں ہیں، کیا اس آدمی کو لے آئے؟" صہیبؓ نے کہا "جی ہاں" عوف

ابن مالک اپنا واقعہ معاذ بن جبلؓ کو بتا چکے تھے۔ چنانچہ معاذؓ نے کھڑے ہو کر کہا: "یا امیرالمومنین! یہ شخص عوف بن مالک ہے، آپ اس کی سُن لیجئے اور جلدی میں اس کے خلاف کوئی فیصلہ نہ فرمائیے۔ تب حضرت عمرؓ نے عوف کی طرف مخاطب ہو کر کہا: "تم نے اس کی یہ گت کیوں بنائی؟ عوف نے جواب دیا: "یا امیرالمومنین! میں نے دیکھا کہ یہ شخص ایک گدھے کو جس پر ایک مسلمان عورت سوار تھی ہانک رہا ہے۔ پھر اس نے عورت کو گرانے کے لئے اسے کچوکا دیا۔ جب وہ نہ گری تو اس نے اُسے دھکا دیا جس سے وہ گر گئی اور یہ اس پر چڑھ گیا۔" حضرت عمرؓ نے کہا: "اس عورت کو میرے سامنے لاؤ تاکہ وہ تمہارے بیان کی تصدیق کرے۔" چنانچہ عوف اس عورت کے پاس گئے تو اس کے شوہر اور اُس کے باپ نے اُن سے کہا: "یہ تم نے ہماری عورت کے ساتھ کیا کر دیا۔ تم نے تو ہماری بے عزتی اور رسوائی کا سامان پیدا کر دیا۔" وہ عورت بولی! اللہ کی قسم میں اس کے ساتھ ضرور جاؤں گی" اس کے شوہر اور باپ نے کہا: "ہم چلے جاتے ہیں اور تمہاری طرف سے بیان دے آئیں گے۔" چنانچہ وہ دونوں حضرت عمرؓ کے پاس پہنچے اور جو کچھ عوف نے کہا تھا وہی بیان کر دیا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے اس یہودی کو سولی پر لٹکانے کا حکم جاری کر دیا اور کہا: "ہم نے یہ کرتوت کرنے کے لئے تم سے معاہدہٗ صلح نہیں کیا ہے۔" پھر انہوں نے کہا: "لوگو! محمد صلی اللہ علیہ وسلّم نے جن کی ذمہّ داری و ضمانت لی ہے ان کا خیال رکھو اور ان کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو۔ اور دیکھو ان ذمیوں میں سے جو بھی اس قسم کی (خلافِ معاہدہ) حرکت کا مرتکب ہو گا ہم پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں ہو گی۔

سوید کہتے ہیں کہ یہ پہلا یہودی تھا جسے میں نے اسلام میں سولی پر چڑھتے ہوئے دیکھا۔

(۴۸۶) ایک دوسری سند سے بھی یہ روایت سوید سے مروی ہے۔

باب

صلحی اقوام کے افراد آزاد رہیں گے یا انہیں لونڈی غلام بنایا جا سکے گا؟

صلحی قوم آزاد قرار پائے گی

(۷۸۴) حمید بن ہلال روایت کرتے ہیں کہ بنی شیبان کے ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر کہا: "حیرہ کے حاکم اعلیٰ بُقیلہ کی بیٹی آپ میرے نام لکھ دیجئے تو آپ نے فرمایا: "کیا تمہیں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے لئے یہ علاقہ فتح کرادے گا؟" اس شخص نے کہا: "اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے اللہ ہمیں ضرور یہ علاقہ فتح کرائے گا۔" چنانچہ آپ نے سُرخ چمڑے پر اس کی فرمائش پوری کر دی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خالد بن الولیدؓ نے اس علاقہ پر حملہ کیا اور یہ شیبانی شخص بھی اُن کے لشکر کے ساتھ نکلا، اہلِ حیرہ نے بغیر لڑے صلح کر لی، یہ شیبانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دستاویز لے کر خالد بن الولیدؓ کے پاس حاضر ہوا۔ جب انہوں نے وہ دستاویز لی تو اسے بوسہ دیا پھر کہا: "تم اسے لے لو" تب حیرہ کے بڑے بڑے سردار اس کے پاس آئے اور انہوں نے کہا: "جناب! آپ نے جب اس خاتون کو دیکھا تھا تو وہ جوان تھی لیکن اب وہ معمر ہو چکی ہے اس کا بیشتر حسن ڈھل چکا ہے۔ آپ ہمارے ہاتھوں اسے فروخت کر دیں۔" اُس شخص نے کہا: "اللہ کی قسم میں اسے نہیں بیچوں گا تا آنکہ تم میری منہ مانگی قیمت اس کے عوض نہ دے دو۔ وہ لوگ اپنے دلوں میں ڈرے کہ کہیں وہ ایسی قیمت کا مطالبہ نہ کر دے جس کی ادائی ان کی طاقت سے بالاتر ہے پھر بھی اُنہوں نے

کہا: "جو چاہتے ہو مانگ لو۔" اُس شخص نے پھر کہا: "اللہ کی قسم! جو میں مانگوں گا وہی لوں گا ورنہ میں اسے نہیں بیچوں گا۔" جب وہ شخص اپنی بات پر مُصر رہا تو ان لوگوں نے آپس میں کہا: "یہ جو کچھ طلب کرے اسے دے دو۔" پھر اس سے کہا: "چلو بولو کیا مانگتے ہو؟" اس نے کہا: "میں تم سے ایک ہزار درہم لوں گا۔" اس پر ان لوگوں نے کچھ اس طرح منہ بنائے جیسے وہ یہ رقم بہت زیادہ سمجھ رہے ہوں، پھر بولے: "جناب! ہمارے پاس ایک ہزار درہم کہاں سے آئیں گے؟" اُس نے کہا: "تو پھر یہ معاملہ نہیں ہوگا، اللہ کی قسم میں اس میں کچھ کمی نہیں کروں گا۔" الغرض اُن لوگوں نے اس شیبانی کو ایک ہزار درہم ادا کر دئے اور اپنی خاتون کو لے گئے۔ بعد میں جب وہ شیبانی اپنی قوم میں گیا تو ان لوگوں نے اس سے پوچھا: "تم نے کیا کیا؟ اُس نے جواب دیا: "میں نے اس خاتون کو اپنی منہ مانگی قیمت پر فروخت کر دیا۔" لوگوں نے کہا: "تم نے بہت اچھا کیا۔ کیا قیمت مانگی تم نے؟ اُس نے کہا: "ہزار درہم۔" یہ سُنتے ہی وہ لوگ اُسے بُرا بھلا کہنے اور گالیاں دینے لگے۔ جب ان لوگوں نے زیادہ لے دے کی تو وہ شخص بولا: "مجھے ملامت نہ کرو، واللہ میرے خیال و گمان میں بھی ہزار درہم سے زیادہ کوئی عدد قابلِ ذکر نہ تھا۔

ابو عبیدؒ:- بعض محدثین نے بھی اس حدیث کو بیان کیا ہے لیکن وہ اس شخص کی نسبت (بجائے قبیلہ شیبان کے قبیلہ طے سے) طائی بیان کرتے ہیں۔

میرا خیال ہے کہ مذکورہ بالا عورت کو قید کرنے کے بعد فروخت کیا گیا ہوگا کیونکہ یہ علاقہ صلح کے ذریعہ فتح ہوا تھا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنت اور جُملہ مسلمانوں کا دستور یہ رہا ہے کہ جن لوگوں کو صلح کے ذریعے فتح کیا جائے ان میں سے کسی کو نہ قید کیا جائے نہ غلام بنایا جائے، یہ لوگ آزاد قرار پائیں گے۔ اس حدیث کی توجیہ میرے نزدیک یہ ہوگی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس شیبانی کو یہ عورت پیشگی نفل (انعام) کے طور پر بخشی گئی اور اُس وقت کوئی ایسی شکل نہ تھی کہ اس حکم کو واپس لیا جاتا، لہٰذا حضرت خالدؓ نے اسے نافذ کر دیا، اگر یہ خصوصی صورت نہ پیدا ہو جاتی تو اس کی گرفتاری اور فروخت جائز نہ ہوتی۔ اور اس کے لئے صرف یہی دلیل

کافی ہے کہ اس عورت کے سوا حیرہ میں سے کسی کو غلام نہ بنایا گیا۔

اور اس کی نظائر میں بہت سی روایات ہیں:

(۴۸۸) عطاء خراسانی کہتے ہیں کہ تُستَر صلحی علاقہ تھا پھر وہاں کے باشندوں نے عہد شکنی کی۔ مہاجرین نے ان پر حملہ کر دیا اور جنگ کر کے انہیں شکست دے دی اور انہیں قیدی بنا لیا۔ پھر مسلمانوں نے ان کی عورتوں سے جنسی تعلقات قائم کئے تا آنکہ مسلمانوں سے ان کی اولاد ہوئی، خود میں نے اس قسم کے تعلق سے پیدا ہونے والی اولاد دیکھی ہے۔ لیکن بعد میں عمر بن الخطابؓ نے فرمان جاری کر دیا کہ ان میں سے جنہیں قید کیا گیا ہے وہ آزاد کر دئیے جائیں۔ چنانچہ اس پر عمل کیا گیا اور اُن عورتوں کو اُن کے آقاؤں سے جُدا کر دیا گیا۔

(۴۸۹) یزید بن ابی حبیب کہتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے قبیلہ لُواتہ[1] کی عورتوں کے بارے میں لکھا تھا کہ جو ان میں سے کسی کو بھیجے تو اسے اُن کی قیمت میں سے کچھ نہیں ملے گا بلکہ وہ قیمت ہوگی جس کے عوض اُس عورت کی شرمگاہ حلال کی گئی ——— یہاں قیمت کہا تھا یا اس سے ملتا جلتا ہم معنی کوئی اور لفظ ——— اور یہ کہ جس کے پاس بھی ان میں کی کوئی عورت ہو تو وہ اس عورت کو اُس کے باپ سے مانگے، بصورتِ دیگر وہ اس عورت کو اس کے گھر والوں میں واپس بھیج دے۔

ابو عبیدؒ: میرا خیال ہے کہ لُواتہ قبیلہ سے کوئی عہد تھا اور یہ وہی لوگ ہیں جن کے بارے میں ابن شہاب بیان کرتے تھے کہ حضرت عثمانؓ نے بربر سے جزیہ لیا تھا،

---

[1] لَواتہ۔ یہ (جالوت کے) زمانۂ قدیم میں فلسطین سے مصر (حال لیبیا) آکر آباد ہونے والا قبیلہ ہے، ۲۳ھ میں فتح طرابلس (الغربی) کے موقع پر یہ قبیلہ عمرو بن العاص کے پاس آیا تھا۔ دیکھئے فتح العرب لمصر تعریب محمد فرید ابو حدید : ۳۰۴۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ مصر میں فیوم کے علاقہ میں آباد عربوں کا قبیلہ ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ (افریقی) طرابلس الغربی کی تمام آبادی کو "لَواتہ" کہا جاتا ہے۔ تاج العروس میں ایک بربری قبیلہ کا نام لَواتہ درج ہے اور یہ کہ ان کے قیام پذیر ہونے کی وجہ سے اس علاقہ کا بھی لَواتہ نام پڑ گیا تھا۔

ان لوگوں نے بعد میں عہد شکنی کی تو قید کئے گئے، اور پھر عمر بن عبد العزیز نے ان کے متعلق وہ کچھ لکھا جو اُوپر گذرا۔

(۴۹۰) لیث بن سعد کہتے ہیں کہ عمرو بن العاص رضؓ نے برقہ میں رہنے والے بربری قبیلہ لَوَاتہ کے معاہدہ میں یہ شرط بھی رکھی تھی کہ تم اپنے جزیہ کے عوض اپنی اولاد (لڑکے اور لڑکیاں) فروخت کرو گے۔

لیث کہتے ہیں کہ اگر یہ لوگ غلام ہوتے تو یہ شرط اُن کے لئے روا نہ ہوتی۔

(۴۹۱) ابنِ سیرین کہتے ہیں کہ اگر دشمن اقوام آپس میں ایک دوسرے کو قید کریں تو مسلمانوں کو ان کے قیدی خریدنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

(۴۹۲) عبد الرحمٰن بن یزید کہتے ہیں کہ میں ایک لشکر میں تھا جس میں سلمان رضؓ بھی تھے، ہم نے ایک قصر کا محاصرہ کیا اور اس کے باشندوں سے صلح کر لی۔ پھر ہم وہاں مسلمانوں میں سے ایک مریض کو چھوڑ کر چلے گئے۔ ہمارے بعد وہاں بصرہ والوں کا لشکر آیا جنہیں دیکھ کر اس قصر کے لوگ ڈر گئے اور قصر کا دروازہ بند کر لیا۔ چنانچہ ان لوگوں نے قصر والوں سے جنگ کی اور قصر فتح کر لیا۔ پھر مسلمانوں نے اُن کی عورتوں اور بچّوں کو اپنے ساتھ لے لیا اور مردوں[ل] کو قتل کر ڈالا۔ بعد میں یہ معاملہ سلمان رضؓ سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہا: "میری رائے یہ ہے کہ عورتوں اور بچّوں کو واپس وہاں پہنچا دیا جائے جہاں سے انہیں لایا گیا ہے، مسلمانوں کی ضمانت و ذمہ داری یکساں ہے اور ان میں ایک معمولی مسلمان بھی ضمانت و ذمہ داری لے سکتا ہے۔ رہ گئے وہ خون جو وہاں بہائے گئے سو اس کا فیصلہ حضرت عمر رضؓ کریں گے۔"

(۴۹۳) ابن سیرین سے بھی یہی روایت اس طرح مذکور ہے کہ کوفہ کے ایک لشکر نے ایک قلعہ والوں سے صلح کی، پھر وہاں سے بصرہ والوں کا ایک لشکر گزرا۔

ل۔ یہاں عربی اصل میں "الرجل" ہے یعنی "اُس مرد کو" مار ڈالا۔ شاید اس سے مراد وہ مسلمان مریض ہے جو وہاں رہ گیا ہو۔ بصورتِ دیگر وہاں کے "مردوں" کو قتل کر دیا۔ یہ بھی ایک قدیم مخطوطہ کی عبارت کا مفہوم ہے۔

ابو عبیدؒ: ملاحظہ فرمائیے کہ سلمانؓ نے ان سے صلح کر لینے کو ایسا معاہدہ قرار دیا جس کی وجہ سے وہ آزاد قرار پائے اور اُن کو قید کرنا حرام ٹھہرا۔ نیز اُنھوں نے قلعہ والوں کے لشکر سے لڑنے کو عہد شکنی قرار نہیں دیا کیونکہ انہوں نے بالقصد یہ عہد شکنی نہیں کی تھی بلکہ ان کے اس عمل کو مسلمانوں کی طرف سے اُن کے خوف و اندیشہ پر محمول کیا۔ پھر اُنھوں نے یہ رائے ظاہر کی کہ اُن کی ذمہ داری و حفاظت تمام مسلمانوں پر واجب ہے اور یہ کہا کہ تمام مسلمانوں کی ضمانت و ذمہ داری یکساں اور برابر کی حیثیت رکھتی ہے۔ دراصل اُن کی یہ رائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی اس سنت پر مبنی ہے:

ایک مسلم (مرد ہو یا عورت) کا کیا ہوا عہد تمام مسلمانوں کا مشترکہ عہد ہوتا ہے

(۴۹۴) قیس بن عُبّاد کہتے ہیں کہ میں اور اُشترؔ حضرت علیؓ کے پاس گئے اور ہم نے ان سے دریافت کیا: "کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے آپ سے خصوصی طور پر کوئی ایسا عہد و قرار کیا ہے جو جملہ لوگوں سے جُداگانہ ہو۔" انھوں نے کہا: "نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے مجھ سے ایسا کوئی عہد نہیں کیا جو تمام لوگوں سے نہ کیا ہو"۔ پھر اُنھوں نے اپنی تلوار کے میان سے ایک صحیفہ نکالتے ہوئے کہا: "البتہ میری اس کتاب میں جو کچھ ہے وہ مستثنیٰ ہے، اس میں ہے: "مسلمانوں کے خون باہم گر مساوی اور ہم پلّہ ہیں۔ اور مسلمانوں کی طرف سے ان کا معمولی فرد بھی ذمہ داری و ضمانت کا وعدہ کر سکتا ہے۔ اور تمام مسلمان اپنے مخالفین کے مقابلہ میں متحدہ قوّت بن کر رہیں گے۔ کوئی مومن کسی کافر کے عوض قتل نہیں کیا جائے گا، اور نہ عہد و پیمان کے بحال رہتے ہوئے کوئی معاہدہ قتل کیا جائے گا۔ جو کوئی غیر قانونی حرکت کرے گا یا کسی باغی کو پناہ دے گا تو اُس پر اللہ کی، فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہوگی۔"

ابو عبیدؒ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے فرمان "مسلمانوں کی طرف سے ان کا معمولی فرد بھی ذمہ داری و ضمانت کا وعدہ کر سکتا ہے"، کے معنے یہ ہیں کہ جب بھی

مسلمانوں میں سے کوئی فرد کسی مُشرک سے کوئی عہد و قرار کرلے تو اس کی پاسداری تمام مسلمانوں پر واجب ہو جاتی ہے، اور ان میں سے کسی کو بھی اُس کے توڑنے یا رد کرنے کا اختیار نہیں رہتا کہ اس باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی سنّت عورتوں کے بارے میں بھی یہی رہی:

(۴۹۵) ام ہانیؓ بنت ابی طالب کہتی ہیں کہ میں فتح مکہ کے موقع پر چاشت کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس گئی۔ آپؐ غسل فرما رہے تھے اور حضرت فاطمہؓ چادر کی آڑ میں آپؐ کو چھپائے ہوئے تھیں۔ میں نے سلام کیا، تو آپؐ نے فرمایا: "یہ کون ہے؟" میں نے کہا "یا رسول اللہؐ! میں ام ہانی ہوں۔ آپؐ کی خدمت میں اس لیئے آئی ہوں کہ میرا ماں زاد بھائی کہتا ہے کہ وہ اس شخص (ہُبَیرہ یا فلاں بن ہُبَیرہ) کو جسے میں نے پناہ دی ہے قتل کر ڈالے گا"۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: "اے ام ہانی! جسے تم نے پناہ دے دی اسے ہم نے پناہ دے دی"۔ پھر جب رسول اللہؐ غسل سے فارغ ہوئے تو آپؐ نے کپڑے میں لپٹے ہوئے آٹھ رکعات ادا فرمائیں۔

(۴۹۶) یہی روایت ایک اور سند سے بھی ام ہانیؓ سے مروی ہے

(۴۹۷) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایسا ہوتا تھا کہ ایک (مسلمان) عورت مسلمانوں کے خلاف کسی کو امان دے دیتی تو اس کی یہ امان تسلیم کی جاتی تھی۔

(۴۹۸) زرّ بن حُبَیش حضرت عمرؓ سے روایت کرتے ہیں: "ایسا ہوتا تھا کہ ایک عورت مسلمانوں کے خلاف کسی کو امان دے دیتی تو اُس کی یہ امان تسلیم کی جاتی تھی۔

غلام اور بچّہ کی امان دہی کا مسئلہ

ابو عبیدؒ:۔ اسی پر انتہا نہ ہوئی بلکہ مسلمانوں نے (زرخرید) غلام کی امان بھی تسلیم کرلی ہے اور بعض نے تو بچّہ کی امان بھی جائز قرار دی ہے۔

(۴۹۹) فضیل بن زید الرقاشی سے مروی ہے کہ مسلمانوں نے ایک قلعہ کا محاصرہ کرلیا، تو ایک غلام نے تیر کے پھل پر امان لکھ کر وہ لکھا ہوا تیر کا پھل محصور دشمن کی طرف

پھینک دیا۔ اس پر مسلمانوں میں چہ میگوئیاں ہوئیں: "یہ تو غلام کی امان ہے، جو کوئی حیثیت نہیں رکھتی"۔ ان لوگوں نے کہا: "ہم تمہارے غلام اور آزاد میں کوئی امتیاز نہیں کرتے"۔ چنانچہ اس سلسلہ میں حضرت عمرؓ کو لکھا گیا تو اُنہوں نے یہ جواب لکھا: "مسلمانوں کا غلام مسلمانوں میں شمار ہوگا، اور اُس کی ذمہ داری مسلمانوں کی ذمہ داری ہوگی۔

(۵۰۰) ایک دوسری سند سے بھی یہ روایت فضیل بن زید الرقاشی سے مروی ہے۔ اس میں ابتداء میں یہ توضیح ہے کہ ہم سیراف میں دُشمن کے مقابلہ میں صف آرا تھے۔

(۵۰۱) مجاہد کہتے ہیں کہ ابوسفیان بن حرب حضرات حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے پاس آیا، وہ دونوں کم سن تھے، اور اُس نے ان دونوں کو بہلا پھُسلا کر امان دینے پر آمادہ کرنا چاہا۔

اس روایت کا ایک راوی عبدالرحمٰن کہتا ہے کہ سفیانؒ[1] بچہ کی امان دہی کو کچھ نہ گردانتے تھے۔ (یعنی اس کی کوئی قانونی حیثیت تسلیم نہ کرتے تھے)

ابوعبیدؒ:۔ یہ اس مدت کا واقعہ ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اہلِ مکہ سے صلح کرلی تھی اور قریش نے حضور کے حلیفوں کے مقابلہ میں اپنے حلیفوں کی مدد کر کے عہد شکنی کرلی اور انہیں اپنے خلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے حملہ آور ہونے کا خطرہ ہوگیا تھا چنانچہ ابوسفیان اس مدت میں توسیع کرانے کے لئے مدینہ پہنچا تھا۔ یہ واقعہ سیرت کی کتابوں میں مفصّل مذکور ہے[2]۔

---

[1] ۔ یہ سفیان اس روایت کے ایک راوی ہیں جن سے عبدالرحمٰن روایت کرتے ہیں۔ [2] صلح حدیبیہ کے بعد جب قریش نے معاہدہ کی خلاف ورزی کی تو اُنہیں حضورؐ کے حملہ کا خطرہ ہونے لگا چنانچہ اُنہوں نے ابوسفیان کو سفیر بنا کر بھیجا تاکہ جنگ کا خطرہ ٹل جائے۔ ابوسفیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس پہنچا لیکن آپ نے اس کی بات کا جواب نہ دیا، پھر حضرت ابوبکرؓ کے پاس پہنچا۔ اُنہوں نے بھی اس بارے میں حضورؐ سے سفارش کرنے سے انکار کیا۔ پھر وہ حضرت عمرؓ کے پاس پہنچا اور ان کے سخت جواب کے بعد وہ حضرت علیؓ کے پاس پہنچا، حضرت فاطمہؓ بھی وہاں تھیں اور اُن کے سامنے حضرت حسنؓ جو بچہ تھے گھٹنوں کے بل چل رہے تھے۔ حضرت علیؓ کے انکار پر وہ حضرت فاطمہؓ سے مخاطب ہوکر کہنے لگا: "اے بنت محمدؐ! کیا تم اپنے بچّہ کو حکم دوگی کہ یہ لوگوں کو امان دے دے؟" اور اس طرح رہتی دُنیا تک یہ "سیّد العرب" کہلائے؟ تو حضرت فاطمہؓ نے جواب دیا: "یہ بچّہ ابھی امان دینے کی عمر کو نہیں پہنچا ہے۔ اور بھلا رسول اللہؐ کے مقابلہ میں کون امان دے سکتا ہے؟!" الخ (مختصر از سیرۃ ابن ہشام) الروض الانف کے حاشیہ پر ۲: ۲۶۵

باب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ کے صلح نامے

(۵۰۲) ابو الملیح ہُذلی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجرانیوں سے صلح کی تو یہ معاہدہ تحریر فرمایا:۔

صلح نامہ اہلِ نجران بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ :۔ یہ وہ معاہدہ ہے جو محمد نبی (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ نجران کے لئے تحریر کیا۔ اس لئے کہ اسؐ کا حکم ان پر نافذ ہے۔ معاہدہ کی رو سے ان کی (جملہ مملوکہ اشیاء) سیاہ وسپید، سُرخ وزرد، پھل اور غلام ازرہِ احسان وکرم اُن کی ملکیّت میں باقی رکھی جاتی ہیں اس شرط پر کہ وہ (سالانہ) دو ہزار حُلّے (یمنی چادروں کے جوڑے، (دو برابر کی قسطوں میں) ایک ہزار حُلّے ماہِ صفر میں اور ایک ہزار حُلّے ماہِ رجب میں، ادا کرتے رہیں گے، ہر حُلّہ کی قیمت ایک اُوقیہ ہوگی، خراج کی کمی بیشی کا شمار اوقیوں کے حساب سے ہوگا۔ نیز جو اُونٹ، گھوڑے یا زرہیں وہ خراج میں دیں گے تو وہ بھی اسی حساب سے لی جائیں گی۔ اور اہلِ نجران کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ میرے فرستادہ محصلوں کی بیس دن کے اندر اندر کی مدّت تک مہمانی کریں۔ اور جب یمن میں کوئی سازش یا بغاوت رونما ہو تو وہ (اہلِ نجران) ہمیں تیس گھوڑے، تیس اونٹ اور تیس زرہیں، عاریت دیں گے، اور میرے فرستادگان کو یہ لوگ جو اشیاء عاریت دیں گے میرے فرستادگان تا ادائی ان چیزوں کے ضامن ہوں گے۔

نجران اور ان کے لواحقین کو (اس کے مقابلہ میں) اللہ کا ذمہ اور اس کے رسول کا ذمہ

امان حاصل ہو گا اس بات پر کہ ان کی جان و مال، شریعت و مذہب، عبادت گاہیں، اُن کی رہبانیت، ان کی دینی پیشوائیت (اسقف کے حقوق) ان کے موجود و غیر موجود افراد، نیز جو کچھ تھوڑا یا بہت اُن کے دستِ تصرّف میں ہے وہ محفوظ رہے گا اور اسے کوئی گزند نہیں پہنچے گا۔ نیز اس بات پر کہ کسی اسقف کو اس کے عہدہ سے تبدیل نہیں کیا جائے گا۔ نہ کسی ولی عہد نواب کو اس کی ولی عہدی[1] سے ہٹایا جائے گا۔ نہ کسی راہب کو اس کی راہبانیت سے ہٹایا جائے گا نیز اس بات پر کہ انہیں ان کے علاقہ سے باہر نہیں نکالا جائے گا[2]، نہ ان سے عُشر لیا جائے گا، نہ اُن کے علاقہ میں کسی لشکر کو آنے دیا جائے گا۔ ان میں سے جو اپنا حق طلب کرے گا تو اُن کے درمیان انصاف نجران میں ہو گا۔

ان لوگوں پر یہ پابندی ہو گی کہ سود نہیں کھائیں گے اور جو بھی آئندہ سود لے گا وہ میری ذمہ داری و امان سے خارج ہو جائے گا۔ نیز مستقبل میں یہ انتہائی کوشش اور خیر خواہی سے کام لیں گے، نہ ان پر ظلم کیا جائے گا نہ تشدد۔"

اس معاہدہ پر عثمان بن عفان رضؓ اور معیقیب رضؓ گواہ ہوئے اور (مؤخر الذکر نے اسے) تحریر کیا۔

(۵۰۳) دوسری سند سے ابو الملیح ہی سے یہی مضمون مندرجہ ذیل اضافہ کے ساتھ مروی ہے:۔

"جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا انتقال ہوا تو یہ (اہلِ نجران) حضرت ابوبکر رضؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اُنھوں نے اس صلح نامہ کی شرائط بحال رکھیں اور ان لوگوں

---

[1] ۔ یہ ولی عہدی کا سلسلہ بنی الحرث میں جاری تھا (ابو عبید)۔ یہاں ولی عہدی کے لئے "واقہ" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ ابن الاثیر کا خیال ہے کہ یہ لفظ بجائے ق کے "ف" سے ہے اور اس سے مُراد ہے صلیب گھر کا نگراں۔ یہ عیسائی کنیسہ کی ایک اصطلاح ہے۔ [2] یہ عربی عبارت "ان لا یحشروا" کا ایک ترجمہ ہے، اس کے دوسرے معنے یہ بھی ہیں کہ انہیں فوج میں بھرتی نہیں کیا جائے گا، اور اس کا تیسرا مفہوم وہ ہے جو ابو عبید نے لیا ہے یعنی ان سے خراج و محصول لینے کے لئے انہیں بلا کر جمع نہیں کیا جائے گا بلکہ ان کے پاس پہنچ کر محصل خراج وصول کرے گا۔

کے لئے رسول اللہؐ کے صلح نامہ سے مشابہ ایک معاہدہ تحریر کر دیا، لیکن حضرت عمر بن الخطابؓ کے عہدِ خلافت میں ان لوگوں نے سود لینا شروع کر دیا، اس پر حضرت عمرؓ نے انہیں جلا وطن کر دیا، اور انہیں یہ تحریر دے دی:

"امابعد، شام و عراق کے امیروں میں سے یہ لوگ جس کے پاس بھی پہنچیں وہ انہیں غیر آبادؔ علاقہ میں سے وسیع قطعہ دے دے اور جو کچھ یہ محنت کر کے اپنے لئے بنا لیں، وہ لوجہ اللہ ان کا، اور ان کی زمین کا صلہ ہے۔"

چنانچہ یہ لوگ عراق گئے اور وہاں کوفہ کے قریب "نَجْرَانِیَّہ" نام کی بستی آباد کی۔

(۵۰۴) حضرت عثمانؓ نے ولید بن عقبہ کو لکھا:

"امابعد، نجرانیوں کے نائب، دینی پیشوا اور سردار میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عہد نامہ لے کر آئے اور انہوں نے مجھے حضرت عمرؓ کی شرائط بھی دکھائیں، میں نے عثمان بن حُنیف سے اس سلسلہ میں دریافت کیا تو انہوں نے مجھے بتایا کہ وہ اس بارے میں چھان بین کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ وہ شرائط کاشتکاروں کو ان کی زمینوں سے بے دخل کرنے کے باعث نقصان دہ ہیں، لہٰذا میں ان کے جزیہ میں سے دو سو حُلّے لوجہ اللہ، نیز ان کی زمین کے عوض کم کر رہا ہوں، اور میں تمہیں ان سے حسنِ معاملہ کی تاکید کرتا ہوں کیونکہ ان لوگوں کی ذمہ داری ہم پر عائد ہوتی ہے۔"

(۵۰۵) عروۃ بن الزبیرؓ سے یہی معاہدہ صلح (نمبر ۵۰۲) بعض لفظی اختلافات کے ساتھ مروی ہے، اس میں "از راہِ احسان و کرم" کے بجائے "ان پر فیصلہ کیا" نیز اس میں "ہر حُلّے کی قیمت، ایک اوقیہ" کے بجائے "ہر حُلّہ بھرپور اور کامل (اوقیہ کا) ہوگا" ہے، اس روایت میں حضرات ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ کا واقعہ بھی درج نہیں ہے۔ اس کے گواہوں میں "ابوسفیان بن حرب، غیلان بن عمرو، بنی نضر کے مالک بن عوف، اقرع بن حابس حنظلی

ؔ۔ یہ کتاب کے متن میں عربی عبارت "خریب الارض" ہے جس کا مفہوم صاف نہیں۔ ابوعبید کہتے ہیں کہ یہ "خراب الارض" ہے۔ لیکن مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ کے صفحہ ۹۹ پر اس جگہ "حرث الارض" کے الفاظ ہیں، جس کے معنے یہ ہیں کہ وہ کھلے طور پر زمینوں میں کاشت کی اجازت دے دیں (مترجم)

اور مغیرہ بن شعبہؓ ہیں۔

ابو عبیدؒ :۔ معاہدہ کی عبارت "خراج کی کمی بیشی کا شمار اوقیوں کے حساب سے ہو گا" میں خراج سے مراد حُلّے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ حُلّے گنتی میں دو ہزار سے کم یا بیش ہوں تو اس کا تعیّن دو ہزار اوقیہ سے کیا جائے گا ، گویا دراصل خراج کی رقم دو ہزار اوقیہ تھی ، حُلّے اس لئے لکھے کہ اس کی ادائی ان کے لئے آسان تھی۔ ہمارا خیال ہے کہ حضرت عمرؓ کا جزیہ میں اُونٹ لینا یا حضرت علیؓ کا جزیہ میں سامان لینا آپؐ کے ہی عمل سے مستنبط تھا۔ معاہدہ کی اگلی عبارت بھی یہی بتا رہی ہے کہ اگر وہ دو ہزار حُلّے نہ دے سکیں بلکہ اُونٹ یا گھوڑے اور زرہیں وغیرہ دیں تو یہ چیزیں بھی قیمت لگاکر دو ہزار اوقیہ کے حساب میں لے لی جائیں گی۔

معاہدہ کی عبارت :"جو بھی آئندہ سود لے گا وہ میری ذمہ داری سے خارج ہو جائے گا" بتا رہی ہے کہ آپؐ نے دیگر معاصی چھوڑ کر خصوصیت سے سود خوری پر سخت گرفت فرمائی اور سود خوری اُن کے لئے جائز نہ کی۔ حالانکہ آپؐ جانتے تھے کہ یہ لوگ اس سے بھی بڑی نافرمانیوں کے مرتکب ہوتے ہیں۔ مثلاً شرک ، شراب خوری وغیرہ۔ یہ شرط صرف مسلمانوں کو سود سے محفوظ رکھنے کے لئے تھی تاکہ وہ مسلمانوں کے ساتھ سودی کاروبار نہ کر سکیں اور اس طرح مسلمان سود خوری نہ کرنے لگیں۔ اگر مسلمانوں کا معاملہ نہ ہوتا تو اُن کی سود خوری بھی دوسرے جرائم کی طرح ہوتی ، بلکہ شرک ان سب سے بڑا جُرم تھا۔ چنانچہ بعد میں حضرت عمرؓ نے جب انہیں جلاوطن کیا تو صرف اس بناء پر کہ اُنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی طے کردہ سود خوری نہ کرنے کی شرط توڑ دی تھی حالانکہ حضرت عمرؓ خوب جانتے تھے کہ رسول اللہؐ نے ان لوگوں سے نہایت پختہ معاہدہ کیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا ثقیف کے نام عہد نامہ

(۵۰۶) عروۃ بن الزبیرؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ثقیف کے لئے یہ عہد نامہ تحریر فرمایا :۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ یہ محمد نبی و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا ثقیف کے لئے عہد نامہ ہے : اس معاہدہ کی رُو سے مندرجہ ذیل تحریر کے مطابق ان کے لئے اس اللہ کی ذمہ داری و

امان ہے جس کے سوا کوئی الٰہ نہیں اور محمد بن عبداللہ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امان و ذمہ داری ہے۔

ان کی پوری وادی اللہ کے لئے حرام محرّم ہے۔ اس کا کوئی خاردار درخت یا جھاڑ نہیں کاٹا جائے گا۔ نہ اس میں شکار کیا جائے گا۔ نہ اس میں ظلم کیا جائے گا نہ چوری نہ کسی کے ساتھ کوئی بُرائی۔ ثقیف علاقہ وَجّ (طائف) کے سب لوگوں سے زیادہ مستحق ہیں۔ ان کے طائف کو عبور نہیں کیا جائے گا۔ نہ وہاں کوئی مسلمان اس ارادہ سے داخل ہوگا کہ ان کو مغلوب کرے، انہیں اختیار ہے کہ وہ اپنے طائف میں تعمیر وغیرہ یا اس کے سوا اپنی وادی میں جو چاہیں کریں۔ انہیں محصول وغیرہ وصول کرنے کے لئے بستی سے باہر نہیں نکالا جائے گا[1] (بلکہ ان کی رہائش گاہ پر پہنچ کر محصول وصول کیا جائے گا) ان سے عُشر نہیں لیا جائے گا۔ ان پر کسی قسم کا مالی یا جانی دباؤ نہیں ڈالا جائے گا۔ وہ مسلمانوں کی ایک اُمّت ہیں مسلمانوں میں جہاں چاہیں جا سکتے ہیں ان پر کوئی قدغن نہیں۔ اور ان کا قیدی انہی کی ملکیت میں رہے گا۔ انہیں اس پر سب سے زیادہ حق حاصل ہوگا تا آنکہ اس کے ساتھ جو وہ کرنا چاہیں کریں۔ اور ان کا وہ قرض جو کسی رہن کے عوض ہو اور اس کی مدّت پوری ہو چکی ہو تو وہ ایسا سود ہے جس کے لئے اللہ کی طرف سے برأت کا اظہار کیا گیا ہے اور جو رہن کے عوض قرض عکاظ سے ولیے کا ہو تو وہ اپنے راس المال کے مطابق عکاظ میں ادا کیا جائے گا۔ اور ثقیف کا وہ قرض جس کا اندراج ان کے اسلام قبول کرنے کے دن تک ان کے کھاتوں میں ہو چکا ہے تو وہ انہیں ملے گا۔ اور ثقیف کی جو امانت لوگوں کے پاس ہے یا مال یا جان جسے امانت رکھنے والے نے غنیمت سمجھا یا اسے ضائع کر دیا تو وہ سُن لے کہ وہ ادا کی جائے گی۔

اور ثقیف کی جو جان و مال علاقہ سے غیر حاضر ہوا سے بھی حاضر کی طرح امن حاصل ہے اسی طرح ان کے جو مال و مویشی لِیَّہ (کے علاقہ) میں ہیں وہ اسی طرح مامون ہیں جس طرح وَجّ (کے علاقہ) کے مال مویشی۔

ثقیف کا جو حلیف یا تاجر اسلام لے آئے تو ان کے ساتھ بھی ثقیف کا سا معاملہ کیا

---

[1] ۔ یہاں وہی حشر کا لفظ ہے جس کی شرح نمبر ۵۰۲ کے تحت حاشیہ میں گزر چکی ہے۔ [2] عشر سے مراد درآمدی برآمدی ٹیکس بھی ہوتا ہے۔ اگرچہ اس کی تفسیر ابو عبید نے آخر میں دوسری طرح کی ہے۔

جائے گا۔

اگر کوئی ثقیف کو مطعون کرے یا ان پر ظلم کرے تو ثقیف کے مال وجان کے بارے میں اس کی بات نہیں مانی جائے گی اور اُن پر ظلم کرنے والوں کے مقابلہ میں رسول اور مومنین ان کی مدد کریں گے۔

اور لوگوں میں سے جس کا داخلہ ثقیف اپنے علاقہ میں ناپسندیدہ قرار دیں وہ ان کے علاقہ میں داخل نہیں ہوگا۔ اور منڈی اور خرید و فروخت گھروں کے سامنے کے میدانوں میں ہوگی۔

ان کے اوپر انہیں میں سے امیر مقرر کئے جائیں گے۔ بنی مالک پر ان کا امیر ہوگا، اور احلاف[1] پر ان کا امیر۔

ثقیف کے لوگ قریش کے جن انگوروں (کے باغات) کو پانی دیں تو ان پانی پلانے والوں کو ان انگوروں کی پیداوار کا نصف حصہ ملے گا۔

اور ان کا وہ قرض جو کسی رہن کے عوض ہو اور راس پر سود نہ ہو تو اس کے مقروض اگر ادائی کی قدرت رکھتے ہوں تو ادا کر دیں اور اگر نہ رکھتے ہوں تو اس کی مدت اگلے سال ماہ جمادی الاولی تک بڑھائی جائے گی، اور جس کی مدت پوری ہو جائے اور وہ اس قرض کو ادا نہ کرے تو اس نے اسے سودی بنا لیا۔

اور انہوں نے لوگوں کو جو قرضے دیئے ہیں تو انہیں اس میں سے صرف راس المال لینے کا حق ہوگا۔

اور ان کے وہ قیدی جنہیں اُن کے مالکوں نے فروخت کر دیا ہے تو انہیں ان کے فروخت کا حق حاصل ہوگا، لیکن جنہیں اُنہوں نے فروخت نہیں کیا۔ ایسے قیدی کے عوض ان کے مالک کو چھ جوان اونٹنیاں دی جائیں گی جن میں سے آدھی چار برس کی سواری کے

---

[1] ۔ اصل میں خ سے اخلاف ہے لیکن الوثائق السیاستہ میں 'ح' سے احلاف ہے۔ ثقیف کے قبائل میں احلاف کا تذکرہ ملتا ہے۔ خود بنی عوف بن ثقیف احلاف کہلاتے تھے۔

(دیکھئے معجم قبائل العرب بن ثقیف)

قابل اور آدھی تیسرے برس میں لگنے والی ہوں، یہ اونٹنیاں موٹی تازی اور اچھی نسل سے متعلق ہوں۔ اور جس نے کوئی سودا کرلیا ہو وہ اسے فروخت کا حق بھی رکھتا ہے۔

ابو عبیدؒ: "ان سے عشر نہیں لیا جائے گا" سے مقصد یہ ہے کہ ان سے زکوٰۃ لی جائے گی دو سو درہم میں سے پانچ درہم۔

اور "ان قیدیوں" سے مراد وہ قیدی ہیں جنہیں زمانۂ جاہلیت میں انہوں نے قید کرلیا تھا اور ان کے اسلام لے آنے کے بعد یہ قیدی انہی کے پاس رہنے، تو یہ بھی انہی کی ملکیت رہیں گے تاآنکہ انہیں ان کے عوض فدیہ نہ دیا جائے۔[1]

ثقیف کے مسلمانوں کے نام رسول اللہؐ کا عہدنامہ

(۵۰۷) اس معاہدہ کی سند وہی ہے جو اس سے پیشتر کے معاہدہ کی ہے۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - یہ محمد نبی و رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلّم) کی طرف سے مومنین کے نام عہدنامہ ہے۔

وَجّ (علاقہ) کے خاردار درخت اور جھاڑیاں نہیں کاٹی جائیں گی اور وہاں شکار نہیں مارا جائے گا اور جو ایسا کرتے ہوئے پایا جائے گا اس کے کوڑے مارے جائیں گے اور اس کے کپڑے اُتار لئے جائیں گے۔ اور جو اس کی خلاف ورزی کرے گا اسے گرفتار کرکے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے سامنے پیش کیا جائے گا۔

یہ فرمان محمد نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی طرف سے جاری ہوا ہے۔ اور محمد بن عبداللہ رسول اللہؐ کے حکم سے اسے خالد بن سعید نے لکھا ہے، کوئی اس کی خلاف ورزی

---

[1] - بعد ازاں ابو عبیدؒ نے عربی لفظ "لواط یا لیاط" کی لغوی شرح کی ہے اور یہ بتایا ہے کہ یہ لفظ سود کے معنوں میں ہے۔ پھر آیت فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ (البقرہ: ۲۷۹) کے متعلق بتایا کہ یہ آیت ثقیف کے بارے میں نازل ہوئی تھی پھر عام مسلمانوں پر اس کا اطلاق ہوگیا۔

کر کے محمد رسول اللہؐ کے اس معاہدہ ثقیف کو توڑ کر اپنے نفس پر ظلم نہ کرے۔ اس عہدنامہ پر گواہ حضرت علی بن ابی طالبؓ اور حسن بن علیؓ اور حسین بن علیؓ ہیں۔"

ابو عبیدؒ:۔ اس حدیث میں فقہی مسئلہ یہ ہے کہ آپؐ نے حضرات حسنؓ و حسینؓ کی شہادت درج فرمائی۔

بعض تابعین سے بھی اس قسم کی روایات منقول ہیں کہ بچوں کی گواہی لکھی جائیگی اور انہیں (ان کے آباء کی طرف) منسوب کیا جائے گا۔ اور یہ پسندیدہ عمل ہے۔ اور اب یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی سنت ہو گئی۔

امامِ وقت کتاب وسنّت کی حدود میں رہتے ہوئے اسلامی مفاد کے مدِنظر مراعات دے سکتا ہے

اس معاہدہ کی رو سے آپؐ نے خصوصی طور پر ان کے اسلام قبول کرنے پر انہیں کچھ مراعات دیں مثلاً اُن کی وادی کو حرام قرار دینا، اور اُن کے طائف کو عبور نہ کرنا، اور انہیں مغلوب کرنے کے لئے کسی کا وہاں نہ داخل ہونا، نیز ان پر انہی کا امیر مقرر کئے جانے کی شرط"۔ یہ تمام خصوصی مراعات اسی قبیل کی ہیں جن کے بارے میں ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ امامِ وقت اسلام اور مسلمانوں کے مفاد کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنی صوابدید کے مطابق عمل کرے گا۔ اگر اسے دُشمن کے غلبہ کا اندیشہ ہو اور بغیر کچھ دئے ہوئے ان سے بچاؤ ممکن نہ سمجھتا ہو تو وہ ایسا بھی کرے گا، جیسے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے غزوۂ خندق میں مختلف مخالف جماعتوں سے کرنا چاہا تھا۔ اسی طرح اگر کوئی جماعت بغیر کچھ مراعات لئے اسلام لانے پر آمادہ نہ ہو تو امام کو حق حاصل ہے کہ انہیں تالیفِ قلب کے لئے وہ مراعات دے دے بشرطیکہ ان کے اسلام لانے سے اسلام کو غلبہ وسربلندی حاصل ہو اور اسلام ان کی ایذا رسانیوں اور حملوں سے محفوظ رہے۔ جیسے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ان لوگوں کے ساتھ کیا جن کی تالیفِ قلب مقصود تھی، تاآنکہ وہ اسلام میں دلچسپی لینے لگیں اور اسلام سے متعلق ان کی نیّتیں سُدھر جائیں، تاہم یہ مراعات اسی حد تک جائز ہیں کہ کتاب وسُنّت کے خلاف نہ ہوں۔

اس کا ثبوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے اس عمل سے ملتا ہے کہ آپؐ نے انہیں ربا (سود) حلال ہونے کی مراعات نہ دی۔ دیکھئے کہ کس طرح آپؐ نے یہ شرط ان سے کی کہ وہ صرف راس المال لیں گے۔ یہ تو اس معاہدہ کی کیفیت ہے جو زمانۂ جاہلیت میں ہؤا۔ ظاہر ہے کہ جو معاہدہ اسلام میں ہوگا اس میں تو محرمات کو ادرشدّت سے روکا جائے گا اور کسی صورت بھی انہیں جائز قرار نہیں دیا جائے گا۔ بعض روایات میں ہے کہ ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے قبل ازیں یہ درخواست کی تھی کہ وہ اسلام اس شرط پر لانے کے لئے تیار ہیں کہ زنا، ربا اور شراب ان کے لئے حلال رکھے جائیں۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اُن کی یہ درخواست مسترد کردی اور وہ اپنے وطن واپس چلے گئے، پھر وہ برضا و رغبت اسلام قبول کرنے کے لئے واپس آئے۔ اس موقع پر رسول اللہؐ نے انہیں یہ عہد نامہ لکھ دیا تھا۔

دومۃ الجندل کے باشندوں کے نام
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا عہدنامہ

(۵۰۸) ابوعبید:۔ یہ عہدنامہ ایک بزرگ میرے پاس لائے۔ یہ سفید چرم کے صفحہ پر لکھا ہوا تھا۔ میں نے خود اس کا نسخہ پڑھا، پھر اسے حرف بحرف نقل کر لیا۔ اس کی عبارت حسب ذیل ہے:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم:۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی طرف سے دوماء الجندل اور اس کے مضافات کے حاکم اُکیدِر کے نام۔ اس موقع پر جب اُس نے غیراللہ قوتوں اور بتوں کو چھوڑ کر خالد بن الولیدؓ سیف اللہ کے ذریعہ دعوتِ اسلام قبول کرلی یہ عہد نامہ تحریر کیا گیا:۔

اس علاقہ میں سے اچھلے پانی اور اس کے نواحی کی مرتفع زمینیں، ویرانے، بیابان بنجر و غیر آباد و بے نشان زمینیں، زرہیں، اسلحہ، گھوڑے اور سواری کے دیگر سم دار جانور اور قلعے ہمارے ہیں۔

اور تمہارے لئے شہر کے نخلستان، آبادی کے بہتے چشمے ہیں۔ تمہارے مویشیوں کو چراگاہوں میں چرنے سے نہیں روکا جائے گا، نہ ان کو زکوٰۃ وصول کرنے والے کے پاس جمع کیا جائے گا بلکہ انہیں گھاٹ اور چراگاہ پر پہنچ کر گنا جائے گا۔ جُداگانہ مالکوں کے جانوروں کو یکجا کرکے نہیں گنا جائے گا (کہ اس طرح ان پر زکوٰۃ لگ جائے) تمہیں زمین کی پیداوار (نباتات) سے روکا نہیں جائے گا۔

تم وقت پر نماز قائم کروگے اور پوری زکوٰۃ ادا کروگے۔ تمہارے اُوپر اس عہدنامہ کے سلسلہ میں اللہ کے پختہ عہد کی ذمہ داری لازم ہے اور اس کے عوض تم سے صدق و وفا کی جائے گی۔

اللہ تبارک و تعالیٰ اور مسلم حاضرین اس عہدنامہ پر گواہ ہوئے۔

ابوعبیدؒ:۔ میرا خیال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ثقیف کے اسلام قبول کرنے پر انہیں کچھ زائد مراعات بخشیں اور جب یہ لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے تو ان لوگوں کے اموال میں سے کچھ لے لیا تھا۔ ہمارے نزدیک آپؐ کے اس عمل کی توجیہ یہ ہے کہ وہ لوگ (ثقیف) بغیر کسی دباؤ کے برضا و رغبت دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے اور اُن کے مُلک کے کسی علاقہ کو (فوجی قوت کے ذریعہ) فتح نہیں کیا گیا۔ لیکن یہ لوگ اس وقت مسلمان ہوئے تھے جب مسلمان ان پر غالب ہو چکے تھے اور اگر مسلمان اُن کے پاس ہتھیار، سواریاں اور قلعے چھوڑ دیتے تو انہیں ان کی بدعہدی کی وجہ سے ہر آن ان کی طرف سے خطرہ رہتا۔ چنانچہ اُن کی یہ اشیاء ضبط کرنے، اور انہیں ان چیزوں سے بے دخل کرتے کے بعد ان کا اسلام قبول کیا گیا۔

بغاوت کے خطرہ پر ہتھیار وغیرہ ضبط کرنے کی شرط

اسی قسم کا معاملہ حضرت ابوبکرؓ نے مرتدین کے ساتھ کیا تھا جبکہ ان مرتدین کو مجبور و مقہور ہوکر دعوتِ اسلام قبول کرنا پڑی تھی:۔

(۵۰۹) طارق بن شہاب کہتے ہیں کہ اسد و غطفان کے نمائندوں پر مشتمل وفد بُزاخہ صلح کی درخواست لے کر حضرت ابوبکرؓ کے پاس آیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے انہیں دو شکلوں میں سے

ایک شکل انتخاب کرنے کا اختیار دیا، یا تو ایسی جنگ جس کے بعد تم جلاوطن کر دئے جاؤ، یا رسوا کن صلح و امن۔ وہ لوگ کہنے لگے: "جلا وطن کر دینے والی جنگ تو ہم سمجھتے ہیں۔ یہ بتائیے کہ رسوا کن صلح و امن کیا ہوتا ہے؟" حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: "اس کی صورت یہ ہوگی کہ تم سے ہتھیار اور اور گھوڑے چھین لئے جائیں اور تمہیں اونٹوں کی دموں کے پیچھے لگنے کے لئے چھوڑ دیا جائے[۵] تاآنکہ خلیفہ و مہاجرین تمہارے چال چلن سے مطمئن ہو کر تمہیں قابلِ معافی قرار دے دیں۔ نیز یہ کہ تمہارا جو مال ہمیں ملا ہے وہ غنیمت قرار پائے اور تم نے جو ہمارا مال لیا ہے وہ ہمیں واپس کرو۔ ہمارے مقتولین کی تم دیت دو اور تمہارے مقتولین جہنم رسید۔

اس پر حضرت عمرؓ کھڑے ہوئے اور انہوں نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا: "یہ آپ نے اپنی صوابدید سے فیصلہ کیا ہے اور ہمارا تبصرہ و مشورہ اس پر یہ ہے؟ آپ نے یہ بہت اچھا فیصلہ کیا ہے کہ ان کے ہتھیار اور سواریاں چھین لی جائیں۔ یہ بھی بہت خوب فیصلہ ہے کہ انہیں اونٹوں کی دموں کے پیچھے لگا دیا جائے تاآنکہ اللہ اُن کے چال چلن سے خلیفہ اور مہاجرین کو مطمئن کر دے اور وہ انہیں معافی کا مستحق سمجھ لیں۔ اور یہ بھی خوب فیصلہ ہے کہ ان کا جو مال

مقتولین فی سبیل کی دیت نہیں لی جائے گی

ہمارے ہاتھ لگا وہ غنیمت۔ اور انہیں جو ہمارا مال ملا ہے وہ واپس۔ البتہ آپ کا یہ فیصلہ کہ وہ ہمارے مقتولین کی دیت دیں اور ان کے مقتولین جہنم رسید سو مجھے اپنے مقتولین کے سلسلہ میں یہ عرض کرنا ہے کہ وہ اللہ کے حکم پر مٹے اور فی سبیل اللہ قتل ہوئے۔ ان کا بدلہ اللہ پر ہے۔ ان کی دیتیں نہیں لی جائیں گی۔"

چنانچہ سب لوگوں نے حضرت عمرؓ کی اس ترمیم کی موافقت کی۔

اسلام اور غلامی کے درمیان عبوری کیفیت

ابوعبید:۔ ملاحظہ فرمایا آپ نے حضرت ابوبکرؓ نے اُس وقت تک اُن کا اسلام قبول نہ کیا تاوقتیکہ انہیں ان کے ہتھیاروں اور سواریوں سے بے دخل نہ کر دیا۔ پھر حضرت عمرؓ نے اس بارے میں ان کی تائید کی اور اُن کے

---

[۵] یعنی تمہاری جنگی قوتوں کو ختم کر کے، بے ضرر بنا کر، تمہیں کھیتی باڑی میں لگا دیا جائے۔

ساتھ تمام قوم نے بھی۔ اور ہمارا خیال ہے کہ انہوں نے یہ تائید اس لئے کی تھی کہ انہیں رسول اللہ کی اس سنّت کی اتباع مقصود تھی جو آپؐ نے دومۃ الجندل اور اس سے ملتی جُلتی بستیوں کے بارے میں جاری فرمائی تھی جہاں اسلام بزور وقہر داخل ہوا تھا اور جن کے کچھ علاقے فتح ہوگئے تھے۔ لیکن اگر یہ لوگ خوف و جبر کے بغیر برضا و رغبت اسلام قبول کرتے تو ان کا مال ان کی ملکیت میں محفوظ رہتا۔ اس لئے کہ قاعدہ یہ ہے کہ جو اسلام لاتے وقت جن چیزوں کا مالک ہوتا ہے وہ اسی کی رہتی ہیں۔ اگر یہ لوگ اس وقت تک صلح پر مائل نہ ہوتے تا آنکہ مسلمان ان پر کلی غلبہ حاصل کر لیتے اور یہ اُن کے ہاتھوں قیدی بن جاتے تو ان کی تمام مملوکہ اشیاء ان کی ملکیت سے نکل کر مسلمانوں کے لئے غنیمت بن جاتیں۔ لیکن وہ ان دونوں حالتوں کے درمیان کی حالت میں تھے اس لئے کہ اُنہوں نے مسلمانوں کو نقصان پہنچایا اور مسلمانوں نے انہیں نقصان پہنچایا تھا۔ لہٰذا صلح ہوگئی۔

(۵۱۰) خالد بن الولیدؓ نے بھی اہلِ یمامہ کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا تھا۔ محمد بن اسحٰق روایت کرتے ہیں: "حضرت خالدؓ کو (مسیلمہ کے ساتھ) جنگ نے نڈھال کر دیا تھا اور مسلمان جنگجو بڑی تعداد میں قتل ہو چکے تھے۔ اس وقت مجاعۃ بن مرارۃ حنفی نے بچّوں اور عورتوں کو ہتھیار بند کر کے قلعوں پر کھڑا کر دیا۔ جب خالدؓ نے انہیں دیکھا تو سمجھے کہ یہ جنگجو فوجی ہیں۔ جنگ سے ان کی اور جملہ مسلمانوں کی بُری حالت ہو چکی تھی۔ تب مُجاعہ نے ان سے صلح کی درخواست کی اور خالدؓ نے ان سے غلاموں کا چوتھائی حصّہ سونے چاندی اور اسلحہ کا آدھا حصّہ ادا کرنے کی شرط پر صلح کر لی۔ صلح کے بعد جب حضرت خالدؓ قلعوں میں داخل ہوئے اور وہاں انہیں عورتوں اور بچّوں کے سوا کوئی نظر نہ آیا تو اُنہوں نے مُجّاعہ سے کہا: "تو نے مجھے چکمہ دے دیا۔" مجّاعہ نے کہا: "یہ میری قوم کا معاملہ تھا، اور جو حالات آپ نے ملاحظہ فرمائے ان میں اس کے سوا میں کر بھی کیا سکتا تھا؟"

(۵۱۱) ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ نے سلمہ ابن سلامۃ بن وقش کو خالد بن الولیدؓ کے پاس یہ حکم دے کر بھیجا تھا کہ بنی حنیفہ کے کسی بالغ مرد کو زندہ نہ

چھوڑنا لیکن جب وہ وہاں پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ خالدؓ نے ان سے مذکورہ بالا شرائط پر صلح کر لی ہے۔

ہَجَر والوں کے نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا مکتوبِ گرامی

(۵۱۲) عروۃ بن الزبیرؓ راوی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے باشندگانِ ہَجَر کے لئے یہ عہد نامہ لکھا :۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ یہ تحریر محمد نبی و رسول اللہؐ کی جانب سے اہلِ ہَجَر کے نام ہے۔ تم سلامتی و امن سے رہو۔ میں تمہارے سامنے اللہ وحدہٗ لاشریک کی حمد بیان کرتا ہوں۔ اما بعد۔ میں تمہیں اللہ کا واسطہ اور خود تمہاری جانوں کا واسطہ دے کر یہ تلقین کرتا ہوں کہ ہدایت پالینے کے بعد گمراہ نہ ہو جانا۔ اور راہِ راست پر آجانے کے بعد بے راہ نہ ہو جانا۔

میرے پاس تمہارا وفد آیا۔ میں نے ان کے ساتھ وہی سلوک کیا جس سے وہ خوش ہوئے۔ اگر میں تم سے اپنا پورا حق لے لوں تو ہَجَر سے تم کو نکال دیتا۔ لیکن میں نے تمہارے غیر موجود لوگوں کی سفارش قبول کی۔ اور تمہارے ان لوگوں پر جو موجود ہیں احسان کیا۔ تم اپنے اوپر اللہ کی اس نعمت کو یاد رکھو۔

مجھے تمہارے کاموں کی خبر پہنچی ہے۔ یاد رکھو جو تم میں سے اچھا کام کرے گا اس کے سر بدکار کا جرم نہیں تھوپا جائے گا۔

جب میرے مقرر کردہ امیر تمہارے پاس آئیں تو اُن کی اطاعت کرنا۔ اور راہ اللہ کی راہ میں اور اس کا حکم بجالانے میں ان کی مدد کرنا، دیکھو! تم میں سے جو بھی نیک کام کرے گا تو وہ نہ اللہ کے پاس بے نتیجہ رہے گا نہ میرے پاس۔"

اہلِ اَیلہ کے نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا عہد نامہ

(۵۱۳) یہ بھی اوّل الذکر عہد نامہ کی طرح اسی سند سے عروۃ بن الزبیر ہی سے

مروی ہے ۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ یہ امان نامہ اللہ اور محمد نبی و رسول اللہ کی جانب سے یوحنہ بن رؤبہ اور باشندگانِ ایلہ کے نام ہے ۔ یہ امان نامہ ان کی کشتیوں اور قافلوں اور اُن کے بحر و بر کے لئے ہے ۔ وہ اور ان کے ساتھ ہر راہ گیر شامی ہو یا یمنی یا سمندری علاقہ کا ، اللہ کی ذمہ داری اور محمد نبی کی ذمہ داری میں ہے ۔

اب جو بھی عہد شکنی کرے گا تو اُس کا مال اُس کی جان نہیں بچا سکے گا ۔ اور جو بھی اسے لے لے وہ اس کے لئے حلال ہوگا ۔ وہ جس گھاٹ پر اُترنا چاہیں اور جس بحری یا بری راستہ کو اختیار کرنا چاہیں انہیں اس سے روکنا جائز نہیں ہوگا ۔"

اس تحریر کا کاتب جہیم بن الصلت ہے

خزاعہ کے نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عہد نامہ

(۵۱۴ / ۵۱۵) یہ عہد نامہ دو مختلف اسناد (جن کے آخری راوی شعبی اور عروۃ ہیں) سے مروی ہے ۔ اور ایک سند کے الفاظ دوسری سند میں مل گئے ہیں ۔ دونوں راوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خزاعہ کے نام یہ مکتوب تحریر فرمایا :

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے بدیل و بسر اور سرداران بنی عمرو کے نام ۔

میں تمہارے سامنے اللہ وحدہ لاشریک لہ کی حمد بیان کرتا ہوں ۔

بعد ازاں میں اس امر کا اظہار کرتا ہوں کہ مجھے تمہارے ساتھ معاہدہ سے کوئی گزند نہیں پہنچا نہ تمہاری خیر خواہی مجھ سے مفقود ہوئی ۔

باشندگانِ تہامہ میں تم اور تمہارے پاکباز و نماز گزار متبعین ہی میری نظر میں سب سے معزز اور قریبی رشتہ دار ہیں ۔ میں نے تم میں سے ہر ہجرت کرنے والے کے لئے خواہ وہ اپنے علاقہ میں ہو وہی عہد لیا ہے جو میں نے اپنے لئے لیا ہے ۔ بشرطیکہ وہ حج یا عمرہ

لہ ۔ یہ نام بغیر "و" کے "یحنہ" بھی لکھا گیا ہے دیکھئے ڈاکٹر محمد حمید اللہ ، مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ : ۳۴

کے علاوہ مکہ میں سکونت پذیر نہ ہو۔ اور اگر میں سلامت رہا تو میری طرف سے تمہیں کوئی خطرہ پیش نہیں آئے گا اور نہ تم سے بدعہدی ہوگی۔

علقمہ بن عُلاثہ اور ہوذہ کے دونوں بیٹے اسلام لے آئے اور انہوں نے ہجرت کی۔ ساتھ ہی اُنہوں نے اپنی اتباع کرنے والوں کی جانب سے بھی بیعت اور ان دونوں نے اپنے متبعین کے لئے بھی وہی عہد لیا جو انہوں نے اپنے لئے لیا ہے۔ اور دوستی و دشمنی میں یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھی ہیں۔

مَیں نے تم سے کوئی خلاف واقعہ بات نہیں کی۔ تمہارا رب تمہیں زندہ و سلامت رکھے۔

زُرعہ بن ذی یزن کے نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا مکتوب گرامی

(۵۱۶) عروۃ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے زرعہ کے نام یہ خط تحریر فرمایا:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ امابعد۔ محمد نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی جانب سے زرعہ بن ذی یزن کے نام۔ جب تمہارے پاس میرے فرستادے (محصلین) پہنچیں تو میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ ان کے ساتھ بہتر سلوک کرنا۔ یہ فرستادے مُعاذ بن جبل، عبداللہ ابن رواحہ، مالک بن عبادۃ، عتبہ بن نیار، مالک بن مُرارہ اور اُن کے ساتھی ہیں۔

تم اپنے پاس کا جزیہ و صدقہ اکٹھا کرکے میرے محصلین کے حوالہ کردو۔ ان کے امیر معاذ بن جبل ہیں اور پوری کوشش کرو کہ یہ تمہارے پاس سے راضی اور خوش خوش ملٹیں محمدؐ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اُس کا بندہ اور اُس کا رسول ہے۔

مجھے مالک بن مُرارہ رُہاوی نے بتایا کہ تُم نے حمیر میں سب سے پہلے اسلام قبول کرکے مشرکین سے علیحدگی اختیار کرلی ہے۔ لہٰذا تمہیں خیر و فلاح کی خوشخبری دی جاتی ہے۔ اور اے (قبیلہ) حمیر! میں تمہیں حکم دیتا ہوں، تم خیانت نہ کرنا۔ نہ باہم لڑائی جھگڑا کرنا۔ نہ حق کے آڑے

آنا۔ محمد رسول اللہ تمہارے امیر و فقیر کا سرپرست ہے۔ اور واضح رہے کہ صدقہ (زکوٰۃ) محمد اور اُس کے گھر والوں پر حلال نہیں ہے کیونکہ وہ زکوٰۃ ہے جو تم مومن فقیروں کو دیتے ہو۔

مالک نے حالات بتادئیے ہیں اور پوشیدہ امور کی پاسداری کی ہے۔

اور میں نے تمہارے پاس اپنے اہل کے نیک اور دیندار شخص کو بھیجا ہے۔ میں تمہیں اس کے بارے میں خیر کا حکم دیتا ہوں کیونکہ اس کی طرف نظر رکھی جائے گی۔ والسلام

ابوعبیدؒ:۔ میرا خیال ہے کہ شخص مذکور سے مراد حضرت "معاذ بن جبلؓ" ہیں۔

مومنین اور اہلِ مدینہ و یہود کے درمیان معاہدہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کا عہد نامہ جو آپ ؐ نے مدینہ تشریف آوری پر مومنین اور مدینہ والوں کے درمیان لکھوایا، جس میں مدینہ کے یہود سے مصالحت کا بیان بھی ہے۔

(۵۱۷) ابنِ شہاب کہتے ہیں مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے یہ معاہدہ تحریر فرمایا:

"یہ محمد نبی و رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلّم) کا عہد نامہ ہے جو قریشی اور مدنی مومنین و مسلمین کے درمیان نیز ان لوگوں کے درمیان جو اُن کی پیروی کرکے اُن میں اس طرح آملیں کہ اُن کے ساتھ رہیں اور اُن کے ساتھ جہاد کریں۔ یہ سب لوگ مل کر دوسرے لوگوں سے الگ ہو کر ایک اُمت قرار پائیں گے۔

قریشی مہاجرین اپنے نظام قبیلہ کے مطابق باہم اپنی پہلی دیتیں ادا کریں گے۔ اسی طرح وہ اپنے قیدیوں کا فدیہ مومنوں اور مسلمانوں میں مروّجہ دستور و انصاف سے ادا کریں گے۔

بنو عوف اپنے نظام قبیلہ کے مطابق باہم اپنی پہلی دیتیں ادا کریں گے اور ان میں سے ہر جماعت مومنوں میں مروجہ دستور و انصاف سے اپنے قیدیوں کا فدیہ ادا کرے گی۔

بنو الحارث بن الخزرج اپنے نظام کے مطابق اپنی پہلی دیتیں ادا کریں گے۔ اور ان کا ہر گروہ اپنے قیدی کا فدیہ مومنین میں مروّجہ دستور و انصاف سے دے گا۔

بنو ساعدہ اپنے نظام کے مطابق اپنی پہلی دیتیں ادا کریں گے اور اُن کا ہر گروہ اپنے

قیدی کا فدیہ مومنین کے مروّجہ دستور وانصاف سے دے گا۔

بنو جُشَم اپنے نظام کے مطابق اپنی پہلی دیتیں ادا کریں گے اور اُن کا ہر گروہ اپنے قیدی کا فدیہ مومنین کے مروجہ دستور وانصاف سے دے گا۔

بنو النجّار اپنے نظام کے مطابق اپنی پہلی دیتیں ادا کریں گے اور اُن کا ہر گروہ اپنے قیدی کا فدیہ مومنین کے مروّجہ دستور وانصاف سے دے گا۔

بنو عمرو بن عوف اپنے نظام کے مطابق اپنی پہلی دیتیں ادا کریں گے اور اُن کا ہر گروہ اپنے قیدی کا فدیہ مومنین کے مروّجہ دستور وانصاف سے دے گا۔

بنو النَّبِیّت اپنے نظام کے مطابق اپنی پہلی دیتیں ادا کریں گے اور اُن کا ہر گروہ اپنے قیدی کا فدیہ مومنین کے مروّجہ دستور وانصاف سے دے گا۔

اور بنو الاَوس اپنے نظام کے مطابق اپنی دیتیں ادا کریں گے اور اُن کا ہر گروہ اپنے قیدی کا فدیہ مومنین کے مروّجہ دستور وانصاف سے دے گا۔

مومن اپنے کسی زیر بار قرضدار[ل] کو بے مدد نہیں چھوڑیں گے بلکہ قاعدہ کے مطابق فدیہ، دیت اور تاوان ادا کرنے میں اُس کی مدد کریں گے۔ اور یہ کہ تقویٰ شعار مومنین متحد ہو کر ہر اس شخص کی مخالفت کریں گے جو ان میں سے مومنوں کے درمیان ظلم، گناہ، زیادتی، سرکشی اور فساد و بغاوت کا موجب ہو گا۔ وہ سب اس کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں گے خواہ وہ ظالم ان میں سے کسی کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔

کوئی مومن کسی مومن کو کافر کے عوض قتل نہیں کرے گا۔ اور نہ مومن کے خلاف وہ کسی کافر کی مدد کرے گا۔

مومنین دوسرے لوگوں کو الگ کر کے آپس میں ایک دوسرے کے مددگار و کارساز

ل۔ یہ مُفرَح کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ اس کے معنے مصیبت زدہ دکھیارا اور پریشان حال۔ نیز بے مایہ کنگال ہیں۔ بعض نسخوں میں یہ لفظ جیم سے "مُفرَج" ہے اور اس کے معنی بھی مُفرَح ہی کے ہیں لیکن جیم سے اس کے معنے وہ مقتول بھی ہیں جو دو بستیوں کے درمیان پایا جائے اور اس کے قاتلین کو معلوم نہ کیا جا سکے۔

(الروض الانف للسہیلی ۲ : ۱۷)

ہوں گے۔

یہودیوں میں سے جو بھی ہمارا تابع ہو جائے گا اس کے ساتھ دستور کے مطابق معاملہ، اور انصاف و مساوات کا سلوک رکھا جائے گا۔ اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا، نہ ان کے خلاف کسی کی مدد کی جائے گی۔

مومنین کی صلح یکساں اور برابر کی حیثیت رکھتی ہے کوئی مومن قتال فی سبیل اللہ میں دوسرے مومن سے الگ ہو کر صلح نہیں کرے گا۔ ایسے مسلمانوں کے درمیان مساوات و عدل ملحوظ رکھنا ہوگا۔

ہر غازی جماعت کے افراد آپس میں ایک دوسرے کی جانشینی کریں گے۔

تقویٰ شعار مومنین اس معاہدہ کے بہتر و درست تر (شرائط) پر کاربند رہیں گے۔

کوئی مشرک[1] قریش کے مال کو پناہ نہیں دے گا اور نہ کسی مومن کے مقابلہ میں وہ مشرکین، قریش کی مدد کرے گا۔

جو ناحق کسی مومن کا خون کرے گا اسے مقتول کے عوض قتل کیا جائے گا۔ الا یہ کہ اس مقتول کا ولی اس کے عوض خون بہا لینے پر رضامند ہو جائے[2] اور تمام مومنین قاتل کے خلاف رہیں گے۔

---

[1] ۔ یہاں مشرک سے مراد وہ یہودی ہیں جن سے صلح کی گئی تھی۔ مقصود یہ ہے کہ یہود سے صلح کا یہ مطلب نہیں کہ وہ مسلمانوں کے مقابلہ میں قریش کی مدد کریں یا مسلمانوں کے دشمنوں اور ان کے اموال کو پناہ دیں۔ (ابو عبید) [2] ۔ آپؐ نے یہ فرما کر کہ اگر مقتول کے اولیاء خون بہا لینا منظور کرلیں تو کوئی مضائقہ نہیں یہ قاعدہ مقرر فرمایا کہ جان لینے یا اس کے عوض خون بہا لینے کا اختیار مقتول کے اولیاء کو ہے۔ اس مضمون کی تائید آپؐ کی ایک دوسری حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا: "جس کا کوئی آدمی قتل ہو جائے تو اس کو دو فیصلوں میں سے کسی ایک کا اختیار ہے۔ وہ چاہے تو قاتل کو قتل کردے اور اگر چاہے تو اس کا خون بہا لے لے۔"

اس حدیث سے ان لوگوں کی تردید ہو جاتی ہے جو کہتے ہیں کہ قتل عمد میں مقتول کے ولی کو صرف اسی شکل میں خون بہا لینے کا اختیار ہے جبکہ قاتل رضامند ہو اور وہ دیت دینے پر ولی سے صلح کرلے (ابو عبید)

کسی مومن کے لئے جو اس معاہدہ کی پابندی کا اقرار کر چکا ہے یا اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان لا چکا ہے۔ یہ جائز نہ ہوگا کہ وہ کسی قانون شکن[۱] کی مدد کرے یا اسے پناہ دے۔ جو ایسے مجرم کی مدد کرے یا پناہ دے تو اس پر قیامت کے دن تک اللہ کی لعنت اور اس کا غضب ہو، اس سے نہ توبہ قبول کی جائے گی نہ فدیہ[۲]

اور تم لوگ جب بھی کسی معاملہ میں باہم اختلاف کرو گے تو اس کے فیصلہ کے لئے اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف رجوع ہوگا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف۔

مومنین جب تک جنگ میں مصروف رہیں گے جنگی اخراجات میں یہودی ان کے شریک رہیں گے[۳]

---

[۱] ۔ "قانون شکن" سے مراد ہے حدود اللہ سے تجاوز۔ مطلب یہ ہے کہ ایسے مجرم پر حدود اللہ جاری کرنے میں کوئی حائل نہ ہو۔ آپؐ کی ایک اور حدیث جو آگے درج کی جا رہی ہے اسی مضمون کی تائید کر رہی ہے۔ آپؐ نے فرمایا: "جس کی سفارش حدود اللہ میں سے کسی حد کے نافذ ہونے میں حائل ہو تو گویا اُس نے اللہ کے حکم کی مخالفت کی (ابو عبید) [۲] یہ عربی عبارت "لا یُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَلا عَدْلٌ" کا ابو عبید کی شرح کے مطابق ترجمہ ہے۔ وہ کہتے ہیں: "ہماری نظر میں "صرف" کا ترجمہ بجائے فریضہ کے "توبہ" ہے اور "عدل" کا ترجمہ بجائے نفل کے "فدیہ" بہتر و مناسب ہے اس لئے کہ عدل قرآن مجید کی آیت "لا یُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ" میں بھی "فدیہ" کے معنے میں آیا ہے۔ یہ اس لئے کہ جس چیز سے کسی چیز کے عوض فدیہ دیا جائے وہ اس کے مساوی اور برابر ہوتی ہے۔ (ابو عبید)

[۳] ۔ معاہدہ کی یہ شرط: "مومنین جب تک جنگ میں رہیں گے یہود مومنین کے ساتھ جنگی اخراجات میں خرچ کرتے رہیں گے"۔ جنگ کے لئے مخصوص ہے۔ یہ شرط اس لئے کی گئی کہ ان یہود پر آپؐ کے دشمنوں کے خلاف آپؐ کی مدد لازم ہو جائے۔ اور ہمارا خیال ہے کہ اسی خرچ کرنے کی شرط کے باعث آپؐ مسلمانوں کے ساتھ جنگ میں شریک ہونے والے یہود کو غنیمت میں سے حصّہ دیا کرتے تھے، ورنہ بصورت دیگر وہ مسلمانوں کی غنیمت میں سے کسی حصہ کے مستحق نہ ٹھہرتے۔ ذیل کی روایت اس مسئلہ کو واضح کر رہی ہے۔

۵۱۸ ۔ "زہری کہتے ہیں کہ یہود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوات میں شریک ہوتے تھے تو آپؐ غنیمت میں ان کا حصہ بھی لگاتے تھے۔" (ابو عبید)

بنی عوف کے یہود بذاتِ خود اور اپنے حلفاء و موالی کے ساتھ مل کر مومنین میں کی ایک اُمت ہوں گے۔ یہودی اپنے دین پر کاربند رہیں گے اور مومن اپنے دین پر۔ البتہ جس نے ظلم و گناہ کیا تو وہ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو تباہی میں ڈالے گا۔

بنی النجار کے یہودیوں کے لئے بھی وہی کچھ مراعات ہیں جو بنی عوف کے یہودیوں کے لئے ہیں۔ اور بنو الحرث کے یہودیوں کے لئے بھی وہی کچھ ہے جو بنی عوف کے یہودیوں کے لئے ہے۔ بنی جُشَم کے یہود کے لئے بھی وہی کچھ ہے جو بنی عوف کے یہود کے لئے ہے اور بنی ساعدہ کے یہود کے لئے بھی وہی کچھ ہے جو بنی عوف کے یہود کے لئے ہے اور اوس کے یہود کے لئے بھی وہی کچھ ہے جو بنی عوف کے یہود کے لئے ہے۔ لیکن جس نے ان میں سے ظلم و زیادتی کی تو وہ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو تباہی میں ڈالے گا۔

اور ان قبائل میں سے کوئی فرد محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر (مدینہ سے) باہر نہیں نکلے گا۔

اس معاہدہ کے شرکاء سے جو جنگ کرے گا تو تمام شرکاء اس کے خلاف آپس میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔ وہ آپس میں ایک دوسرے کے خیر خواہ رہیں گے اور بہرحال مظلوم کی مدد کریں گے۔

اور اس معاہدہ والوں کے لئے مدینہ کی حدود کا داخلی علاقہ حرم کی حیثیت رکھے گا۔

اور اس معاہدہ والوں کے درمیان جو بھی نیا معاملہ یا قانون شکنی کا واقعہ پیش آئے گا جس سے نقصان اور فساد کا امکان ہو تو اس کے فیصلہ کے لئے اللہ اور محمد نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

اور جو یثرب (مدینہ) پر یلغار کرے گا تو یہ معاہدہ کرنے والے باہمی امداد سے اس کے مقابلہ کا جواب دیں گے۔

ان (مسلمانوں) میں سے جو اپنے حلیف کے ساتھ صلح کرنے کے لئے یہود کو دعوت دے تو یہود اس سے صلح کر لیں گے۔ اسی طرح اگر وہ (یہود) ہمیں کسی ایسی ہی صلح کی دعوت دیں تو مومنین بھی اس دعوت کو قبول کریں گے۔ ہاں اگر وہ حلیف دین (اسلام) سے برسرِ پیکار ہو تو اس سے

صلح نہیں کی جائے گی۔

اخراجات میں تمام لوگ اپنے اپنے حصے کے ذمّہ دار ہوں گے۔

اوس (قبیلہ) کے یہود بذاتِ خود اور ان کے حامی و حلفاء اس عہد نامہ پر خوبی و عمدگی سے عمل پیرا ہونے والوں کے ساتھ رہیں گے۔

اور بنی الشطبہ جفنہ کا ایک خانوادہ ہے۔ گناہ کی حدود سے ورے نیکی اور وفاداری ہے۔ ہر کام کرنے والا اپنے عمل کا ذمہ دار ہوگا زیادتی کرنے والا اپنے نفس پر زیادتی کرے گا۔

اس معاہدہ پر سچائی اور نیکی سے کاربند رہنے والوں پر اللہ ہے۔

یہ معاہدہ ظالم اور گنہ گار کو اس کے عمل بد کے انجام سے نہیں بچائے گا۔

جو (مدینہ سے) باہر نکل جائے گا وہ مامون رہے گا اور جو (مدینہ میں) بیٹھا رہے گا وہ بھی مامون ہوگا، لیکن جو ظلم و گناہ کرے گا وہ مامون نہیں رہے گا۔

اس معاہدہ کے (پابند کہلانے کے) زیادہ مستحق وہی ہوں گے جو نیکوکار و وفادار ہیں[1]

ابو عبیدؒ :- اس معاہدہ کی یہ شق: "بنی عوف کے یہود مومنوں کی ایک اُمت ہوں گے" سے مُراد یہ ہے کہ یہ لوگ دشمنانِ اسلام کے خلاف (جنگ کی صورت میں) شرط کے مطابق اخراجات کے ذریعہ مسلمانوں کی (مادی) مدد کرتے رہیں گے۔ رہ گیا دین کا معاملہ سو وہ بالکل جُداگانہ ہے اس سے اُن کا کوئی تعلق نہیں۔ یہی سبب ہے کہ اس کے آگے ہی آپؐ نے یہ تصریح فرمادی کہ یہود اپنے دین پر کاربند رہیں گے اور مومنین اپنے دین پر۔

ہماری رائے میں یہ معاہدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی مدینہ میں تشریف آوری کے آغاز کے وقت کیا گیا ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب اسلام کو استحکام و غلبہ حاصل نہیں ہوا تھا۔ نہ اس وقت تک اہلِ کتاب سے جزیہ لینے کا حکم صادر ہوا تھا۔ یہ (مدینہ کے) اہلِ کتاب تین گروہوں پر مشتمل تھے۔ بنو قینقاع، بنو النضیر اور بنو قُریظہ۔

ان میں سب سے پہلے جس گروہ نے غدّاری اور عہد شکنی کا ارتکاب کیا وہ بنو قینقاع

---

[1] - یہ معاہدہ باختلاف الفاظ بعض عبارتوں کی کمی بیشی سے مختلف کتب میں ملتا ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کی المواثیق السیاسیّۃ ۱:۱۔

ہے۔ یہ لوگ عبداللہ بن ابی کے حلیف تھے۔ ان کے اس جرم پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مدینہ سے جلاوطن کر دیا۔

دوسرا نمبر بنو النضیر کا ہے اور پھر بنو قریظہ کا، ان قبائل کی جلاوطنی اور قتل کئے جانے کا تذکرہ ہم اپنی اس کتاب میں پہلے کر چکے ہیں۔

اہلِ دمشق کے نام خالد بن الولیدؓ کا صلح نامہ

(۵۱۹) ابنِ سراقہ کہتے ہیں کہ خالد بن الولیدؓ نے اہلِ دمشق کے نام یہ معاہدہ تحریر کیا:

"یہ خالد بن الولید کی طرف سے اہلِ دمشق کے نام صلح نامہ ہے۔

میں نے باشندگانِ دمشق کو اُن کی جان و مال اور گرجوں پر امان دے دی۔"

ابوعبیدؒ:۔ اس معاہدہ صلح کا کچھ حصّہ مجھے یاد نہیں رہا۔ اس کے آخر میں یہ عبارت تھی:۔

"اس معاہدہ پر ابو عبیدۃ بن الجرّاح، شُرحبیل بن حسنہ، قُضاعیؓ بن عامر گواہ ہوئے اور یہ ۱۳ھ (ہجری) میں لکھا گیا۔

الجزیرہ کے باشندوں کے نام عیاض بن غَنم کا صلح نامہ

(۵۲۰) علاء بن ابی عائشہ سے روایت ہے کہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے مجھے ایک خط میں لکھا کہ "اہلِ رُہا" سے دریافت کرو کہ ان سے کوئی معاہدۂ صلح ہوا ہے؟ چنانچہ میں نے ان سے دریافت کیا تو اُن کا ایک پادری میرے پاس ایک بٹوا یا ڈبیا لایا جس میں ان کا صلح نامہ تھا اسے دیکھا گیا تو اس میں یہ عبارت تھی:۔

"یہ عہد نامہ عیاض بن غَنم اور اُس کے مسلمان رفقاء کی جانب سے باشندگانِ رُہا کے لئے لکھا جا رہا ہے۔

میں نے ان لوگوں کی جان و مال، عورتوں اور بچّوں، نیز ان کے شہر اور چکیوں کو امان بخش دی ہے بشرطیکہ یہ ان حقوق کو ادا کرتے رہیں جو ان پر عائد کئے گئے ہیں۔ اللہ

اور اُس کے فرشتے اس پر گواہ ہیں۔"

چنانچہ عمر بن عبدالعزیز نے اسی معاہدہ کو ان پر نافذ کرنے کی اجازت دے دی۔

ابو عبیدؒ :۔ دوسری روایت میں یہ اضافہ ہے کہ جب عیاض نے باشندگان رُہا سے یہ صلح کرلی تو اُن کی اس صلح میں تمام باشندگانِ الجزیرہ بھی داخل ہو گئے۔

ارمینیا کے علاقہ تفلیس[1] کے باشندوں کے نام حبیب بن مسلمہ کا عہد نامہ

(۵۲۱) ارمینیا کے باشندے احمد بن الازرق راوی ہیں کہ باشندگان تفلیس سے صلح کے دوران حبیب بن مسلمہ کا عہد نامہ پڑھا جا رہا تھا اور میں اسے دیکھ رہا تھا، اس میں لکھا تھا:

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یہ حبیب بن مسلمہ کی طرف سے سرزمین ہرمز[2] کے باشندگان طفلیس کے نام عہد نامہ ہے۔

تمہیں، تمہاری اولاد کو، تمہارے گھر والوں کو، تمہارے اموال کو، تمہارے گرجوں، عبادت گاہوں، نمازگاہوں کو تمہارے دین کو امان بخشی جاتی ہے اس شرط پر کہ تم جزیہ ادا کرنے کی محکومانہ پابندی کا اعتراف کر لو۔ اس جزیہ کی مقدار ہر گھر والوں پر ایک پورا دینار ہو گی، تمہیں یہ اجازت نہ ہو گی کہ تم جزیہ کم کرنے کے لئے متفرق گھروں کو جمع کرکے ایک بنا لو، نہ ہمیں یہ حق حاصل ہو گا کہ ہم جزیہ بڑھانے کے لئے ایک گھر کو متفرق گھروں میں بانٹ دیں۔

تمہارے اُوپر یہ ذمہ داری ہو گی کہ اپنی استطاعت کے مطابق اللہ اور اُس کے رسول اور مومنین کے دشمنوں کے مقابلہ میں ہماری خیر خواہی کرتے رہو اور ہمیں قوت فراہم کرتے رہو۔ نیز راستہ عبور کرنے والے مسلمان کی ایک شب، اہلِ کتاب کے حلال ماکولات و مشروبات سے ضیافت کرتے رہو، اور اپنا نقصان کئے بغیر انہیں راستہ بتاتے رہو۔ اگر تمہارے علاقہ میں پہنچ کر کسی مسلمان کو اپنی منزل تک پہنچنے میں کوئی رکاوٹ ہو جائے تو تمہیں اسے سب سے

---

[1]- ایرانی جو آواز حرف "ت" سے ادا کرتے ہیں عرب اسے "ط" سے بھی ادا کرتے ہیں جیسے تفلیس و طفلیس، اور ترس و طرس۔ [2] یہ لفظ تاریخ ابن جریر طبری میں ہرمز "ز" سے آیا ہے (از حاشیہ کتاب الاموال)

قریبی مومنوں اور مسلمانوں کی جماعت تک پہنچانا ہوگا۔ الا یہ کہ ان تک پہنچنے میں کوئی حائل ہو۔

اگر تم توبہ کر کے نماز قائم کرنے لگو اور زکواۃ دینے لگو تو تم ہمارے دینی بھائی ہو جاؤ گے۔

جو ایمان و اسلام اور جزیہ سے روگردانی کرے گا وہ اللہ، اُس کے رسول اور مومنین کا دشمن قرار پائے گا۔ اور اُس کے خلاف اللہ سے مدد مانگی جائے گی۔

اگر مومنین کسی مصروفیت کی بناء پر تمہاری نگرانی وحفاظت نہ کر سکیں اور دشمن تمہیں مغلوب کر لے تو مسلمانوں اور مومنوں کے زیر سایہ آنے کے بعد اس مغلوبیت پر تم سے کوئی مواخذہ نہ ہوگا، نہ اس کی وجہ سے تمہارا یہ معاہدہ ٹوٹے گا۔ یہ تمہارے فرائض ہیں، اور یہ تمہارے لئے مراعات ہیں۔

اللہ، اُس کے فرشتے، اُس کا رسول اور مومنین اس پر گواہ ہوئے، اور اللہ گواہی کے لئے کافی ہے۔"

اہلِ تفلیس کے نام مکتوب

(۵۲۲) "حبیب بن مسلمہ کی جانب سے اہلِ تفلیس کے نام۔ تم سلامت رہو۔ میں تمہارے سامنے اللہ وحدہ لاشریک لہ کی حمد بیان کرتا ہوں۔

اما بعد۔ تمہارا قاصد تفلی میرے اور میرے مومن ساتھیوں کے پاس آیا۔ اس نے تمہارے متعلق بتایا کہ تم لوگ ایسی قوم ہو جسے اللہ نے عزّت و مرتبہ بخشا اور ان میں انبیاء مبعوث فرمائے۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہی کچھ ہمارے ساتھ بھی کیا ہے۔ حالانکہ ہم پہلے ذلیل اور کم تعداد تھے، نیز جاہلیت ہم پر غالب تھی۔ اللہ رب العلمین و رحمٰن و رحیم کے لئے حمد ہے اور اس کے رسول پر صلواۃ و سلام کہ اس کے ذریعہ ہمیں راہ بتائی گئی۔

تفلی سے مجھے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے دشمنوں کے دلوں میں ہمارا رُعب ڈال دیا ہے۔ مجھے اس بات کا اعتراف ہے کہ کوئی طاقت و قوّت اور کوئی تبدیلی و تغیر اللہ کی

مدد کے بغیر ہم پیدا نہیں کر سکتے۔

نفلی نے مجھے یہ بھی بتایا کہ تم لوگوں نے صلح کر لینا پسند کیا ہے تو تمہاری اس تجویز کو نہ میں ناپسند کرتا ہوں نہ میرے مومن رفقاء۔

اور نفلی تمہارے تحائف میرے پاس لایا ہے۔ میں نے اور میرے مومن رفقاء نے اس میں جو نقدی اور سامان ہے اس کی قیمت کا اندازہ سو دینار لگایا ہے۔ یہ رقم ادا کرنا تمہارے اُوپر فرض نہیں۔ تمہارے اوپر جو فرض ہے وہ فی گھر ایک پورا دینار[۵] بطور جزیہ ادا کرنا ہے یہ فدیہ نہیں۔

میں نے تمہارے لئے معزز مومنین کی موجودگی میں ایک معاہدہ اور امان نامہ لکھ کر اسے عبدالرحمٰن ابن جزء سُلمی کے ذریعہ تمہارے پاس بھیج دیا ہے۔ موصوف ہمارے صاحب رائے اور اللہ کے احکام اور اس کی کتاب کے عالم ہیں۔ اگر تم ان کے ہاتھ بھیجے ہوئے معاہدہ کو تسلیم کر لو گے تو یہ معاہدہ تمہارے حوالہ کر دیں گے، لیکن اگر تم اسے تسلیم کرنے سے انکار کروگے تو وہ مساویانہ حیثیت سے[۶] اللہ اور اس کے رسول اور مومنین کی جانب سے تم کو اعلانِ جنگ، سُنا دیں گے۔ اس لئے کہ اللہ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

جو اللہ کی رہنمائی کے پیچھے لگنا قبول کرے اس پر سلامتی ہو۔

۵۔ پورے دینار سے مراد ہے خالص سونے اور پورے مثقال وزن کا۔

۶۔ مساویانہ حیثیت سے مراد یہ ہے کہ کسی قسم کا تعلق باقی نہ رکھ کر طرفین ایک دوسرے کے خلاف جنگی کارروائی کرنے کے مساوی حقوق رکھیں گے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فصل

مصارفِ فئے

باب

فئے کی تقسیم، نیز فئے کے مستحقین و غیر مستحقین کا بیان

(۵۲۳) بُریدہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم جب کسی شخص کو کسی لشکر یا دستہ پر امیر مقرر فرماتے تو اسے خصوصیت کے ساتھ اپنے اندر خدا ترسی پیدا کرنے اور اپنے مسلم رفقاء کے ساتھ بہتر سلوک کرنے، کی تاکیدی ہدایات دیتے، پھر فرماتے:" اللہ کی راہ میں غزوہ کرو، جو اللہ سے کُفر کرے اُس سے جنگ کرو، اور دیکھو خیانت نہ کرنا، بدعہدی سے بچنا، مثلہ نہ کرنا، بچوں کو قتل نہ کرنا، اور جب تمہارا مشرکین دشمنوں سے سامنا ہو تو انہیں تین باتوں میں سے ایک کے قبول کرنے کی دعوت دینا، اور ان میں سے جو ایک بات بھی وہ اختیار کرنا پسند کریں تم اسے منظور کر لینا اور پھر ان سے تعرض نہ کرنا۔

انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دینا۔ اور ساتھ ہی انہیں بتا دینا کہ اس دعوت کو قبول کر لینے پر تمہیں وہی مراعات حاصل ہوں گی جو مہاجرین (مسلمانوں) کو حاصل ہیں اور تم پر وہی ذمہ داریاں عائد ہوں گی جو مہاجرین پر ہیں۔ لیکن اگر وہ اپنے علاقہ سے منتقل ہونا نہ چاہیں

فئے کا مستحق ہونے کے لئے مرکزِ اسلامی میں قیام اور جہاد میں حصہ لینا شرط ہے

تو اُن کو بتا دینا کہ ان کے ساتھ مسلمان دیہاتیوں کا سا سلوک کیا جائے گا۔ ان پر اللہ کے وہ تمام احکام جاری ہوں گے جو مسلمانوں پر جاری

ہیں۔ البتہ غنیمت اور فئے میں سے انہیں کچھ نہیں ملے گا تا وقتیکہ وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر جہاد میں شریک نہ ہوں۔

اگر وہ لوگ اس دعوت کو قبول نہ کریں تو ان سے جزیہ کی ادائی کا مطالبہ کرنا۔ اگر وہ اس مطالبہ کو مان لیں تو پھر تم بھی اسے منظور کر لینا اور ان سے نہ لڑنا۔

لیکن اگر وہ تمہارا یہ مطالبہ نہ مانیں تو پھر اللہ سے مدد طلب کرنا اور ان سے جنگ کر دینا۔"

ابو عبیدؒ "اپنے علاقہ سے منتقل ہونا نہ چاہیں" سے مراد ہے اپنے دیہاتی علاقہ سے نکل کر دار ہجرت میں نہ جانا چاہیں۔ یعنی (مدینہ) ہجرت نہ کرنا چاہیں۔

یہ ہے حدیث رسولؐ اور فئے کے بارے میں آپؐ کا حکم۔ آپؐ کے اس فیصلہ کی رُو سے جو ہجرت کر کے مہاجروں میں نہیں پہنچا اور مہاجروں سے مل کر دشمنانِ اسلام کے خلاف جنگ میں شرکت نہیں کرتا نیز دیگر معاملات میں مہاجرین کا ساتھ نہیں دیتا اس کا فئے اور غنیمت میں کوئی حصّہ نہیں ہے۔

ہر مسلم فئے کا مستحق ہے

مگر حضرت عمر بن الخطابؓ سے لوگوں نے جو روایت نقل کی ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ فئے میں جملہ مسلمانوں کو شریک سمجھتے تھے۔

(۵۲۴) اسلم کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے کہا:

"کوئی مسلمان بھی ایسا نہیں جس کا اس مال (فئے) میں حق نہ ہو۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ دیا جائے یا نہ دیا جائے۔"

(۵۲۵) زہری حضرت عمرؓ سے وہ روایت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں جس میں حضرات عباسؓ و علیؓ اپنا مقدمہ حضرت عمرؓ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ اور اس موقع پر حضرت عمرؓ اموال کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ آیات کریمہ تلاوت فرماتے ہیں:

مَا اَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰی فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ (الحشر۵۹: ۷)	جو (مال) اللہ تعالیٰ نے بستیوں کے باشندوں سے اپنے رسول کو فئے کے طور پر پلٹایا تو وہ اللہ کے لئے اور رسول کے لئے اور قرابت داروں کے لئے اور یتیموں مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے۔

اور :-

لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِيْنَ الَّذِيْنَ أُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ أَمْوَالِهِمْ (الحشر ۵۹: ۸) ان حاجتمند مہاجرین کے لئے جو اپنے مکانوں اور اپنے اموال سے بے دخل کر دئے گئے ہیں۔

نیز وَالَّذِيْنَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ (الحشر ۵۹: ۹) اور جن لوگوں نے ان سے قبل مدینہ کو ٹھکانہ بنا لیا اور ایمان پر قائم رہے۔

اور وَالَّذِيْنَ جَاءُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ (الحشر ۵۹: ۱۰) اور جو لوگ ان کے بعد آئے۔

پھر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ان آیات کریمہ نے تمام لوگوں کو اپنے اندر شامل کر لیا ہے اور کوئی مسلمان ایسا باقی نہیں رہتا جس کا اس مال میں حصہ باقی نہ ہو۔ البتہ تمہارے مملوکہ غلاموں میں سے بعض اس میں نہیں آتے۔ اگر میں زندہ رہا، ان شاءاللہ تو ہر مسلمان کو اس کا حصہ یا حق ملے گا۔ حتیٰ کہ (یمن میں مقیم قبیلہ) حمیر کے نشیبی و بالائی علاقہ میں بسنے والے چرواہے کو بھی۔ جس نے اسے حاصل کرنے میں کوئی تگ و دو نہیں کی ہوگی، اس کا حق پہنچے گا۔

ابو عبیدؒ :- یہ ہیں فئے سے متعلقہ آیات، جن کے بارے میں حضرت عمرؓ کا خیال ہے کہ ان آیات نے جملہ مسلمانوں کو اپنے احاطہ میں لے لیا ہے، اور کوئی مسلمان بھی ایسا نہیں بچتا جس کا اس مال میں حصہ نہ ہو۔ مگر پھر بھی بعد میں مسلمانوں نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے۔

استحقاق فئے میں اختلاف کرنے والوں کے اقوال

ایک جماعت کا کہنا ہے کہ جس کا مسلمانوں کے ساتھ مل کر دشمنوں سے جہاد میں کوئی حصہ نہ ہو یا وہ حکومت کے کسی عہدہ پر مامور نہ ہو یا مال جمع کرنے میں اس کی کوئی خدمت نہ ہو یا اسی قسم کی کوئی اور ذمہ داری وہ ادا نہ کرے جس سے مسلمانوں کو کچھ فائدہ پہنچتا ہو اور بایں ہمہ وہ فقر و فاقہ میں مبتلا بھی نہ ہو تو ایسے شخص کو بیت المال میں سے کوئی حصہ نہیں ملے گا۔ ان حضرات کا استدلال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے ہے جسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں جس میں مذکور ہے: فئے اور غنیمت میں سے انہیں کوئی حصہ نہیں ملے گا[1]

---

[1] - دیکھئے حدیث نمبر ۵۲۳ -

لیکن دوسری جماعت کہتی ہے کہ مسلمان تمام کے تمام بلا استثناء فئے میں شریک ہیں اس لئے کہ وہ سب ایک دین اور ایک قبلہ والے ہیں۔ اور دیگر تمام اقوام کی مخالفت کے وقت وہ سب متحد ہو کر آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں، جو ان میں سے دور ہے اسے قریب والوں میں شمار کیا جائے گا۔ ان لوگوں کا استدلال حضرت عمرؓ کے کلام اور ان کی آیات قرآن کی تاویل سے ہے۔

الغرض یہ دونوں جماعتیں اپنے خیال میں دو مختلف فیصلوں کی وجہ سے ایک دوسرے سے اختلاف کر رہی ہیں۔ ایک فیصلہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی حدیث کا ہے اور دوسرا حضرت عمرؓ کی روایت کا۔ اور بظاہر یہ دونوں فیصلے ہیں بھی مختلف۔ اور ان ہر دو فریق کے پاس اپنے اپنے دلائل و براہین ہیں۔

اس بارے میں میری رائے یہ ہے کہ گو فریقین کے مختلف اقوال میں سے ہر ایک کے پاس اپنے قول کی تائید میں دوسرے سے جداگانہ توجیہ و تاویل ہے تاہم میرے نزدیک صحیح فیصلہ اسی فریق کا ہے جو تمام مسلمانوں کو فئے میں شریک مانتا ہے۔ لیکن اس سے پہلے فیصلہ کی تردید نہیں ہوتی بلکہ یہ دونوں صورتیں (مختلف اوقات میں موجود) تھیں اور جس طرح قرآن مجید میں ناسخ و منسوخ ہیں اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی احادیث میں بھی ناسخ و منسوخ ہیں اور آپؐ کی کسی سنت کو صرف آپؐ ہی کی دوسری سنت یا پھر قرآن مجید منسوخ کر سکتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے ترک ہجرت پر جن لوگوں کو فئے و غنیمت سے محروم کیا۔ وہ صدر اسلام میں ایک بنیادی حکم تھا جس پر عمل ہوا۔ اور یہ وہ زمانہ تھا جب ہجرت کی بناء پر مہاجرین و غیر مہاجرین کو رشتہ داری و سرپرستی، میراث، شادی بیاہ اور فئے میں ایک دوسرے سے الگ کر دیا جاتا تھا۔ قرآن مجید میں بھی اس کا حکم ملتا ہے اور سنّت بھی یہی رہی۔

سنّت سے اس کا ثبوت آپؐ کا یہ ارشاد ہے:

"ان لوگوں کے لئے فئے اور غنیمت میں کوئی حصّہ نہیں ہو گا"

اور قرآن مجید سے اس کی دلیل یہ آیت ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت

مِنْ وَّلَایَتِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ حَتّٰی یُهَاجِرُوْا ؛
(الانفال : ۷۲)

نہ کی تو تمہارے اُوپر اُن کی قرابت و سرپرستی کی ذمہ داری اُس وقت تک نہیں ہو گی جب تک کہ وہ ہجرت نہ کر لیں۔

(۵۲۶) ابن عباسؓ سے آیت کریمہ :

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَ جَاهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ آوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ یُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَایَتِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ حَتّٰی یُهَاجِرُوْا:
(الانفال : ۷۲)

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور اُنہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے (انہیں) پناہ دی اور ان کی مدد کی۔ یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کے ولی اور حمایتی ہیں، اور جو لوگ ایمان تو لائے لیکن ہجرت نہ کی تو ایسے لوگوں کی رشتہ داری و سرپرستی کی ذمہ داری تم پر اس وقت تک نہ ہوگی تاوقتیکہ وہ ہجرت نہ کر لیں۔

کی شرح میں مذکور ہے کہ :

"پہلے یہ قاعدہ تھا کہ کوئی مہاجر کسی دیہاتی عرب کے مومن باشندہ کا وارث نہیں بنتا تھا اور نہ دیہاتی عرب کسی مہاجر کا وارث ہوتا تھا۔ تاآنکہ یہ آیت نازل ہوئی :

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰی بِبَعْضٍ فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ (الانفال : ۷۵)

اور کتاب اللہ کی رو سے رشتہ دار آپس میں ایک دوسرے کے زیادہ قریب اور ولی ہیں۔

اور اُس نے پہلی آیت کو منسوخ کر دیا۔

(۵۲۷) عمرو بن عثمان کہتے ہیں کہ اسامہ بن زیدؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے آپؐ کی مکّہ میں تشریف آوری پر پوچھا : کیا آپؐ اپنے گھر میں اقامت فرمائیں گے ؟" تو آپؐ نے فرمایا: "عقیل نے ہمارے لئے گھر ہی کہاں چھوڑا ؟"

ہؤا یہ تھا کہ ابوطالب کا ترکہ عقیل و طالب کو میراث میں ملا کیونکہ یہ دونوں کافر تھے اور جعفرؓ و علیؓ مسلمان تھے لہٰذا انہیں ابوطالب کے ترکہ میں سے کچھ نہ ملا۔

اسی بناء پر حضرت عمر بن الخطابؓ فرماتے تھے:

"مومن کافر کا وارث نہیں ہوگا نہ کوئی کافر مومن کا وارث ہوگا" یہ لوگ اس بارے میں مندرجہ ذیل آیت سے استدلال کرتے تھے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ وَالَّذِينَ آوَوا وَّنَصَرُوا أُولَٰئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يُهَاجِرُوا مَا لَكُم مِّن وَلَايَتِهِم مِّن شَيْءٍ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا ۚ وَإِنِ اسْتَنصَرُوكُمْ فِي الدِّينِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ إِلَّا عَلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۔ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ إِلَّا تَفْعَلُوهُ تَكُن فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيرٌ ۔

(الانفال: ۷۲ و ۷۳)

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور (انہوں نے) ہجرت کی نیز اپنے اموال اور (اپنی) جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ اور وہ لوگ جنہوں نے (انہیں) پناہ دی اور ان کی مدد کی یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کے سرپرست و ولی ہیں اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور (انہوں نے) ہجرت نہ کی تو ایسے لوگوں سے تمہاری کسی قسم کی رشتہ داری و سرپرستی کا تعلق نہیں ہے تا آنکہ یہ لوگ ہجرت نہ کریں۔ ہاں اگر یہ لوگ تم سے دین میں مدد کے طالب ہوں تو ان کی مدد تم پر فرض ہے۔ اِلایہ کہ وہ ایسی قوم کے خلاف مدد طلب کریں جن کا تم سے عہد و پیمان ہو، اور (اللہ جو کچھ تم کرتے ہو اسے دیکھتا ہے) اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ آپس میں ایک دوسرے کے مددگار و سرپرست ہیں اگر تم ایسا نہ کرو گے تو زمین میں فتنہ اور بڑا فساد رونما ہو جائے گا۔

ابو عبیدؒ:۔ اس آیت کریمہ کی رُو سے کافر اور وہ مومن جو ہجرت نہیں کرتا رشتہ داری سرپرستی و میراث کے بارے میں یکساں قرار پاتے ہیں، اگر ان دونوں میں کوئی فرق ہے تو صرف اتنا کہ ہجرت نہ کرنے والے مومن کے مدد طلب کرنے پر اس کی مدد کرنا فرض ہے، کیونکہ قرآن مجید کے الفاظ ہیں:

فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ (الانفال: ۷۲) تو تُم پر اُن کی مدد فرض ہے۔

(۵۲۸) ابن الزبیرؓ سے ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے اس آیت کی تاویل کرتے ہوئے کہا کہ یہ "عصبات" کے سلسلہ میں ہے۔ نیز انہوں نے کہا کہ اُس زمانہ میں لوگ رشتہ داری کے بغیر ہی ایک دوسرے کی میراث لینے کا عہد کر لیتے تھے۔ جس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی :-

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ (الانفال : ۷۵)	رشتہ داروں میں سے بعض بعض سے زیادہ قریب (اور اس کی میراث کے زیادہ مستحق) ہیں۔

(۵۲۹) شریح اس آیت سے "ذوی الارحام" مُراد لیتے اور کہتے تھے کہ یہی (ذوو الارحام) والی وارث ہوں گے نہ کہ موالی (جو غلامی اور آقائی یا باہمی معاہدہ کا تعلق رکھتے ہیں)

ابو عبیدؒ :- یہ ہیں آیت سے متعلق تین تاویلات۔ ممکن ہے کہ آیت مذکورہ ان تینوں تاویلات پر محیط ہو تاہم حضرت ابن عباسؓ کا قول اور حضرت اسامہ بن زیدؓ کی حدیث سے آیت کے معنے واضح ہو جاتے ہیں۔ آپ ملاحظہ فرمائیے قرآن مجید کا یہ ارشاد کتنا واضح اور صاف ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا (الانفال : ۷۲)	اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت نہ کی تو ایسے لوگوں سے تمہاری کوئی دوستی و قرابت نہیں حتّٰی کہ وہ ہجرت کر لیں۔

اور بتا رہا ہے کہ ہجرت ہی دونوں حکموں کے درمیان فرق کرتی ہے۔ پھر ایک اور آیت سے بھی اس کی تصدیق ہو رہی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

اِنَّ الَّذِيْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰى اَدْبَارِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدٰى (محمد : ۲۵)	بے شک جو لوگ کہ ہدایت کے ظاہر ہو جانے کے بعد پیچھے پھر گئے۔

(۵۳۰) ابو اسحٰق کہتے ہیں کہ میں نے عبید بن عمیر کو کبیرہ گناہوں کی فہرست بیان کرتے سُنا۔ وہ اس ضمن میں قرآن مجید کی آیات پڑھ رہے تھے۔ اسی فہرست میں اُنہوں نے "ہجرت کے بعد عرب کے دیہات میں بس جانا" بھی بیان کیا۔ اور یہ آیت بھی تلاوت کی :

اِنَّ الَّذِيْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰى اَدْبَارِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ (اَوْ بُيِّنَ) لَهُمُ الْهُدٰى : (محمدؐ : ۲۵)	بے شک جو لوگ کہ ہدایت کے آشکارا ہو چکنے کے بعد پیچھے پھر گئے۔

ابو عبیدؒ:۔ اب اگر تارک ہجرت مرتد ٹھہرتا ہے تو میراث میں بھی اس کے ساتھ کافر کا سا سلوک کیا جائے گا جیسے مسلم کی میراث نہیں ملتی۔

اس پر اسامہ بن زیدؓ کی حدیث میں یہ آیت شہادت دے رہی ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِنْ وَّلَايَتِهِمْ مِنْ شَيْءٍ: (الانفال : ۷۲)

اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت نہ کی تو ایسے لوگوں سے تمہاری کوئی دوستی و قرابت نہیں۔

ابو عبیدؒ:۔ جبکہ ترک ہجرت، ہجرت کرنے والوں سے دوستی و رشتہ داری کے قطع کرنے کا موجب بنتا ہے اور اس بناء پر وارث اپنی میراث سے محروم ہو جاتا ہے تو ایسے تارک ہجرت کا فئے میں شریک ہونا اور بھی مستبعد ہے اور یہی قانون جاری تھا تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے اسے اس آیت کے ذریعہ منسوخ فرما دیا:۔

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ۔ (الانفال : ۷۵)

اور رشتہ داروں میں سے بعض بعض کے زیادہ قریب (اور اس کی میراث کے زیادہ مستحق) ہیں۔

آخر میں مہاجر و غیر مہاجر مومن کے لئے فئے کے سلسلہ میں ایک حکم ہو گیا تھا

چنانچہ جب میراث اپنے (صحیح) مقامات پر پلٹ گئی تو یہ معلوم ہو گیا کہ یہ صرف ان کی باہمی رشتہ داری کی بناء پر ہوا ہے اور اس طرح مسلمان باہم بھائی اور ایک دوسرے کے اولیا بن گئے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ (الحجرات:) بلا شک مومنین بھائی بھائی ہیں

اور جیسے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ (التوبہ : ۷۱)

مومن مرد اور مومن عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے اولیاء ہیں۔

اس طرح ان سب کے احکام یکساں ہو گئے (یعنی ہجرت اور ترکِ ہجرت کا امتیاز نہ رہا) اور فئے وغیرہ میں تمام مسلمانوں کی مراعات اور ذمہ داریاں یکساں ہو گئیں۔ البتہ متمدن علاقہ میں رہائش پذیر ہونے والوں اور اسلام کی خدمت کرنے والوں کو اُن کی کارگذاری اور خدمتِ اسلامی کے اعتبار سے برتری و فضیلت حاصل ہو گی۔ اور اس کی تفصیل مناسب مقامات پر ہم پیش کریں گے' ان شاء اللہ۔

(۵۳۱) یہ بات کہ ہجرت منسوخ ہو گئی اور شروع کے مسلمانوں اور بعد کے مسلمانوں سے یکساں سلوک ہو گا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی فتحِ مکّہ کے بعد کی حدیث سے واضح ہوتی ہے جس کے الفاظ ہیں:

لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ	لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ	فتح مکہ کے بعد کوئی ہجرت نہیں۔

اس مضمون سے متعلق بہت سی احادیث و روایات ہیں:۔

(۵۳۲) طاؤس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے روایت کیا کرتے تھے کہ آپؐ نے فرمایا: "اپنے رہائشی مقامات پر مقیم رہو۔ اس لئے کہ ہجرت ختم ہو چکی۔ البتّہ جہاد باقی ہے اور نیّت برقرار، اور جب تم کو جہاد کے لئے بُلایا جائے تو چل پڑو۔"

(۵۳۳) طاؤس ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: فتح مکہ کے بعد کوئی ہجرت نہیں البتّہ جہاد و نیت برقرار ہیں۔ اور جب تم کو جہاد کے لئے بُلایا جائے تو چل پڑو۔"

(۵۳۴) صالح بن بشیر بن فُدیک روایت کرتے ہیں کہ فُدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں پہنچے اور انہوں نے آپؐ سے دریافت کیا: "یا رسول اللہؐ! لوگ یہ خیال کر رہے ہیں کہ جو ہجرت نہیں کرے گا وہ تباہ ہو جائے گا؟" آپؐ نے فرمایا: "اے فُدیک! نماز قائم کر، زکواۃ دے، برائی سے ہجرت کر۔ اور اپنی قوم کی زمین میں جہاں تم چاہو اقامت اختیار کر لو۔"

ابو عبید:۔ اس مضمون کی احادیث بہت زیادہ ہیں انہیں یہاں بیان کرنے سے

کتاب کا حجم بڑھ جائے گا۔

الغرض ہمارا خیال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے ہجرت کا حکم لوگوں سے ہٹا لیا تھا اور انہیں ترکِ ہجرت کی اجازت دے دی تھی۔ ذیل میں حضرت عائشہؓ سے مروی روایت اس مسئلہ کو شرح کے ساتھ بیان کر رہی ہے۔

(۵۳۵) عطاء کہتے ہیں کہ میں عبید بن عُمیر کے ساتھ حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے ان سے ہجرت کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے کہا "آج کے بعد (یا اب) ہجرت نہیں ہے۔ پہلے مسلمان اپنے دین کو بچانے کے لیئے، اس اندیشہ سے کہ کہیں وہ آزمائشوں میں مبتلا نہ ہو جائے۔ اللہ اور اس کے رسول کی طرف پناہ لینے کے لیئے بھاگتا تھا، لیکن اب اللہ نے اسلام کو غالب کر دیا ہے۔ آج مومن بے روک ٹوک جہاں چاہتا ہے اللہ کی عبادت کر سکتا ہے۔ البتہ جہاد اور سنّت[1] باقی ہیں۔"

(۵۳۶) ابو عبیدؒ:۔ اس ضمن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم سے یہ ایک اور صورت بھی مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: "جب تک کفار سے جنگ کا سلسلہ جاری رہے ہجرت ختم نہیں ہو گی۔"

ابو عبیدؒ:۔ میری نظر میں آپؐ کے اس فرمان کی توجیہ یہ ہو گی کہ جو بھی ایمان لائے اور جہاد کرے تو اسے وہی فضیلت حاصل ہو گی جو مہاجرین کو حاصل تھی اور اس کے لیئے وہی احکام ہوں گے جو مہاجرین کے لیئے تھے۔ خواہ وہ اپنے علاقہ ہی میں قیام پذیر رہے۔ یہ ضروری نہیں ہو گا کہ ہجرت کر کے مرکزِ مہاجرین میں پہنچے۔ یہ مضمون آپؐ کی ایک اور حدیث میں وضاحت سے مذکور ہے:

(۵۳۷) عبداللہ بن عمرو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے روایت کرتے ہیں کہ ہجرت کی دو قسمیں ہیں۔ دیہاتی کی ہجرت، اور شہری کی ہجرت۔ دیہاتی کی ہجرت تو یہ ہے کہ جب اسے بُلایا جائے تو فوراً پہنچ جائے۔ اور جب اسے کوئی حکم دیا جائے تو اس کی اطاعت کرے۔ باقی رہی شہری کی ہجرت تو یہ آزمائش میں شدید تر ہے اور اس کا بدلہ بھی بہت بڑا ہے۔

(۵۳۸) حضرت عائشہ رضؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے سامنے اَعراب (دیہاتی

---

[1] ۔ ممکن ہے کہ یہ سنت کے بجائے نیّت ہو۔ (مترجم)

اجڈ عربوں) کا تذکرہ کیا تو آپؐ نے فرمایا: "اے عائشہ! یہ اعراب نہیں ہیں۔ یہ ہمارے دیہاتوں کے باشندے ہیں اور ہم ان کے شہری علاقے کے باشندے ہیں۔ جب انہیں بُلایا جاتا ہے تو یہ آجاتے ہیں لہٰذا یہ اَعراب نہیں ہیں۔"

ابو عبیدؒ:۔ میرا خیال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان لے آنے کے بعد ان پر ہجرت کے لفظ کا اطلاق کر دیا خواہ وہ اپنے علاقوں ہی میں رہائش پذیر رہے ہوں۔ یہ الگ بات ہے کہ شہری باشندوں کو ایک گونہ برتری حاصل رہتی ہے جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں۔

اس عبارت سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ ان دیہاتی مسلمانوں کا (شہری مہاجر) مسلمانوں کے ساتھ حق ہے بشرطیکہ وہ اس کی ضرورت محسوس کریں۔ خواہ یہ حق کم ہو یا زیادہ۔ اور اس حق کا اندازہ امام کی صوابدید پر موقوف ہو گا۔

اس مضمون کی تصدیق و توضیح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث کر رہی ہے:۔

(۵۳۹) ایاس بن سلمہ کہتے ہیں کہ میرے والد سلمہ بن الاکوعؓ مدینہ آئے تو انہیں بُریدہ بن الحُصَیب ملے اور اُن سے کہنے لگے: "اے سلمہ! تم اپنی ہجرت سے پلٹ گئے"۔ اُنہوں نے کہا: "معاذ اللہ! بخدا مجھے مدینہ چھوڑنے کی اجازت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملی ہوئی ہے۔ مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا ہے: "مضافاتی علاقوں اور گھاٹیوں میں آباد ہو جاؤ۔" اس پر لوگوں نے آپؐ سے عرض کی: "یا رسول اللہؐ! اس طرح ہمیں اندیشہ ہے کہ ہماری ہجرت میں نقصان نہ واقع ہو جائے؟" آپؐ نے فرمایا: "تم جہاں کہیں بھی ہو مہاجر مانے جاؤ گے۔"

ابو عبیدؒ:۔ اس کی مزید تائید و توضیح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے ہو رہی ہے:۔

فتوحات سے قبل اور فتوحات کے بعد کے قرضوں میں فرق

"جو شخص مال چھوڑ کر مرے گا تو وہ اس کے وارثوں کا ہو گا اور جو شخص قرض چھوڑ جائے گا تو اس کی ادائی اللہ اور اُس کے رسول کے ذمہ ہو گی۔"

(۵۴۰) ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب کوئی میت لائی جاتی جس پر قرض ہوتا تو آپؐ دریافت فرماتے: "کیا اُس نے قرض کی ادائی کے لئے

مال چھوڑا ہے؟" پھر جب آپؐ کو بتایا جاتا کہ اس نے اتنی مقدار چھوڑی ہے تو آپؐ اس کے جنازہ کی نماز پڑھتے ورنہ فرماتے: "تم لوگ اپنے اس میت کی نماز پڑھ لو۔"

اسلامی حکومت قرضداروں کا قرض اپنے ذمہ لے گی

پھر جب اللہ تعالیٰ نے آپؐ پر فتوحات کا دروازہ کھول دیا تو آپؐ نے اعلان فرمایا: "میں مومنوں پر اُن کی جانوں سے بھی زیادہ اختیار رکھتا ہوں۔ لہٰذا جو شخص قرض چھوڑ کر مرے گا تو اس کی ادائی میرے ذمہ ہوگی اور جو مال چھوڑے گا تو اس کا مال اُس کے وارثوں کو ملے گا۔"

(۵۴۱) مقدام بن معدیکرب کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: "جو مال چھوڑ مرے تو وہ اس کے وارثوں کا ہوگا، اور جو اپنے پیچھے کوئی بار چھوڑ جائے تو اس کی ذمہ داری اللہ پر۔ کبھی آپؐ فرماتے: اللہ اور اُس کے رسولؐ پر ــــ ہوگی۔ اور جس کا کوئی وارث نہ ہو اُس کا وارث ماموں ہوگا، وہی اُس کے مال کا وارث ہوگا اور وہی اُس کے تاوان بھگتے گا۔ اور جس کا کوئی وارث نہ ہو میں اس کا وارث ہوں۔ اس کے مال کا وارث بنوں گا اور اُس کی طرف سے تاوان ادا کروں گا۔"

(۵۴۲) انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: "جو قرض چھوڑ کر مر جائے تو اُس کا قرض اللہ اور اُس کے رسول کے ذمہ ہے اور جو کچھ چھوڑ کر مرے تو اُس کا ترکہ اُس کے وارثوں کا ہوگا۔

ابو عبیدؒ:۔ ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا قرضوں کے متعلق فتوحات سے پہلے کا حکم فتوحات کے بعد کے حکم سے جداگانہ ہے۔ فتوحات کے بعد آپؐ نے

آپؐ کا بعد کا عمل پہلے عمل کو نسخ کرتا ہے

عامۃ المومنین کے قرضوں کی ادائی اپنے ذمہ لے لی تھی۔ اور اصول یہ ہے کہ آپؐ کے اس عمل کو اختیار کیا جائے گا جو آخر میں کیا گیا ہو۔ اس لئے کہ وہ پہلے عمل کو نسخ کرتا ہے اب جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم ان کے مرنے کے بعد بھی ان کا حق تسلیم فرماتے ہیں تو زندگی میں ان کا حق بدرجۂ اولیٰ ہوگا۔

اس ضمن میں ایک اور حدیث ملاحظہ فرمائیے :

(۵۴۳) حضرت علی بن ابی طالبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مومنوں کے خون باہم دگر ہم پلّہ و مساوی ہیں۔ اُن کی ذمہ داری وضمانت کو پورا کرنے کے لئے اُن کا معمولی فرد بھی کوشش کرے گا۔ اور وہ اپنے علاوہ تمام مخالفین کے مقابلہ میں متحد رہیں گے۔"

ابو عبیدؒ:۔ اس حدیث میں آنحضرتؐ نے تمام مومنوں کو ایک مجموعہ قرار دیا ہے (جن سب پر ایک حکم کا اطلاق ہوگا)

یہ تمام احادیث ہجرت کے حکم کو نسخ کرنے والی ہیں۔ نیز اس پہلی حدیث کو جس میں مذکور ہے: "اُن لوگوں کو غنیمت اور فئے میں سے کوئی حصّہ نہیں ملے گا"، جس طرح اُولوالارحام والی آیت (الانفال: ۷۵) نے مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ (الانفال: ۷۲) تمہارا اُن کی رشتہ داری وسرپرستی سے کوئی تعلق نہیں ہے"، کو نسخ کر دیا ہے اسی طرح سورۃ الحشر میں فئے سے متعلق آیت کریمہ" وَالَّذِيْنَ جَآءُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ (اور جو لوگ ان کے بعد آئے) نے سورۃ الانفال والی آیت فئے کو نسخ کر دیا ہے۔ اس لئے کہ سورۃ الانفال بدر میں نازل ہوئی تھی اور سورہ الحشر غزوہ بنی النضیر کے موقع پر نازل ہوئی جیسا کہ ابن عباسؓ کی ایک روایت سے واضح ہے :۔

(۵۴۴) سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ میں نے ابن عباسؓ سے سورۃ الانفال کے بارے میں دریافت کیا تو اُنہوں نے کہا یہ سورۃ بدر میں نازل ہوئی تھی"۔ میں نے کہا: "اور سورۃ الحشر؟"۔ اُنہوں نے کہا: "وہ غزوہ بنی النضیر کے موقع پر نازل ہوئی"۔

ابو عبیدؒ:۔ اور تاریخ بتاتی ہے کہ بنی النضیر کا معرکہ غزوۂ بدر کے بعد واقع ہؤا تھا۔

(۵۴۵) ابنِ شہاب کہتے ہیں کہ بدر کے بعد چھٹے مہینہ کے شروع میں بنوالنضیر کا غزوہ ہوا تھا۔

ابو عبیدؒ:۔ اس طرح یہ (معرکہ بنی النضیر میں نازل ہونے والا حکم) اس (بدر کے

معرکہ میں نازل ہونے والے حکم) کا ناسخ ہوا۔

اس سلسلہ میں واضح ترین عمل خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ طریق کار ہے جو آپؐ نے اس جماعت کے ساتھ روا رکھا جس کی تالیف قلب آپؐ کو مقصود تھی:

(۵۴۶) ابوسعید خدری رضؓ سے روایت ہے کہ حضرت علی رضؓ بن ابی طالب نے (یمن سے) سونے کا ڈلا جو ابھی مٹی میں تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا۔ آنحضرتؐ نے اس ڈلے کو اقرع بن حابس، عُیَینہ بن حصن، زید الخیل اور علقمہ بن عُلاثہ، میں تقسیم فرما دیا۔"

ابوعبیدؒ:- ان لوگوں کو، جو اہلِ نجد ہیں اور مدینہ کے مہاجر نہیں، آپؐ کی یہ تقسیم بتا رہی ہے کہ آپؐ نے انہیں فئے میں شریک فرمایا۔

اس سے یہ بھی وضاحت ہو جاتی ہے کہ ہجرت کا حکم منسوخ ہو گیا۔ اس لئے کہ حضرت علی رضؓ نے یمن سے یہ سونا فتح مکہ کے بعد بھیجا تھا، اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "فتح (مکہ) کے بعد کوئی ہجرت نہیں۔"

ان وجوہ کی بناء پر ہم سمجھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے فئے میں جو تمام مسلمانوں کو شریک کیا تھا تو اس کی بنیاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی سنت پر تھی جسے آپ نے فتح مکہ کے بعد جاری فرمایا تھا۔ نیز قرآن مجید کی اُس محکم آیت پر جو پچھلے حکم کی ناسخ ہے۔ اس طرح گویا اُنہوں نے بیک وقت قرآن و سنت پر عمل کیا۔

دراصل اس کی توجیہ یہی ہے کہ تقسیم فئے کا صحیح اندازہ وہی ہو گا جو امام وقت اپنی صوابدید کے مطابق اسلام اور مسلمانوں کی بھلائی کے لئے مفید تصوّر کرے۔

باب

فئے میں سے وظائف مقرر کرنے کا بیان، نیز یہ کہ اس کی تقسیم کی ابتداء کس سے کی جائے گی؟

---

(۵۴۷) عمرؓ بن الخطاب نے مقامِ جابیہ میں لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا: "جسے قرآن مجید سے متعلق دریافت کرنا ہو وہ ابی بن کعبؓ کے پاس جائے، جسے فرائض پوچھنا ہوں وہ زید بن ثابتؓ کے پاس جائے۔ جو فقہ کے بارے میں کچھ معلوم کرنا چاہتا ہے وہ معاذ بن جبلؓ کے پاس جائے۔ اور جو مالی امور دریافت کرنا چاہتا ہے وہ میرے پاس آئے کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے خازن وقاسم بنایا ہے۔

حضرت عمرؓ کا قائم کردہ نظامِ تقسیم فئے

تقسیمِ وظائفِ فئے کی ترتیب اور رجسٹروں میں اندراج

میں وظائف کی تقسیم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات سے ابتداء کرتا ہوں۔ پہلے انہیں دیتا ہوں پھر مہاجرین اوّلین کو۔ پھر میں اپنے ساتھیوں کو دیتا ہوں کہ ہمیں ہمارے گھروں اور اموال سے چھڑا کر مکہ سے نکالا گیا۔ پھر انصار کو دیتا ہوں جو ان سے پہلے مدینہ میں مقیم اور ایمان پر قائم رہے اور جس نے ہجرت کرنے میں جتنی جلدی کی اسی لحاظ سے وظیفہ دینے میں اسے مقدم رکھا جائے گا۔ اور جس نے جتنی دیر ہجرت کرنے میں لگائی ہو گی اسی اعتبار سے وظیفہ میں اسے مؤخر رکھا جائے گا۔ اب اگر کسی کو شکایت یا سرزنش کرنا ہے تو اپنی سواری کے ٹھہرنے کی جگہ سے شکایت کرے اور اسے سرزنش کرے۔

(۵۴۸) محمد بن عجلان کہتے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ نے ہمارے لئے وظائف کے رجسٹر

مرتب فرمائے تو انہوں نے سوال اُٹھایا: "ہمیں تقسیمِ وظائف میں ابتدا کس سے کرنا چاہیئے؟" لوگوں نے کہا: "آپ اپنے آپ سے ابتدا کیجئے"۔ حضرت عمرؓ نے کہا: "نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم ہمارے امام ہیں۔ لہٰذا ہم آپؐ کے خاندان والوں سے ابتدا کریں گے۔ اور جو جتنا آپؐ سے زیادہ قریب ہوگا اسی اعتبار سے اس کو مقدّم رکھا جائے گا۔"

اسبقیت میں قرابتِ رسول کا اہتمام

(۵۴۹) شعبی کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے شام فتح کرلیا اور خراج وصول ہوا تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے صحابہؓ کو اکٹھا کر کے کہا: "میں چاہتا ہوں کہ جن لوگوں نے اس آمدنی کے علاقہ کو فتح کیا ہے ان کے لئے وظائف مقرّر کردوں" لوگوں نے کہا: "اے امیر المومنین! آپ کی یہ رائے نہایت عمدہ و مناسب ہے۔" حضرت عمرؓ نے کہا: "تو ہم یہ وظائف کا سلسلہ شروع کس سے کریں گے؟" لوگوں نے کہا: "آپ سے زیادہ کون اس کا مستحق ہوگا؟ آپ اپنے ہی سے ابتدا کر دیجئے۔" انہوں نے کہا: "نہیں، بلکہ میں آلِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے ابتدا کروں گا۔" چنانچہ انہوں نے ام المومنین حضرت عائشہؓ کا نام بارہ ہزار (درہم) والوں میں لکھا۔ بعد ازاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی جملہ ازواجِ مطہرّات کا اندراج بارہ ہزار والوں کے تحت کیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی ازواجِ مطہرّات کے بعد پانچ ہزار درہم والوں میں حضرت علیؓ کا نام لکھا اور بعد ازاں بنی ہاشم کے ان لوگوں کے نام لکھے جو بدر میں شریک ہوئے تھے۔

(۵۵۰) جعفر اپنے والد محمد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے حضرات حسنؓ و حسینؓ کو پانچ پانچ ہزار والوں کی فہرست کے تحت درج کیا تھا۔

(۵۵۱) ایک اور روایت سے بھی یہی جعفر اپنے باپ محمد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے وہی وظیفہ حضرات حسنؓ و حسینؓ کا بھی مقرر کیا تھا۔

(۵۵۲) ابن شہاب کہتے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ نے وظائف کے رجسٹر مرتب کئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی ان ازواجِ مطہرّات کا جن سے (آزادی کی حالت میں) آپؐ نے نکاح کیا تھا۔ بارہ بارہ ہزار درہم وظیفہ مقرّر کیا۔ اور حضرت جویریہؓ اور صفیہؓ کا

چھ چھ ہزار[۱]۔ اس لئے کہ یہ دونوں رسول اللہؐ کو فئے میں ملی تھیں۔ پھر انہوں نے بدر میں شرکت کرنے والے مہاجرین کو پانچ پانچ ہزار کے تحت درج کیا۔ بعد ازاں بدر میں شریک ہونے والے انصار کو چار چار ہزار کے تحت رکھا۔ اور وظیفہ دیئے جانے والے مہاجرین میں انہوں نے ان سب مہاجرین کو برابر کا شریک قرار دیا جو بدر میں شریک ہوئے خواہ وہ آزاد عرب ہو یا ان کا حلیف و مولی۔ اسی طرح انصار کے حلفاء و موالی کے ساتھ بھی انہی کی طرح کا سلوک کیا اور کسی کو دوسرے پر ترجیح نہ دی۔

(۵۵۲)[۲] مصعب بن سعد کہتے ہیں کہ سب سے پہلے حضرت عمرؓ نے جو وظائف مقرر فرمائے وہ اس طرح تھے: بدر میں شریک ہونے والے مہاجرین و انصار کو چھ چھ ہزار، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی ازواج مطہرات کو لیا اور ان میں حضرت عائشہؓ کو ترجیح دیتے ہوئے ان کے لئے بارہ ہزار مقرر کئے۔ اور بقیہ تمام ازواج مطہرات کے لئے دس دس ہزار سوائے جویریہؓ و صفیہؓ کے کہ ان میں سے ہر ایک کے چھ چھ ہزار مقرر کئے۔ اور پہلے پہل ہجرت کرنے والی خواتین میں اسماء بنت عمیسؓ، اسماء بنت ابی بکرؓ اور امّ عبد امّ عبداللہ بن مسعودؓ کو ایک ایک ہزار۔

(۵۵۳) قیس بن ابی حازم کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے بدر میں شریک ہونے والوں کا پانچ پانچ ہزار وظیفہ مقرر کیا اور کہا: "میں بالضرور ان لوگوں کو دوسروں پر ترجیح دوں گا۔"

(۵۵۴) یزید بن ابی حبیب کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے عمرو بن العاصؓ کو لکھا تھا "جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ درخت کے نیچے بیعت رضوان میں شریک تھے ان کے نام دو سو دینار (سالانہ) والوں میں لکھو۔ اور خود اپنے لئے بھی گورنری کے ساتھ

---

[۱]۔ طبقات ابن سعد، فتوح البلدان للبلاذری اور ابو یوسف کی کتاب الخراج سے اس کی تائید نہیں ہوتی بلکہ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ازواج مطہرات میں یہ امتیازی سلوک ختم کر دیا تھا اور ان سب کے برابر برابر بارہ ہزار درہم کر دئے تھے (دیکھئے طبقات ۳: قسم اوّل: ۲۱۳، فتوح البلدان طبع لیڈن ۱۸۶۶ء: ۴۵۱ اور کتاب الخراج طبع اولی مطبع میریہ بولاق ۱۳۰۲ھ: ۲۴) [۲]۔ یہاں اصل کتاب میں نمبر غلطی سے مکرر ہے۔ ہم نے بھی اس کے اتباع میں اس تکرار کو بحال رکھا ہے۔

نمایاں خدمات کی انجام دہی کے صلہ میں اعزاز

یہ رقم لے لو۔ اور خارجہ بن حذافہ کو اس کی بہادری کے صلہ میں معززین کی فہرستِ وظیفہ میں درج کرو اور عثمان بن قیس سہمی کو اس کی ضیافت کے صلہ میں۔

(۵۵۵) یزید بن ابی حبیب کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے عمرو بن العاصؓ کو دو سو دینار والوں میں رکھا تھا۔ اس لئے کہ وہ حاکم (گورنر) تھے اور عُمیر بن وہبؓ جُمحی کو بھی مہمانی کے صلہ میں دو سو دینار والوں کی فہرست میں رکھا تھا۔ اسی طرح بُسر بن ابی ارطاۃ کو بھی دو سو والوں میں رکھا تھا۔ اس لئے کہ وہ تلوار کے دھنی تھے۔ ان کے متعلق حضرت عمرؓ نے کہا تھا: "اللہ نے ان کے ہاتھ سے کتنی ہی فتوحات کرائی ہیں۔"

حضورؐ کی محبت کی وجہ سے افضلیت

(۵۵۶) محمد بن عجلان کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے حضرت اسامہؓ کو عبداللہ بن عمرؓ پر ترجیح دی تھی۔ اس پر لوگوں نے عبداللہ بن عمرؓ کا خوب پیچھا لیا۔ بالآخر اُنہوں نے اس بارے میں حضرت عمرؓ سے بات کی اور کہا: "کیا آپ میرے اُوپر ایسے شخص کو ترجیح دیتے ہیں جو مجھ سے افضل نہیں ہے؟ اُس کو آپ نے دو ہزار والوں میں رکھا اور مجھے ڈیڑھ ہزار والوں میں؟ حالانکہ وہ مجھ سے کسی چیز میں بھی سابق نہیں ہے۔" اس پر حضرت عمرؓ نے کہا: "میں نے یہ اس لئے کیا کہ (اس کا باپ) زید بن حارثؓ رسول اللہؐ کو عمرؓ سے زیادہ محبوب تھا۔ اور اسامہؓ رسول اللہؐ کی نظر میں عبداللہ بن عمرؓ سے زیادہ پیارا تھا۔"

(۵۵۷) حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ جب اُنہوں نے اپنے والد سے اس معاملہ میں گفتگو کی تو اُنہوں نے جواب دیا: "زید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تیرے باپ سے زیادہ محبوب تھا اور اسامہؓ رسول اللہ کو تجھ سے زیادہ محبوب تھا۔"

———※———

باب

شہریوں کے وظائف مقرر کرنے اور انہیں دیہاتیوں پر ترجیح دینے کا بیان

جمعیت مسلمین میں رہائش کی افضلیت

(۵۵۸) ابو عبیدۃ بن الجراح رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان سے دیہاتی لوگوں نے درخواست کی کہ وہ ان کے لئے بھی وظیفہ جاری کر دیں اس پر انھوں نے ان سے کہا: "نہیں، واللہ میں اُس وقت تک تمہارا وظیفہ جاری نہیں کروں گا تاوقتیکہ شہریوں کے وظائف پورے نہ کر دوں، جسے جنّت میں اقامت کی تمنّا ہے تو وہ جماعت میں رہے۔ اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے۔"

شہری آبادی کو دیہاتی آبادی پر ترجیح اور اُس کا سبب

(۵۵۹) عمر بن عبد العزیز نے یزید بن حُصَین کو لکھا: "لشکر کے لئے معین وظیفہ کا حکم جاری کر دو۔ اور تم شہری آبادی کا لحاظ کرو اور دیہاتی عرب باشندوں کو نظر انداز کر دو۔ اس لئے کہ یہ لوگ نہ تو مسلمانوں کے مجمع میں آتے ہیں نہ ان کے معرکوں میں شریک ہوتے ہیں[1]"

ابو عبید رحمہ اللہ:۔ ہماری نظر میں اس کی توجیہ یہ نہیں ہے کہ انھوں نے دیہاتی عربوں کا فئے میں کوئی حق ہی نہیں سمجھا بلکہ اس سے ان کی مُراد یہ ہے کہ ان لوگوں کو فئے کے مال سے اس طرح مقررہ وظائف نہیں ملیں گے جیسے ان شہری باشندوں کو ملیں گے جو مسلمانوں کے معاملات میں شریک رہتے، اور اپنی جانوں اور مالوں سے دشمنانِ اسلام کے مقابلہ میں

---

[1] ۔ واضح رہے کہ شہری اور دیہاتی کی یہ صورت مسلمانوں کے اس زمانہ کے طرزِ رہائش اور حالات کے مطابق تھی۔

مدد کرتے ہیں یا خود اپنی رہائش سے اسلامی آبادی کو بڑھاتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کا علم رکھتے ہیں، حدود (اللہ) نافذ کرنے میں مددگار ہوتے ہیں۔ عیدین و جمعہ میں شریک ہوتے۔ اور خیر کی تعلیم میں حصہ لیتے ہیں۔ ان سب امور کی انجام دہی کے لئے اللہ تعالیٰ نے شہری آبادی کو دیہاتی آبادی پر خصوصیت بخشی ہے۔ اور ہمارے خیال میں یہی وجوہ ہیں جن کی بناء پر ان لوگوں نے مستقل وظائف جاری کرنے میں ان لوگوں کو دوسروں پر ترجیح دی ہے، مگر

تین صورتیں جن میں دیہاتی مدد کے مستحق ہو جاتے ہیں

بایں ہمہ ان دیہاتی باشندوں کے بھی اس مال میں بعض حالات پیش آنے پر حقوق ہو جاتے ہیں اور یہ حالات تین قسم کے ہیں۔ ایک تو یہ کہ ان پر مشرکین دشمنوں کا غلبہ ہو جائے تو امام اور مسلمانوں کا فرض ہو جاتا ہے کہ وہ ان کی مدد کریں اور اپنی مالی و بدنی قوتیں صرف کر کے انہیں اس دشمن سے نجات دلائیں۔

دوسری حالت یہ ہے کہ وہ آفات کا شکار ہو جائیں مثلاً اُن کے علاقہ میں قحط پھیل جائے۔ اور وہ اس سے پریشان ہو کر شہروں اور سرسبز علاقوں کا رُخ کر کے وہاں جمع ہو جائیں تو ایسی صورت میں بھی انہیں اس مال سے مدد دی جائے گی۔

تیسری حالت یہ ہے کہ ان میں باہمی انتشار اور خون خرابہ حد سے بڑھ جائے جس کی صلح صفائی اور تلافی کے لئے تاوان اور دیتوں کے سلسلہ میں مال درکار ہو تو اس صورت میں بھی انہیں حق پہنچتا ہے کہ اس مال سے اُنہیں دیا جائے۔

یہ ہیں وہ تین مواقع جن میں از روئے قرآن و سنّت انہیں اس مال سے حق پہنچتا ہے۔ ایک آفات، دوسرا انتشار و خلفشار اور تیسرا ان پر مشرک دشمنوں کا غلبہ۔

ان تمام حالات میں ان کی مدد کرنے کے لئے قرآن و آثار سے شہادتیں موجود ہیں:۔

(۵۶۰) مشرک دشمنوں کے خلاف مدد کے سلسلہ میں مندرجہ ذیل آیت کریمہ ہے:۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور

بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ
بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ، وَالَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ
مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ
حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ، وَاِنِ
اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ
فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى
قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ
مِّيْثَاقٌ ، وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
بَصِيْرٌ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا
بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ،
اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ
فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ۝
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا
وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ
اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا ، اُولٰٓئِكَ هُمُ
الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ، لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ
وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ، وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
مِنْ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا
مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ، وَ
اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى
بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ، اِنَّ اللّٰهَ

اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کیا
نیز وہ لوگ جنھوں نے انہیں پناہ دی اور اُن کی مدد کی
یہ سب لوگ آپس میں ایک دوسرے کے اولیا اور دوست ہیں۔
اور جو لوگ ایمان لائے لیکن اُنھوں نے ہجرت
نہ کی تو ایسے لوگوں کی تم سے کسی قسم کی رشتہ داری
دوستی نہیں تاآنکہ وہ ہجرت نہ کرلیں اور اگر یہ لوگ
تم سے دین میں مدد طلب کریں تو تمہارے اُوپر
ان کی مدد فرض ہے۔ الایہ کہ وہ مدد کسی ایسی
قوم کے خلاف ہو جس کے اور تمہارے درمیان
معاہدہ ہو اور اللہ تمہارے کاموں کو دیکھ رہا ہے
اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ آپس میں ایک دوسرے
کے اولیاء اور دوست ہیں۔ اگر تم ایسا نہ
کروگے تو ملک میں فتنہ اور بڑا فساد رونما
ہو جائے گا۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور
اُنھوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد
کیا، اور جن لوگوں نے اُنھیں پناہ دی اور
ان کی مدد کی۔ یہی لوگ درحقیقت مومن ہیں،
ان کے لئے بخشش اور باعزت رزق ہے۔
اور جو لوگ اس کے بعد ایمان لائے اور
اُنھوں نے ہجرت کی اور تمہارے ساتھ جہاد
کیا تو یہ لوگ بھی تم میں شامل ہوں گے، اور
اللہ کے نوشتہ میں رشتہ دار آپس میں ایک دوسرے
کے زیادہ ولی و حق دار ہیں، بے شک اللہ

بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝ — ہر چیز کو جانتا ہے۔

(الانفال : ۷۲ تا ۷۵)

اس کی تفسیر میں ابن جُریج حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات کے وقت چار قسم کے مومن لوگوں کو چھوڑ گئے تھے۔ مومنؓ مہاجر، انصارؓ غیر مہاجرؓ عربی دیہاتی۔ کہ جب رسول اللہؐ اس سے مدد طلب فرماتے تو وہ مدد کے لئے حاضر ہو جاتا، اور اگر آپؐ اسے چھوڑ دیتے تو وہ آپؐ کی طرف سے رخصت پر ہوتا۔ اور اگر یہ لوگ حضورؐ سے مدد کے خواستگار ہوتے تو آپؐ کے لئے ان کی مدد ضروری ہوتی۔ اسی کو قرآن مجید نے اس طرح کہا ہے:

وَإِنِ اسْتَنْصَرُوكُمْ فِي الدِّينِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ، إِلَّا عَلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ، وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝ (الانفال : ۷۲)	اور اگر وہ تم سے دینی معاملہ میں مدد طلب کریں تو ان کی مدد تم پر فرض ہے الا یہ کہ مدد ایسی قوم کے مقابلہ میں ہو جس کے اور تمہارے درمیان معاہدہ ہو۔ اور اللہ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔

چوتھی قسم ان (تابعین) کی ہے جو احسان کے ساتھ ان کی پیروی کرتے رہیں۔
ابن جُریج کہتے ہیں کہ آیت کریمہ:۔

إِلَّا تَفْعَلُوهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيرٌ۔ (الانفال : ۷۳)	اگر تم ایسا نہ کرو گے تو ملک میں فتنہ اور بڑا فساد رونما ہو جائے گا۔

سے مُراد یہ ہے کہ اگر تم دین میں ایک دوسرے کی مدد اور ایک دوسرے سے تعاون نہیں کرو گے تو ملک میں فتنہ اور بڑا فساد رونما ہو جائے گا۔

ابو عبیدؒ:۔ یہ تو وہ حق ہے جو دُشمنوں کے مقابلہ میں انہیں حاصل ہے۔
اب رہا آفات و خلفشار و انتشار میں ان کی مدد کا مسئلہ سو اس کے متعلق ملاحظہ فرمائیے:۔

(۵۶۱) معاویہ بن حیدہ قشیری کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سے کہا کہ ہم ان لوگوں میں سے ہیں جو آپس میں ایک دوسرے کا مال مانگتے رہتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: "آدمی آفت پہنچنے پر یا خلفشار و انتشار میں لوگوں کی صلح صفائی کرانے کے لئے مانگ سکتا ہے۔ لیکن جب حالت سدھر جائے یا سُدھرنے لگے تو پھر سوال سے اجتناب کرے۔"

(۵۶۲) قبیصہ بن مخارق ہلالی کہتے ہیں کہ میں کسی تاوان کے بار سے مجبور ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس پہنچا تو آپؐ نے فرمایا: "تم اس وقت تک ٹھہرو کہ ہمارے پاس صدقہ آجائے۔ پھر یا تو ہم اسے ادا کرنے میں تمہاری مدد کریں گے یا تمہارے بار کو ہم اپنے ذمّہ لے لیں گے۔ اور دیکھو سوال کرنا صرف تین آدمیوں کے لئے حلال ہے۔ ایک تو وہ جو لوگوں کے تاوان وغیرہ ادا کرنے کی ضمانت لے تو ایسا شخص اس وقت تک سوال کرے گا کہ اس کی ضمانتوں کا بار ادا ہو جائے۔ بعد ازاں وہ سوال سے باز آجائے گا۔

سوال کرنا صرف تین آدمیوں کے لئے حلال ہے

دوسرا وہ شخص جو آفت زدہ ہوا اور اس کا مال تباہ ہو جائے تو وہ اس وقت تک سوال کرے گا کہ اس کو گذر بسر کے لئے سہارا مل جائے۔ پھر وہ مزید سوال نہیں کرے گا۔

تیسرا وہ شخص جو فاقہ میں مبتلا ہو اور اس کی قوم کے تین ذی عقل افراد گواہی دیں کہ واقعی یہ شخص فاقہ میں مبتلا ہے اور اسے بھیک مانگنا حلال ہو گیا ہے۔ تب یہ بھیک مانگے گا تاآنکہ اُس کی گذر بسر کا سہارا ہو جائے۔ پھر وہ باز رہے گا۔

اے قبیصہ! ان تین مواقع کے سوا سوال کرنا حرام ہے اور اس کے ذریعہ جو کچھ ملے اسے کھانا سائل کے لئے حرام ہے۔"

ابو عبیدؒ: معاویہ بن حیدہ اور قبیصہ بن مخارق کو جو دونوں نجدی تھے اور شہری باشندے یا مدینہ کے مہاجر نہ تھے انہیں آپؐ کا یہ جواب بتا رہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے انہیں مال میں حق دار قرار دیا۔ ملاحظہ فرمائیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کا قبیصہ سے یہ کہنا کہ تم ہمارے پاس صدقہ آنے تک ٹھہرو۔ پھر یا تو ہم تمہاری مدد کریں گے یا تمہارا تاوان اپنے ذمہ لے لیں گے۔

اس طرح آپؐ نے صلح کرانے کے لئے دیتوں کی ضمانت لینے والے اور آفت زدہ کے لئے صدقہ میں حق تسلیم کیا۔ اگر آپؐ ان کا حق نہ مانتے تو کسی دوسرے کا حق کبھی انہیں نہ دیتے۔ اس لئے کہ صدقہ کے مصارف اور مدّات تو معین و محدود ہیں جن کے علاوہ دیگر مدّوں میں صدقہ صرف نہیں کیا جاسکتا۔ پھر جب آپؐ نے ان لوگوں کو صدقہ میں حقدار سمجھا تو فئے کے مصارف تو (صدقہ کے مقابلہ میں) زیادہ وسیع اور عمومی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس لئے کہ فئے کی آیت میں عموم ہے اور صدقہ کی آیت میں خصوص۔

الغرض یہ تین حالات ہیں جن میں ہمیں اعراب (عربی دیہاتیوں) کے حقوق ملتے ہیں ایک آفت دوسرے خلفشار وانتشار، تیسرے دشمن کا غلبہ، اگرچہ قبیصہ کی حدیث میں لفظ فاقہ بھی مذکور ہے تاہم ہمارا خیال ہے کہ فاقہ آفت کے تحت آجاتا ہے۔

وظائف اسلام کی حفاظت و مدافعت کرنے والے شہریوں کو دیئے جائیں گے اور دوسروں کی ہنگامی حالات میں مدد کی جائے گی

اب رہا یہ کہ جنگجو افراد کو وظیفہ دینا اور عورتوں اور بچوں کے لئے روزینہ مقرر کرنا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم یا آپؐ کے بعد کسی امام سے ہمیں اس بارے میں کوئی سند نہیں ملتی کہ انہوں نے شہری باشندوں کے علاوہ جو اسلام کے دست و بازو ہیں کسی کے ساتھ یہ سلوک روا رکھا ہو۔ اسی مضمون کی تفسیر حضرت عمرؓ کی یہ روایت کر رہی ہے:۔

(۵۶۳) ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ باشندگانِ مکّہ کو وظیفہ نہیں دیتے تھے اور نہ اُن میں سے کوئی لشکر تیار کرکے جنگ کے لئے روانہ کرتے تھے۔ اور ان کے بارے میں ایسے کلمات کہتے تھے جنہیں میں نقل کرنا نہیں چاہتا کہ وہ ایسے اور ویسے ہیں۔

ابو عبیدؒ:۔ ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ وہ ان کو مستقل وظیفہ اس لئے نہیں دیتے تھے کہ ان میں سے کوئی لشکر جنگ کے لئے نہیں بھیجتے تھے۔ بایں ہمہ حضرت عمرؓ کی فئے کے بارے میں یہ رائے سب جانتے ہیں کہ اس میں کوئی (مسلم) بھی ایسا نہیں جس کا حق نہ ہو۔

یہاں سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ ان کی مُراد یہ تھی کہ شہری باشندوں کے حقوق

جن سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچتا ہے یہ ہیں کہ انہیں وظائف و روزینے دیئے جائیں، اور دوسرے لوگوں کے حقوق یہ ہیں کہ جب ان پر کوئی ضرورت یا مصیبت آن پڑے تو (ہنگامی حالات میں) ان کی مدد کی جائے۔

اس مضمون کو حضرت عمرؓ ہی کی ایک اور روایت زیادہ وضاحت سے پیش کر رہی ہے،

(۵۶۴) عاصم بن عمر کہتے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ نے میری شادی کر دی تو ایک ماہ تک مجھے بیت المال سے خرچ دیا پھر کہا: "اے یرفا! اسے خرچ دینا بند کر دو"۔ پھر مجھے اپنے پاس بُلا کر اللہ کی حمد و ثناء کے بعد کہا: "امابعد: اے میرے عزیز فرزند! میں جانتا ہوں کہ یہ مال مجھے صرف حق کے مطابق حلال ہے۔ اور یہ اب بھی اس وقت سے زیادہ حرام نہیں جب میں اس کا نگران ہوا تھا۔ اب میری امانت واپس آگئی ہے۔ مَیں نے ایک ماہ تک تمہیں بیت المال سے خرچہ دیا۔ اب اس سے زیادہ میں تمہیں نہیں دوں گا۔ میں اپنی عالیہ کی (جائداد کی) پیداوار سے تمہاری مدد کر چکا ہوں۔ جاؤ اسے کاٹو، پھر اسے فروخت کر دو۔ پھر اپنی قوم کے کسی تاجر کے ساتھ مل جاؤ اور جب وہ سودا کرے تو اسے شریک کر لو اور اس سے خرچ طلب کر و پھر اپنے گھر والوں پر خرچ کرو۔

ابو عبیدؒ:۔ ملاحظہ فرمائیے کہ حضرت عمرؓ نے ان کا وظیفہ بند کر دیا۔ اس لئے کہ وہ مسلمانوں کی کسی خدمت پر مامور نہ تھے لیکن اگر وہ مسلمانوں کی کوئی خدمت بجالا رہے ہوتے تو معاملہ اس کے برعکس ہوتا اور حضرت عمرؓ ان کا خرچہ بند نہ کرتے۔

اس کی مزید تشریح علی بن ابی طالبؓ کی ایک روایت کر رہی ہے:

(۵۶۵) کثیر بن نمر کہتے ہیں کہ ایک شخص کسی خارجی کی شکایت لے کر حضرت علیؓ کے پاس آیا اور کہنے لگا: "میں نے اسے آپ کو گالی دیتے سُنا"۔ تو انہوں نے اس سے کہا: "جیسے اُس نے مجھے گالی دی تو بھی اُسے گالی دے دے"۔ اس شخص نے کہا: "اور وہ آپ کو دھمکی بھی دیتا ہے"۔ اس پر انہوں نے کہا: "جس نے مجھے قتل نہیں کیا اسے مَیں قتل نہیں کروں گا"، بعد ازاں حضرت علیؓ نے کہا: "ہمارے اُوپر ان کے تین حقوق ہیں: انہیں مسجدوں میں ذکر اللہ کرنے سے نہ روکیں۔ اور جب تک یہ ہمارا ساتھ دیتے رہیں فئے سے انہیں محروم نہ کریں۔

اور تاوقتیکہ یہ ہم سے جنگ پر نہ اُتر آئیں ان سے جنگ نہ کریں۔"

ابو عبیدؒ:۔ دیکھیئے حضرت علیؓ فئے میں اس وقت تک خوارج کا حق تسلیم کر رہے ہیں۔ جب تک کہ وہ بغاوت اور قانون شکنی نہ کریں۔ بایں ہمہ وہ جانتے تھے کہ خوارج انہیں گالیاں دیتے تھے۔ نہ صرف گالیاں بلکہ ان کے لئے اور بھی اُلجھنیں اور تکلیفیں پیدا کرتے تھے۔ لیکن بایں ہمہ وہ خوارج مسلمانوں کے معاملات اور اُن کی آبادیوں میں شریک رہتے تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ بعد میں وہ بغاوت کرنے لگے۔

مذکورہ بالا روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ وظائف و روزینے ان شہریوں کے لئے ہیں جو اسلام کی حفاظت و مدافعت کرتے رہیں۔ ان کے علاوہ دوسروں کے حقوق اسی وقت ہوتے ہیں جب ان پر آفات و مصائب آن پڑیں۔

میری نظر میں یہی فریقین کے درمیان فیصلہ کن رائے ہے۔ اور حضرت عمرؓ کے اس قول کی کہ کوئی مسلمان بھی ایسا نہیں بچتا جس کا اس (فئے) میں حق نہ ہو۔ یہی تاویل ہے۔

یہ ہے خاص طور پر فئے کا مصرف۔ رہا خمس اور صدقہ کا بیان تو اس کے جُداگانہ طریقے اور مصارف ہیں جن کا ذکر ان کے مقامات پر آئے گا۔ ان شاء اللہ۔

فئے اور صدقہ (زکوٰۃ) کا فرق

یہ تو ہیں وہ حقوق جو شہریوں کی فئے اور اموال میں دیہاتیوں کو حاصل ہیں۔ یہ حقوق اُن حقوق سے علیحدہ ہیں جو انہیں آپس میں ایک دوسرے کے اموال میں حاصل ہیں۔ اور اس کی تقسیم کا اصول یہ ہے کہ جو کچھ دیہاتیوں سے وصول کیا جاتا ہے وہ صدقہ ہوتا ہے، فئے نہیں۔ اور وہ انہیں میں پلٹا دیا جاتا ہے۔ یہ صدقہ دیہاتی فقیروں کے لئے ہر سال اُن کے امیروں پر واجب ہوتا ہے۔

اس ضمن میں متعدد احادیث ہیں:۔

(۵۲۶) سالم بن ابی الجعد سے روایت ہے کہ بنی سعد بن بکر کا ایک شخص ضمام بن ثعلبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ اُس نے حضورؐ کو خطاب کرتے ہوئے

کہا: "اسے فرزندِ بنی ہاشم! میں اپنی قوم کا نمائندہ اور سردار ہوں۔ میں آپؐ سے کچھ پوچھوں گا اور قسم بھی دلاؤں گا۔ میرے سوال کا یہ طریقہ سخت ہو گا لہٰذا میری اس بات کا بُرا نہ ماننا۔ آپؐ کو اس اللہ کی قسم جس نے آپؐ کو اور آپؐ سے پہلوں کو پیدا کیا اور جو آپؐ کے بعد آنے والوں کو بھی پیدا کرتا رہے گا۔ ہمارے پاس آپؐ کی تحریریں اور آپؐ کے پیامبر آئے ان کی دعوت یہ تھی کہ ہم ایک اللہ کی عبادت کریں۔ لات و عزّیٰ کی عبادت ترک کر دیں۔ کیا اسی ذات نے آپؐ کو اس بات کا حکم دیا ہے؟" آپؐ نے فرمایا: "ہاں" اس نے پھر کہا: "اور آپ کے حکم نامے اور آپؐ کے پیامبر ہمارے پاس آکر بتاتے رہے ہیں کہ ہم ہر دن اور رات میں پانچ نمازیں پڑھیں۔ کیا اسی اللہ نے آپؐ کو اس کا بھی حکم دیا ہے؟" آپؐ نے فرمایا "ہاں"۔ اُس شخص نے پھر کہا: "آپؐ کے مکاتیب اور آپؐ کے قاصد ہمارے پاس آئے اور انھوں نے بتایا: کہ ہم ماہِ رمضان کے روزے رکھیں"۔ فرمائیے کہ کیا اُسی نے آپؐ کو اس کا حکم بھی دیا ہے؟" آپؐ نے فرمایا: "ہاں"۔ اس شخص نے پھر کہا: "آپؐ کے مکاتیب اور آپؐ کے پیغامبروں نے ہمیں بتایا کہ ہمارے امیروں کے زائد مال میں سے لے کر اسے ہمارے محتاجوں فقیروں میں لوٹا دیا جائے گا۔ کیا اللہ ہی نے آپؐ کو اس بات کا بھی حکم دیا ہے؟" آپؐ نے فرمایا: "ہاں" پھر اس شخص نے کہا: "اب رہیں بدکاریاں اور فواحش سو ہم آپؐ سے ان کے بارے میں کچھ نہیں پوچھیں گے نہ ہم ان کا ارتکاب کریں گے، پھر وہ چلا گیا۔ آپؐ نے فرمایا: "اگر یہ سچائی سے (مذکورہ اعمال) انجام دیتا رہا تو جنّت میں جائے گا۔

ابو عبیدؒ:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی یہ سنّت تھی کہ جن آبادیوں کے تونگروں سے مال لیا جاتا تھا انہی کے محتاجوں اور فقیروں میں اسے تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ اور یہی عمل حضرت عمرؓ سے بھی مروی ہے:

(۵۶۷) عمرو بن میمون نے حضرت عمرؓ کی شہادت کا واقعہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ پھر حضرت عمرؓ نے اپنے بعد آنے والے خلیفہ کو فلاں فلاں چیزوں کی وصیّت کی اور کہا کہ میں اسے عرب کے دیہاتی باشندوں کے ساتھ اچھے سلوک کی وصیت کرتا ہوں

اس لئے کہ یہ لوگ عرب کی پونجی اور اسلام کا بنیادی عنصر ہیں۔ ان کے اغنیاء سے جو کچھ لیا جائے وہ انہی کے فقراء میں لوٹا دیا جائے۔

(۵۶۸) ابن مُرّہ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے کہا: "میں (ان دیہاتی عربوں کی آبادیوں سے وصول شدہ) صدقہ انہی میں پلٹاؤں گا تا آنکہ ان میں سے ہر ایک کے پاس سو اونٹ ہو جائیں۔"

ابو عبیدؒ: اس قسم کی اور بھی احادیث ہیں جن کا تذکرہ یہاں مناسب نہیں۔ یہ کچھ ہمیں دیہاتی عربوں کے بارے میں ملتا ہے۔ اور یہی عمل دیگر بستیوں[۱] کے باشندوں سواد (عراق) والوں اور الجبال کے ایرانی علاقوں[۲] کے باشندوں سے کیا جائے گا۔ جو مراعات ان عربی دیہاتیوں کو حاصل ہوں گی انہیں بھی حاصل ہوں گی اور جو پابندیاں ان عربی دیہاتیوں پر ہوں گی وہی اُن پر بھی ہوں گی۔

۱۔ یہاں عربی لفظ "القریٰ" ہے جس سے مُراد وادی القریٰ ہو سکتی ہے۔ اور یہ مدینہ سے شام کے راستہ میں آنے والی متصل بستیوں کے لئے بولا جاتا ہے۔

۲۔ "الجبال" آذربائیجان کے مشرق میں ایرانی علاقہ ہے۔

باب

غیر عرب (مسلم) اقوام کے لئے فیٔ سے وظائف کا اجراء

اسلام لانے کے بعد عرب اور غیر عرب میں امتیاز نہیں ہوگا

(۵۶۹) سعید بن مسیب سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ بن الخطاب نے بدر میں شریک ہونے والے مہاجرین عرب و غیر عرب کو پانچ پانچ ہزار (درہم) وظیفہ دیا اور انصار عرب و غیر عرب کو چار چار ہزار۔

(۵۷۰) حکیم بن عمیر سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے لشکروں کے امراء کے نام فرمان جاری کئے کہ غیر عرب اقوام کے[1] جن غلاموں کو تم آزاد کرو اور وہ مسلمان ہو جائیں تو اُن کا شمار ان کے آزاد کرنے والوں کے زمرہ میں کرو۔ جو مراعات اُنہیں حاصل ہوں وہی اِنہیں دو اور جو ذمہ داریاں اُن پر ہوں وہی اِن پر بھی لگاؤ۔ اور اگر یہ لوگ مل کر جُداگانہ قبیلہ کی شکل بننا چاہیں تو وظائف اور دیگر دستور وغیرہ میں ان سے اپنی طرح کا سلوک کرو۔ یہ ایک طویل روایت کا اقتباس ہے۔

(۵۷۱) ارطاۃ بن المنذر کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ بن الخطاب نے مذکورہ بالا

---

[1] ۔ یہ "الموالی" کا ترجمہ ہے جس کا واحد مولیٰ ہے۔ عربی میں یہ لفظ غلام کو آزاد کرنے والے آقا اور آزاد کردہ غلام دونوں کے لئے مشترک ہے۔ خواہ وہ عرب ہوں یا غیر عرب تاریخ میں بالعموم اس سے وہ غیر عرب مراد لئے جاتے ہیں جو کسی عرب قبیلہ کے قبضہ میں آجائیں اور وہ عرب قبیلہ انہیں آزاد کردے۔

فرمان لکھا۔

(۵۷۲) حسن کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ بن الخطاب کے ایک عامل کے پاس کچھ لوگ آئے تو اُنہوں نے عربوں کو تو دیا اور غیر عربوں کو چھوڑ دیا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے انہیں لکھا: "اما بعد، آدمی کے لئے یہی بدی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر کرے"۔

(۵۷۳) حسن ہی سے ایک اور سند کے ذریعہ مذکورہ بالا روایت منقول ہے۔ لیکن اس میں حضرت عمرؓ کا جواب یہ ہے "تم نے ان سب کے ساتھ مساوی سلوک کیوں نہیں کیا؟"۔

(۵۷۴) اسماعیل بن سالم کہتے ہیں کہ ہمارے پاس ہرات میں عمر بن عبدالعزیز کا خط اس صدقہ کے سلسلہ میں آیا جس کی تقسیم کا اُنہوں نے حکم دیا تھا۔ اس میں لکھا تھا "عربوں میں اور آزاد غیر عربوں میں اسے مساوی تقسیم کرو"۔

(۵۷۵) سالم بن ابی الجعد سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے عمار بن یاسرؓ کا چھ ہزار (درہم) وظیفہ مقرر کیا۔

(۵۷۶) مسلم البطین سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت سلمانؓ (فارسی) کا چار ہزار (درہم) وظیفہ مقرر کیا۔

(۵۷۷) انس کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ہرمزان کا وظیفہ مقرر کیا[1]۔

ابو عبیدؒ:۔ بعض راویوں کے قول کے بموجب انہوں نے ہرمزان کا وظیفہ دو ہزار مقرر کیا۔

---

[1] ۔ یہ وظیفہ اس کے اسلام قبول کرنے پر دیا گیا تھا۔ دیکھئے کتاب الخراج، یحییٰ بن آدم : ٦٠ (نمبر ۱۸۵)

باب

فئ سے عورتوں اور بچّوں کے لئے وظائف اور روزینوں کا اجراء

اسلامی ریاست میں سماجی تحفّظ

(۵۷۸) ابوہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: "جو شخص (قرض و عیالداری وغیرہ کا) بار چھوڑ کر مرے گا تو وہ ہمارے ذمہ ہوگا۔ اور جو شخص مال چھوڑ کر مرے گا تو وہ اس کے وارثوں کا ہوگا"

(۵۷۹) مقدام بن معدیکرب الکندی کہتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: "جو شخص مال چھوڑ کر مرے گا تو وہ اس کے وارثوں کا ہوگا، اور جو بار (قرض وغیرہ) چھوڑ جائے گا وہ اللہ کے ذمہ ـــــ اور بعض اوقات آپؐ فرماتے: "اللہ اور اُس کے رسول کے ذمہ" ـــــ ہوگا۔

ابوعبید:۔ "بار" کے معنے ہماری نظر میں عیالداری اور وہ ذمہ داریاں ہیں جنہیں مرحوم انجام دے رہا ہو۔ اس میں بال بچے بھی شامل ہیں۔ اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اس مال (فئ) میں عورتوں اور بچّوں کا حق رکھا اور خود آپؐ نے ان کے حق میں ضمانت دی۔ اور اسے اپنی ذمہ داری میں لیا۔

بچّہ پیدا ہوتے ہی "فئ" سے وظیفہ کا مستحق ہوجاتا ہے

(۵۸۰) بشر بن غالب سے روایت ہے کہ حضرت حسین رضؓ ابن علیؓ سے دریافت کیا گیا "نومولود کا حصّہ کب سے جاری ہوگا"؟ تو اُنہوں نے جواب دیا" اسی وقت سے جبکہ وہ پہلی آواز نکالے"۔ پھر ان سے پوچھا گیا" قیدی کا فدیہ کس کے ذمہ ہوگا"؟ انہوں نے جواب دیا:" اس زمین (ملک) یا اس کے باشندوں کے ذمہ جس کے دفاع کے لئے وہ جنگ

کر رہا تھا۔"

(۵۸۱) ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ بچہ کا وظیفہ اس وقت تک جاری نہ کرتے تھے جب تک کہ اس کا دودھ نہ چھڑا دیا جاتا۔ لیکن بعد میں اُنہوں نے منادی کرادی کہ اپنے بچّوں کا دودھ چھڑانے میں جلدی نہ کرو۔ ہم ہر مسلمان بچّہ کی پیدائش کے وقت ہی سے اس کا وظیفہ جاری کریں گے۔ اور یہی حکم اُنہوں نے تمام اسلامی مملکت میں بھیج دیا تھا کہ مسلمان کے ہر بچہ کا اس کی پیدائش ہی سے وظیفہ مقرر کردو۔

(۵۸۲) محمد بن ھلال المدینی اپنے باپ کی وساطت سے اپنی دادی کے متعلق روایت کرتے ہیں کہ وہ حضرت عثمانؓ بن عفان کی خدمت میں حاضری دیا کرتی تھیں۔ ایک دن حضرت عثمانؓ نے انہیں نہ دیکھا تو اپنے گھروالوں سے دریافت کیا کہ آج فلاں خاتون مجھے نظر نہیں آئیں۔ کیا وجہ ہے"؟ اس پر ان کی بیگم نے انہیں بتایا؛" امیرالمومنین! آج رات اس کے بچّہ ہوا ہے"۔ چنانچہ

عمر کے ساتھ بچّہ کے وظیفہ میں اضافہ

محمد بن ھلال کی دادی کہتی ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے مجھے پچاس درہم اور ایک چادر بھیجی اور کہلایا کہ یہ تیرے بیٹے کا وظیفہ ہے اور یہ اس کی پوشاک ہے۔ جب یہ بچہ ایک سال کا ہو جائے گا تو ہم اس کا وظیفہ بڑھا کر سو درہم کر دیں گے۔

(۵۸۳) ابواسحٰق اپنے دادا خیار سے روایت کرتے ہیں کہ ان کا گذر حضرت عثمانؓ کی خدمت میں ہوا تو حضرت عثمانؓ نے اُن سے پوچھا؛" بڑے میاں! آپ کے ساتھ کتنے بال بچّے ہیں"؟ اُنہوں نے کہا؛" میرے ساتھ (کنبہ) ہے۔ اس پر حضرت عثمانؓ نے کہا؛" ہم نے تمہارے لئے اتنا اتنا وظیفہ مقرر کر دیا ہے —— راوی کو یہ مقدار یاد نہ رہی —— اور تمہارے بال بچّوں میں سے ہر ایک کے لئے سَو سَو درہم۔

(۵۸۴) قبیلہ خثعم کا ایک فرد روایت کرتا ہے کہ میرے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا تو میں حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور انہوں نے اس نومولود کا اندراج سو (درہم) والوں کی فہرست میں کرا دیا۔

راستہ میں پڑا ملنے والے بچّہ کا وظیفہ

(۵۸۵) تمیم بن مسیح کہتے ہیں کہ میں حضرت علیؓ کے

پاس راہ میں پڑا ہوا ایک بچہ اُٹھا کر لے گیا اور اُنہوں نے اس کا اندراج سو (درہم) والوں کی فہرست میں کر دیا۔

(۵۸۶) مروان بن شجاع الجزری کہتے ہیں کہ جب میرا دودھ چھٹا تو مجھے عمر بن عبدالعزیز نے دس دینار والوں کی فہرست میں شامل کر لیا تھا۔

(۵۸۷) ابنِ عون کہتے ہیں کہ محمد کی مجلس میں یہ روایت بیان کی گئی کہ عمر بن عبدالعزیز نے دودھ چھڑائے ہوئے بچہ (کو وظیفہ دینے) کے لئے قرعہ ڈالا لیکن پھر خود ہی اس عمل کو ناپسند کرتے ہوئے کہا: "میرے خیال میں یہ تو وہی ممنوع عمل ہے جسے قرآن" استقسام بالازلام" (یعنی پانسوں کے ذریعہ حصے تقسیم کرنے کا طریقہ) کہتا ہے۔

ابو عبید: میرا خیال ہے کہ انہوں نے بچوں کو ایک دوسرے پر ترجیح دینے کے سلسلے میں قرعہ اندازی کی ہوگی اور پھر اسے بُرا خیال کیا ہوگا اور یہ رائے قائم کی ہوگی کہ ان سب کے ساتھ مساویانہ سلوک کیا جائے۔

دودھ پلائی کے اخراجات کی ذمہ داری وارث ہے

میرا خیال یہ بھی ہے کہ عمر بن عبدالعزیز اس رائے کے قائل تھے کہ دودھ پیتے بچہ کو وظیفہ نہیں دیا جائے گا۔ بلکہ دودھ چھٹنے کے بعد بچہ کا وظیفہ مقرر ہوگا۔ اگر ان کی یہی رائے تھی تو میرا خیال ہے ان کا استدلال قرآن مجید کی اس آیت سے ہوگا:

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا لَا تُضَارَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُودٌ لَهُ بِوَلَدِهِ وَعَلَى الْوَارِثِ

مائیں اپنی اولاد کو پورے دو برس دودھ پلائیں (یہ قاعدہ) اس شخص کے لئے ہے جو دودھ پلائی کی مدت پوری کرنا چاہے، اس صورت میں جس کی اولاد ہو وہ (بچوں کا باپ) دستور کے مطابق ان (ماؤں) کی خوراک اور لباس کا کفیل ہوگا۔ کسی نفس کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دی جائے گی۔ کسی ماں کو اُس کے بچہ کی وجہ سے نقصان نہیں پہنچایا جائیگا

مِثْلُ ذٰلِكَ ۔ اور نہ کسی باپ کو اس کے بچہ کی وجہ سے، اور اگر باپ نہ ہو تو) یہی ذمہ داریاں (بچہ کے) وارث پر ہوں گی۔

(البقرہ : ۲۳۳)

جس میں قرآن مجید کہہ رہا ہے کہ دودھ پلائی کی ذمہ داری بچہ کے باپ پر ہوگی، اگر بچہ کا باپ نہ ہو تو بچہ کے پاس مال نہ ہونے کی صورت میں وارث پر یہ ذمہ داری عائد ہوگی لیکن اگر بچہ کے پاس مال ہو تو اس کے مال سے یہ اخراجات ہوں گے[۱] یہی رائے متعدد فقہاء سے منقول ہے :

(۵۸۸) عبداللہ بن معقل کہتے ہیں: "بچہ کی دودھ پلائی کے اخراجات اس کے مال میں سے لئے جائیں گے۔"

(۵۸۹) شریح کہتے ہیں: "دودھ پینے والے بچہ کے اخراجات اس کی میراث کے حصّہ میں سے کئے جائیں گے خواہ وہ میراث کم ہو یا زیادہ۔

(۵۹۰) ابن سیرین کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عُتبہ کے پاس ایک بچہ کی شیرخواری کا مسئلہ دریافت کیا گیا تو انہوں نے اس بچہ کے اخراجات خود اسی کے مال میں سے کرنے کے لئے کہا اور اس بچہ کے ولی یا وارث[۲] سے کہا: "اگر اس بچہ کے پاس مال نہ ہوتا تو میں اس بچہ کی دودھ پلائی کے اخراجات تیرے ذمہ ڈالتا۔"

ملاحظہ فرمائیے قرآن مجید کے الفاظ وہ کہہ رہا ہے :-

وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ اور یہی ذمہ داریاں وارث پر ہوں گی۔

(البقرہ : ۲۳۳)

---

[۱] ہمارے خیال میں دودھ پینے یا دودھ چھڑانے کا زمانہ محل نزاع نہیں ہے۔ اگر اسلامی حکومت نے استحکام کے بعد ہر محتاج وضرورت مند کی کفالت کا ذمہ لے لیا ہو تو وہ اس کے مطابق ہر بچہ کا وظیفہ مقرر کرے گی۔ اس لئے کہ فقراء اور حاجت مندوں کی کفالت از روئے قرآن وسنت اسلامی حکومت کا فریضہ ہے لیکن اگر بچہ کے وارث ضرورت مند نہ ہوں تو پھر وہی رضاعت کے اخراجات برداشت کریں گے۔ (مترجم)۔ [۲] یہ ولی یا وارث کا شک خود ابوعبید کو ہوا ہے۔

(۵۹۱) مجاہد نے ارشاد قرآن :-

وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ۔ (البقرہ : ۲۳۳) اور یہی ذمہ داریاں وارث پر ہوں گی

کی شرح کرتے ہوئے کہا: "بچہ کے وارث پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اس کے باپ کی طرح اس کی دودھ پلائی کے اخراجات کا کفیل ہو۔"

(۵۹۲) حسن کہتے ہیں کہ "عَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ" کا حکم عورتوں کے لئے نہیں بلکہ مردوں کے لیئے ہے۔

(۵۹۳) سعید بن المسیب سے مروی ہے کہ عمر (بن عبدالعزیز) نے ان بچوں کا وظیفہ بند کر دیا جن کا خرچ عورتیں نہیں بلکہ عصبہ وارثین میں سے مرد برداشت کر رہے تھے۔

ابو عبیدؒ:- ہمارا خیال ہے کہ عمر بن عبدالعزیز دودھ چھڑانے تک بچہ کے وظیفہ کے بارے میں یہی خیال رکھتے تھے۔ اس کا ثبوت اس روایت سے بھی ہو رہا ہے:

(۵۹۴) اُمیّہ بن یزید کہتے ہیں کہ میں نے عمر بن عبدالعزیز سے درخواست کی کہ میرے ایک بیٹے کا وظیفہ مقرر کر دیں تو اُنھوں نے کہا: "اگر میں تیرے بیٹے کی طرح کے اپنے بیٹے کو وظیفہ دے رہا ہوتا تو اس تیرے بیٹے کے لئے بھی مقرر کر دیتا۔"

ابو عبیدؒ:- مجھے اس روایت کی کوئی توجیہ اس کے سوا نظر نہیں آتی کہ اس بچہ کا دودھ نہیں چھڑایا گیا تھا۔ اس لئے کہ اس بارے میں ان کی یہی رائے مشہور ہے۔

دودھ پیتے بچہ کو وظیفہ دینے میں اختلاف

(۵۹۵) حضرت عمر بن الخطابؓ کی بھی پہلی رائے یہی تھی کہ جب تک دودھ پیتے بچہ کا دودھ نہ چھوٹے اُس کو وظیفہ نہ دیا جائے لیکن بعد میں یہ خیال چھوڑ کر اُنھوں نے ہر بچہ کا وظیفہ جاری کرتے کا حکم دے دیا۔

(۵۹۶) یہی پہلی رائے حضرات عثمان و علی رضی اللہ عنہما کی بھی تھی۔ اور یہی فتویٰ حضرت حسین بن علیؓ نے بھی دیا تھا۔

ابو عبیدؒ:- الغرض ہم دیکھتے ہیں کہ بچہ کے دودھ پینے کے دوران اس کا وظیفہ

جاری کرنا مختلف فیہ مسئلہ ہے لیکن دودھ چھوٹنے کے بعد بچہ کا وظیفہ جاری کرنے میں کسی کا اختلاف نہیں لیکن یاد رہے کہ یہ وظیفہ ان شہری آبادیوں کے بال بچوں کے لئے ہے۔ جن کے متعلق ہم پہلے باب میں بحث کر چکے ہیں۔ اس لئے کہ ان پر ان کے آباء کے احکام کا اطلاق ہو گا۔

(۵۹۷) ابو قبیل کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطابؓ کے زمانہ میں بچہ کے پیدا ہوتے ہی دس (درہم) والوں میں اس کا اندراج ہو جاتا[1] پھر جب وظیفہ کی عمر کو پہنچتا تو اسے دوسری فہرست میں شامل کر لیا جاتا۔ امیر معاویہؓ نے اپنے دورِ خلافت میں نو مولود کو نکال دیا اور وہ وظیفہ دودھ چھڑائے ہوئے بچہ کے لئے مقرر کر دیا۔ پھر یہ وظیفہ برابر جاری رہا تا آنکہ عمر بن عبدالعزیز بن مروان نے یہ سب وظائف ختم کر دیئے البتہ جنہیں انہوں نے چاہا انہیں باقی رکھا۔

(۵۹۶) سلیمان بن حبیب کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے فوجیوں کے بال بچوں کے لئے دس دس درہم مقرر کئے۔ یہ وظیفہ حضرت عثمانؓ اور ان کے بعد کے خلفاء نے بھی جاری رکھا اور اسے قابلِ میراث قرار دیا کہ ان حاملین وظائف کے مرنے پر ان کے وہ وارث جن کا دس دس (درہم) کی فہرست میں نام نہ ہوتا اس کے وارث بن جاتے تا آنکہ عمر ابن عبدالعزیز کا دور آیا اور انہوں نے مجھ (سلیمان بن حبیب) سے اس مسئلہ میں استفسار کیا تو میں نے انہیں اس کی تفاصیل سے باخبر کیا۔ اس پر انہوں نے اس وظیفہ کے میراث میں پہنچنے کو ناپسند کیا اور عمومیت کے ساتھ ان لوگوں کے بال بچوں کے لئے جن کا نام مسلمانوں کے وظائف کے رجسٹروں میں درج نہ تھا اسے جاری رکھا۔ اس ضمن میں انہوں نے کہا: "میں میراث کا سلسلہ ختم کرتا ہوں اور وظائف کو عمومی طور پر جاری رکھتا ہوں۔" اس پر میں نے کہا: "امیر المومنین! جلدی نہ فرمائیے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ آپ کے اس فیصلہ کو بعد میں آنے والے سند بنا کر وراثت کا سلسلہ ہی ختم کر دیں اور جو عموم آپ نے وظائف کے اجراء میں باقی رکھا ہے اسے نظر انداز کر جائیں"۔ تب انہوں نے کہا: "تم درست کہہ رہے ہو میں انہیں (حسب سابق) چھوڑے دیتا ہوں۔"

---

[1] - یہ حضرت عمرؓ کی بعد کی رائے تھی۔ (ابو عبید)

باب

فئے سے عورتوں اور غلاموں کے وظائف کا بیان

(۵۹۷) سعید بن المسیب سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی ازواجِ مطہرات کا بارہ بارہ ہزار (درہم) وظیفہ مقرر کیا۔ سوائے جویریہؓ اور صفیہؓ کے کہ ان کا وظیفہ چھ چھ ہزار مقرر کیا۔[1]

(۵۹۸) مصعب بن سعد کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے پہلے پہل ہجرت کرنے والی خواتین اسماء بنت عمیسؓ، اسماء بنت ابی بکرؓ، ام معبدؓ جو عبداللہ بن مسعود کی والدہ ہیں۔ کا ایک ایک ہزار وظیفہ مقرر کیا۔

شادی شدہ کو کنوارے سے دُگنا

(۵۹۹) عوف بن مالکؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس جب فئے آتی تو آپؐ اسے اُسی دن تقسیم فرما دیتے تھے۔ آپؐ شادی شدہ کو دو حصے اور کنوارے کو ایک حصہ دیتے تھے۔

(۶۰۰) سفیان بن وہب خولانی کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے (ایک دفعہ فئے) لوگوں میں تقسیم کی، تو ہر تنہا فرد کو آدھا دینار ملا۔ اور جو اپنی بیوی کے ساتھ تھا اسے ایک دینار دیا۔

(۶۰۱) ثعلبہ بن ابی مالک روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے مدینہ کی خواتین میں چادریں تقسیم کیں تو ایک عمدہ چادر بچ گئی۔ یہ دیکھ کر آپ کے بعض مصاحبین نے کہا: "امیرالمومنین! یہ آپ اپنے گھر میں دخترِ رسول اللہؐ ــــ یعنی اپنی زوجہ ام کلثوم بنت علیؓ

[1] اس کی تفصیل نمبر ۵۵۲ میں گذر چکی ہے۔

کو دے دیجئے۔ حضرت عمرؓ نے کہا: "ام سُلیط —— جو انصار کی خواتین میں سے تھیں اور جنہوں نے رسول اللہؐ سے بیعت بھی کی تھی —— اس کی زیادہ حقدار ہیں۔ اس لئے کہ وہ غزوۂ احد میں مشکیں اُٹھا کر ہماری سقائی کر رہی تھیں۔

(۶۰۲) ہشام بن عروہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے میرے والد (عروہ) سے کہا: حضرت عمرؓ ہمارے زعفران اور رَوَرس[۵] کے حصے بھیج دیا کرتے تھے۔

کنیز و غلام کا حصّہ

(۶۰۳) حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس ایک تھیلا آیا جس میں پوتھ تھے چنانچہ آپؐ نے وہ آزاد عورت کو بھی اور کنیز کو بھی۔

(۶۰۴) ابو مُرّہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ نے فئے تقسیم کرتے ہوئے مجھے اسی طرح حصّہ دیا جیسے میرے آقا کو دیا۔

(۶۰۵) مخلد غفاری کہتے ہیں کہ بنی غفار کے تین غلام بدر میں شریک ہوئے چنانچہ حضرت عمرؓ ان میں سے ہر ایک کو سالانہ تین ہزار وظیفہ دیتے تھے۔

ابو عبیدؒ:۔ ابن عُیینہ اس حدیث کی تفسیر میں یہ کہتے تھے کہ حضرت عمرؓ نے ان کے آزاد ہو جانے کے بعد یہ وظیفہ ان کے لئے مقرر کیا تھا لیکن میں کہتا ہوں کہ اگر یہی بات تھی تو جہاں تک ہمارا خیال ہے اُنہیں ان کے آزاد کردہ آقاؤں کے زمرہ میں شامل کیا جاتا اس لئے کہ حضرت عمرؓ کا آزاد غلاموں کے بارے میں یہی طریق کار تھا کہ وہ موالی (آزاد عرب و غیر عرب غلاموں) اور اصلی عربوں کو برابر رکھتے تھے۔

اور ہم نے فئے کے موضوع پر بحث کرتے وقت اس فصل کے شروع میں حضرت عمرؓ کی فئے سے متعلق یہ رائے دی ہے: "کوئی بھی مسلم ایسا نہیں جس کا اس مال (فئے) میں حصّہ نہ ہو۔ بجز ان بعض غلاموں کے جن کے تم مالک ہو۔ (دیکھئے نمبر ۲۲۴ و ۲۲۵) تو اس سے ان کی مراد یہی بدر میں شرکت کرنے والے غلام تھے۔ چنانچہ وہ فئے میں ان کا حق تسلیم کرتے تھے۔ ان کا مذکورہ بالا جملہ ملاحظہ کیجئے اس میں وہ بعض غلاموں کو مستثنیٰ کر رہے ہیں۔ اس

---

[۵] ایک پودا جس کا پھول خوشبودار ہوتا ہے اور زعفرانی رنگ کی جگہ استعمال ہوتا ہے۔

طرح انہوں نے فئے کو عام نہ رکھا بلکہ ان لوگوں کے لئے خاص کر دیا جنہوں نے اسلام کی نمایاں خدمت انجام دی ہو۔

(۶۰۶) اسی موضوع سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی یہ حدیث ہے کہ آپؐ نے آبی اللحم کے آزاد کردہ غلام عُمیر کو غنیمت کے سامان میں سے کچھ دیا۔ عُمیر غلامی کی حالت میں اپنے آقا کے ساتھ جنگِ خیبر میں شریک ہوئے تھے۔

غلام کو مستقل وظیفہ نہیں بلکہ کارکردگی کا صلہ ملتا تھا

یہ ایسی بخشش ہوتی تھی جو غنیمت و فئے میں سے اسلام کی قابلِ ذکر خدمت کرنے والے غلام کو دی جاتی تھی۔ لیکن جہاں تک مستقل وظیفہ کا تعلق ہے تو غلاموں کا اس میں کوئی حصّہ نہیں مسلمانوں کا یہی متفقہ فیصلہ ہے کہ بیت المال میں غلاموں کا کوئی حصّہ نہیں ہے، اس لئے کہ اس کا آقا اس کا حصّہ لے لیتا ہے۔ بایں ہمہ اگر غلام کو الگ سے حصہ دیا جائے تو وہ بھی اس کے آقا کی ملکیّت میں چلا جائے گا اور اس طرح اس (مالک) کو دُگنا حصہ مل جائے گا۔ اس بارے میں صرف غلّہ اور اشیاءِ خوردنی کا استثناء ہے کہ اس کے متعلق حضرت عمرؓ سے روایت ملتی ہے کہ انہوں نے غلاموں کے لئے غلّہ مقرر کیا تھا۔ اس کی تفصیل ہم آگے بیان کریں گے۔ انشاء اللہ۔

اب رہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی وہ حدیث (نمبر ۶۰۳) جس میں پوتھ کا ذکر ہے کہ آپؐ نے آزاد خاتون اور کنیز دونوں کو پوتھ دئے تو اس کی توجیہ یہی ہو سکتی ہے کہ وہ بخشش آپؐ کی ذات سے خاص تھی جو آپؐ نے اپنی ملکیت میں سے دی تھی۔ وہ پوتھ کا تھیلا یا تو آپؐ کو ہدیہ میں ملا تھا یا پھر غنیمت کے خمسؐ سے آپؐ کا حصّہ تھا جس کے آپؐ کلّی مختار تھے۔ اور اس پوتھ کو فئے یا صدقہ کے مال سے کوئی مشابہت نہ تھی۔ اس لئے کہ دوسری طرف ہمیں صاف نظر آرہا ہے کہ آپؐ کے پاس ہجر، بحرین اور دیگر علاقوں سے جزیہ پہنچتا ہے اور ہمیں کوئی مثال ایسی نہیں ملتی کہ آپؐ نے اس میں غلاموں کو شریک کیا ہو۔

مولیٰ اپنے سابقہ آقا کے مساوی ہوگا

اب رہی حضرت ابوبکرؓ کی وہ روایت (نمبر ۶۰۴) جس میں مذکور ہے کہ انہوں نے

فئے کے مال سے غلام کو اس کے آقا کے برابر حصہ دیا تو اس کی توجیہ میری نظر میں یہی ہے کہ وہ غلام اپنے آقا کی ملکیت سے آزاد ہو چکا تھا اور اس طرح وہ دیگر آزاد مسلمانوں کے برابر ہو گیا تھا۔

یہی چیز حضرت عمرؓ کی روایت میں ملتی ہے کہ انہوں نے قریش و انصار کے موالی (آزاد کردہ غلام) کو اتنا ہی حصہ دیا جتنا ان کے (سابقہ) اصل عرب مالکوں کو دیا۔ اور وظائف کی تقسیم میں ان کے درمیان برابری قائم رکھی۔

ہمیں حضرات ابوبکرؓ و عمرؓ کی روایات کی یہی توجیہ نظر آتی ہے اور ہمارا خیال ہے کہ ان دونوں حضرات نے یہ فیصلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث پر کیا ہے کہ:

مَوْلَى الْقَوْمِ مِنْهُمْ : کسی قوم کا آزاد کردہ غلام انہی میں شمار ہوگا

ان تمام مسائل سے متعلق احادیث موجود ہیں:[۵]

---

[۵] یہاں کتاب الاموال کا دوسرا جزء ختم ہوتا ہے والحمد للہ رب العلمین وصلواتہ علی محمد وعلی آلہ وسلم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رَبِّ یَسِّرْ وَاَعِنْ بِفَضْلِکَ

باب

فئے میں سے لوگوں کا روزینہ مقرّر کرنا

(۶۰۷) قیس بن حازم کہتے ہیں جب حضرت عمرؓ شام تشریف لائے تو حضرت بلالؓ ان کے پاس آئے۔ اس وقت حضرت عمرؓ کے دربار میں لشکروں کے امراء بھی موجود تھے۔ حضرت بلالؓ پکارنے لگے: "اے عمرؓ! اے عمرؓ!" حضرت عمرؓ نے کہا: "یہ رہا عمر"۔ تب حضرت بلالؓ نے کہا: "تم ان عوام اور اللہ کے درمیان واسطہ ہو۔ اور تمہارے اور اللہ کے درمیان کوئی نہیں ہے۔ تم اپنے سامنے کے لوگوں داہنی جانب والوں اور بائیں جانب والوں پر نگاہ ڈالو۔ خدا کی قسم۔ یہ لوگ جو تمہارے پاس آئے ہوئے ہیں صرف پرندوں کا گوشت کھا کر جی رہے ہیں"۔ حضرت عمرؓ نے کہا "اے بلال تم سچ کہتے ہیں۔ میں اس مجلس سے اُس وقت تک نہیں اُٹھوں گا تاوقتیکہ یہ (امراء) میری طرف سے اس بات کی ضمانت نہ

فئے سے راشن (راتب)

لے لیں کہ ہر مسلم فرد کو دو مُدّ گیہوں اور اُن کے مطابق سرکہ اور تیل ملتا رہے گا۔ اس پر ان لوگوں نے کہا: "اے

ے۔ یہاں اصل میں مُدّ لکھا ہے۔ یہ چھوٹا پیمانہ ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ یہ "مُدی" ہوگا۔ اس لئے کہ دو مُدّ کسی طرح بھی ایک شخص کے لئے مہینہ بھر کافی نہیں ہو سکتے۔ "مُدی" شام کا بڑا پیمانہ ہے۔ اور دو مدی غلہ ایک فرد کے مہینہ بھر کی خوراک کے لئے کافی ہوتا ہے۔ اس کی شرح اگلی روایات سے ہو رہی ہے بالخصوص ن ۶۱۱ دیکھئے۔

(مترجم)

امیرالمومنین! ہم آپ کی طرف سے ضمانت لیتے ہیں کہ انہیں اتنا ملتا رہے گا۔ اور یہ ہمارا فریضہ ہو گا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے مال و دولت اور محصولات کی فراوانی و کشائش کر دی ہے۔ پھر حضرت عمرؓ نے کہا: "اچھا اب ٹھیک ہے۔"

راتب کی مقدار کا تعین

(۶۰۸) حارثہ بن المضرب کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ایک جریب آٹا گوندھنے کا حکم دیا پھر اس کی روٹیاں پکوائیں اور ان روٹیوں کو زیتون کے تیل میں چور کر ثرید بنوایا۔ بعدازاں تیس آدمیوں کو بلا کر دوپہر کو انہیں وہ ثرید کھلایا اور انہیں واپس بھیج دیا پھر شام کے کھانے پر بھی ایسا ہی کیا۔ بعدازاں کہنے لگے: "فی کس ماہانہ خوراک کے لئے دو جریب غلہ کافی ہے۔" چنانچہ ہر فرد مرد، عورت، غلام ـــــ کا دو دو جریب غلہ ماہوار راتب مقرر کر دیا۔

(۶۰۹) سفیان بن وہب کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اپنے ہاتھ میں مُدی اور قسط دو پیمانے لے کر کہا: "میں نے ہر فرد مسلم کے لئے ماہانہ ایک مُدی گندم، دو قسط سرکہ اور دو قسط زیتون کا تیل مقرر کر دیا ہے۔" حاضرین میں سے ایک شخص نے دریافت کیا "غلاموں کا بھی؟" حضرت عمرؓ نے جواب دیا: "ہاں، غلاموں کا بھی۔"

غلاموں کے لئے راتب

(۶۱۰) عبداللہ بن ابی قیس سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ منبر پر چڑھے اور اللہ کی حمد کے بعد انہوں نے کہا: "ہم نے تمہارے وظائف و راتب ماہانہ مقرر کر دئیے ہیں" پھر اُنہوں نے مدی اور قسط دو پیمانے جو انہوں نے اپنے دونوں ہاتھوں میں لے رکھے تھے انہیں (نمایاں کرتے ہوئے) ہلایا اور کہا: "جو لوگوں کو اس مقررہ مقدار سے کم دے خدا اسے ایسا اور ایسا کرے" یعنی کم دینے والے کو بددُعا دی۔

(۶۱۱) ابوالدرداءؓ سے روایت ہے: "متعدد ایسی برمحل صحیح اور پر ہدایت سنتیں ہیں جنہیں حضرت عمرؓ نے اُمّتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں جاری کیا۔ ان میں سے ایک دو مُدی (غلہ) اور دو قسط (سرکہ اور تیل دینے کی) سُنت ہے۔"

ابوعبیدؒ:۔ ہمارے خیال میں حضرت عمرؓ نے ان غلاموں کو جن کا بیت المال

میں کوئی حصّہ نہیں، جو راتب مقرر کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ ان غلاموں کے آقا بیت المال میں ان (غلاموں کی) جانب سے رضاکارانہ زکواۃ ادا کرتے تھے۔ چنانچہ اس کے عوض ان کے لئے یہ راتب انہوں نے مقرر کر دئے۔ حالانکہ وہ (ادائی زکواۃ) ان پر واجب نہ تھی۔

سعید بن المسیّب نے اس کی تفسیر یوں کی ہے:

(۶۱۳) عبدالخالق بن سلمہ شیبانی کہتے ہیں کہ میں نے سعید بن المسیّب سے صدقۂ فطر کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے کہا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے زمانہ میں صدقۂ فطر کی مقدار فی کس ایک صاع کھجور یا نصف صاع گیہوں مقرر تھی۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں مہاجرین کی ایک جماعت نے ان سے تبادلۂ خیال کرتے ہوئے کہا کہ اگر آپ مناسب خیال فرمائیں تو ہم اپنے غلاموں کی طرف سے دس (صاع) سالانہ بیت المال کو پیش کرتے رہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا: "یہ تمہارا بڑا اچھا خیال ہے اور میری رائے ہے کہ ان (غلاموں) کے لئے میں ماہانہ دو جریب راتب مقرر کر دوں۔" چنانچہ اس طرح امیرالمومنین (عمرؓ) جو کچھ غلاموں کے نام سے لیتے تھے اس سے زیادہ انہیں دے دیا کرتے تھے۔ (لیکن ان کے بعد اب) جب یہ لوگ (حکام) آئے تو کہتے ہیں" ہمیں دس (صاع) دیتے رہو اور ہم (غلاموں کے) دو جریب دینا بند کر دیں گے۔" یہ ان کی غلطی ہے اور اس سے کوئی خوشگوار نتیجہ نہیں نکلے گا۔

باب

فۓ کو نکالنے اور مستحقین میں تقسیم کرنے میں جلدی کرنے کا بیان

رسول اللہؐ کا عمل

(۶۱۳) حسن بن محمد سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم اپنے پاس آنے والے مال پر نہ دوپہر گذرنے دیتے تھے[1] نہ رات۔

ابو عبیدؒ: یعنی آپؐ مال کو تقسیم کرنے اور مستحقین تک پہنچانے میں عجلت سے کام لیتے تھے۔ مگر مال آپؐ کے پاس صبح پہنچتا تو آپؐ دوپہر تک اپنے پاس باقی نہ رہنے دیتے اسی طرح اگر مال شام کے وقت آتا تو آپؐ رات سے پہلے پہلے اسے تقسیم فرما دیتے تھے۔

(۶۱۴) حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: "اگر میرے پاس اُحُد پہاڑ کے برابر سونا ہو تو مجھے بڑی خوشی ہوگی کہ تین راتیں گزرنے سے پہلے پہلے اس میں سے کچھ بھی میرے پاس باقی نہ رہے۔ الا یہ کہ مجھ پر کچھ قرض ہو اور اُسے ادا کرنے کے لئے میں نے کچھ بچا لیا ہو۔"

(۶۱۵) جبیر بن مطعم کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی غزوہ حنین سے واپسی پر میں بھی اور لوگوں کے ساتھ آپؐ کے ہمراہ جا رہا تھا کہ کچھ دیہاتی عرب رسول اللہؐ کے

---

[1] یہاں کتاب میں عربی عبارت "لَمْ یَکُنْ یَقْبَلُ مَالاً" جس کے معنے ہیں مال کو قبول نہیں کرتے تھے لیکن ہمارا خیال ہے کہ آگے وَلَا یُبَیِّتُہٗ کی مناسبت سے پہلے یُقِیْلُ ہوگا۔ اور اسی لحاظ سے ہم نے ترجمہ کیا ہے۔ اسی کی تائید ابو عبید کی آگے مذکور تفسیر بھی کر رہی ہے۔ (مترجم)

تو پیچھے لگ گئے اور آپؐ سے مانگنے لگے۔ مجبوراً آپؐ کو ایک کیکر کے درخت سے لگتے ہوئے گزرنا پڑا۔ آپؐ کی چادر اس میں اُلجھ گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم ٹھہر گئے اور فرمانے لگے "میری چادر مجھے دے دو۔ اگر میرے پاس ان کیکر کے درختوں کے برابر بھی اُونٹ یا مویشی ہوتے تو میں وہ بھی تمہارے درمیان تقسیم کر دیتا۔ اور تم دیکھ لیتے کہ میں نہ تو بخیل ہوں نہ دروغ گو، اور نہ پست ہمّت و بُزدل۔

(۶۱۶ / ۶۱۷) دو مختلف اسناد سے یہی مذکورہ بالا حدیث جبیر بن مطعم اور عمرو بن شعیب سے مروی ہے۔

حضرت عمرؓ کی پریشانی

(۶۱۸) عبدالرحمٰن بن عوفؓ کہتے ہیں: "حضرت عمرؓ نے مجھے بلوایا۔ میرا خیال ہے کہ تقریباً ظہر کا وقت ہو گا۔ میں ان کے پاس پہنچا۔ جب میں مکان میں داخل ہونے لگا تو رونے کی بلند آواز سُنائی دی۔ میں نے کہا: "انا للہ و انا الیہ راجعون۔ واللہ۔ امیرالمومنین کو کوئی سخت مشکل درپیش ہے۔" الغرض میں اُن کی خدمت میں حاضر ہوُا اور میں نے کہا: "اے امیرالمومنین! کوئی بات نہیں۔ پریشان نہ ہو جیئے۔" انہوں نے پہلی بات جو مجھ سے کی یہ تھی: "تم کس خوش خیالی میں ہو؟ واقعتہً میں سخت آزمائش میں ہوں"۔ پھر میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے گھر کے اندر لے گئے۔ جہاں میں نے اُوپر تلے بہت سی تھیلیاں رکھی ہوئی دیکھیں۔ پھر حضرت عمرؓ کہنے لگے "یہ ہے وہ مقام جہاں اللہ کی نظر میں آلِ خطاب کی کوئی وقعت نہیں رہے گی۔ اللہ کی قسم اگر ہم سخاوت کرتے ہوئے اسے تقسیم کر دیں تو میرے سامنے میرے دو پیش رو بزرگوں کی مثال ہے جنہوں نے میرے لئے اس طرح کا قابلِ اقتدا نمونہ چھوڑا ہے۔" یہ کچھ دیکھنے پر میں نے ان سے کہا: "امیرالمومنین! آئیے ہم بیٹھ کر اس مسئلہ میں غور و فکر کریں۔" چنانچہ ہم بیٹھ گئے اور ہم نے ایک فہرست تیار کی جس میں مدینہ والوں کے نام لکھے۔ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں کے نام لکھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی ازواجِ مطہرات کے نام لکھے۔ اور پھر ان کے سوا دوسرے لوگوں کی فہرست مرتب کی۔ اس طرح (ہم نے حساب لگایا تو اس مال میں سے) راہِ خدا میں مجاہدین اور آپؐ کی ازواجِ مطہرات کے حصہ میں چار چار دینار آئے اور ان کے بعد دوسرے لوگوں کے حصّہ میں دو دو۔ تا آنکہ ہم نے

وہ تمام تقسیم کر دیا۔

(۶۱۹) ابنِ عباس رضؓ کہتے ہیں کہ مجھے حضرت عمر رضؓ نے بُلایا۔ جب میں پہنچا تو دیکھا کہ ان کے سامنے بھوسہ کی طرح سونا ہی سونا بکھرا پڑا ہے۔ اُنھوں نے کہا: "آؤ! اسے اپنی قوم میں تقسیم کر دو۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس نے یہ دولت اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضؓ سے روک کر مجھے کیوں دے دی؟ معلوم نہیں اُس نے اِس میں کوئی بھلائی چاہی ہے یا بُرائی؟" پھر میں اسے تقسیم کرنے میں منہمک ہو گیا تو مجھے رونے کی آواز سنائی دی۔ مَیں نے دیکھا کہ حضرت عمر رضؓ رو رہے تھے اور روتے ہوئے کہتے جا رہے تھے: "قسم اس ذات کی جس نے محمدؐ کو حق کے ساتھ نبی بنا کر بھیجا یہ ناممکن ہے کہ اُس نے یہ دولت اپنے نبیؐ اور ابوبکر رضؓ سے تو کسی برائی کے قصد سے روک لی ہو اور عمر کو یہ دولت کسی بھلائی کے قصد سے دے دی ہو"

معاویہؓ اور بیت المال کی فاضل دولت

(۶۲۰) عطیہ بن قیس کہتے ہیں کہ امیر معاویہ رضؓ نے ہمارے سامنے تقریر میں کہا: تمہارے بیت المال میں ان وظائف کے بعد کچھ بچ رہتا ہے جو تم کو دیئے جا رہے ہیں۔ میں اس بچنے والے مال کو تمہارے درمیان تقسیم کر رہا ہوں لیکن یاد رکھو اگر آئندہ سال کچھ بچا تو وہ تقسیم ہو گا، نہ بچا تو اس بارے میں ہم پر خفگی کا اظہار نہ کرنا۔ اس لئے کہ یہ مال ہمارا تو ہے نہیں۔ یہ تو وہ فئے ہے جو اللہ تعالیٰ تمہارے لئے بھیجتا ہے۔"

بیت المال کی فاضل دولت کے لئے عمر بن عبدالعزیز کے مصارف

(۶۲۱) عمر بن عبدالعزیز نے عبدالحمید بن عبدالرحمٰن کو — جو عراق میں تھے — لکھا: "لوگوں کو اُن کے وظائف دے دو۔" اس کے جواب میں عبدالحمید نے لکھا: "میں لوگوں کے مقررہ وظائف دے چکا ہوں اور اس پر بھی بیت المال میں مال بچا ہوا ہے۔" اس پر عمر بن عبدالعزیز نے جواب میں لکھا: "اب ایسے لوگوں کو دیکھو جو مقروض ہوں۔ لیکن انھوں نے یہ قرضہ کسی فضول خرچی یا بے راہ روی کے سلسلہ میں نہ لیا ہو۔ اور ان کے قرض (بیت المال میں بچی ہوئی رقم سے) ادا کر دو۔" اس پر عبدالحمید نے انہیں لکھا: "میں نے ایسے مقروض افراد کے قرض بھی ادا کر دئیے ہیں۔ بایں ہمہ

بیت المال میں رقم باقی رہتی ہے۔" اس پر عمر بن عبدالعزیز نے انہیں لکھا: "اب ایسے کنواروں کو تلاش کرو جو نادار ہوں اور وہ یہ پسند کریں کہ تم ان کی شادی کرادو۔ تو تم ان کی شادی کرکے اُن کی طرف سے اُن کے ذمہ واجب الادا مہر بھی ادا کردو۔" اس کے بعد عبدالحمید نے انہیں لکھا: "مجھے جتنے بھی کنوارے ملے میں ان کی شادی بھی کرا چکا ہوں۔ بایں ہمہ بیت المال میں رقم باقی رہتی ہے۔" اس کے جواب میں عمر بن عبدالعزیز نے انہیں لکھا: "اب ایسے لوگوں کو تلاش کرو جن پر جزیہ مقرر ہے اور وہ اپنی زمین کا انتظام نہیں کر پاتے ہیں۔ ایسے ذمیوں کو اتنی رقم قرض دو کہ وہ اپنی زمین کا بندوبست کرسکیں۔ اس لئے کہ ان سے ہمارا واسطہ ایک دو سال کے لئے نہیں ہے۔"

باب

غنیمت و فئے کا فرق۔ نیز یہ کہ ان دونوں مدّوں میں سے کون سی مد سے فوجیوں کے وظائف اور بال بچوں کے روزینے جاری کئے جائینگے

(۶۲۲) عمرو بن السائب بن الاقرع اپنے والد سے روایت کرتے ہیں:۔
مسلمانوں پر اتنے وسیع پیمانہ پر یورش کی تیاری ہوئی کہ اس کی نظیر سابقہ زمانہ میں نہیں ملتی۔ چنانچہ جب اس یورش کی اطلاع حضرت عمرؓ کو ملی تو انہوں نے مسلمانوں کو اکٹھا کیا، پھر اللہ کی حمد وثنا کے بعد انہیں اس تیاری کی خبر دی اور فرمایا: "اس بارے میں اپنی اپنی آراء کا مختصراً اظہار کیجئے اور بات کو بڑھائیے نہیں کہ اس طرح معاملات کا نظم وضبط بگڑ جاتا ہے اور سرا نہیں ملتا۔"

چنانچہ حضرت طلحہؓ کھڑے اور اُنہوں نے اپنا مشورہ پیش کیا۔ پھر حضرت زبیرؓ کھڑے ہوئے اور انہوں نے اپنی رائے بیان کی۔ پھر حضرت عثمانؓ کھڑے ہوئے اور اُنہوں نے اپنی تجویز پیش کی۔ یہ سب باتیں ایک طویل روایت میں مذکور ہیں[۱]۔
بعد ازاں حضرت علیؓ کھڑے ہوئے اور اُنہوں نے کہا:
"یا امیر المومنین! یہ مخالفین حملہ آور شرک میں گرفتار ہیں۔ یہ لوگ جسے ناپسند کر رہے ہیں

[۱]۔ دیکھئے تاریخ طبری ۲۱ھ کے حوادث کے تحت ج ۴ ص ۲۳۷۔ نیز کتاب الخراج، ابو یوسف ۱۴۸۔ اور فتوح البلدان للبلاذری ۳۰۲ (از حاشیہ کتاب الاموال)

اللہ تعالیٰ اسے بدلنے میں بڑی قدرت رکھتا ہے۔ اس بارہ میں میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ اہل کوفہ کو یہ پیغام بھیج دیں کہ ان (کے فوجیوں) کی دو تہائی تعداد حملہ آوروں سے مقابلہ کرنے کے لئے چلی جائے اور ایک تہائی بال بچوں کی دیکھ بھال اور جزیہ کے انتظام کے لئے رہ جائے اور آپ اہل بصرہ کے پاس بھی پیغام بھیج دیں کہ خاموشی سے لشکر تیار رکھیں۔

بعدازاں حضرت عمرؓ نے فرمایا "مجھے مشورہ دو کہ میں جنگ کرنے والے لشکر کی قیادت کس کے سپرد کروں؟" لوگوں نے کہا "اے امیرالمومنین! آپ ہم میں سب سے بہتر رائے والے ہیں اور اپنے آدمیوں کو ہم سے زیادہ جانتے ہیں"۔ چنانچہ انہوں نے کہا "میں ان پر ایسا قائد مقرر کروں گا جو پہلا نیزہ خود کھائے گا۔ جاؤ اے سائب ابن الاقرع! اور میرا یہ خط لے جاکر نعمان بن مقرن کو دے دینا۔ پھر اسے اس تجویز پر عمل پیرا ہونے کا حکم دینا۔ جو علیؓ نے پیش کی اور دیکھو اگر نعمان بن مقرن شہید ہو جائیں تو ان کی جگہ حذیفہ بن الیمان لے لیں۔ اگر حذیفہ بھی شہید ہو جائیں تو پھر جریر بن عبداللہ ان کی جانشینی کریں۔ اور دیکھو اگر یہ لشکر قتل ہو جائے تو پھر میں تمہیں زندہ نہ دیکھوں۔ اور جو مالِ غنیمت اس لشکر کے ہاتھ لگے اس کی نگرانی تمہارے ذمہ ہے۔ خبردار! کوئی ناحق چیز مجھ تک نہ پہنچانا۔ اور حقدار کو اس کے حق سے ہرگز محروم نہ رکھنا۔"

سائب کہتے ہیں کہ میں حضرت عمرؓ کا خط لے کر نعمان کے پاس پہنچا۔ چنانچہ وہ اہل کوفہ کے دو تہائی لشکر کو لے کر نکل گئے اور اہل بصرہ کو پیغام پہنچا دیا۔ یہ لشکر ان کی قیادت میں بڑھتا رہا تاآنکہ نہاوند کے مقام پر اس کا دشمنوں سے مقابلہ ہوا ——— بعدازاں سائب نے پورے معرکہ نہاوند کی تفصیلات بیان کیں۔ جس میں بتایا کہ ——— مسلمانوں نے غنیم پر حملہ کر دیا اور سب سے پہلے نعمان نے جامِ شہادت نوش کیا۔ ان کے بعد جھنڈا حذیفہ نے لیا اور اللہ نے دشمنوں پر انہیں فتح نصیب کی۔ میں نے مالِ غنیمت اکٹھا کیا اور لشکریوں میں اسے تقسیم کر دیا۔ بعد میں میرے پاس ذوالعُیَینتین آیا اور اس نے کہا "نخیرجان کا خزانہ قلعہ میں ہے"[1] چنانچہ میں

---

[1] ۔ طبری کی روایت کے مطابق ایک آتش کدہ کے نگران نے اپنی جان بخشی کے عوض اس خزانہ کا سراغ دیا تھا۔ دیکھئے تاریخ طبری ۴ : ۲۴۳ (از حاشیہ کتاب الاموال)

وہاں گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ہیرے جواہرات سے بھرے ہوئے دو تھیلے وہاں رکھے ہیں۔ مَیں نے اپنی زندگی میں ان جیسے دو تھیلے کبھی نہیں دیکھے تھے۔ اب میں سوچ میں پڑ گیا۔ یہ تھیلے نہ تو مالِ غنیمت تھے کہ انہیں لشکریوں میں تقسیم کر دوں اور نہ میں انہیں جزیہ ہی متصور کر سکا۔

بعدازاں میں حضرت عمرؓ کے پاس پہنچنے کے لئے روانہ ہوا۔ انہیں اس معرکہ کی اطلاع ملنے میں دیر ہو گئی تھی اور وہ اس انتظار میں مدینہ کے مضافات میں گشت لگایا کرتے اور آتے جاتے سے دریافت کرتے رہتے۔ جب انہوں نے مجھے دیکھا تو کہا: "اے ابنِ ملیکہ! تیرا بُرا ہو جلدی بتا کیا خبر لایا ہے؟" مَیں نے عرض کی: "یا امیرالمومنین۔ حالات بالکل آپ کی مرضی کے مطابق ہیں"۔ بعدازاں مَیں نے واقعہ کی تمام تفصیلات بیان کیں۔ نعمان کی شہادت سے لے کر لشکر کی ظفر مندی تک۔ پھر ان دو تھیلوں کا مسئلہ بیان کیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: "جاؤ، ان دونوں کو لے جا کر بیچ دو۔ اُن کے عوض جو درہم یا کم و بیش ملے اسے ان لشکریوں کے درمیان تقسیم کر دو۔" میں انہیں لے کر کوفہ آیا۔ جہاں عمرو بن حریث نامی ایک قریشی جوان میرے پاس آیا اور اُس نے وہ تھیلے مجھ سے (مسلمانوں کے) بال بچوں اور فوجیوں کے مقررہ وظائف بھر رقم کے عوض خرید لئے۔ پھر وہ ان میں سے ایک تھیلا لے کر حیرہ گیا اور اُس ایک کو اتنے میں فروخت کر دیا جتنے میں مجھ سے دونوں لئے تھے۔ اور یہ پہلا سرمایہ تھا جو اُس کے ہاتھ لگا۔

ابوعبیدؒ:۔ یہ روایت غنیمت اور فئے کے درمیان حدِّ فاصل قائم کر رہی ہے۔ ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ اس مسئلہ میں سائب کو اشکال لاحق ہو گیا تھا اور وہ یہ فیصلہ نہ کر سکے تھے کہ یہ ہیرے اور جواہرات ان دونوں مدّوں میں سے کسی ایک مد میں شامل کر دیں۔ تا آنکہ اُنہوں نے یہ مسئلہ حضرت عمرؓ سے دریافت کیا۔ اس اشکال کی وجہ یہ تھی کہ نہ تو یہ خزانہ براہِ راست جنگ میں ہاتھ لگا تھا کہ اسے غنیمت شمار کر لیا جاتا اور نہ جزیہ کے ضمن میں ذمیوں سے حاصل ہوا تھا کہ فئے قرار دیا جاتا۔ بلکہ اس کی حیثیت ان دو توں صورتوں کے درمیان ایک نئی صورت تھی۔ اسی بناء پر انہیں اس کے فیصلہ میں شک گذرا اور انہیں حضرت عمرؓ سے دریافت کرنا پڑا۔ اور حضرت عمرؓ نے انہیں حکم دیا کہ وہ اسے فروخت کر کے اس کی قیمت بال بچوں کے روزینوں اور فوجیوں کے وظائف میں تقسیم کر دیں اور یہ حکم

نہ دیا کہ اس کے (غنیمت کی طرح) پانچ حصے کئے جائیں۔ اس طرح اُنہوں نے ہمیں بتا دیا کہ اُنہوں نے اس مال کو فئے قرار دیا۔ اور یہی غنیمت اور فئے کے درمیان فرق ہے۔ یعنی

مالِ غنیمت اور فئے میں حدِّ فاصل

جو مال مشرکین سے دورانِ جنگ بجبر و قوّت حاصل ہو وہ غنیمت کہلائے گا۔ اس کے پانچ حصے کئے جائیں گے اور وہ سب کا سب اپنے متعین و مخصوص مستحقین کو ملے گا۔ عوام الناس کو اس میں سے کچھ نہیں ملے گا۔ اور وہ مال جو جنگ کے ختم ہونے اور علاقہ کے (فتح ہونے کے بعد) دار الاسلام بن جانے پر ملے "فئے" کہلائے گا اور وہ تمام لوگوں کے لئے عام ہوگا۔ اس میں سے پانچواں حصہ الگ نہیں کیا جائے گا۔ اور یہی صورت اس مال کی بھی ہوگی جو اہلِ حرب سے جنگ ہونے سے پہلے ہاتھ لگے مثلاً ایک اسلامی لشکر دشمن سے مقابلہ کے لئے نکلا۔ جب دشمن کو اس کی اطلاع ملی تو انہوں نے اپنے بچاؤ کے لئے اس شرط پہ مال دینے کی پیش کش کی کہ مسلمان اس مال کو قبول کر کے حملہ کئے بغیر واپس چلے جائیں۔ اور مسلمان ان کی شرط کے مطابق وہ مال قبول کر کے ان کے علاقہ میں اُترے بغیر ہی واپس ہو گئے۔

یہی مضمون ایک تفسیری بیان میں ضحاک سے منقول ہے۔

(۶۲۳) ضحاک بن مزاحم کہتے ہیں کہ جو قلعہ بند آبادی اپنی جان بچانے کے لئے جنگ کئے بغیر فدیہ ادا کرنے کی پیش کش کر دے۔ خواہ وہ لشکر کو دیکھ چکی ہو — تو اس سے حاصل شدہ مال تمام مسلمانوں کے لئے (فئے) ہوگا۔

ابو عبیدؒ:۔ ضحاک کی رائے یہ ہے کہ ایسا مال "فئے" ہوگا نہ کہ غنیمت۔ اس لئے کہ یہ جنگ سے پہلے ہی حاصل ہوا ہے۔ اور ایسی ہی تفسیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی اس حدیث کی بھی کی گئی ہے جس میں آپؐ کے ان دیناروں کی تقسیم کا ذکر ہے جو قیصر نے آپؐ کی خدمت میں ارسال کئے تھے۔

(۶۲۴) بکر بن عبداللہ المزنی رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے قیصر کو ایک گرامی نامہ تحریر فرمایا جس میں اسے اسلام قبول کر لینے کی دعوت دی۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا قاصد اس کے پاس پہنچا تو قیصر نے اعلان کرنے والے کو حکم دیا جس نے یہ اعلان کیا: "لوگو! قیصر نے نصرانیت چھوڑ دی ہے اور اب اُس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کا دین اختیار کر لیا ہے"، یہ اعلان سنتے ہی اس کے لشکر نے ہتھیار بند ہو کر اس کے محل کو گھیرے میں لے لیا۔ اس پر قیصر نے اپنے منادی کرنے والے کو حکم دیا کہ وہ اعلان کرے: "لوگو! پچھلے اعلان سے قیصر نے تمہارا امتحان لیا تھا کہ دیکھیں تم لوگ اپنے دین پر کس درجہ پختگی سے قائم ہو۔ اب تم واپس چلے جاؤ وہ تم سے رضامند ہو گیا ہے۔" پھر اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے قاصد سے کہا: "مجھے خطرہ ہے کہ میری حکومت جاتی رہے گی"۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو جواب دیتے ہوئے اس نے لکھا: "میں مسلمان ہوں" اور اس نے آپؐ کی خدمت میں دینار بھی بھیجے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس کا خط پڑھا تو فرمایا: "اللہ کا دشمن جھوٹا ہے۔ وہ مسلمان نہیں بلکہ نصرانیت پر ہی قائم ہے"۔ بعد ازاں آپؐ نے وہ دینار تقسیم کر دئے۔

ابو عبیدؒ:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا ان دیناروں کو قبول فرما کر انہیں پانچ حصے کئے بغیر سب کو تقسیم فرما دینا یہ بتا رہا ہے کہ وہ غنیمت نہیں بلکہ "فئے" تھے۔ اس لئے کہ وہ آپؐ کو اہلِ حرب کی طرف سے ملے تھے جن سے لڑنے کے لئے غزوۂ تبوک کے موقع پر لشکر کشی فرمائی تھی۔ اور اسی غزوہ میں آپؐ کو قیصر کا جواب ابھی وصول ہوا تھا۔ اس کی تفصیل مندرجہ ذیل روایت سے ملتی ہے:

(۶۲۵) سعید بن ابی راشد کہتے ہیں "میں اس تنوخی سے حمص میں ملا ہوں جو ہرقل کا ایلچی بن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس پہنچا تھا۔ یہ شخص میرا پڑوسی تھا، بہت بوڑھا اور تقریباً سٹھیا گیا تھا۔ اس کا بیان ہے کہ میں ہرقل کا خط لے کر حضورؐ کی خدمت میں پہنچا۔ آپ تبوک میں تھے۔ آپؐ نے وہ خط ایک شخص کو جو آپؐ کے بائیں جانب تھا دے دیا۔ چنانچہ اُس نے وہ خط پڑھا۔ میں نے کہا: "یہ خط کسے دیا گیا ہے جو اسے پڑھ رہا ہے؟" مجھے بتایا گیا کہ وہ معاویہؓ ہیں پھر جب آپؐ میرا [لایا ہوا] خط سُن چکے تو آپؐ نے فرمایا "بلاشبہ تمہارا حق ہے۔ تم پیامی ہو۔ ہم مسافر ہیں۔ اگر ہمارے پاس کوئی انعام ہوتا تو ہم تمہیں وہ دے دیتے۔" ایک شخص کھڑا ہوا

اور اس نے کہا: "میں اسے انعام دیتا ہوں"۔ اور اس نے اپنا سامانِ سفر کھولا اور ایک جوڑا لا کر میری گود میں رکھ دیا"۔ میں نے پوچھا "یہ انعام دینے والا کون ہے؟" لوگوں نے جواب دیا: "عثمان رضؓ"۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: "اب اس کی مہمانی کون کرے گا؟" انصار کے ایک نوجوان نے کہا: "میں"۔ اور وہ انصاری مجھے اپنے ساتھ لے گیا اور میں اس کے ساتھ رہا۔

ابو عبیدؒ:- میرا خیال ہے کہ ہرقل کی طرف سے آپؐ کو ملنے والے دینار تبوک ہی میں آپؐ کو ملے تھے۔ اس لئے کہ المزنی کی حدیث (نمبر ۶۲۴) کے مطابق وہ خط کے ساتھ ہی آئے تھے۔ اور ہمیں کوئی روایت ایسی نہیں ملتی جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ اس ایک خط اور اس کے جواب کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم اور ہرقل کے درمیان مراسلت ہوئی ہو۔ لہٰذا ہماری رائے کے مطابق یہی وہ خط تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ان دیناروں کو ہدیہ یا غنیمت کیوں قرار نہ دیا اور "فئے" کیوں قرار دیا۔ ہمارے خیال میں اس کا جواب یہ ہے کہ اس وقت جب آپؐ کو یہ دینار ملے، آپؐ روم کا رُخ کئے ہوئے تھے۔ اور اس پیش قدمی میں ابھی تک آپؐ نے جنگ نہیں کی تھی کہ اس کی وجہ سے ان دیناروں کی حیثیت غنیمت ہو جاتی۔ نہ ہی یہ دینار آپؐ کو لشکر کشی سے قبل مدینہ میں ملے تھے کہ اُن کی حیثیت ہدیہ کی ہو جاتی۔ اس کے برخلاف یہ دینار ہرقل نے آپؐ کو اس وقت بھیجے جبکہ آپؐ اس کی طرف پیش قدمی فرما رہے تھے۔ اندریں حالات میری نظر میں ان کی حیثیت "فئے" کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتی۔ اور اگر یہ ہدیہ ہوتے تو آپؐ انہیں قبول نہ فرماتے۔ اس لئے کہ ہمارے نزدیک آپؐ کا ثابت شدہ طرزِ عمل اس بارے میں یہی رہا ہے کہ آپؐ نے کبھی کسی اہلِ حرب مشرک کا ہدیہ قبول نہیں فرمایا۔ اس بارے میں بہت سی احادیث مذکور ہیں:-

اہلِ حرب مشرک کا ہدیہ رسول اللہؐ قبول نہ فرماتے تھے

(۶۲۶) حضرت حسنؓ سے روایت ہے کہ اسلام سے قبل عیاض بن حمار مُجاشعی کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے میل ملاپ

تھا۔ جب اسلام کا دور آیا تو اس نے حضور ؐ کو ایک ہدیہ پیش کیا جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے یہ کہتے ہوئے واپس فرما دیا: "ہم مشرکوں کا عطیہ قبول نہیں کرتے ہیں۔"

(۶۲۹)[۵] عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن کعب نے علماء کی محفل میں یہ روایت بیان کی کہ عامر بن مالک۔ ملاعب الاسنہ۔ شرک کی حالت میں حضور ؐ کے پاس آیا۔ آپ ؐ نے اسے اسلام پیش کیا۔ لیکن اس نے آپ ؐ کی دعوت قبول نہ کی۔ پھر اس نے حضور ؐ کو ہدیہ پیش کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: "میں مشرک کا ہدیہ قبول نہیں کرتا ہوں۔"

(۶۳۰) ابن بُریدہ کہتے ہیں کہ عامر بن الطُّفیل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں ایک گھوڑا بطور ہدیہ بھیجا اور لکھا کہ میرے پیٹ میں پھوڑا سا نکل آیا ہے آپ ؐ اپنے پاس سے میرے لئے کوئی دوا روانہ فرمائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے وہ گھوڑا تو واپس کر دیا۔ اس لئے کہ وہ (عامر) مسلمان نہ تھا۔ اور اُسے شہد سے بھرا ہوا ایک مشکیزہ "ہدیۃً" بھیجا اور فرمایا: "اپنی بیماری کا اس سے علاج کر لو۔"

ابو عبیدؒ:۔ اس عامر کے بارے میں علماء حدیث کا خیال ہے کہ وہ عامر بن الطفیل ہے اور سیرت نگاروں کا کہنا ہے کہ یہ ابوالبراء عامر بن مالک ہے۔ نیز یہ کہ عامر بن الطفیل مرتے دم تک رسول اللہ ؐ کی دشمنی پر کمربستہ رہا۔

ایک روایت یہ بھی ملتی ہے کہ آپ ؐ نے ابوسفیان کا ہدیہ قبول فرما لیا تھا۔

(۶۳۱) عکرمہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان کو جبکہ وہ مکّہ میں عمرو بن اُمیّہ کے ساتھ تھے عمدہ کھجوروں کا ہدیہ بھیجا اور اس سے "ہدیۃً" (دباغت دیئے ہوئے) چرم کی اپنے لئے فرمائش لکھ بھیجی۔ چنانچہ ابوسفیان نے آپ ؐ کی مطلوبہ فرمائش آپ ؐ کو پیش کر دی۔

ابو عبیدؒ:۔ ہمارے خیال میں اس کی توجیہ یہ ہے کہ یہ ہدیہ اس صلح کی مدّت کے دوران ملا تھا جو فتح مکہ سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم اور باشندگانِ مکہ کے درمیان ہوئی تھی۔

---

[۵] یہاں سے نمبر غلط ہو گئے ہیں۔ بجائے ۶۲۷ کے ۶۲۹۔ اصل سے مطابقت کی بنا پر ہم بھی وہی نمبر دے رہے ہیں۔ (مترجم)

جنگ کے دوران نہیں ملا تھا۔

اسی طرح قبطیوں کے سربراہ اسکندریہ کے حاکم مقوقس کا ہدیہ قبول کر لینے کا معاملہ بھی ہے :۔

(۶۳۲) روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے جب حاطب ابن ابی بلتعہ کے ہاتھ اپنا گرامی نامہ بھیجا تو اس (مقوقس) نے حاطب کا احترام اور اُن کے ساتھ نیک سلوک کیا۔ نیز ان کے ہاتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو جواب بھیجا جس میں لکھا : "مجھے علم تھا کہ ایک نبی باقی رہ گیا ہے ۔ اور میرا گمان تھا کہ وہ ملک شام سے نمودار ہوگا" اور اُس نے آپؐ کی خدمت میں ماریہ (نامی کنیز) ہدیۃً پیش کی جن کے بطن سے رسول اللہؐ کے صاحبزادے ابراہیم پیدا ہوئے۔ نیز اُس نے ایک خچر اور دیگر اشیا ہدیۃً بھیجیں جنہیں حضورؐ نے قبول فرما لیا تھا۔

ابو عبیدؒ۔ ہمارا خیال ہے کہ اُس نے آپؐ کی نبوت کا اعتراف کر لیا تھا اور بظاہر آپؐ کو نہیں جھٹلایا۔ نہ اس نے رسول اللہؐ کو اپنے اسلام قبول کرنے سے نا اُمید کیا۔ چنانچہ ان وجوہ کی بناء پر حضورؐ نے اس کا مرسلہ ہدیہ قبول فرما لیا تھا۔

(۶۳۳) رہ گیا نجاشی سو وہ مسلمان ہوگیا تھا۔ اور اسی لئے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کو اس نے ہدیہ بھیجا تو آپؐ نے اسے قبول فرما لیا تھا۔

(۶۳۴) یہی صورت اُکیدر کی ہے۔ البتّہ اس کا قبولِ اسلام بعض شرائط سے مشروط تھا جس کی رُو سے کچھ اُس سے لیا گیا تھا اور کچھ اُسے دیا گیا تھا۔ اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اسے خط لکھ دیا تھا جسے ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے مکاتیبِ گرامی کے ضمن بیان کر آئے ہیں۔ (دیکھئے نمبر ۵۰۸)

ابو عبیدؒ۔ الغرض ہماری رائے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے جو سنّت ثابت ہے وہ یہی ہے کہ آپؐ نے اپنے ساتھ جنگ کرنے والے مشرک کا ہدیہ کبھی قبول نہیں فرمایا۔

مندرجہ بالا تفصیلات کے ذریعہ ہم "غنیمت" اور "فیٔ" کے فرق کو بیان کر چکے ہیں۔

صدقہ (زکوٰۃ) کی تعریف
وہ نہ فیٔ ہے نہ غنیمت

اب رہا "صدقہ" تو اس کے متعلق یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ مذکورہ بالا دونوں مدوں میں سے کسی میں نہیں آتی۔ وہ

جُداگانہ ایک مد ہے جو مسلمانوں کے اموال کی زکوٰۃ ہوتی ہے۔ اور اس کے مصارف وہی آٹھ ہیں جنہیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید کی سورۃ براءۃ (التوبۃ ۹: ۶۰) میں متعین فرما دیا ہے۔ اور اس میں سے لڑنے والوں (فوجیوں) کو وظائف و عطیے نہیں دیئے جائیں گے۔ یہ مسئلہ عروۃ بن الزبیر سے منقولہ روایت میں وضاحت سے مذکور ہے:-

(۶۳۵) عروۃ کہتے ہیں: "میں نے مروان بن الحکم کو منبر پر کھڑے ہو کر یہ کہتے سُنا کہ امیرالمومنین معاویہؓ نے حکم دیا ہے کہ تمہارے وظائف و عطیے بغیر کمی کے پورے پورے ادا کیئے جائیں۔ انہوں نے تمہارے لیئے پورا زور لگایا تاہم رقم میں ایک لاکھ (درہم) کی کمی باقی رہ گئی۔ اس لئے کہ انہوں نے تمہارے ذمہ لگائے ہوئے محصول و واجبات میں کمی کر دی ہے۔ تاہم اُنہوں نے مجھے لکھ دیا ہے کہ جب یمن کے صدقہ کی رقم ہمارے ہاں سے گذرے تو میں اس میں سے یہ رقم لے لوں"۔ یہ سُننا تھا کہ لوگ اپنے گھٹنوں کے بل کھڑے ہو گئے۔ میں نے ان پر نظر ڈالی۔ وہ کہہ رہے تھے "نہیں۔ بخدا ہم اس میں سے ایک درہم بھی نہیں لیں گے۔ کیا ہم دوسروں کا حق ماریں؟ یمن سے آنے والا مال تو "صدقہ" ہے۔ اور صدقہ یتیموں اور مسکینوں کے لیئے ہے۔ ہمارے وظائف کی رقوم تو جزیہ سے ملتی ہیں۔ آپ معاویہؓ کو لکھ دیجیئے کہ وہ ہمارے وظائف کی باقیماندہ رقم ہمیں بھیج دیں۔" چنانچہ انہوں نے ان کا مطالبہ معاویہؓ کو لکھ بھیجا اور معاویہؓ نے اُن کی وہ بقیہ رقم اُن کے پاس بھیج دی۔

باب

وظائف وعطیّات کا مستحق ہو چکنے کے بعد مر جانے والے کے ساتھ کیا طرزِ عمل اختیار کیا جائیگا

(۶۳۶) حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں: میں معرکہ جلولاء میں شریک تھا۔ اس میں حاصل شدہ غنیمت کا ایک حصہ میں نے چالیس ہزار (درہم) میں خرید لیا۔ جب میں حضرت عمرؓ کے پاس پہنچا تو انہوں نے مجھ سے کہا: "بتاؤ اگر مجھے جہنم کے سامنے پیش کیا جائے اور تم سے کہا جائے کہ اسے بچانے کے لئے فدیہ ادا کرو تو کیا تم مجھے آگ سے بچانے کے لئے فدیہ دے دو گے؟ اس پر میں نے کہا: "بخدا کوئی چیز بھی جو آپ کے لئے ایذا رساں ہو میں ضرور اس سے آپ کو بچانے کی کوشش کروں گا۔" پھر انہوں نے کہا: "میری آنکھوں کے سامنے لوگوں کا وہ منظر ہے جب وہ یہ سودا کر رہے تھے۔ اور کہہ رہے تھے: "عبداللہ بن عمر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے صحابی، امیر المومنین کے فرزند اور ان کے سب لوگوں سے زیادہ محبوب ہیں"۔ اور واقعۃً تم ہو بھی ایسے ہی۔ یہی سبب ہے کہ لوگ کسی سودے کو تمہارے ہاتھ سو (درہم) رعایت کر کے فروخت کرنا تو گوارا کریں گے لیکن تم سے ایک درہم زیادہ لینا پسند نہ کریں گے۔ اور تم جانتے ہو کہ میری حیثیت ایک ذمہ دار قاسم کی ہے۔ ایک قریشی تاجر زیادہ سے زیادہ اپنے سودے پر جو نفع کماتا ہے اتنا میں تمہیں دینے کو تیار ہوں۔ تمہیں ایک درہم پر ایک ہی درہم نفع مل جائے گا۔" بعد ازاں انہوں نے سوداگروں کو بلوایا جنہوں نے وہ حصۂ غنیمت ان سے چار لاکھ (درہم) میں خرید کیا۔ پھر انہوں نے اس قیمت میں سے مجھے اسی ہزار دے دئے اور باقی رقم سعد بن ابی وقاصؓ کو یہ پیغام دے کر بھیج

مرنے والے مجاہدین کا حصہ اُن کے ورثا میں تقسیم ہوگا

دی کہ اسے معرکۂ جلولا میں حصہ لینے والوں میں تقسیم کردو۔ اور جو ان میں سے مر چکا ہو تو اس کا حصہ اس کے وارثوں کو دے دو۔

وظیفہ کا مستحق ہو کر مرنے والے کا وظیفہ اُس کے وارث کو ملے گا

(۶۳۷) معقل بن عبید اللہ سے روایت ہے کہ عمر بن عبدالعزیز کا طرزِ عمل اس شخص کے بارے میں جو وظیفہ کا مستحق ہونے کے بعد مر جاتا یہ تھا کہ وہ اس کا وظیفہ اس کے وارثوں کو دے دیتے تھے۔

(۶۳۸) اوزاعی کہتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز نے لکھا: "وظائف وعطیات کے مستحقین کی فہرست پر نظر ڈالو۔ اور جسے دیکھو کہ وہ اپنا وظیفہ پا لینے کے بعد پورے سال کام کرتا اپنے بار اُٹھاتا اور اپنے فوجی واجبات پورے کرتا رہا۔ اور پھر اس وقت مر گیا جب لوگوں کو ان کے وظائف جاری کئے جانے کا حکم دے دیا گیا تو ایسے شخص کا وظیفہ اس کے گھر والوں کو دئے جانے کا حکم دے دو جو اس کا واجبی حق ہوگا۔ اسی طرح دیکھو جو کسی فوج میں بھرتی ہو گیا ہو اور اسے اس کا وظیفہ مل چکا ہو جس میں سے اس نے (مہم کی) تیاری پر صرف کر دیا ہو اور پھر وہ مر گیا ہو تو ایسے شخص کے گھر والوں سے کچھ تاوان نہ وصول کرنا۔ اس مرنے والے نے تو اپنا حق لیا ہے۔

(۶۳۹) قیس بن ابی حازم کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی وفات کے بعد حضرت زبیرؓ نے حضرت عثمانؓ سے کہا: "مجھے عبداللہؓ کا وظیفہ دے دو۔ اس لئے کہ عبداللہ کے بال بچے بیت المال کے مقابلہ میں اس رقم کے زیادہ مستحق ہیں۔" چنانچہ حضرت عثمانؓ نے انہیں پندرہ ہزار (درہم) دے دئے۔"

واضح رہے کہ حضرت زبیر از روئے وصیت عبداللہ بن مسعودؓ کے وصی (ان کے مال وجائداد اور بال بچوں کے نگران) تھے۔

ابو عبیدؒ: اس روایت میں ایک فقہی نکتہ ہے۔ اور وہ یہ کہ جب کوئی آدمی وصیت

کر کے دو آدمیوں کو اپنے گھر بار کا نگران مقرر کر دے تو ان میں سے ایک کو دوسرے کے بغیر بھی یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اس کے مال کا مطالبہ کرے۔ اس لئے کہ حضرت زبیرؓ اور عبداللہ بن الزبیر دونوں عبداللہ بن مسعودؓ کے وصی تھے۔ ہم ان دونوں کی یہ روایت کسی اور موقع پر بیان کر چکے ہیں۔ یہاں ہمیں معلوم ہو رہا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے ان دونوں میں سے ایک کو عبداللہ بن مسعودؓ کا مال سونپ دیا تھا۔

مرنے والا جتنی مدّت زندہ رہا اُس مدّت کے وظیفہ کا حقدار ہے

(۶۴۰) حَیّ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص سال کے آٹھ ماہ گذار کر مر گیا تو حضرت عمر بن الخطابؓ نے اسے اس کے پورے سال بھر کے وظیفہ کا دو تہائی دے دیا۔

باب

وظائف کے تعیّن میں قرآنِ مجید کی تعلیم، دیگر علوم نیز آباؤ اجداد کے اسلامی کارنامے انجام دینے میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لینے کی رعایت

(۶۴۱) سعد بن ابراہیم کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے اپنے کسی گورنر کو لکھا تھا:

قرآن مجید سیکھنے پر وظیفہ

"لوگوں کو قرآن مجید سیکھنے پر وظیفے دو۔" اس (گورنر) نے جواب میں انہیں لکھا: آپ نے مجھے لکھا ہے کہ لوگوں کو قرآن مجید سیکھنے پر وظیفے دو۔ چنانچہ یہاں اب ایسے لوگوں نے بھی قرآن مجید سیکھنا شروع کر دیا ہے جنہیں سوائے وظیفہ کے اور کوئی کشش اس تعلیم کے حاصل کرنے میں نہیں ہے۔" اس کا جواب دیتے ہوئے حضرت عمرؓ نے انہیں لکھا: "لوگوں کو شرافت و مروّت اور صحبت کی بناء پر وظائف دو۔[1]

(۶۴۲) اُسَیر بن عمرو کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کو جب یہ اطلاع ملی کہ حضرت سعدؓ نے یہ کہا ہے کہ جو قرآن مجید پڑھے گا میں اس کا نام دو ہزار وظیفہ پانے والوں میں درج کر دوں گا۔ تو اُنھوں نے کہا: "اُف، اُف، کیا کتاب اللہ پڑھنے پر وظائف دیئے جائیں گے۔

(۶۴۳) ابو غیلان کہتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز نے یزید بن ابی مالک دمشقی اور حارث

---

[1] یعنی اچھے لوگوں کی ہم نشینی اور اُن کے ساتھ رہنے پر بھی وظائف دو۔

ابن یحمُد اشعری کو عربی دیہاتیوں (بدوؤں) کو دینی تعلیم کے لئے بھیجا اور اُن کے لئے تنخواہ

قرآن مجید پڑھانے پر تنخواہ

مقرر کردی۔ ان میں سے یزید نے تو تنخواہ قبول کر لی مگر حارث نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس بارے میں حضرت عمرؓ کو لکھا گیا تو حضرت عمرؓ نے اپنے جواب میں لکھا:" یزید نے جو کچھ کیا ہمیں اس میں کوئی خرابی معلوم نہیں ہوتی۔ اور ہماری دُعا ہے کہ خدا ہمارے اندر حارث بن یحمُد جیسے (بے لوث خدمت کرنے والے) لوگوں کی کثرت فرمائے۔"

صحابہ سے رشتہ داری کی بناء پر وظیفہ

(۶۴۴) اسلم کہتے ہیں:" ایک دن ہم حضرت عمرؓ کے ساتھ تھے کہ ایک بدوی عورت اُن کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اُس نے کہا:" یا امیرالمومنین! میں خُفاف بن اَیماءؓ کی بیٹی ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ غزوہ حدیبیہ میں شریک رہے تھے"۔ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا:" یہ قریبی رشتہ داری ہے"۔ اور حکم دیا:" اس خاتون کو کھانے اور لباس کا خرچ دیا جائے۔"

(ابوعبیدؒ:۔ اس وظیفہ کی مقدار مجھے یاد نہیں رہی)۔" حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا:" امیرالمومنین! آپ نے اسے زیادہ وظیفہ دے دیا ہے"۔ تو حضرت عمرؓ نے کہا:" اس کا باپ رسول اللہؐ کے ساتھ غزوۂ حدیبیہ میں شریک رہا۔ ہو سکتا ہے کہ فلاں فلاں علاقوں کی فتح میں بھی شریک رہا ہو، اور ان میں بھی وہ حصّہ دار ہو۔ ہم ان مقامات کے محصولات تو جمع کر لیتے ہیں۔ کیا ہم پر یہ واجب نہیں کہ اُن آمدنیوں میں سے اِسے بھی دیں؟"

باب

لوگوں کے درمیان فئے کی مساویانہ تقسیم

(۶۴۵) یزید بن ابی حبیب کہتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکرؓ کے پاس مال آیا تو اُنہوں نے اس میں سے سب لوگوں کو برابر برابر حصے دئے۔ اور کہا: "مجھے یہ منظور رہے کہ میں اس تقسیم کی ذمہ داری بجا لانے میں برابر برابر رہوں (نہ مجھے ثواب ملے نہ عذاب) اور وہ جہاد جو میں نے رسول اللہؐ کے ساتھ کیا ہے وہ میرے لئے (بعد کے اعمال کے اثر سے) پاک صاف ہے۔

(۶۴۶) یزید بن ابی حبیب کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ نے تمام لوگوں میں (مساویانہ) ایک باٹ بانٹی۔ اور اس طرح فی کس آدھا دینار حصہ میں آیا۔

(۶۴۷) یزید بن ابی حبیب وغیرہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ سے تقسیم مال کے بارے میں لوگوں نے تبادلہ خیال کیا اور چاہا کہ وہ حسب مراتب لوگوں کے عطیوں میں (کمی بیشی کرکے) ترجیحی سلوک کریں۔ لیکن اُنہوں نے کہا:

معاشی مساوات (فئے میں)

" ان (لوگوں) کے فضائل کا تعلق اللہ سے ہے۔ رہا یہ روزی کا معاملہ سو اس میں مساوات ہی بہتر ہے۔

(۶۴۸) سفیان بن وہب خولانی کہتے ہیں کہ میں حضرت عمرؓ کی جابیہ والی تقریر میں موجود تھا۔ اس خطبہ میں انہوں نے اوّلاً اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کے شایانِ شان ثناء کی۔ پھر فرمایا: "اما بعد! یہ فئے ایک ایسی دولت ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف پلٹائی ہے اس میں اعلیٰ اور ادنیٰ ایک حیثیت رکھتے ہیں۔ کوئی فرد کسی دوسرے سے زیادہ استحقاق نہیں رکھتا۔ سوائے لخم اور جُذام کے دو قبیلوں کے کہ انہیں میں کچھ تقسیم نہیں کروں گا۔" اس پر ایک لخمی ــــ بلجذم کا ایک فرد ــــ کھڑا ہوا اور اس نے کہا: "اے ابن خطابؓ! میں آپ

کو اللہ کی قسم دے کر درخواست کرتا ہوں کہ عدل و مساوات ملحوظ رکھیں"۔ حضرت عمرؓ نے کہا: "ابن خطابؓ کی اس عمل سے عدل و مساوات کے سوا کوئی اور غرض نہیں ہے واللہ میں جانتا ہوں کہ اگر ہجرت صنعاء میں ہوتی تو لخم و جذام (قبائل) میں سے تھوڑے آدمیوں کے سوا وہاں کوئی نہ جاتا۔ تم ہی بتاؤ کیا میں ان لوگوں کو جنھوں نے سفر کی صعوبتیں برداشت کیں اور سواریاں خریدیں، ان لوگوں کے برابر کردوں جنھوں نے اپنے گھروں میں رہ کر جنگیں کیں؟" تب ابو حذیرا اٹھے اور انھوں نے کہا: "یا امیر المومنین! کیا اس بناء پر کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے علاقہ کو ہجرت گاہ بنایا اور ہم نے ہجرت کو برحق مانتے ہوئے مہاجرین کی مدد کی ہمارا حق ختم کردیا جائے گا؟" تب حضرت عمرؓ نے فرمایا: "ایسا نہیں ہوگا واللہ میں تم لوگوں کو بھی اس (فئے) میں سے حصے دوں گا۔ پھر سب لوگوں کے درمیان (فئے مساوی) تقسیم کردی۔ اس طرح ہر تنہا فرد کو نصف دینار ملا اور جس کے ساتھ اس کی بیوی تھی اُسے ایک دینار دیا۔

(۴۹۶) اسلم کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ کو یہ کہتے سُنا: "اگر میں اگلے سال تک زندہ رہا تو بالضرور میں بعد میں آنے والے لوگوں کو پہلے آنے والوں میں شامل کرلوں گا تاکہ وہ سب ایک ہوجائیں۔"

ابو عبیدؒ:۔ (تقسیم فئے کے متعلق) حضرت عمرؓ کی

تقسیم فئے کے متعلق ابوبکر و عمر و علی (رضوان اللہ علیہم) کی آراء
(حضرت عمرؓ کی دو رائیں)

پہلی رائے یہ تھی کہ جن لوگوں نے اسلام لانے میں سبقت کی اور اسلام کو بلند کرنے میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ ان کے ساتھ ترجیحی سلوک کیا جائے۔ اور اُن کی یہی رائے معروفِ عوام ہے۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ کی رائے یہ تھی کہ تمام مسلمانوں کو اس میں سے برابر برابر حصّہ دیا جائے۔ بعد میں حضرت عمرؓ سے بھی ایسی روایات پہنچی ہیں جن سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنی پہلی رائے سے رجوع کرکے حضرت ابوبکرؓ کی رائے سے اتفاق کرلیا تھا۔
فئے کے بارے میں حضرت علیؓ کا طرزِ عمل بھی حضرت ابوبکرؓ کی طرح مساویانہ تقسیم

ہی تھا۔

فئے کی تقسیم میں مساویانہ اور ترجیحی تقسیم کی توجیہ

بہر حال ان ہر دو طریق کے لئے دلائل و مذاہب ہیں۔ (۶۵۰) ان دو طریق کے بارے میں سُفیان بن عُیَینہ سے یہ توجیہ منقول ہے:۔

حضرت ابوبکرؓ مسلمانوں میں فئے کی مساویانہ تقسیم کے اس لئے قائل تھے کہ وہ تمام مسلمانوں کو اسلام کے فرزند تصور کرتے تھے بالکل اسی طرح جیسے بہت سے بھائی اپنے باپ کے وارث ہوتے ہیں اور ان سب کو میراث سے مساویانہ حصے ملتے ہیں۔ اگرچہ باعتبار فضائل اور بلحاظ مراتب دین وغیرہ ان کے مدارج ایک دوسرے سے بلند تر ہی کیوں نہ ہوں۔

حضرت عمرؓ کے سامنے اس مسئلہ کا یہ پہلو تھا کہ چونکہ خود "السابقین" میں ایک کو دوسرے پر فضیلت حاصل ہے اور ان کے مدارج جُدا جُدا ہیں لہٰذا اندریں صورت تمام مسلمان ایک باپ اور مختلف ماؤں کی ایسی اولاد ٹھہریں گے جو اپنے بھائی یا اپنے باپ کے رشتہ داروں میں سے کسی مرد کے وارث بننے میں نسبی طور پر باہم مساوی نہیں ہوتے۔ ان میں اس (بھائی) کی میراث کا زیادہ مستحق وہ ہوگا جو مادری رشتہ داری میں زیادہ قریب، اور پشتوں کے نسبی سلسلہ میں اپنے (جدِّ اعلیٰ یا) باپ سے قریب تر ہو۔

ابوعبیدؒ: "مادری رشتہ داری میں زیادہ قریب" کے معنے یہ ہیں کہ وہ بھائی جو ایک ماں اور ایک باپ سے ہوگا۔ اس بھائی کو جو صرف اس کے باپ کی طرف سے بھائی ہوگا محروم کرکے تمام میراث لے لے گا۔ حالانکہ محروم ہونے والا بھی اس کا بھائی ہی ہے۔

"پشتوں کے نسبی سلسلہ میں اپنے (جدِّ اعلیٰ یا) باپ سے قریب تر" ہونے کے معنے یہ ہیں کہ بیٹا پوتے کے مقابلہ میں قریب تر ہوگا اور بھائی بھتیجے کے مقابلہ میں۔ ہر ایک جانتا ہے کہ قریب تر بعید کو محروم کرکے خود وارث ہو جاتا ہے۔ حالانکہ رشتہ داری میں سب ہی منسلک ہوتے ہیں۔

اس مثال سے سفیان بن عُیَینہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اسلام سے میراث پانے والوں میں بھی یہی قریبی تعلق کام کرے گا۔ یعنی جس نے جس قدر زیادہ اسلام کی مدد،

باب

وظائف وعطیّات کا مستحق ہو چکنے کے بعد مر جانے والے کے ساتھ کیا طرزِ عمل اختیار کیا جائیگا

(۶۳۶) حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں: میں معرکۂ جلولاء میں شریک تھا۔ اس میں حاصل شدہ غنیمت کا ایک حصہ میں نے چالیس ہزار (درہم) میں خرید لیا۔ جب میں حضرت عمرؓ کے پاس پہنچا تو انہوں نے مجھ سے کہا: "بتاؤ اگر مجھے جہنم کے سامنے پیش کیا جائے اور تم سے کہا جائے کہ اسے بچانے کے لئے فدیہ ادا کرو تو کیا تم مجھے آگ سے بچانے کے لئے فدیہ دے دو گے؟ اس پر میں نے کہا: "بخدا کوئی چیز بھی جو آپ کے لئے ایذا رساں ہو میں ضرور اس سے آپ کو بچانے کی کوشش کروں گا۔" پھر انہوں نے کہا: "میری آنکھوں کے سامنے لوگوں کا وہ منظر ہے جب وہ یہ سودا کر رہے تھے۔ اور کہہ رہے تھے: "عبداللہ بن عمر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے صحابی، امیر المؤمنین کے فرزند اور ان کے سب لوگوں سے زیادہ محبوب ہیں۔" اور واقعۃً تم ہو بھی ایسے ہی۔ یہی سبب ہے کہ لوگ کسی سودے کو تمہارے ہاتھ سو (درہم) رعایت کر کے فروخت کرنا تو گوارا کریں گے لیکن تم سے ایک درہم زیادہ لینا پسند نہ کریں گے۔ اور تم جانتے ہو کہ میری حیثیت ایک ذمہ دار قاسم کی ہے۔ ایک قریشی تاجر زیادہ سے زیادہ اپنے سودے پر جو نفع کماتا ہے اتنا میں تمہیں دینے کو تیار ہوں۔ تمہیں ایک درہم پر ایک ہی درہم نفع مل جائے گا۔" بعد ازاں انہوں نے سوداگروں کو بلوایا جنہوں نے وہ حصۂ غنیمت ان سے چار لاکھ (درہم) میں خرید کیا۔ پھر انہوں نے اس قیمت میں سے مجھے اسی ہزار دے دئے اور باقی رقم سعد بن ابی وقاصؓ کو یہ پیغام دے کر بھیج

مرنے والے مجاہدین کا حصّہ اُن کے ورثاء میں تقسیم ہوگا

دی کہ اسے معرکۂ جلولا میں حصّہ لینے والوں میں تقسیم کردو۔ اور جو ان میں سے مرچکا ہو تو اس کا حصّہ اس کے وارثوں کو دے دو۔

وظیفہ کا مستحق ہوکر مرنے والے کا وظیفہ اُس کے وارث کو ملے گا

(۶۳۷) معقل بن عبید اللہ سے روایت ہے کہ عمر بن عبدالعزیز کا طرزِ عمل اس شخص کے بارے میں جو وظیفہ کا مستحق ہونے کے بعد مرجاتا یہ تھا کہ وہ اس کا وظیفہ اس کے وارثوں کو دے دیتے تھے۔

(۶۳۸) اوزاعی کہتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز نے لکھا: "وظائف، وعطیات کے مستحقین کی فہرست پر نظر ڈالو۔ اور جسے دیکھو کہ وہ اپنا وظیفہ پالینے کے بعد پورے سال کام کرتا اپنے بار اُٹھاتا اور اپنے فوجی واجبات پورے کرتا رہا۔ اور پھر اس وقت مرگیا جب لوگوں کو ان کے وظائف جاری کئے جانے کا حکم دے دیا گیا تو ایسے شخص کا وظیفہ اس کے گھر والوں کو دئے جانے کا حکم دے دو جو اس کا واجبی حق ہو گا۔ اسی طرح دیکھو جو کسی فوج میں بھرتی ہو گیا ہو اور اسے اس کا وظیفہ مل چکا ہو جس میں سے اس نے (مہم کی) تیاری پر صرف کر دیا ہو اور پھر وہ مرگیا ہو تو ایسے شخص کے گھر والوں سے کچھ تاوان نہ وصول کرنا۔ اس مرنے والے نے تو اپنا حق لیا ہے۔

(۶۳۹) قیس بن ابی حازم کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی وفات کے بعد حضرت زبیرؓ نے حضرت عثمانؓ سے کہا: "مجھے عبداللہؓ کا وظیفہ دے دو۔ اس لئے کہ عبداللہ کے بال بچے بیت المال کے مقابلہ میں اس رقم کے زیادہ مستحق ہیں۔" چنانچہ حضرت عثمانؓ نے انہیں پندرہ ہزار (درہم) دے دئے۔"

واضح رہے کہ حضرت زبیر از روئے وصیّت عبداللہ بن مسعودؓ کے وصی (ان کے مال وجائداد اور بال بچوں کے نگران) تھے۔

ابو عبیدؒ: اس روایت میں ایک فقہی نکتہ ہے۔ اور وہ یہ کہ جب کوئی آدمی وصیّت

کر کے دو آدمیوں کو اپنے گھر بار کا نگران مقرر کر دے تو ان میں سے ایک کو دوسرے کے بغیر بھی یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اس کے مال کا مطالبہ کرے۔ اس لئے کہ حضرت زبیر رض اور عبداللہ بن الزبیر دونوں عبداللہ بن مسعود رض کے وصی تھے۔ ہم ان دونوں کی یہ روایت کسی اور موقع پر بیان کر چکے ہیں۔ یہاں ہمیں معلوم ہو رہا ہے کہ حضرت عثمان رض نے ان دونوں میں سے ایک کو عبداللہ بن مسعود رض کا مال سونپ دیا تھا۔

مرنے والا جتنی مدّت زندہ رہا اُس مدّت کے وظیفہ کا حقدار ہے

(۶۴۰) حَیّ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص سال کے آٹھ ماہ گذار کر مر گیا تو حضرت عمر بن الخطاب رض نے اسے اس کے پورے سال بھر کے وظیفہ کا دو تہائی دے دیا۔

باب

وظائف کے تعیّن میں قرآن مجید کی تعلیم، دیگر علوم نیز آباؤ اجداد کے اسلامی کارنامے انجام دینے میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لینے کی رعایت

قرآن مجید سیکھنے پر وظیفہ

(۶۴۱) سعد بن ابراہیم کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے اپنے کسی گورنر کو لکھا تھا: "لوگوں کو قرآن مجید سیکھنے پر وظیفے دو۔" اس (گورنر) نے جواب میں انہیں لکھا: آپ نے مجھے لکھا ہے کہ لوگوں کو قرآن مجید سیکھنے پر وظیفے دو۔ چنانچہ یہاں اب ایسے لوگوں نے بھی قرآن مجید سیکھنا شروع کر دیا ہے جنہیں سوائے وظیفہ کے اور کوئی کشش اس تعلیم کے حاصل کرنے میں نہیں ہے۔" اس کا جواب دیتے ہوئے حضرت عمرؓ نے انہیں لکھا: "لوگوں کو شرافت و مروّت اور صحبت کی بناء پر وظائف دو۔[۱]

(۶۴۲) اُسیر بن عمرو کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کو جب یہ اطلاع ملی کہ حضرت سعدؓ نے یہ کہا ہے کہ جو قرآن مجید پڑھے گا میں اس کا نام دو ہزار وظیفہ پانے والوں میں درج کر دوں گا۔ تو انہوں نے کہا: "اُف، اُف، کیا کتاب اللہ پڑھنے پر وظائف دیئے جائیں گے۔

(۶۴۳) ابو غیلان کہتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز نے یزید بن ابی مالک دمشقی اور حارث

---

[۱] یعنی اچھے لوگوں کی ہم نشینی اور اُن کے ساتھ رہنے پر بھی وظائف دو۔

ابن مجدُ اشعری کو عربی دیہاتیوں (بدوؤں) کو دینی تعلیم کے لئے بھیجا اور اُن کے لئے تنخواہ

قرآن مجید پڑھانے پر تنخواہ

مقرر کردی۔ ان میں سے یزید نے تو تنخواہ قبول کر لی مگر حارث نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس بارے میں حضرت عمرؓ کو لکھا گیا تو حضرت عمرؓ نے اپنے جواب میں لکھا: "یزید نے جو کچھ کیا ہمیں اس میں کوئی خرابی معلوم نہیں ہوتی۔ اور ہماری دُعا ہے کہ خدا ہمارے اندر حارث بن مجدُ جیسے (بے لوث خدمت کرنے والے) لوگوں کی کثرت فرمائے۔"

صحابہ سے رشتہ داری کی بناء پر وظیفہ

(۲۴۴۶) اسلم کہتے ہیں: "ایک دن ہم حضرت عمرؓ کے ساتھ تھے کہ ایک بدوی عورت اُن کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اُس نے کہا: "یا امیرالمومنین! میں خُفاف بن اَیماؓ کی بیٹی ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ غزوہ حدیبیہ میں شریک رہے تھے۔" اس پر حضرت عمرؓ نے کہا: "یہ قریبی رشتہ داری ہے۔" اور حکم دیا: "اس خاتون کو کھانے اور لباس کا خرچ دیا جائے۔"

(ابو عبیدؒ:۔ اس وظیفہ کی مقدار مجھے یاد نہیں رہی)۔ "حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا: "امیرالمومنین! آپ نے اسے زیادہ وظیفہ دے دیا ہے۔" تو حضرت عمرؓ نے کہا: "اس کا باپ رسول اللہؐ کے ساتھ غزوۂ حدیبیہ میں شریک رہا۔ ہو سکتا ہے کہ فلاں فلاں علاقوں کی فتح میں بھی شریک رہا ہو، اور ان میں بھی وہ حصّہ دار ہو۔ ہم ان مقامات کے محصولات تو جمع کر لیتے ہیں۔ کیا ہم پر یہ واجب نہیں کہ اُن آمدنیوں میں سے اِسے بھی دیں؟"

باب

لوگوں کے درمیان فَے کی مساویانہ تقسیم

(۶۴۵) یزید بن ابی حبیب کہتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکرؓ کے پاس مال آیا تو انہوں نے اس میں سے سب لوگوں کو برابر برابر حصے دئے۔ اور کہا: "مجھے یہ منظور رہے کہ میں اس تقسیم کی ذمہ داری بجالانے میں برابر برابر رہوں (نہ مجھے ثواب ملے نہ عذاب) اور وہ جہاد جو میں نے رسول اللہؐ کے ساتھ کیا ہے وہ میرے لئے (بعد کے اعمال کے اثر سے) پاک صاف رہے۔

(۶۴۶) یزید بن ابی حبیب کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ نے تمام لوگوں میں (مساویانہ) ایک بانٹ بانٹی۔ اور اس طرح فی کس آدھا دینار حصہ میں آیا۔

(۶۴۷) یزید بن ابی حبیب وغیرہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ سے تقسیم مال کے بارے میں لوگوں نے تبادلہ خیال کیا اور چاہا کہ وہ حسب مراتب لوگوں کے عطیوں میں (کمی بیشی کرکے) ترجیحی سلوک کریں۔ لیکن انہوں نے کہا: "ان (لوگوں) کے فضائل کا تعلق اللہ سے ہے۔ رہا یہ روزی کا معاملہ سو اس میں مساوات ہی بہتر ہے۔

معاشی مساوات (فَے میں)

(۶۴۸) سفیان بن وہب خولانی کہتے ہیں کہ میں حضرت عمرؓ کی جابیہ والی تقریر میں موجود تھا۔ اس خطبہ میں انہوں نے اوّلاً اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کے شایانِ شان ثناء کی۔ پھر فرمایا: "امابعد: یہ فَے ایک ایسی دولت ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف پلٹائی ہے اس میں اعلیٰ اور ادنیٰ ایک حیثیت رکھتے ہیں۔ کوئی فرد کسی دوسرے سے زیادہ استحقاق نہیں رکھتا۔ سوائے لخم اور جُذام کے دو قبیلوں کے کہ انہیں میں کچھ نہیں تقسیم نہیں کروں گا۔" اس پر ایک لخمی ـــ بلجذم کا ایک فرد ـــ کھڑا ہوا اور اس نے کہا: "اے ابن خطابؓ! میں آپ

کو اللہ کی قسم دے کر درخواست کرتا ہوں کہ عدل و مساوات ملحوظ رکھیں"۔ حضرت عمرؓ نے کہا: "ابن خطابؓ کی اس عمل سے عدل و مساوات کے سوا کوئی اور غرض نہیں ہے واللہ میں جانتا ہوں کہ اگر ہجرت صنعاء میں ہوتی تو لخم و جُذام (قبائل) میں سے تھوڑے آدمیوں کے سوا وہاں کوئی نہ جاتا۔ تم ہی بتاؤ کیا میں ان لوگوں کو جنہوں نے سفر کی صعوبتیں برداشت کیں اور سواریاں خریدیں، ان لوگوں کے برابر کردوں جنہوں نے اپنے گھروں میں رہ کر جنگیں کیں؟" تب ابو حُذَیرا اُٹھے اور اُنہوں نے کہا: "یا امیرالمومنین! کیا اس بناء پر کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے علاقہ کو ہجرت گاہ بنایا اور ہم نے ہجرت کو برحق مانتے ہوئے مہاجرین کی مدد کی ہمارا حق ختم کردیا جائے گا؟" تب حضرت عمرؓ نے فرمایا: "ایسا نہیں ہوگا واللہ میں تم لوگوں کو بھی اس (فئے) میں سے حصے دوں گا۔ پھر سب لوگوں کے درمیان (فئے مساوی) تقسیم کردی۔ اس طرح ہر تنہا فرد کو نصف دینار ملا اور جس کے ساتھ اس کی بیوی تھی اُسے ایک دینار دیا۔

(۴۹۶) اسلم کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ کو یہ کہتے سُنا: "اگر میں اگلے سال تک زندہ رہا تو بالضرور میں بعد میں آنے والے لوگوں کو پہلے آنے والوں میں شامل کرلوں گا تاکہ وہ سب ایک ہو جائیں۔"

ابو عبیدؒ:۔ (تقسیم فئے کے متعلق) حضرت عمرؓ کی	تقسیم فئے کے متعلق ابوبکر و عمر و علی (رضوان اللہ علیہم) کی آراء (حضرت عمرؓ کی دو رائیں)

پہلی رائے یہ تھی کہ جن لوگوں نے اسلام لانے میں سبقت کی اور اسلام کو بلند کرنے میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ ان کے ساتھ ترجیحی سلوک کیا جائے۔ اور اُن کی یہی رائے معروفِ عوام ہے۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ کی رائے یہ تھی کہ تمام مسلمانوں کو اس میں سے برابر برابر حصہ دیا جائے۔ بعد میں حضرت عمرؓ سے بھی ایسی روایات پہنچی ہیں جن سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی پہلی رائے سے رجوع کر کے حضرت ابوبکرؓ کی رائے سے اتفاق کرلیا تھا۔ فئے کے بارے میں حضرت علیؓ کا طرزِ عمل بھی حضرت ابوبکرؓ کی طرح مساویانہ تقسیم

ہی تھا۔

فئے کی تقسیم میں مساویانہ اور ترجیحی تقسیم کی توجیہ

بہرحال ان ہردو طریق کے لئے دلائل و مذاہب ہیں۔ (۶۵۰) ان دو طریق کے بارے میں سُفیان بن عُیَینہ سے یہ توجیہ منقول ہے:۔

حضرت ابوبکرؓ مسلمانوں میں فئے کی مساویانہ تقسیم کے اس لئے قائل تھے کہ وہ تمام مسلمانوں کو اسلام کے فرزند تصور کرتے تھے بالکل اسی طرح جیسے بہت سے بھائی اپنے باپ کے وارث ہوتے ہیں اور ان سب کو میراث سے مساویانہ حصے ملتے ہیں۔ اگرچہ باعتبار فضائل اور بلحاظ مراتب دین وغیرہ ان کے مدارج ایک دوسرے سے بلند تر ہی کیوں نہ ہوں۔

حضرت عمرؓ کے سامنے اس مسئلہ کا یہ پہلو تھا کہ چونکہ خود "السابقین" میں ایک کو دوسرے پر فضیلت حاصل ہے اور ان کے مدارج جُدا جُدا ہیں لہٰذا اندریں صورت تمام مسلمان ایک باپ اور مختلف ماؤں کی ایسی اولاد ٹھہریں گے جو اپنے بھائی یا اپنے باپ کے رشتہ داروں میں سے کسی مرد کے وارث بننے میں نسبی طور پر باہم مساوی نہیں ہوتے۔ ان میں اس (بھائی) کی میراث کا زیادہ مستحق وہ ہوگا جو مادری رشتہ داری میں زیادہ قریب، اور پشتوں کے نسبی سلسلہ میں اپنے (جدِّ اعلیٰ یا) باپ سے قریب تر ہو۔

ابوعبیدؒ: "مادری رشتہ داری میں زیادہ قریب" کے معنے یہ ہیں کہ وہ بھائی جو ایک ماں اور ایک باپ سے ہوگا۔ اس بھائی کو جو صرف اس کے باپ کی طرف سے بھائی ہوگا محروم کرکے تمام میراث لے لے گا۔ حالانکہ محروم ہونے والا بھی اس کا بھائی ہی ہے۔

"پشتوں کے نسبی سلسلہ میں اپنے (جدِّ اعلیٰ یا) باپ سے قریب تر" ہونے کے معنے یہ ہیں کہ بیٹا پوتے کے مقابلہ میں قریب تر ہوگا اور بھائی بھتیجے کے مقابلہ میں۔ ہر ایک جانتا ہے کہ قریب تر بعید کو محروم کرکے خود وارث ہوجاتا ہے۔ حالانکہ رشتہ داری میں سب ہی منسلک ہوتے ہیں۔

اس مثال سے سفیان بن عُیَینہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اسلام سے میراث پانے والوں میں بھی یہی قرابتی تعلق کام کرے گا۔ یعنی جس نے جس قدر زیادہ اسلام کی مدد،

اس کے احکام کی پابندی، اور اس کی مدافعت، کی ہوگی اسی قدر وہ زیادہ ترجیح کا مستحق ہوگا۔

سفیان بن عُیَینہ کی حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے مختلف اقوال کی یہ توجیہ و تاویل مجھے بلفظہ نہیں پہنچی۔ البتہ ۱۳۱ کا مفہوم یہی ہے۔ اور اس بارے میں مجھے اس سے بہتر تاویل نہیں مل سکی۔

باب

مسلمانوں کے لئے فئے کو زیادہ سے زیادہ بچانا اور انہیں فئے کی تقسیم میں ترجیح دینا

اسلامی ریاست میں ملازم کو ضروریات سے زیادہ جوڑنے کی ممانعت

(۶۵۱) مستورد بن شداد فہری رض راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جسے بھی ہماری مملکت کا کوئی عہدہ ملے (یا ہمارے کام کے صلہ میں کوئی بدلہ) ملے تو اگر وہ غیر شادی شدہ ہو تو کسی عورت سے شادی کرلے۔ اگر اس کے پاس رہائش کے لئے مکان نہ ہو تو ایک مکان بنا لے۔ اور اگر اس کے پاس سواری نہ ہو تو وہ ایک سواری لے لے۔ اور اگر اس کے پاس خدمت گذار نہ ہو تو وہ ایک خدمت گذار رکھ لے۔ اس کے علاوہ جمع کر کے جو خزانہ یا اونٹوں کا گلہ رکھے گا تو روزِ قیامت اللہ تعالیٰ اسے خائن یا چور اٹھائے گا۔"

(۶۵۲) ایک اور سند سے بھی یہی روایت حضرت مستورد رض ہی سے مروی ہے۔

(۶۵۳) ایک اور سند میں عبدالرحمٰن بن جبیر سے مذکورہ بالا حدیث مروی ہے۔ البتہ اس کے آخری ٹکڑے میں بجائے "خائن یا چور" کے "خائن اور چور اٹھائے گا" کے الفاظ ہیں۔

حکومت کا عہدہ دار تنخواہ کے سوا کسی تحفہ و بخشش کا حقدار نہیں

(۶۵۴) ابو حمید ساعدی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو کسی علاقہ کا والی بنایا۔ جب وہ آیا تو کہنے لگا "یہ تمہارا ہے،

اور یہ مجھے ہدیۃً دیا گیا ہے"۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے کھڑے ہو کر اللہ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا: "ہمارے مقرر کردہ والی نے یہ کونسا ڈھنگ اختیار کیا کہ وہ کہتا ہے "یہ تمہارا ہے اور یہ مجھے ہدیۃً دیا گیا ہے"۔ اگر یہی بات ہے تو ذرہ وہ اپنے ماں باپ کے گھر میں بیٹھ کر دیکھے کہ وہاں اسے ہدیے پیش کئے جاتے ہیں یا نہیں؟ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے تم میں سے جو بھی لوگوں سے کوئی چیز لائے گا تو روزِ قیامت وہ اسے اپنی گردن پر لادے ہوئے آئے گا۔ اونٹ ہوگا تو وہ بلبلا رہا ہوگا۔ گائے ہوگی تو وہ ڈکار رہی ہوگی۔ بکری ہوگی تو وہ ممیا رہی ہوگی۔ پھر آپؐ نے اپنے ہاتھ اُوپر اُٹھائے تا آنکہ ہمیں آپؐ کے بغلوں کی سپیدی نظر آنے لگی اور آپؐ نے فرمایا: "اے اللہ! کیا میں نے اپنا فریضۂ تبلیغ ادا کر دیا۔ اے اللہ! کیا میں نے لوگوں کو (تعلیمِ دین) پہنچا دی؟"

(۶۵۵) عدی بن عمیرہ کندی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: "تم میں جس کو ہم کسی خدمت پر مامور کریں پھر وہ ہم سے چھپا کر ایک سوئی یا اس سے اُوپر کوئی چیز لے لے تو یہ خیانت ہوگی جسے قیامت کے دن وہ اپنے ساتھ لائے گا"۔ یہ سُن کر انصار میں سے ایک سیاہ رنگ کا آدمی کھڑا ہوا جس کی تصویر میری آنکھوں میں ہے اور کہنے لگا: "یا رسول اللہؐ! مجھ سے اپنا کام (واپس) قبول فرمائیں"۔ آپؐ نے فرمایا: "کیا بات ہے؟" اُس نے کہا: "میں نے آپ کو ایسا ایسا فرماتے سُنا ہے"۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: "میں اب بھی اسے دُہراتا ہوں۔ یاد رکھو، جسے ہم کسی خدمت پر مامور کریں تو وہ اس کا قلیل و کثیر (جو بھی ملے پورا پورا) لے آئے۔ بعد ازاں اس میں سے جو کچھ اسے دیا جائے وہ لے لے اور جس سے روکا جائے اس سے باز رہے"۔

بیت المال سے انتظامیہ کی تنخواہ

(۶۵۶) حضرت عائشہ رضؓ کہتی ہیں کہ جب حضرت ابوبکر رضؓ خلیفہ بنے تو انھوں نے کہا: "میری قوم جانتی ہے کہ میرا پیشہ ایسا نہ تھا جس سے میں اپنے بال بچوں کی گذر بسر نہ کر سکوں۔ لیکن اب میں مسلمانوں کے انتظامی امور میں مشغول ہو گیا ہوں۔ اب میرے اہل و عیال اس (بیت المال) کے مال سے اپنی معاش حاصل کریں گے۔ اور میں مسلمانوں کی خاطر اسی انتظامی

خدمت کو پیشہ بناؤں گا۔"

حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ جب حضرت عمرؓ والی ہوئے تو انہوں نے اور اُن کے اہل و عیال نے بھی اسی مال سے اپنے اخراجات لئے۔

(۶۵۷) عبداللہ بن ابی مُلیکہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عائشہؓ سے کہا: بٹیا! تجارت سے مجھے جو آمد ہوتی تھی وہ میرے گھر بار کے خرچ کے بعد بھی بچ رہتی تھی لیکن جب حکومت کی مصروفیتوں نے مجھے تجارت سے روک دیا تو میں نے یہی مناسب خیال کیا کہ مسلمانوں کے بیت المال سے ایک دودھ دینے والی اونٹنی اپنے استعمال میں لے لوں تاکہ ہم اس کا دودھ پیتے رہیں۔ اس اونٹنی کو بھی تم عمر بن الخطابؓ کو واپس دے دینا۔

(۶۵۸) انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عائشہؓ سے جب وہ اُن کی تیمارداری کر رہی تھیں فرمایا "میں نے انتہائی کوشش یہی کی کہ مسلمانوں کی فئے انہیں زیادہ سے زیادہ مقدار میں دے دوں۔ بایں ہمہ میں نے (اس میں سے) دودھ اور گوشت اپنے استعمال میں لیا ہے۔ دیکھو جو کچھ بھی ہمارے پاس ہو تم اُسے عمرؓ کو پہنچا دینا۔"

راوی کہتا ہے کہ اُن کے پاس نہ دینار تھا نہ درہم۔ صرف ایک خادم۔ ایک دودھ دینے والی اونٹنی اور دودھ کا برتن۔ کل یہ چیزیں اُن کے پاس تھیں۔ چنانچہ جب لوگ اُن کے جنازہ سے واپس آئے تو حضرت عائشہؓ نے یہ چیزیں حضرت عمرؓ کے پاس پہنچانے کا حکم دے دیا۔ جب حضرت عمرؓ نے یہ چیزیں دیکھیں تو فرمایا: "خدا ابوبکرؓ پر رحمت نازل فرمائے۔ اُنہوں نے اپنے بعد آنے والوں کو بڑی پریشانی اور آزمائش میں ڈال دیا ہے۔"

(۶۵۹) ابنِ سیرین کہتے ہیں کہ دمِ مرگ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا: "میں نہیں چاہتا تھا کہ اس بیت المال سے کچھ بھی لوں لیکن ابن خطابؓ نے مجھے اس کی اجازت نہ دی۔ حتیٰ کہ میں اس میں سے چھ ہزار (درہم) لے چکا ہوں۔ اس رقم میں وہ باغیچہ بھی داخل ہے جو فلاں فلاں مقام پر واقع ہے۔" چنانچہ جب حضرت ابوبکرؓ کا انتقال ہو گیا تو انہوں نے یہ واقعہ حضرت عمرؓ کو کہلا بھیجا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا "خدا تمہارے باپ

پر رحمتیں نازل فرمائے۔ انہوں نے اس طرزِ عمل سے یہ چاہا کہ ان کے بعد کسی کو ان پر اعتراض کی گنجائش نہ رہے۔ اب اُن کے بعد میں معاملات کا منتظم ہوں اور میں ان کی یہ (متروکہ) چیزیں تمہیں واپس دیتا ہوں۔"

(۶۶۰) ابن سیرین سے دوسری سند کے ذریعہ بھی اسی مضمون کی ایک روایت منقول ہے۔

(۶۶۱) احنف بن قیس کہتے ہیں کہ ہم حضرت عمرؓ کے دروازہ پر بیٹھے تھے کہ وہاں سے ایک لونڈی نکلی۔ ہم نے کہا: "یہ حضرت عمرؓ کی باندی ہے"۔ اس لونڈی نے کہا: "یہ حضرت عمرؓ کی باندی نہیں ہے۔ یہ عمرؓ کے لئے حلال نہیں ہے۔ یہ اللہ کے مال میں کی ہے"۔ چنانچہ ہمارے درمیان یہ موضوع بحث بن گیا کہ "مال اللہ" میں سے حضرت عمرؓ کے لئے کیا حلال ہے؟ ہمارے اس مباحثہ کا علم حضرت عمرؓ کو ہوا تو اُنہوں نے ہمیں بُلوا لیا پھر فرمایا: "تم لوگ کس موضوع پر بحث کر رہے تھے؟" ہم نے کہا: "ایک لونڈی ہمارے سامنے (آپ کے گھر) سے نکلی تو ہم نے کہا کہ یہ حضرت عمرؓ کی باندی ہے۔ اس پر وہ بولی کہ یہ عمرؓ کی باندی نہیں ہے یہ عمرؓ کے لئے حلال نہیں ہے۔ یہ اللہ کے مال میں کی ہے"۔ چنانچہ ہم اس پر بحث کرنے لگے کہ "مال اللہ" میں سے آپ کے لئے کیا کچھ حلال ہے؟" حضرت عمرؓ نے فرمایا: "لو میں تمہیں

مال اللہ میں سے خلیفہ کا حق خدمت

بتاتا ہوں کہ مال اللہ میں سے میرے لئے کیا کچھ حلال ہے۔ دو جوڑے، ایک سردی کا اور ایک گرمی کا۔ اور ایک ایسی سواری جس پر میں حج و عمرہ ادا کرسکوں۔ اور ایک متوسط حیثیت قریشی ـــــ جو نہ ان میں سب سے زیادہ تونگر ہو نہ سب سے زیادہ فقیر ـــــ کے مطابق اپنے بال بچوں کی گذر بسر کا خرچ۔ بعد ازاں میرا شمار عام مسلمانوں میں ہوگا۔ بیت المال سے جو ان میں سے ہر ایک کے حصّہ میں آئے گا وہ مجھے بھی ملے گا۔

(۶۶۲) ابراہیم کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے چار سو درہم قرض منگوائے تو حضرت عبدالرحمٰنؓ نے کہا: "بیت المال کے ہوتے آپ مجھ سے کیوں قرض مانگ رہے ہیں۔ اس میں سے لے لیجئے پھر اسی کو واپس کر دیجئے گا"۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا: "مجھے ڈر ہے کہ ایسی صورت میں میرے مرنے پر تم اور تمہارے

ساتھی یہ کہہ دو گے کہ یہ رقم امیرالمومنین کے حق میں معاف کردو تاآنکہ روز قیامت میرے میزان میں سے یہ رقم وصول کی جائے گی۔ لہٰذا مناسب یہ سمجھا کہ تم سے یہ رقم قرض لوں کیونکہ مجھے علم ہے کہ تمہیں اپنی دولت سے کس درجہ محبّت ہے۔ لہٰذا جب میں مرجاؤں گا تو تم آکر میرے ترکہ سے اپنا پورا پورا قرض وصول کرلوگے۔"

اسلامی ریاست یا عامۃالمسلمین کی ملکیّت کی حفاظت کا خیال

(۶۶۳) زید کے باپ اسلم راوی ہیں کہ ہم سے ایک دن حضرت عمرؓ نے فرمایا: "میں تمہارے اور تمہاری کمائیوں کے ذرائع کے درمیان حائل ہوگیا ہوں۔ تم میں سے جس کے پاس بھی مال ہے تو وہ ہمارے دست تصرّف میں ہے۔ لہٰذا تم میں سے کوئی بھی جانور کی پشت پر رکھے جانے والے نمدہ یا رسی یا پالان کو بنظرِ تحقیر نہ دیکھے۔ یہ عامۃ المسلمین کی دولت ہے۔ کوئی مسلمان بھی ایسا نہیں جس کا اس میں حصہ نہ ہو۔ یہی اشیا جب کسی کی انفرادی ملکیت ہوتی ہیں تو اسے بڑی چیز سمجھا جاتا ہے لیکن جب مسلمانوں کی مشترکہ ملکیت میں ہوتی ہیں تو انہیں بے وقعت سمجھا جاتا ہے اور یہ کہہ کر ٹال دیا جاتا ہے کہ اللہ کا مال ہے۔"

حکام کی آمدنی پر محاسبہ

(۶۶۴) یحییٰ بن سعید کہتے ہیں کہ عمرو بن الصعق نے جب دیکھا کہ والیوں کی دولت بڑھتی چلی جارہی ہے تو انہیں یہ حالت قابلِ اعتراض نظر آئی اور انہوں نے چند اشعار میں یہ صورتِ حال حضرت عمرؓ بن الخطاب کو لکھ بھیجی —— یہ اشعار لیث کی وساطت سے عبداللہ بن صالح نے اپنی روایت میں بیان کئے ہیں —— راوی کہتا ہے کہ اس پر حضرت عمرؓ نے اپنے گورنروں کے پاس جن میں حضرت سعدؓ اور حضرت ابوہریرۃؓ بھی تھے اپنا آدمی بھیجا۔ اور ان سے ان کی دولت کا نصف حصہ لے لیا۔

(۶۶۵) ابن سیرین کہتے ہیں کہ جب ابوہریرہؓ بحرین سے واپس آئے تو حضرت عمرؓ نے ان سے کہا: "اے اللہ کے دشمن! اے کتاب اللہ کے دشمن! تو اللہ کا مال چُراتا ہے؟" اُنہوں نے جواب دیا: "میں نہ اللہ کا دشمن ہوں نہ اُس کی کتاب کا دشمن بلکہ جو ان

دونوں سے دشمنی کرے میں اُس کا دشمن ہوں۔ میں نے قطعاً اللہ کا مال نہیں چرایا۔" حضرت عمرؓ نے کہا: "تو پھر دس ہزار درہم تمہارے پاس کہاں سے جمع ہو گئے؟" اُنہوں نے جواب دیا: "میرے گھوڑوں کی نسل بڑھتی رہی۔ میرے وظیفے مجھے ملتے رہے اور میرے حصے مجھے پہنچتے رہے۔" تاہم حضرت عمرؓ نے وہ رقم ان سے لے لی۔

حضرت ابوہریرہ رضؓ کہتے ہیں کہ جب میں نے صبح کی نماز پڑھی تو امیرالمومنین کے لئے دعائے مغفرت کی۔

(۶۶۶) ایک دوسری سند میں ابن سیرین ہی حضرت عمرؓ و ابوہریرہ رضؓ کی یہ روایت بیان کر رہے ہیں لیکن اس میں مذکورہ بالا روایت کے بعد یہ اضافہ ہے:۔

ابوہریرہ رضؓ نے کہا کہ بعد ازاں مجھ سے حضرت عمرؓ نے کہا: "ملازمت کرو گے؟" میں نے کہا: "نہیں"۔ انہوں نے کہا: "تم سے بھی برتر و بہتر شخص یعنی یوسف علیہ السلام نے ملازمت کی ہے۔" میں نے کہا: "بلاشک یوسفؑ تو نبی ابن نبی ابن نبی تھے اور میں امیمہ کا بیٹا ہوں، اور مجھے تین اور دو چیزوں کا ڈر ہے"۔ حضرت عمرؓ نے کہا: "اکٹھی پانچ چیزیں کیوں نہ کہیں؟" انہوں نے کہا: "(۱) میں ڈرتا ہوں کہ علم کے بغیر کچھ کہوں (۲) اور علم کے بغیر فیصلہ دے دوں ——— یا اس طرح کہا کہ حلم کے بغیر کچھ کہوں اور علم کے بغیر فیصلہ کروں ——— (یہ شک ابن سیرین کو ہوا) اور میں ڈرتا ہوں کہ (۱) میری پشت پر مار پڑے (۲) میری آبرو پر حرف آئے (۳) اور میرا مال چھین لیا جائے۔

عمال و خلفاء کا عامۃ المسلمین کو فئے سے زیادہ سے زیادہ دینا اور خود احتیاط کرنا

(۶۶۷) عمرو بن ابی عقرب کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عتاب ابن اُسید رضؓ کو اس حالت میں کہ وہ کعبہ شریف سے پشت کا سہارا لے رہے تھے یہ کہتے سُنا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے مجھے جس خدمت پر مامور فرمایا اس کے صلہ میں مجھے صرف دو منقش کپڑے[۱] ملے جو میں نے اپنے آزاد کردہ غلام کیسان کو پہنا دئے۔

---

[۱] ۔ یہ بحرین کی بنی ہوئی چادروں میں سے تھے۔

(۶۶۸) عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ کہتے ہیں کہ حضرت علی بن ابی طالبؓ نے ہمارے بیت المال سے اپنی وفات تک ایک روئی بھرے جُبّہ اور ورابجردی سیاہ چوخانوں دار کپڑے کے سوا کچھ بھی نہ لیا۔

(۶۶۹) ہارون بن عنترہ اپنے باپ عنترہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت علیؓ کے پاس خَورنق میں حاضر ہوا۔ اس وقت وہ پُرانی کملی میں (سردی سے) کپکپا رہے تھے میں نے کہا: "امیرالمومنین! اللہ تعالیٰ نے اس بیت المال میں آپ کے اور آپ کے بال بچوں کے لئے ایک حصّہ مقرر کر دیا ہے، پھر آپ اپنے اُوپر یہ جبر کیوں کرتے ہیں؟" اُنہوں نے جواب دیا: "واللہ میں تمہیں کچھ تکلیف نہیں دینا چاہتا۔ یہ بھی میری وہ کملی ہے جو میں اپنے گھر — یا مدینہ — سے لے کر چلا تھا"

(۶۷۰) موسیٰ بن طریف کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ بیت المال میں داخل ہوئے اور اُنھوں نے اسے بے وقعت سی چیز سمجھتے ہوئے کہا: "میں شام ہونے سے پہلے پہلے تیرے اندر ایک درہم بھی باقی نہ چھوڑوں گا" پھر انھوں نے بنی اسد کے ایک آدمی کو حکم دیا کہ وہ اس کا مال تقسیم کر دے۔ اور اُس نے وہ مال تقسیم کر دیا حتّٰی کہ شام ہو گئی۔ اُن سے کہا گیا: "امیرالمومنین! اگر آپ اسے کچھ معاوضہ دے دیں تو کیسا رہے گا؟" اُنہوں نے کہا: "یہ اس کی مرضی پر ہے مگر یہ حرام ہے"

(۶۷۱) ابوحکیم صاحب الحنّا اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں:۔
"حضرت علیؓ نے ایک سال میں تین بار عطیے دئے۔ پھر (اسی سال) اُن کے پاس اصفہان سے بھی مال آ گیا تو اُنھوں نے کہا: "لوگو! صبح چوتھے عطیہ کے لئے بھی آ جاؤ، مجھے یہ حق نہیں کہ تمہارا مال جمع کر کے رکھوں"۔ چنانچہ انھوں نے رسیاں تک بانٹ دیں۔ جنہیں بعض لوگوں نے قبول کیا اور بعض نے واپس کر دیا۔"

(۶۷۲) عنترہ کہتے ہیں: "میں نیروز یا مہرجان کے دن مقام رَحْبہ میں حضرت علیؓ کے پاس پہنچا۔ اُس وقت اُن کی خدمت میں زمیندار اور اُن کے سامنے تحائف موجود تھے۔ پھر وہاں قنبر آئے اور اُنہوں نے حضرت علیؓ کا ہاتھ پکڑ کر کہا: "یا امیرالمومنین!

(سخاوت کی وجہ سے) آپ کے پاس دولت رہتی نہیں ہے، حالانکہ اس مال میں سے آپ کے اہل وعیال کا بھی حصہ ہے۔ میں نے آپ کے لئے کچھ مال چھپا کر رکھ لیا ہے"۔ اُنہوں نے کہا: "وہ کیا ہے؟" میں نے کہا: "چل کر ملاحظہ فرمایئے کہ وہ کیا ہے"۔ چنانچہ میں انہیں ایک گھر میں لے گیا جس میں سونے اور سونا چڑھی ہوئی چاندی کے برتنوں سے بھری ہوئی بوری تھی۔ یہ دیکھ کر اُنہوں نے کہا: "تمہاری ماں تمہیں روئے۔ تم میرے گھر میں اتنی بڑی آگ لانا چاہتے تھے!" پھر انہوں نے اس کا وزن کرایا اور اسے (قبائل میں تقسیم کرنے کے لئے) قبائل کے سرداروں میں اُن کے حصۂ رسد کے حساب سے بانٹ دیا۔ پھر کہا:

هٰذَا جَنَایَ وَخِیَارُہٗ فِیْہِ ‏ ‏ ‏ ‏ وَکُلُّ جَانٍ یَدُہٗ اِلٰی فِیْہِ

(ترجمہ:۔ یہ میرے چُنے ہوئے پھل ہیں جن میں عمدہ عمدہ پھل بھی موجود ہیں۔ حالانکہ دوسرے چُننے والوں کے ہاتھ اُن کے منہ کی طرف جارہے ہیں)[۱]

پھر کہا: اے دولتِ دُنیا! میں تیرے فریب میں نہیں آسکتا۔ دوسروں کو فریب دے۔"

(۶۷۳) جعفر کے باپ محمد کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ کے پاس مال پہنچا تو انہوں نے تولنے والوں اور پرکھنے والوں کو اپنے سامنے بٹھا کر سونے اور چاندی کے ڈھیر لگا دیئے۔ پھر کہا: "اے سُرخ وسپید (سونا چاندی اور دولت) تو سرخ ہو یا سپید مجھے دھوکا نہیں دے سکتی، دوسروں کو دے۔ پھر یہ شعر پڑھا:

هٰذَا جَنَایَ وَخِیَارُہٗ فِیْہِ ‏ ‏ ‏ ‏ وَکُلُّ جَانٍ یَدُہٗ اِلٰی فِیْہِ[۲]

ابوعبید:۔ راویانِ شعر اس شعر کے دوسرے مصرعہ کو یوں روایت کرتے ہیں:

اِذْ کُلُّ جَانٍ یَدُہٗ اِلٰی فِیْہِ

(جبکہ ہر چُننے والے کا ہاتھ اس کے منہ کی طرف ہے)

---

[۱] مطلب یہ ہے کہ لوگ خیانت کرتے ہیں اور دوسروں کی اچھی اچھی چیزیں اپنے لئے بچا لیتے ہیں لیکن میں اپنے دامن کو ایسی خیانت سے پاک صاف رکھنا چاہتا ہوں۔ اور اچھی ہو یا بُری جس کی جو امانت ہے اسے پوری پوری ادا کرتا ہوں۔ [۲]۔ اس کا ترجمہ سابقہ روایت (نمبر ۶۷۲) میں دیکھئے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فصل

زمینوں کے متعلق احکام

(تقسیمِ اراضی، جاگیرداری، زمین کو قابلِ کاشت بنانا، رکھت اور ممنوعہ علاقہ۔ نیز پانی سے متعلق احکام)

باب

اراضی اور جاگیر کی تقسیم

اسلامی ریاست غیر آباد زمینیں مسلمانوں میں تقسیم کرے گی

(۶۷۴) طاوسؒ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: "قدیم اور غیر آباد زمینیں اللہ اور اُس کے رسول کے لئے ہیں۔ بعدازاں وہ تمہارے لئے ہیں"[1]

ابو عبید:- میرے دریافت کرنے پر راوی نے اس حدیث کا مطلب یہ بتایا کہ ایسی زمین ٹکڑے کر کے لوگوں میں تقسیم کر دی جائے گی (اور اُن کی ملکیت ہو جائے گی)

---

[1] - دوسری روایت میں یہ ہے کہ غیر آباد زمین اللہ و رسول کی ہے۔ پھر میری طرف سے اے مسلمانو! وہ تمہارے لئے ہے۔ (از حاشیہ کتاب الاموال)

آباد کاری کے لئے آباد کار کو زمین دینا

(۶۷۵) ابن سیرین کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے سُلیط نامی ایک انصاری کو ـــــ جس کے فضل و احسان کا وہ ذکر کرتے تھے ـــــ قطعۂ زمین دیا تھا۔ یہ شخص اپنی اس زمین پر جا کر وہاں کچھ دنوں قیام کر کے واپس آیا کرتا تو لوگ اسے بتاتے کہ تمہاری عدم موجودگی میں قرآن مجید کا فلاں فلاں حصّہ نازل ہوا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فلاں فلاں مسئلوں کے فیصلے فرمائے۔ چنانچہ وہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپؐ سے عرض کی: "یا رسول اللہ! آپؐ کے عنایت کردہ قطعہ زمین نے مجھے آپؐ کی صحبت سے محروم کر دیا ہے لہٰذا میری جانب سے آپؐ اسے قبول فرمالیجئے۔ مجھے ایسی کوئی چیز درکار نہیں جو آپؐ کی صحبت سے مجھے محروم کر دے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے وہ قطعہ اس سے لے لیا۔ تب حضرت زبیرؓ نے کہا: "یا رسولؐ! یہ قطعہ زمین مجھے عنایت فرما دیجئے"۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے وہ قطعۂ زمین انہیں دے دیا۔

(۶۷۶) عروہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت زبیرؓ کو خیبر کے علاقہ میں ایک ایسا قطعہ زمین عطا فرمایا جس میں کھجوروں کے درخت اور دیگر اشجار تھے[1]۔

(۶۷۷) بلال بن حارث مزنیؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے مجھے پوری کی پوری وادی عقیق عنایت فرمائی تھی[2]۔

(۶۷۸) عدی بن حاتمؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرات بن حیّان عجلی کو یمامہ میں ایک قطعہ زمین عطا فرمایا تھا[3]۔

---

[1] یہ بہت بڑا قطعہ تھا۔ ابوداؤد کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا گھوڑا جہاں دوڑ کر تھکا وہاں انہوں نے کوڑا پھینکا اور کوڑے کے پہنچنے کی جگہ تک کی زمین انہیں دی گئی۔

(از حاشیہ کتاب الاموال)

[2] وہ حکومت کی زمین تھی اور کسی کا حق کاٹ کر انہیں نہیں دی گئی تھی۔

[3] اس زمین کی پیداوار چار ہزار درہم تک پہنچتی تھی۔

(۶۷۹) ابو قلابہؒ کہتے ہیں کہ ابو ثعلبہ خُشَنیؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے عرض کی: "یا رسول اللہؐ! فلاں فلاں زمین پر مشتمل علاقہ میرے نام لکھ دیجئے" حالانکہ اس وقت وہ علاقہ رومیوں کے ہاتھ میں تھا۔ حضورؐ کو اُن کی یہ بات کچھ بھلی معلوم ہوئی۔ آپؐ نے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: "کیا تم لوگ اس کی بات نہیں سُن رہے ہو؟" ابو ثعلبہؓ کہنے لگے: "اس ذات کی قسم جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے یہ علاقہ بالضرور آپؐ کے لئے فتح ہوگا"۔ چنانچہ رسول اللہؐ نے وہ مطلوبہ علاقہ اس کے نام لکھ دیا۔

(۶۸۰) عکرمہؒ کہتے ہیں کہ جب تمیم داری نے اسلام قبول کرلیا تو کہا: "یا رسول اللہؐ! اللہ تعالیٰ آپؐ کو تمام ملک پر فتح یاب فرمائے گا لہٰذا آپؐ بیت لحم کے علاقہ میں میرا گاؤں مجھے بخش دیجئے"۔ آپؐ نے فرمایا: "وہ تمہارا ہے"۔ اور اس مضمون کا ایک وثیقہ بھی انہیں لکھ کر دے دیا۔ حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانہ میں جب ملک شام فتح ہوا تو تمیم داری حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا وہ وثیقۂ گرامی لے کر ان کے پاس آئے۔ حضرت عمرؓ نے کہا: میں خود اس پر گواہ ہوں"۔ اور انہیں وہ گاؤں دے دیا۔

ابو عبیدؒ:۔ بیت لحم وہ بستی ہے جس میں حضرت عیسیٰؑ بن مریم علیہما السلام کی ولادت ہوئی تھی۔

(۶۸۱) سَمَاعَۃ کہتے ہیں کہ تمیم داریؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم سے درخواست کی کہ وہ شام کے کچھ گاؤں بطور جاگیر اُن کے نام لکھ دیں۔ ان گاؤوں میں عینوں کے علاوہ دیگر گاؤں اور وہ مقام بھی شامل تھا جس میں حضرات ابراہیم واسحٰق ویعقوب علیہم السلام کا مقبرہ تھا۔ اسی علاقہ میں ان (تمیم داری) کا وطن تھا اور اُن کی زمین و خانقاہ بھی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو اُن کی یہ درخواست بھلی معلوم ہوئی اور آپؐ نے اُن سے کہا: "جب میں نماز پڑھ چکوں تو یہ درخواست میرے سامنے پیش کرنا"۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ چنانچہ آپؐ نے ان کے مطلوبہ علاقے، ان اشیاء کے ساتھ جو وہاں ہوں، اُن کی جاگیر میں لکھ دئے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جب اللہ تعالیٰ نے اُن کے ہاتھوں مُلک شام فتح کرایا تو اُنہوں نے رسول اللہؐ کے اس لکھے کو پورا کیا۔

مشروط طور پر جاگیر دینا

(۶۸۲) لیث بن سعد کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے تمیمؓ کے لئے حضورؐ کے اس لکھے کو پورا کیا اور ساتھ ہی اُن سے کہا: "تمہیں یہ حق نہیں کہ اس (جاگیر) کو فروخت کرو۔" چنانچہ یہ جاگیر آج تک ان کے گھرانہ میں چلی آرہی ہے۔

عمومی ضروریات کی چیزیں ایک شخص کی ملکیت میں نہیں دی جائیں گی

(۶۸۳) ابیض بن حمّال مازنی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے مارب کے علاقہ کی کانِ نمک اپنی جاگیر میں لینا چاہی تو آپؐ نے وہ مجھے دے دی۔" جب میں واپس چلا تو لوگوں نے حضورؐ سے دریافت کیا" یا رسول اللہؐ! آپؐ کو معلوم ہے کہ آپؐ نے اسے کیا کچھ دے دیا ہے؟ آپؐ نے تو اسے بڑا قیمتی سدا رہنے والا پانی کا خزانہ (یعنی نمک کی کان) بخش دی ہے۔" چنانچہ رسول اللہؐ نے وہ مجھ سے واپس لے لی۔

(۶۸۴) ابو عبیدؒ:- ابیض بن حمال ہی سے ایک اور سند کے ذریعہ اس روایت میں یہ اضافہ ہے کہ میں نے کہا: "یا رسول اللہؐ! پیلو کے جنگلات میں سے کون سے حصہ کو حمی (ممنوع) قرار دیا جا سکتا ہے؟" آپ نے فرمایا: جس تک اُونٹوں کے پاؤں نہ پہنچ سکیں۔"

جاگیرداری محدود ہو جس سے دوسروں کی حق تلفی نہ ہو سکے

(۶۸۵) عمر بن یحییٰ الزُّرَقی سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے طلحہ بن عبیداللہ کو ایک زمین کا قطعہ بطور جاگیر لکھ دیا اور اس تحریر پر کچھ لوگوں کو گواہ بھی بنا لیا جن میں حضرت عمرؓ بھی تھے۔ چنانچہ طلحہ وہ تحریر لے کر حضرت عمرؓ کے پاس پہنچے اور ان سے کہا کہ اس پر اپنی مہر ثبت کر دیجئے۔ تو حضرت عمرؓ نے کہا: "میں اس پر اپنی مُہر نہیں لگاؤں گا۔ کیا دوسرے لوگوں کو محروم کر کے یہ ساری زمین تم ہی تنہا لے لوگے؟" اس پر طلحہ غصہ میں حضرت ابوبکرؓ کے پاس واپس آئے اور کہنے لگے: "واللہ۔ میں یہ نہیں سمجھ سکا کہ خلیفہ آپ ہیں یا عمرؓ؟" اُنہوں نے کہا: "(میں نہیں) بلکہ عمرؓ۔ لیکن اُنہوں نے انکار کر دیا ہے۔"

(۶۸۶) عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے عُیینہ بن حصن کے نام ایک قطعہ زمین بطورِ جاگیر لکھ دیا تو ان سے طلحہؓ یا کسی دوسرے آدمی نے کہا: "ہمارا خیال ہے کہ یہ شخص (یعنی حضرت عمرؓ) اس بارے میں صحیح رہنمائی کر سکیں گے۔ بہتر ہو گا کہ تم اپنی یہ تحریر انہیں پڑھنے کے لئے دے دو" چنانچہ عُیینہ حضرت عمرؓ کے پاس گئے اور وہ خط پڑھنے کے لئے دیا۔

اس کے بعد اس روایت میں سابقہ روایت (۶۸۵) کی بقیہ آخری عبارت مذکور ہے۔ اور اُس کے آخر میں یہ اضافہ ہے:

حضرت عمرؓ نے اس تحریر پر تھوک دیا اور اسے مٹا دیا۔ بعد ازاں عُیینہ نے حضرت ابوبکرؓ سے درخواست کی کہ وہ اس مضمون کی ایک نئی تحریر ان کے لئے لکھ دیں لیکن حضرت ابوبکرؓ نے کہا: "میں اس چیز کی تجدید نہیں کروں گا جس کی عمرؓ نے تردید کر دی ہو۔"

گھوڑے اور دیگر مفید جانوروں کی پرورش کے لئے جاگیر بخشنا

(۶۸۷) محمد بن عبیداللہ ثقفی کہتے ہیں کہ بصرہ والوں میں سے ایک ثقیف قبیلہ کا گھوڑوں کے بچوّں کی پرورش کی پہل کرنے والے ابوعبداللہ نافع نامی شخص نے حضرت عمرؓ سے کہا: "ہماری طرف بصرہ میں ایسی زمین ہے جو خراج کی نہیں ہے اور نہ کسی مسلمان کو اس (کی کمی) سے کوئی نقصان پہنچے گا۔ اگر آپ مناسب تصور فرمائیں تو وہ مجھے بطورِ جاگیر عطا کر دیجئے۔ میں اس میں اپنے گھوڑوں کے لئے چارہ پیدا کروں گا۔" چنانچہ حضرت عمرؓ نے ابوموسی اشعریؓ کو لکھا کہ اگر وہ زمین ایسی ہی ہے جیسی یہ بیان کر رہے ہیں تو وہ انہیں بطورِ جاگیر دے دو۔

(۶۸۸) عوف بن ابی جمیلہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ کا وہ خط جو انہوں نے ابوموسی اشعریؓ کے نام لکھا تھا پڑھا۔ اس میں لکھا تھا: "ابوعبداللہ نے مجھ سے ساحل دجلہ پر زمین مانگی ہے۔ اگر یہ جزیہ کی زمین، یا ایسی زمین جس پر جزیہ کا پانی پہنچتا ہے نہ ہو تو یہ انہیں دے دو۔"

جاگیر بخشی

(۶۸۹) موسیٰ بن طلحہ کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے پانچ صحابہ کو بطور جاگیر زمینیں دی تھیں۔ (ان حضرات کے اسمائے گرامی یہ ہیں) حضرت زبیرؓ، حضرت سعدؓ، ابن مسعودؓ، اسامہ بن زیدؓ اور خبّاب ابن الارتؓ۔ راوی کہتے ہیں کہ ان حضرات میں سے دو ابن مسعودؓ اور خبّابؓ میرے پڑوسی تھے۔

(۶۹۰) موسیٰ بن طلحہ کی یہی مذکورہ بالا روایت ایک اور سند سے بھی مروی ہے۔

ابو عبیدؒ:۔ جاگیر دینے سے متعلق جو روایات آئی ہیں ان کی مختلف وجوہ و تاویلات ہیں۔ تاہم میرے نزدیک (اس باب کی پہلی) حدیث رسول اللہ جو عَادِیّ الارض (قدیم اور غیر آباد زمینوں) سے متعلق ہے تفسیر کر رہی ہے کہ کس قسم کی زمینیں جاگیریں دی جانے کے قابل ہیں اور کس قسم کی زمینیں قابل نہیں ہیں۔

غیر مملوکہ و غیر آباد زمین ہی جاگیر میں دی جائے گی۔ ابو عبید کا محاکمہ

عربی زبان میں عَادِیّ کے لفظ کا اطلاق ہر اس زمین پر ہوتا ہے جو زمانۂ ماضی میں کبھی بھی آباد رہی ہوں۔ پھر وہاں کی آبادی ختم ہو چکی ہو اور وہاں کوئی آدم زاد باقی نہ رہا ہو، اور اس زمین کے متعلق فیصلہ کرنے کا اختیار امام کو حاصل ہو جائے۔ نیز یہ لفظ ہر ایسی زمین پر بھی مشتمل ہے جسے کسی نے آباد نہ کیا ہو اور نہ وہ کسی مسلمان کی ملکیت میں ہو نہ معاہد کی۔ اور یہی نکتہ تھا جسے حضرت عمرؓ نے اس خط میں جو حضرت ابو موسیٰؓ کے نام لکھا، اس طرح بیان کیا تھا "اگر یہ جزیہ کی زمین یا ایسی زمین نہ ہو جس تک جزیہ کا پانی پہنچتا ہے تو یہ زمین اس کی جاگیر میں دے دو۔" اس طرح انھوں نے توضیح کر دی کہ صرف ایسی زمینیں جاگیریں دی جا سکتی ہیں جن کا کوئی مالک نہ ہو۔ اور جب زمین ایسی حالت میں ہو تو اس کا فیصلہ امام کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ اسی لئے حضرت عمرؓ نے فرمایا:

(۶۹۱) ابن سیرین کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا: "زمین اصلاً ہماری ملکیت ہے[1]۔"

ابو عبیدؒ:۔ یہ ہے جاگیر میں زمین دینے کا ایک پہلو۔ دیگر روایات کی توجیہات اس کے علاوہ ہیں۔ ان میں سے اس وقت جو ہمارے ذہن میں آئی ہیں انہیں ہم پیش کرتے

---

[1] یعنی زمین کی اصل ملکیت کا حق صرف حکومت کو حاصل ہے۔

ہیں۔ ان شاء اللہ۔

جہاں تک حضرت زبیرؓ کی اس زمین کا تعلق ہے جو انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے بطور جاگیر دی اور جس میں کھجور اور دیگر چیزوں کے درخت تھے۔ سو ہمارے خیال میں اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ زمین حضورؐ نے (غیرآباد شکل میں سُلَیط) انصاری کو دی تھی۔ اس نے اسے کاشت کرکے آباد کیا تھا اور پھر وہ اپنی خوشی سے اس سے دستبردار ہوگیا تھا۔ چنانچہ رسول اللہؐ نے وہ زمین حضرت زبیرؓ کو دے دی۔ یہ تفصیل ابن سیرین سے مروی حدیث (نمبر ۶۷۵) میں مذکور ہے۔ لیکن اگر یہ وہی زمین نہ ہو تو ممکن ہے کہ یہ خیبر کی اس زمین میں سے ہو جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے لئے منتخب فرمایا تھا۔ اس لئے کہ ہر غنیمت میں سے آپؐ کا کچھ منتخب حصّہ ہوتا تھا اور خمس کا پانچواں حصّہ۔ ہم اس کتاب کے شروع میں آپؐ کو غنیمت سے جو خصوصی حصہ ملتا تھا اس کا ذکر کر آئے ہیں (دیکھئے دوسرا باب احادیث نمبر ۱ تا ۴۲)۔ اگر حضرت زبیرؓ کو عطا کردہ زمین اس قسم کی زمینوں میں سے تھی تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت تھی اور آپؐ مختار تھے۔ جسے چاہتے اس میں کی آباد یا غیرآباد زمین عطا کردیتے۔ آپؐ کے اس عمل کی یہی ایک توجیہ ہے۔ ورنہ جاگیر میں کھجوروں اور دیگر درختوں والی زمین دینے کی اس کے علاوہ کوئی توجیہ میری سمجھ میں نہیں آتی۔

رہے وہ گاؤں جو آپؐ نے تمیم داری کو بخشے اور اُن کی زمینیں آباد تھیں اور وہاں اُن کے مالک بھی تھے۔ تو یہ حضورؐ کی طرف سے انہیں بطورِ نَفَل عطا ہوئے تھے۔ اس لئے کہ یہ اُس وقت کا واقعہ ہے جبکہ مُلک شام فتح بھی نہیں ہوا تھا۔ اور مسلمان اس علاقہ کے مالک نہیں بنے تھے۔ گویا آپؐ نے یہ علاقے (بخشنے کی) اس شرط پر کہ یہ فتح ہو جائیں۔ اہلِ حرب کے مال میں سے انہیں بطورِ نَفَل بخش دیئے

جاگیر بطورِ نَفَل

بالکل اسی طرح جیسے آپؐ نے حیرہ کے حاکم بُقیلہ کی بیٹی کو شیبانی کی درخواست پر اسے بخش دیا تھا اور حیرہ فتح ہونے سے قبل ہی وہ اس کے لئے مخصوص کردی تھی۔ چنانچہ حضرت خالد ابن الولیدؓ نے اس علاقہ کو فتح کرنے کے بعد آپؐ کے اس وعدہ کو پورا کردیا۔ اس کا پورا

واقعہ ہم صلح سے متعلق ابواب میں (حدیث نمبر ۴۸) بیان کر آئے ہیں۔ اسی طرح تمیم داری کو آپؐ کی طرف سے بطور نفل دئے گئے گاؤں کا وعدہ حضرت عمرؓ نے پورا کیا۔

خود حضرت عمرؓ نے بھی جب جریر بن عبداللہ کو سواد عراق بھیجا تھا تو انہیں تہائی یا چوتھائی دینے کا وعدہ کرکے بالکل ایسا ہی عمل کیا تھا۔ یہ پوری روایت (نمبر ۱۵۴) فتح سواد کے ذیل میں ہم بیان کر آئے ہیں۔

یہی حکم اس زمین کا ہوگا جو رومیوں کے قبضہ میں تھی اور حضورؐ نے وہ ابوثعلبہ خشنی کے نام لکھ دی۔ میری نظر میں یہ واقعہ تمیم داری کے گاؤں کی جاگیر سے پوری طرح مشابہ ہے۔

باقی رہا یمامہ کی اس زمین کا معاملہ جو رسول اللہؐ نے فرات بن حیان کو بطور جاگیر بخشی تھی سو اس کا معاملہ اس سے جداگانہ نوعیت کا ہے۔ اس لئے کہ آپؐ کے زمانہ میں یمامہ اسلامی علاقہ تھا اور اس وقت بنی حنیفہ کا ایک وفد آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وفد میں مجاعہ بن مرارہ۔ رجال بن عنفوہ اور محکم بن الطفیل بھی تھے۔ یہ وفد اسلام لے آیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاعہ کو ایک زمین بطور جاگیر عطا فرمائی:۔

(۶۹۲) سراج کہتے ہیں کہ مجاعہ یمامہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے انہیں جاگیر عطا فرمائی اور انہیں یہ تحریر لکھ دی:

" بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ مکتوب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاعہ بن مرارہ بن سلمی کے لئے تحریر کیا ہے:۔

میں نے تمہیں غورہ، غرابہ اور حبل کے علاقے بطور جاگیر دے دئے ہیں۔ اب جو تم سے جھگڑے تو اسے میری طرف بھیج دو۔"

راوی کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مجاعہ وفد لے کر حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے مجاعہ کو خضرامہ (یا خضرمہ) کا علاقہ جاگیر میں دے دیا۔ ان کے بعد حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں

نے زیاء کا علاقہ جاگیر میں دیا۔ بعدازاں حضرت عثمانؓ کی خدمت میں پہنچے تو انہوں نے بھی انہیں ایک قطعۂ زمین (سند کا ایک راوی اس قطعۂ زمین کا نام یاد نہ رکھ سکا) جاگیر میں دی۔

ابو عبیدؒ:۔ یہی صورت اس جاگیر کی ہے جو آپؐ نے فرات بن حیّان کو بخشی۔ یہ لوگ یمامہ کے اشراف تھے اس لئے رسول اللہؐ نے اُن کے اسلام قبول کر لینے کے بعد تالیفِ قلوب کے ضمن انہیں ان کی غیر آباد زمینوں میں سے یہ علاقے بطور جاگیر دے دئے تھے۔ رسول اللہؐ کی وفات کے بعد یمامہ کے رجّال اور محکّم (جسے بعض محکّم بفتح کاف کہتے ہیں) مرتد ہو گئے تھے۔ محکّم یمامہ میں مُسیلمہ سے زیادہ معزز تھا۔ یہ دونوں (رجّال اور محکم) مسیلمہ کے ساتھ قتل ہو گئے۔ [شامی نسخہ میں یہاں یہ زائد عبارت ہے کہ یہ دونوں مرتد نہیں ہوئے تھے۔]

اب رہا عقیق نامی جاگیر کا مسئلہ جو آپؐ نے بلال بن حارثؓ کو دی اور وہ مدینہ میں ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ باشندگانِ مدینہ نے برضا و رغبت اسلام قبول کیا تھا اور اس سلسلہ میں ان پر کسی قسم کا جبر نہیں ہوا تھا۔ ایسی صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی سنّت تو یہی ہے کہ جب کوئی مسلمان ہو تو اُس کی سابقہ ملکیّت بحال رہتی ہے۔ اس اصول کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہم دیکھ رہے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم ایسے علاقہ کی زمین میں سے جاگیر عطا فرما رہے ہیں۔ جاگیر دینے کے موضوع پر اس سے زیادہ تعجب خیز کوئی شکل ہمارے سامنے نہیں آئی۔ یہ مسئلہ حضرت ابن عباسؓ کی روایت کردہ مندرجہ ذیل حدیث سے ہماری سمجھ میں آیا۔

(۶۹۳) حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم مدینہ تشریف لائے تو وہاں کے باشندوں نے تمام وہ اراضی جن تک پانی نہیں پہنچتا تھا آپ کے حوالے کر دیں کہ آپؐ اپنی مرضی سے انہیں کام میں لائیں۔

ابو عبیدؒ:۔ ہمارا خیال ہے کہ مذکورہ عقیق کا علاقہ اسی قبیل سے ہو گا۔ اور حضورؐ نے وہ حضرت بلالؓ کو جاگیر میں دے دیا تھا۔ رسول اللہؐ یہ نہیں کر سکتے تھے کہ ایک ایسا حصۂ زمین جو اسلام قبول کرتے وقت اہلِ مدینہ کی ملکیّت ہو اسے اُن

کی مرضی اور خوشنودی کے بغیر کسی اور کو بطور جاگیر بخش دیتے۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے عقیق کا علاقہ بلال ابن حارث کو اس لئے بطور جاگیر دے دیا تھا کہ عقیق مُزینہ قبیلہ کی زمین کا حصّہ تھا اور کبھی بھی مدینہ والوں کی ملکیت میں نہیں رہا تھا۔

باقی رہا مارب کا وہ نمکزار یا کانِ نمک جو آپؐ نے ابیض بن حمال کو جاگیر میں دے کر پھر واپس لے لیا۔ سو وہ آپؐ نے یہ سمجھ کر اسے دیا تھا کہ وہ غیر آباد علاقہ ہوگا جسے ابیض آباد کریں گے۔ مگر جب آپؐ کو منکشف ہوا کہ وہ چشموں اور کنوؤں کی طرح بڑا قیمتی سدا رہنے والا پانی کا خزانہ (کانِ نمک) ہے تو آپؐ نے اس سے وہ علاقہ واپس لے لیا۔ اس لئے کہ گھاس، آگ اور پانی کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی سنّت یہ تھی کہ ان میں سب لوگ شریک ہیں (اور یہ کسی ایک شخص کی ملکیت میں نہیں چھوڑی جائے گی) چنانچہ آپؐ نے یہ ناپسند فرمایا کہ دوسرے آدمیوں کو محروم کر کے وہ تنہا اس نمکزار کا مالک بنا رہے۔ یہ پوری بحث آگے اپنے مقام پر آئے گی ان شاء اللہ۔

گھاس، آگ، اور پانی عوام کی مشترکہ ملکیّت ہے

رہا یہ مسئلہ کہ حضرت ابوبکرؓ نے جب طلحہؓ اور عیینہؓ کو جاگیر دی تو حضرت عمرؓ نے اسے درست نہ سمجھا اور کاغذ پر مہر لگانے سے انکار کر دیا۔ تو مجھے ان کے اس عمل پر بجز اس کے کوئی وجہ جواز نہیں ملتی کہ اس وقت حضرت عمرؓ جاگیر دینے کو ناپسند و ناروا خیال کرتے ہوں گے جس کی شہادت اس جملہ سے ملتی ہے جو انہوں نے طلحہؓ سے کہا تھا "کیا دوسرے لوگوں کو محروم کر کے یہ ساری زمین تم ہی تنہا لے لو گے؟" لیکن بعد میں جب انہیں خلافت ملی تو اُن کی رائے بدل گئی۔ اس لئے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ اُنہوں نے اپنی خلافت میں ایک سے زائد اشخاص کو جاگیریں دیں۔ ان کا یہ عمل ایسا ہی تھا جیسے ایک آدمی کسی مسئلہ میں ابتداءً کوئی خیال رکھتا ہو پھر جب حقیقت امر اس پر واضح ہو جائے تو وہ اپنی پہلی رائے سے رجوع کر کے حقیقت کو اپنا لے۔ اور یہی قدیم و جدید زمانہ میں علماء کا طرزِ عمل رہا ہے۔

باقی رہا حضرت عثمانؓ کا بعض صحابہؓ کو جاگیریں دینا اور ان صحابہؓ کا وہ جاگیریں قبول کرلینا۔ تو اس بارے میں علماء کی ایک جماعت نے یہ تاویل کی ہے کہ وہ جاگیریں سواد عراق کے علاقہ میں دی گئی تھیں۔ جب میں نے اس بارے میں (اپنے اُستاد) قَبیصہ سے دریافت کیا "کیا ان جاگیروں کے سلسلہ میں سواد عراق کی تصریح مذکور ہے؟" تو انہوں نے جواب دیا "نہیں"۔ اگر صورت حال ایسی ہی تھی جیسی یہ لوگ تاویل کر رہے ہیں تو پھر یہ جاگیریں ان زمینوں میں سے دی گئی ہوں گی جنہیں حضرت عمرؓ نے سواد (عراق) کی زمین میں سے اپنے لئے مخصوص کر لیا تھا:

(۶۹۴) ابو حُمَّرہ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے سواد کے علاقہ سے دس قسموں کی زمینیں اپنے لئے خاص کر لی تھیں: وہ زمینیں جن کے مالکان جنگ میں قتل ہو گئے۔ فرار ہو جانے والے مسلمانوں کی زمینیں۔ کسریٰ کی مقبوضہ اراضی۔ کسریٰ کے خاندان والوں کی اراضی۔ وہ اراضی جن میں پانی بیٹھنے کی وجہ سے جھاڑیاں پیدا ہو جائیں۔ ڈاک کی منزلوں پر خانقاہوں کی زمینیں۔ ان اراضی کی مجموعی آمدنی ستر لاکھ (درہم) ہوتی تھی۔ دَیرِ جماجم کے معرکہ میں لوگوں نے ان اراضی کے حساب کتاب کے دفاتر اور رجسٹروں کو آگ لگا دی اور ہر قوم نے اپنے قرب وجوار کی اراضی پر قبضہ کر لیا۔

ابو عبیدؒ:۔ مذکورہ بالا تمام اراضی وہ ہیں جنہیں ان کے مالک چھوڑ گئے تھے اور وہاں نہ کوئی باشندہ تھا نہ انہیں آباد کرنے والا۔ اس طرح ان اراضی کا فیصلہ ہمارے بیان کردہ قدیم وغیر آباد زمینوں کے قانون کے مطابق امام کے ہاتھ میں آگیا۔ جب حضرت عثمانؓ کا دور آیا تو انہوں نے بجائے بے کار چھوڑنے کے ان زمینوں کی آبادکاری میں مسلمانوں کے خراج کی آمدنی زیادہ ہوتی دیکھی۔ چنانچہ انہوں نے اپنی صوابدید کے مطابق جس طرح کچھ لوگ ان زمینوں کو آباد کر رہے تھے اوروں کو بھی یہ زمینیں آبادکاری اور اسلامی حکومت کے واجبات کی ادائی کی شرط پر دے دیں۔

رہی وہ دوسری تاویل جو بعض لوگ اس بارے میں کرتے ہیں میری نظر میں درست نہیں ہے۔ اس لئے کہ خود حضرت عمرؓ سے ایک روایت میں ایسا کرنے پر

سخت گیری مذکور ہے :

متعین مقصد کے لئے جاگیر بخشی

(۶۹۵) عطیہ بن قیس کہتے ہیں کہ کچھ لوگوں نے حضرت عمرؓ سے دمشق میں اَنذرِکیسان کے علاقہ میں اپنے گھوڑے باندھنے کے لئے کچھ زمین مانگی۔ چنانچہ انہوں نے وہاں کا ایک قطعہ انہیں (اس غرض کے لئے) دے دیا۔ لیکن جب ان لوگوں نے وہاں کھیت دگا ڈالے تو اُنہوں نے نہ صرف وہ زمینیں ان سے واپس لے لیں بلکہ وہاں زراعت کرنے کی وجہ سے ان پر جُرمانہ بھی لگایا۔

ابوعبیدؒ۔ یہ واقعہ سواد (عراق) کے قصہ سے ملتا جلتا ہے۔ اس لئے کہ مُلک شام کا تمام علاقہ۔ صرف شہروں کو چھوڑ کر جو تمام کے تمام صلحی ہیں۔ فوجی قوّت کے زور سے فتح ہوا تھا۔ ہم فتوحات اراضی کے ذیل میں یہ بیان کر آئے ہیں۔ (دیکھئے نمبر ۲۷۷ تا ۲۷۹)

جس زمین کا کوئی مالک نہ ہوتا وہی زمین جاگیر میں دی جاتی تھی

اس بات کا ثبوت کہ حضرت عثمانؓ نے جو جاگیریں دی تھیں (دیکھئے موسیٰ بن طلحہ سے مروی روایت نمبر ۶۸۹) وہ انہی اراضی میں سے تھیں جنہیں حضرت عمرؓ نے اپنے لئے مخصوص کیا تھا۔ ایک اور روایت سے ملتا ہے جس میں ان زمینوں کے نام بھی ہیں جو حضرت عثمانؓ نے دی تھیں اور وہ فہرست اسماء یہ ہے :

"(۶۹۶) صَعنَب ۔ نَہرَین ۔ قریۂ ہُرمز"

واضح رہے کہ ہرمز ایران کے اکاسرہ میں سے ایک تھا۔ اس طرح یہ روایت ہمارے اس سابقہ قول کی تفسیر کر رہی ہے کہ انہوں نے صرف انہی زمینوں میں سے جاگیریں عطا کی تھیں جن کا کوئی مالک نہیں رہا تھا۔

(۶۹۷) اب رہا مسئلہ بصرہ کی اس زمین کا جو شَطِّ عثمان کے نام سے معروف ہے اور جسے حضرت عثمانؓ نے عثمان بن ابی العاص کو جاگیر میں دیا تھا۔ سو اس زمانہ میں بصرہ کا تمام علاقہ سیم وتھور کا مارا غیر آباد اور جھاڑیوں سے بھرا ہوا تھا۔ اسی حالت میں حضرت عثمان بن عفانؓ نے عثمان بن ابی العاص ثقفی کو وہ زمین دی جسے اُنہوں نے جھاڑ جھنکار

سے صاف کرکے قابلِ کاشت بنایا۔

وہ زمین جس کا بیشتر حصہ جھاڑیوں سے ڈھکا ہوا اس پر غیر آباد زمین کا اطلاق ہوگا اور جو اسے آباد کرے گا وہ اسی کی ہو جائے گی۔

رَقّہ سے ورے نہرِ سعید کا بھی اسی موضوع سے تعلق ہے:

(۶۹۸) رجاء بن ابی سلمہ کہتے ہیں کہ بنی امیہ کے فلاں خلیفہ نے سعید بن عبدالملک کو فرات کے کنارے جھاڑیوں سے بھرے ہوئے قطعۂ زمین میں نہر بطور جاگیر بخشی دیہ نہر بند ہو چکی تھی اور) اس (پر جھاڑیوں) میں درندے رہتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اس علاقہ کو آباد کیا اور بعد میں وہی جگہ نہرِ سعید کہلائی۔

ابو عبیدؒ:- یہی حکم اس زمین کا بھی ہوگا جس پر پانی آجائے اور اس طرح ٹھہر جائے کہ نہ اس میں کاشت ہو سکے اور نہ کسی اور پہلو سے وہ لوگوں کے لئے منفعت بخش رہے مثلاً سیلاب کی ریتلی اور کنکریلی گذرگاہیں، ریگ زار اور سیم وتھور زدہ زمینیں وغیرہ۔ پھر لوگ اپنی کوششوں سے اس کا پانی وغیرہ دُور کرکے اسے قابلِ کاشت بنالیں تو یہ بھی اس غیر آباد زمین کی طرح ان کی ملکیت بن جائے گی جو اسے قابلِ کاشت اور آباد بنالیں۔ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے جب یہ کہا تھا:

(۶۹۹) "جو کسی علاقہ میں (وہاں مرے ہوئے) پانی پر قابو پالے تو وہ علاقہ اسی کا ہو جائے گا۔"

تو اس سے اُن کی مراد یہی تھی۔

عمر بن عبدالعزیز کی یہ روایت قتادہ سے مروی ہے۔

———×———

باب

اراضی کی آبادکاری - انہیں حدبندی کرکے اپنی ملکیّت بنالینا۔ نیز دوسرے کی آبادکردہ زمین میں دخل اندازی کا بیان

آبادکاری کی تین صورتیں

ابوعبیدؒ:- زمین کی آبادکاری سے متعلق احکام کی تین صورتیں بیان ہوئی ہیں:

(ا) پہلی صورت تو یہ ہے کہ کوئی شخص کسی غیرآباد علاقہ میں پہنچ کر اسے قابلِ کاشت بنا کر آباد کردے۔ اور پھر کوئی دوسرا شخص اس میں دخل انداز ہوکر وہاں پودے لگا دے یا عمارت بنالے تاکہ اس طرح وہ اپنے سے پہلے آبادکار کی زمین کا حقدار بن جائے۔

(اا) دوسری صورت یہ ہے کہ امام (حاکمِ وقت) کسی شخص کو غیرآباد زمین بطورِ جاگیر بخش دے اور اس بناء پر وہ اس کی ملکیّت بن جائے لیکن یہ شخص اس کی کاشت اور آبادکاری میں کوتاہی کرے تاآنکہ کوئی دوسرا شخص وہاں پہنچے اور وہ اس زمین کو لاوارث سمجھتے ہوئے اسے قابلِ کاشت بنا کر آباد کرلے۔

(ااا) تیسری صورت یہ ہے کہ کوئی شخص کسی زمین پر مالکانہ حقوق کے اظہار کے لئے حدبندی کے نشانات بنالے مثلاً اس پر مینار کھڑے کرلے یا اس کے اردگرد نالے یا خندقیں کھودلے۔ مینڈیں یا بند بنالے۔ یا اسی قسم کی دیگر شکلیں پیدا کرے جس سے ملکیّت کا اظہار ہوسکے، اور یہ

سب کچھ کرنے کے بعد اسے بے آباد چھوڑ دے اور دوسرے لوگ بھی آثار سے یہ سمجھ کر کہ یہ کسی کی ملکیت ہے اسے آباد کرنے سے باز رہیں۔

ان تمام صورتوں سے متعلق احادیث وسنن و آثار میں احکام ملتے ہیں۔"

غیر آباد علاقہ کے آباد کار اور اس میں ناجائز دخل اندازی کرنے والے کے متعلق احکام

پہلی صورت سے متعلق احکام:۔

مُردہ وغیر آباد زمین اُسے آباد کرنے والے کی ملکیت ہو جائے گی

(۷۰۰) جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جو شخص کسی غیر آباد زمین کو آباد کرے تو وہ زمین اسی کی ملکیت ہو جائے گی اور جو بھی رزق تلاش کرتے ہوئے اس (زمین کی پیداوار) میں سے کچھ کھالے تو یہ (خوراک) اس (مالک) کے لئے (بمنزلہ) صدقہ ہو گی۔

ابو عبید:۔ متلاشیِ رزق میں درندے، پرندے، انسان اور ہر وہ چیز شامل ہے جو وہاں جاکر طالب رزق ہو۔

(۷۰۱) عروۃ حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جو شخص ایسی زمین کو آباد کرے جو کسی کی ملکیت میں نہ ہو تو وہ (آباد کار) اس علاقہ کا زیادہ حقدار ہے۔"

عروۃ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت کے دوران اسی حدیث کے مطابق فیصلے فرمائے۔

کسی کی آباد کردہ زمین میں ناجائز دخل اندازی کی ممانعت

(۷۰۲) عروۃ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس نے کوئی مردہ وغیر آباد زمین آباد کی تو وہ اسی کی ہے۔ اور کسی ظالم کی ریشہ دوانیوں کو اس میں کوئی حق حاصل نہ ہوگا۔

(۷۰۳) ہشام کہتے ہیں کہ ظالم کی ریشہ دوانیوں" کا مطلب یہ ہے کہ کسی دوسرے کے

کے حق میں سے کچھ ناجائز حصہ ہتھیانے کے لئے دخل اندازی کرنا۔

(۷۰۴) ربیعہ بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ وادیوں کے حقوق میں یہ بھی شامل ہے کہ اسلام قبول کرتے وقت جس قوم کی جو ملکیت ہو وہ اسی کے قبضہ میں رہنے دی جائے۔ پھر اگر کوئی شخص کسی مردہ زمین کو آباد کرے اور کوئی دوسرا شخص اس کی آباد کی ہوئی زمین میں دخل اندازی

ملکیت زمین کے اسباب

کرتے ہوئے اس میں درخت لگا دے یا عمارت بنا دے یا کاشت کرلے، جبکہ یہ حق اسے نہ تو وراثت کی وجہ سے پہنچتا ہو نہ مال کے ذریعہ خریدنے کی وجہ سے، نہ سلطان کی طرف سے جاگیر ملنے کی بنا پر، اور نہ اسلام قبول کرتے وقت اس کی ملکیت میں ہونے کے باعث، تو یہ دخل اندازی ظالمانہ ریشہ دوانی ہوگی۔

(۷۰۵) عروۃ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس نے کوئی مُردہ زمین آباد کرلی تو وہ اسی کی ہوگئی اور کسی ظالم کی ریشہ دوانیوں کو اس میں کوئی حق حاصل نہ ہوگا"۔

دوسرے کی زمین ہتھیانے کے لئے اُس میں باغات لگانے والے کے متعلق فیصلہ

عروۃ کہتے ہیں کہ جس شخص نے مجھ سے یہ حدیث بیان کی اُنہوں نے مجھے یہ بھی بتایا کہ ایک شخص نے بنی بیاضہ کے ایک انصاری کی زمین میں کھجوروں کے باغ لگا لئے۔ یہ دونوں اپنا جھگڑا حضورؐ کی خدمت میں لائے تو آپؐ نے فیصلہ دیا کہ زمین زمین والے کی ہے۔ اور دوسرے کے لئے یہ فیصلہ دیا کہ وہ اپنے کھجور کے درختوں کو نکال لے۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے (اس فیصلہ کے بعد) ان کھجور کے درختوں کی جڑوں پر کلہاڑیاں لگتے دیکھیں۔ واقعتہً وہ بڑے بڑے کھجور کے درخت تھے۔

ابو عبیدؒ:- یہ حدیث بھی "ظالم کی ریشہ دوانی" کی تفسیر کر رہی ہے۔ کھجور کے درخت لگانے والا اس لئے ظالم ہوا کہ اس نے یہ جانتے ہوئے کہ زمین کسی دوسرے کی ملکیت ہے اس میں درخت لگا دیئے۔ چنانچہ وہ ظالم و غاصب قرار پایا۔ اور اس کے لئے یہ فیصلہ صادر ہوا کہ وہ اپنے بوئے ہوئے درخت اکھیڑ لے۔

لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم سے دوسرے کی زمین میں کھیتی باڑی کرنے پر اس طرح کا فیصلہ نہیں ملا :۔

دوسرے کی زمین پر بلا اجازت کاشت کر لینے والے کے متعلق فیصلہ

(۷۰۶) رافع بن خدیج سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: "جو دوسروں کی زمین میں ان کی اجازت کے بغیر کاشت کرلے تو اس (ناجائز کاشتکار) کو اس کا خرچہ دے دیا جائے گا اور کھیتی میں سے اسے کچھ نہیں ملے گا۔

ابو عبیدؒ:۔ اس حدیث کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں۔ ایک تو از روئے فتویٰ یہ ہے کہ کہ اس فرمان سے رسول اللہؐ کا مقصود یہ ہو کہ کاشتکار کو اس (ناجائز کاشت) کی پیداوار میں سے صرف اپنے خرچ کے مطابق وصول کرلینا درست ہوگا اور بقیہ پیداوار وہ مساکین میں تقسیم کر دے گا۔ دوسرا مفہوم یہ ہوگا کہ حضورؐ نے اس فیصلہ سے زمین کے مالک کو یہ حکم دیا کہ وہ کاشتکار کی لگائی ہوئی رقم اسے دے کر بقیہ پیداوار اپنے لئے حلال سمجھے

کھجور کے درختوں اور کھیتی کے فیصلہ میں یہ اختلاف، کہ کھجور کے درخت اکھیڑنے کا حکم دیا اور کھیتی کو نہ اکھیڑنے کا، اس وجہ سے ہے کہ کھیتی کے بعد زمین مالک کو بغیر کسی خرابی کے مل جائے گی۔ کھیتی سے اسے کوئی گزند نہیں پہنچے گا۔ کیونکہ وہ ایک سال ہی زمین میں رہے گی۔ کھیتی کٹنے کے بعد زمین میں اس کی جڑیں باقی نہ رہیں گی۔ چنانچہ سال ختم ہونے پر زمین مالک کی ہو جائے گی اور دوسرے کو اس کا خرچہ مل جائے گا۔ سرسبز کھیتی کاٹنے کے مقابلہ میں یہ صورت زیادہ مناسب ہے۔ اور اللہ تعالیٰ فساد ناپسند فرماتا ہے۔

اس کے برخلاف کھجور کے درختوں کی جڑیں سدا زمین میں رہیں گی۔ انہیں خواہ کتنے طویل عرصہ تک مزید کیوں نہ چھوڑ دیا جائے بغیر انہیں اکھیڑے کسی صورت سے بھی زمین مالک کو واپس نہیں کی جا سکے گی۔ اور چونکہ کوئی متعین آخری مدت ایسی نہیں جس کا انتظار کرتے ہوئے انہیں نہ اکھیڑا جائے۔ مناسب یہی ٹھہرا کہ فیصلہ کے بعد فوراً انہیں اکھیڑ ڈالا جائے۔ یہ ہے کھجور کے درختوں اور کھیتی کے درمیان فرق۔ اور اللہ ہی بہتر جانتا

ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے فیصلہ میں کونسی حکمت مدِنظر رکھی تھی۔

غیر کی زمین پر ناجائز تعمیر کرنے کا حکم

ابو عبیدؒ:۔ ہماری نظر میں (کسی کی زمین میں ناجائز) عمارت بنا لینے کا حکم بھی کھجور کے درختوں پر قیاس کیا جائے گا۔

(۷۰۸) شعبی کہتے ہیں کہ جو شخص دوسروں کی زمین پر عمارت بنائے اور وہ لوگ اسے دیکھتے رہیں اور اس (بنانے والے) کو منع نہ کریں تو وہ لوگ اس عمارت کی قیمت کے ذمہ دار ہوں گے۔ لیکن اگر وہ لوگ اجازت نہ دیں تو اس شخص کو اپنی عمارت گرانا ہو گی اور اُن کی زمین کو جو نقصان پہنچایا ہے اس کا تاوان بھی اسے ادا کرنا ہو گا۔

ابو عبیدؒ:۔ یہاں تک تو ہوا پہلی صورت سے متعلق مسائل کا بیان۔

اب ہم دوسری صورت (سے پیدا ہونے والے مسائل) پیش کرتے ہیں۔ جو یہ

جاگیردار کی بے کار پڑی ہوئی زمین کو آباد کر لینے والے کے بارے میں فیصلہ

ہے کہ امام کسی شخص کو کچھ زمین بطور جاگیر عطا کر دے۔ اور یہ شخص اسے غیر آباد چھوڑ دے۔ بعد ازاں کوئی دوسرا شخص اُس زمین کو اس (غیر آباد) حالت میں دیکھ کر بلا وارث سمجھتے ہوئے اس پر روپیہ لگا کر کاشت اور عمارت کے ذریعے اسے آباد کرلے۔ اور اس طرح پُرانے جاگیردار اور نئے آباد کار میں جھگڑا ہو جائے۔ اس بارے میں متعدد روایات آئی ہیں:۔

(۷۰۹) عمرو بن شعیب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے بعض لوگوں کو بطور جاگیر زمینیں عطا فرمائیں۔ پھر حضرت عمرؓ کے زمانے میں دوسرے لوگوں نے وہاں جا کر اُسے آباد کر لیا۔ پُرانے جاگیرداروں نے یہ مقدمہ حضرت عمرؓ کی خدمت میں پیش کیا تو حضرت عمرؓ نے اُن سے کہا: "پہلے تو تم نے اُن لوگوں کو زمین پر کام کرنے اور (اُس کی پیداوار) کھانے کے لئے چھوڑ دیا۔ اور اب تم اُن کی حالت تبدیل کرنے کے لئے آئے ہو؟ اگر یہ جاگیر حضورؐ کی بخشی ہوئی نہ ہوتی تو میں تمہیں کچھ بھی نہ دیتا۔" پھر انہوں نے اس زمین کی آباد حالت اور غیر آباد حالت کی جُداگانہ قیمتیں معلوم کیں اور پُرانے مالکوں سے کہا: تم چاہو تو

ان دونوں قیمتوں کا فرق آباد کاروں کو ادا کر کے اپنی زمین واپس لے لو۔ ورنہ یہ آباد کار تمہیں خالی زمین کی قیمت ادا کر دیں تاکہ پھر یہ زمین اُن کی ہو جائے ۔"

اس روایت کے ایک راوی مَعمَر کہتے ہیں کہ مجھے یہ معلوم نہیں کہ آیا ان آباد کاروں کو زمین آباد کرتے وقت یہ علم ہو چکا تھا کہ یہ زمین دوسرے لوگوں کی ملکیت ہے۔

(۷۱۰) مجاہد کہتے ہیں کہ ایک شخص نے کسی غیر آباد زمین کو آباد کر کے اس پر درخت لگائے اور عمارت بنالی۔ بعدازاں ایک دوسرے آدمی نے ثبوت فراہم کئے کہ یہ زمین اس کی ملکیت ہے۔ یہ مقدمہ فیصلہ کے لئے حضرت عمرؓ کی خدمت میں پہنچا۔ انہوں نے زمین والے سے کہا "تم چاہو تو ہم تمہیں اس شخص کے اخراجات کا تخمینہ لگا کر بتا دیں تاکہ تم اسے وہ اخراجات ادا کر دو یا پھر تم چاہو تو یہ شخص تمہاری زمین کی قیمت تمہیں ادا کر دے۔"

(۷۱۱) سلیمان بن داؤد خولانی سے روایت ہے کہ عمر بن عبدالعزیز کا فیصلہ ایسے موقع پر جبکہ کوئی آدمی کسی دوسرے کی غیر آباد زمین کو سدھار کر آباد کر لیتا اور اس کا مالک اس سے وہ زمین لینا چاہتا، یہ ہوا کرتا تھا کہ وہ مالکِ زمین سے کہتے "جو کچھ اس آباد کار کو تمہاری زمین سدھارنے اور آباد کرتے میں خرچ کرنا پڑا ہے وہ اسے ادا کر دو۔ اس لئے کہ اس نے یہ کام تمہارے فائدہ کے لئے کیا ہے۔" اگر وہ مالک کہتا کہ مجھ میں اتنی قوت نہیں ہے تو وہ آباد کار سے کہتے "تم اُس کی زمین کی قیمت اسے ادا کر دو۔"

ابو عُبیدؒ:۔ (زمین میں غیر مالکانہ تصرّف کا) یہ فیصلہ پہلے فیصلہ سے مختلف ہے۔ ملاحظہ فرمایا آپ نے۔ یہاں کاشتکار کو یہ حکم نہیں دیا گیا کہ وہ اپنی کاشت اُکھیڑ کر لے جائے بلکہ وہ مالکِ زمین کو اختیار دیتے ہیں کہ یا تو وہ موجودہ آباد کاری کو نقصان پہنچائے بغیر اس کی قیمت (آباد کار کو) ادا کر دے یا پھر وہ اپنی غیر آباد زمین کی قیمت لے لے۔

دوسروں کی دخل اندازی روکنے کے لئے بطور اظہارِ ملکیّت حد بندی قائم کر کے زمین بیکار چھوڑنے والے کے لئے احکام

اب رہی تیسری صورت کہ کوئی شخص مالکانہ حقوق کے اظہار کے لئے کسی زمین کے ارد گرد حدود قائم کر دے۔ خواہ یہ مالکانہ حقوق امام کی طرف سے یہ زمین جاگیر ملنے پر

ہوں یاکسی دوسری وجہ سے۔ اور پھر طویل زمانہ تک وہ اس زمین کو غیر آباد چھوڑے رکھے۔

طویل مدّت (تین سال) تک زمین بے کار چھوڑنے والے کی زمین حکومت کے تصرّف میں آجائے گی

حضرت عمرؓ کی بعض روایات میں یہ زمانہ تین سال تک کا آیا ہے۔ اور اس مدّت میں اس (مالک) کے سوا کوئی دوسرا اس زمین کی آبادکاری سے باز رہے گا۔ بعد ازاں وہ زمین امام کے فیصلہ پر موقوف ہوجائے گی۔

(۷۱۲) بلال بن حارث مُزنیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے پورا (وادی) عقیق کا علاقہ انہیں جاگیر میں دے دیا تھا۔ مگر حضرت عمرؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں بلالؓ سے کہا: "یقین جانو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے تمہیں یہ علاقہ اس لئے نہیں بخشا تھا کہ تُم اسے لوگوں سے روک کر بیٹھ جاؤ۔ آپؐ نے یہ علاقہ اس لئے عطا فرمایا تھا کہ تُم اسے آباد کرو۔ لہٰذا اس علاقہ میں جس حصہ کی تم آبادکاری کرسکتے ہو وہ تم لےلو اور بقیہ واپس کردو"[۱]

(۷۱۳) سالم بن عبداللہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ "حضرت عمر بن الخطابؓ اس منبر پر خطبہ میں کہا کرتے تھے:" اے لوگو! جو کسی غیر آباد زمین کو آباد کرلے تو وہ زمین اسی کی ملکیت ہوجائے گی"۔ وہ اس لئے یہ دُہراتے تھے کہ بہت سے لوگ زمین کو آباد کئے بغیر قبضہ میں رکھنے لگے تھے۔

(۷۱۴) ایک دوسری سند سے بھی حضرت عمرؓ سے یہی روایت منقول ہے۔

(۷۱۵) ایک تیسری سند سے بھی یہی روایت حضرت عمرؓ سے مروی ہے۔ البتّہ اس میں زمین آباد کئے بغیر اپنے قبضہ میں رکھنے کا تذکرہ نہیں ہے۔

---

[۱] ۔ ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بلال اپنی زمین کا غیر آباد حصّہ دینے پر راضی نہ ہوئے لیکن حضرت عمرؓ نے ان سے باوجود ان کے انکار کے وہ غیر آباد زمینیں واپس لے کر دوسرے مستحق مسلمانوں میں تقسیم کردیں۔

(کتاب الخراج یحییٰ بن آدم نمبر ۲۹۴)

(۷۱۶) رُزَیق بن حکیم سے روایت ہے کہ میں نے وہ خط جو عمر بن عبد العزیزؒ نے میرے باپ کے نام لکھا تھا پڑھا۔ اس میں لکھا تھا "جو کسی غیر آباد زمین کو عمارت یا کھیت بنا کر آباد کر لے۔ بشرطیکہ وہ زمین کسی نے اپنے روپے سے نہ خریدی ہو یا اس کا بعض حصّہ آباد کر کے بعض غیر آباد نہ رہنے دیا ہو۔ تو ایسی زمین کو عمارت یا کھیت کے ذریعہ آباد کرنے والوں کے مالکانہ حقوق تسلیم کر لو۔"

ابو عبیدؒ:۔ عمر (بن عبد العزیزؒ) کی مذکورہ بالا روایت سے آباد کاری کی تفسیر ہو رہی ہے جس کے لئے انہوں نے عمارت اور کھیت کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ دراصل حقیقی آباد کاری کا انحصار پانی پر ہے۔ مثلاً نہر پھاڑنا یا چشمہ نکالنا یا کنواں کھودنا۔ اگر اس قسم کے پانی کا انتظام کرنے کے بعد اس نے عمارت یا زراعت یا درخت وغیرہ لگائے ہیں تو یہ پوری آباد کاری متصوّر ہو گی۔ لیکن اگر اس نے زمین میں صرف پانی ہی کا انتظام کیا اور اس سے زیادہ کچھ آباد کاری نہ کی تو اسے صرف اس کی کارگذاری کے مطابق محدود علاقہ کا مالک بنا کر بقیہ زمین دیگر آباد کاروں کو دے دی جائے گی۔ اس محدود علاقہ کے سلسلہ میں کچھ آثار منقول ہیں:

آباد کاری کی تفسیر

آباد کار کو اُس کی کارکردگی کے مطابق محدود حصّہ ملے گا

(۷۱۷) حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں: "کنویں کے لئے (اس کے اردگرد ہر طرف سے) چالیس ہاتھ تک ممنوعہ علاقہ[1] ہے تا کہ اس میں اونٹ اور بھیڑ بکریاں پرورش پا سکیں۔

(۷۱۸) سعید بن مسیّب سے روایت ہے: "نئے کنویں کا ممنوعہ علاقہ اس کے اردگرد کی ہر سمت سے پچیس ہاتھ ہے۔ اور کھیت کے کنویں کا ممنوعہ علاقہ اس کے اردگرد کی ہر سمت سے تین سو ہاتھ ہے۔ اور قدیم کنویں کا ممنوعہ علاقہ اس کے اردگرد کی ہر سمت سے پچاس ہاتھ ہے۔" اس روایت کی سند کے ایک راوی ابن شہاب کہتے ہیں: "اور میں نے لوگوں کو یہ کہتے سُنا ہے کہ چشمہ کے اردگرد کا ممنوعہ علاقہ پانچ سو ہاتھ ہے۔"

---

[1] ممنوعہ علاقہ سے مُراد ہے کہ اس حد میں کوئی دوسرا شخص کنواں کھودنے کا مجاز نہ ہو گا۔ اور اس قطعہ سے کنواں کھودنے والا فائدہ اٹھاتا رہے گا۔

(۷۱۹) ابن شہاب کہتے ہیں: "لوگ جب زمین دوز نالے کھودتے تھے تو ان کے دہانوں کے درمیان پانچ سو ہاتھ زمین چھوڑ دیتے تھے۔

(۷۲۰) شعبی کہتے ہیں: "کنویں کے اردگرد کا ممنوعہ علاقہ چالیس ہاتھ ہے۔ اس حد میں کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ کنویں والے کے پانی یا اس کے جانوروں کے باڑوں میں مداخلت کرے۔

(۷۲۱) یحییٰ بن سعید کہتے ہیں: "قدیم کنویں کے اردگرد ممنوعہ علاقہ کے سلسلہ میں سنت طریقہ پچاس ہاتھ زمین چھوڑنے کا ہے اور نئے کنویں کے لئے پچیس ہاتھ۔"
[یحییٰ بن سعید کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ پُرانے کنویں کے اردگرد ہر طرف پچاس ہاتھ زمین اور نئے کنویں کے ہر طرف سے پچیس ہاتھ زمین میں نئے کنویں کھودنے کی ممانعت کر دی جائے گی تاکہ کنویں والوں کے حقوق محفوظ رہیں اور انہیں نقصان نہ پہنچے]

تین ممنوعہ علاقے

(۷۲۲) ابو عبیدؒ: اسی موضوع سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ہے کہ تین علاقوں کے سوا کوئی علاقہ ممنوع قرار نہیں دیا جائے گا۔ کنواں۔ گھوڑے کی رسی[1]۔ لوگوں (کی نشست گاہ) کا حلقہ۔

ممنوعہ علاقہ کی لم

ابو عبیدؒ: اس حدیث کی تفسیر ہم نے دوسری جگہ کی ہے۔ کنواں کھودنے والے کے لئے یہ معینہ ممنوعہ حدود اس لئے مقرر کی گئیں کہ اُس نے ایک غیر آباد زمین کو آباد کرنے میں پہل کی اور بقول ابوہریرہؓ وشعبی اس بناء پر وہ اپنے جانوروں کی پرورش کے لئے ممنوعہ حدود کا مستحق ہو گیا۔ یا بالفاظ یحییٰ بن سعیدؒ "تاکہ اس کنویں کے پاس کوئی دوسرا کنواں کھودے جانے سے اس کو گزند نہ پہنچے۔"

(۷۲۳) ممنوعہ محدود علاقہ کے بارے میں سفیان (ثوری) سے بھی ایسا ہی قول

---

[1] یعنی وہ لمبی رسی جس میں گھوڑے کو باندھ دیا جائے تو جہاں تک وہ رسی پہنچے اس حد میں گھوڑے کو چرنے اور گھومتے پھرنے سے نہ روکا جائے۔

منقول ہے۔

(۷۲۴) البتہ مالک بن انس ممنوعہ علاقہ کے بارے میں کسی مقررہ حد کے قائل نہ تھے۔ وہ کہتے تھے کہ ان حدود کا تعین اس اندازہ کے مطابق ہوگا جس سے کنویں کو کسی نقصان کا اندیشہ نہ رہے۔ شہروں میں بھی کنووں کے لئے ممنوعہ حدود کے بارے میں ان کی یہی رائے تھی۔ وہ کہتے تھے کہ اگر کوئی شخص اپنے گھر میں کنواں کھود لے اور اس کا پڑوسی بھی، اس کے بعد اپنے لئے علیحدہ کنواں کھود لے تو اگر اس عمل سے پہلے کنویں کا پانی گہرا ہو جائے اور نئے کھودے ہوئے کنویں میں منتقل ہو جائے تو بعد میں کنواں کھودنے والے کو حکم دیا جائے گا کہ وہ اپنے کنویں کو دور لے جائے۔

(۷۲۵) سفیان کہتے تھے: "اپنی حدود (ملکیت) میں ہر شخص اپنی مرضی کے مطابق ردّ و بدل کا مجاز ہے۔ خواہ اس سے اس کے پڑوسی کو نقصان ہی کیوں نہ پہنچے۔ اس لئے کہ شہروں میں کنووں کے لئے کسی قسم کی حد بندی کی قطعاً کوئی قید نہیں ہے۔ یہ قید صرف دیہاتوں (کاشت کی زمینوں) اور جنگلوں کے لئے ہے۔

ابو عبیدؒ:۔ یہ (مالک اور سفیان) دونوں کے دونوں وہاں (دیہات اور جنگلات) کے کنووں کو فروخت کرنا پسند نہیں کرتے۔ اس لئے کہ ان سے مسافروں کو فائدہ ہوتا ہے۔ اور یہی وہ کنویں ہیں جن کے کھودنے والوں کو شریح کوئی ضمانت نہیں دیتے تھے۔

(۷۲۶) شریح سے مروی ہے کہ وہ گھریلو کنووں کے مالکوں اور بقالوں کی بوریوں[1] کی ضمانت دیا کرتے تھے لیکن جنگلات اور صحراؤں کے ان کنووں کی جو مسلمانوں کی بہبود کے لئے کھودے گئے ہوں ضمانت نہیں دیتے تھے۔

ابو عبیدؒ:۔ کنووں اور چشموں سے متصل اراضی کو ممنوعہ قرار دینے کے سلسلہ میں یہ کچھ روایات ہمیں ملی ہیں۔ اب رہا نہروں سے ملی ہوئی زمین کے ممنوعہ علاقہ کا مسئلہ سو اس بارے میں ہم نے کوئی معین چیز نہیں سُنی۔

---

[1] یعنی بقالوں کو منڈی میں اپنی جگہوں پر بوریاں بچھا کر اپنے لئے خاص کر لینے کی ضمانت دیتے تھے۔

باب

گھاس اور پانی (چراگاہ) والی زمین کی رکھت کا بیان

حمیٰ (رکھت) قرار دینے کا حق

(۷۲۷) - صعب بن جثامہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کسی علاقہ کو حمیٰ (رکھت) قرار دینے کا حق اللہ اور اُس کے رسولؐ کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہے۔"

پانی، آگ اور گھاس مشترکہ ملکیت ہیں

ابو عبید: ہمارے خیال میں اس حدیث میں جس حمیٰ (رکھت) سے منع کیا گیا ہے اس سے مُراد ان اشیاء سے منع کر دینا ہے جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام لوگوں کے لئے مشترکہ قرار دیا ہے اور یہ چیزیں پانی، گھاس اور آگ ہیں۔ چنانچہ متعدد احادیث میں ان چیزوں کو نام بہ نام متعیّن کیا گیا ہے:-

(۷۲۸) - حبّان بن زید شرعبی اپنی قوم کے ایک شخص سے روایت کرتے ہیں۔ یہ شخص جلد باز تھا اور ایک جنگ میں حصّہ لے رہا تھا۔ وہ اپنے پڑاؤ کے مقام سے دوسرے جانوروں کو ہٹا رہا تھا۔ اُس کے اس عمل پر اسے ایک مہاجر نے ڈانٹا۔ لیکن اُس نے اس مہاجر (اور اس کی تنبیہ) کو درخورِ اعتنا نہ سمجھا جس پر اس مہاجر نے کہا: "میں تین سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہا ہوں۔ جب اُس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر سنا تو ٹھٹکا اور شرمندہ ہو کر معافی مانگنے لگا۔ تب اُنہوں نے کہا: "میں تین سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہا ہوں اور میں نے آپؐ کو یہ فرماتے سنا ہے: تمام لوگ پانی، آگ اور گھاس میں باہمد گر شریک ہیں۔"

(۷۲۹) - قَیلہؓ کہتی ہیں کہ اُنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا: مسلمان مسلمان کا بھائی ہے اور وہ پانی اور درختوں میں باہمد گر شریک رہیں گے اور شیاطین کی سرکوبی میں باہمد گر تعاون کریں گے۔"

(۷۳۰) - ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "پانی کا ضرورت سے زائد حصّہ لوگوں سے روکا نہیں جائے گا تاکہ اُس کے ذریعے گھاس کے زائد حصّہ سے روکا جائے[1]۔"

(۷۳۱) (۷۳۲) ابو قِلابہ اور حسن (دو مختلف سندوں سے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: "جس نے زائد پانی کو روکا تاکہ اس طرح زائد گھاس سے لوگوں کو روک دے تو ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ روزِ قیامت اپنے فضل سے محروم کر دے گا۔"

(۷۳۳) - اِیاس بن عبد کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرورت سے زائد پانی سے لوگوں کو محروم کرنے سے منع فرمایا۔

(۷۳۴) - ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپؐ نے پانی فروخت کرنے سے منع فرمایا۔

(۷۳۵) - قاسم بن محمد راوی ہیں: "ضرورت سے زائد پانی سے لوگوں کو محروم کرنے سے منع کیا گیا ہے۔"

(۷۳۶) - بُہَیسہ روایت کرتی ہیں: "میرے والد[2] نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ وہ آپؐ کی پُشت کی جانب سے آپؐ کی قمیص میں داخل ہو جائیں۔ اندر پہنچ کر انہوں نے اپنا سینہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پُشت سے چمٹا لیا اور سوال کیا: "یا رسول اللہؐ! وہ کیا چیز ہے جسے لوگوں سے روکنا حلال نہیں ہے؟" آپؐ

---

[1] یعنی زائد پانی سے دوسری زمینوں کو سیراب نہ کر کے لوگوں کو زائد گھاس اور سبزی سے محروم نہ کیا جائے۔

[2] اُن کا نام عمیر الفزاری ہے۔ (اصابہ)

نے فرمایا: "پانی"۔ اُنہوں نے پھر دریافت کیا: "یا رسول اللہ! وہ کیا چیز ہے جسے لوگوں سے روکنا حلال نہیں ہے؟" آپؐ نے جواب دیا: "نمک"۔ اُنہوں نے پھر کہا: یا رسول اللہ! وہ کونسی شے ہے جسے لوگوں سے روکنا حلال نہیں ہے؟ آپؐ نے فرمایا" بھلائی کرتے رہنا تمہارے لئے بہتر ہے۔" چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی اور نمک پر بات ختم فرمادی۔ اور بعدازاں وہ سائل کسی کو پانی سے نہ روکتا تھا خواہ وہ کتنا قلیل ہی کیوں نہ ہوتا۔"

(۷۳۷) ۔ حضرت عمر بن الخطابؓ سے روایت ہے کہ اُنہوں نے کہا: "کاشتکار سے زیادہ مسافر، پانی کا مستحق ہے۔"

(۷۳۸) ۔ ابوہریرہؓ سے ایک روایت ہے جس کے آخر میں ہے: "مسافر سب سے پہلے پانی پئے گا۔"

ابو عبید: مَیں نہیں کہہ سکتا کہ یہ ابوہریرہؓ کا قول ہے یا نہیں۔[1]

بہرحال یہ مذکورہ بالا روایات واحادیثِ رسول اللہؐ مجمل ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کے انطباق کے لئے جُداگانہ مقامات اور مختلف احکام ہیں۔

اِس ضمن میں سب سے پہلی چیز وہ مباح چیزیں ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام لوگوں کو شامل فرماکر اُنہیں مُساوی حقوق عطا فرمادیئے۔ اور وہ ہیں" پانی، گھاس اور آگ"۔ ان اشیاء کے مباح ہونے کے معنے یہ ہیں کہ

مشترکہ ملکیت کا مفہوم

اگر کچھ لوگ سفر یا بادیہ پیمائی کرتے ہوئے کسی ایسی زمین پر پڑاؤ کریں جس میں ایسے پودے اور نباتات ہوں جو اللہ تعالےٰ نے چوپایوں کے لئے اُگائے ہوں اور اس

---

[1] مسندِ امام احمد بن حنبلؒ میں ابوہریرہؓ سے یہ روایت ہے:
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کنوئیں کے ارد گرد کا چالیس ہاتھ کا حلقہ اونٹ اور بھیڑ بکریوں کے اُٹھنے بیٹھنے کے لئے مخصوص رکھا جائیگا اور مسافر سب سے پہلے پانی (کا حصہ لے گا یا) پئیے گا۔ اور ضرورت سے بچ رہنے والے پانی کو روکا نہیں جائے گا تاکہ اس کے ذریعہ گھاس کو روک دیا جائے۔ (مسندِ امام احمد بن حنبلؒ۔ جلد ۲: ۴۹۴)

میں کسی انسان کی کاشت کاری یا شجرکاری یا سیرابی کی مساعی شامل نہ ہوں تو جو وہاں پہلے پہنچ جائے اُس کا مالک ہو جائے گا۔ کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ دوسرے کو اُس کے کچھ حصّہ کے استعمال سے منع کرے بلکہ ہوگا یہ کہ اُن کے چوپائے، مویشی اور جانور سب ایک ساتھ وہاں چرتے رہیں گے اور وہاں جو پانی ہوگا اس سے بھی وہ سب ایک ساتھ پانی پییں گے۔ یہ معنے ہیں آپؐ کے اس فرمان کے "سب لوگ پانی، اور گھاس میں باہم شریک ہیں" اور نیز آپؐ کے اس فرمان کے کہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے اور وہ پانی اور درختوں میں باہم دگر شریک رہیں گے"

اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے کسی چیز کو لوگوں پر بند کردینے سے منع فرما دیا۔ اِلّا یہ کہ یہ ممانعت اللہ اور اُس کے رسول کی طرف سے ہو۔ اور یہ شرط اس حدیث میں موجود ہے جسے ہم اِس باب کے آغاز میں درج کر آئے ہیں۔

رکھت (یا ممنوعہ علاقہ) کی دو صورتیں

اللہ اور اس کے رسول کی رکھت (اور ان کی طرف سے کسی شے کو ممنوع) قرار دینے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک صورت تو یہ کہ کسی علاقے کو اس لئے ممنوعہ قرار دیا جائے کہ وہاں سے راہِ خدا میں لڑنے والے مجاہدین کے گھوڑے خوراک پائیں۔ اور اس بارے میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل موجود ہے:

(۷۳۹)۔ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مدینہ کے مشہور علاقہ) نقیع کو مسلمانوں کے گھوڑوں کے لئے ممنوعہ علاقہ قرار دیا تھا۔

دوسری صورت یہ ہوگی کہ کسی زمین کو صدقہ (زکوٰۃ) کے جانوروں کے چرنے کے لئے اُس وقت تک ممنوعہ قرار دے دیا جائے تا آنکہ وہ جانور اپنے مستحقین میں منقسم ہو جائیں اور اِس صورت پر حضرت عمرؓ نے عمل کیا تھا۔

(۷۴۰)۔ اسلم راوی ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ کو اس موقع پر جب کہ وہ ھُنَیّ کو رَبَذہ مقام کی رکھت پر مامور کر رہے تھے، یہ کہتے سُنا: لوگوں سے مہربانی اور نرمی کا برتاؤ کرنا۔ مظلوم کی آہ و فریاد سے ڈرنا کہ وہ مقبول ہوتی ہے اور دیکھو

اونٹوں اور بھیڑ بکریوں کے چھوٹے چھوٹے گلّوں کے مالکوں کو (رکھت میں) داخل کر لو۔ ابن عفانؓ اور ابن عوفؓ کے مویشیوں کو مجھ سے دُور رکھو۔ اس لئے کہ اگر ان دونوں کے مویشی ہلاک ہو جائیں گے تو (اپنی گزربسر کے لئے) یہ نخلستانوں اور کھیتوں میں واپس آجائیں گے لیکن ان بے چاروں کے مویشی ہلاک ہو گئے تو یہ اے "امیر المؤمنین!" پکارتے ہوئے اور فریاد کرتے ہوئے آئیں گے۔ تم ہی بتاؤ کہ گھاس (فراہم کر دینا) میرے لئے زیادہ آسان ہے یا سونے اور چاندی کا تاوان؟ اور پھر وہ زمین بھی تو انہی کی ہے۔ جاہلیت میں وہ اس پر جنگ کرتے رہے۔ اور جب وہ اسلام لائے تو وہ زمین ان کی ملکیت تھی۔ بلاشک یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ ہم ان پر ظلم کرتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر ان اونٹوں (سواری کے جانوروں) کی پرورش اور دیکھ بھال ہمارے ذمّہ نہ ہوتی جو راہِ خدا میں مجاہدین کی سواری کے کام آتے ہیں، تو میں لوگوں کی زمین کا کوئی حصّہ کبھی بھی ممنوعہ قرار نہ دیتا۔"

اسلم کہتے ہیں: اس وقت میں نے بنی ثعلبہ کے ایک آدمی کو حضرت عمرؓ سے یہ کہتے سُنا: "یا امیر المؤمنین! آپ نے ہماری زمینوں کو رکھت (ممنوعہ علاقہ) بنا لیا ہے حالانکہ جاہلیت میں ہم اس پر جنگ کرتے تھے اور جب ہم اسلام لائے تو وہ ہماری ملکیت میں تھیں۔" وہ شخص بار بار اپنا یہ سوال دُہرا رہا تھا اور حضرت عمرؓ برابر اپنا سر جھکائے رہے۔ پھر حضرت عمرؓ نے اس کی طرف اپنا سر اٹھاتے ہوئے کہا: "(ملک اور) زمینیں، اللہ کی ہیں اور انہیں اللہ کے مال کے ان جانوروں کے لئے

---

[1] حضرت عمرؓ کی اس عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ زمین کی پیداوار سے زیادہ سے زیادہ عوام اور غریبوں کو فائدہ پہنچایا جائے۔ اس لئے کہ یہ لوگ اگر کسی قسم کی کمی پائیں گے تو براہِ راست حکومت سے فریاد کریں گے کیوں کہ عوام کی ضروریات مہیّا کرنا حکومت کی ذمّہ داری ہے۔ اُمراء تو اپنا کام چلانے کے لئے بدل پیدا کر سکتے ہیں لیکن غرباء کی شکایات رفع کرنے کے لئے حکومت کو مال صرف کرنا ہوگا۔ اگر غریبوں کا انتظام درست کر دیا جائے تو پھر حکومت کو مال خرچ کرنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔

ممنوعہ قرار دیا جا سکتا ہے جن پر راہِ خدا میں مجاہدین کو سوار کیا جاتا ہے؟"

(۷۴۱) ۔ عبداللہ بن الزبیرؓ (ابو عبیدؒ کہتے ہیں: میرا خیال ہے کہ وہ اپنے باپ سے) روایت کرتے ہیں کہ ایک اعرابی حضرت عمرؓ کے پاس آکر کہنے لگا: یا امیر المؤمنین! ہمارا علاقہ اور ہماری زمینیں جن پر جاہلیت میں ہم جنگ کرتے رہے اور جب ہم اسلام لائے تو وہ ہماری ملکیت تھیں۔ آپ کس بنا پر ان زمینوں کو ہمارے لئے ممنوعہ قرار دیتے ہیں؟"

حضرت عمرؓ پھونک مارنے اور اپنی مونچھوں کو بل دینے لگے۔ اور یہ اُن کی عادت تھی کہ جب کوئی مشکل مسئلہ درپیش ہوتا تو وہ (فکرمندی میں) پھونکیں مارنے اور مونچھوں کو بل دینے لگتے۔ اعرابی نے جب اُن کی یہ حالت دیکھی تو بار بار اپنا سوال دہرانے لگا۔ آخر حضرت عمرؓ نے کہا: "تمام مال اللہ کا مال ہے اور سب بندے اللہ کے بندے ہیں۔ خدا کی قسم اگر راہِ خدا میں مجاہدوں کی سواریوں کے انتظام کی ذمّہ داری مجھ پر نہ ہوتی تو میں ایک مربّع زمین بھی ممنوعہ نہ قرار دیتا۔"

(۷۴۲) ۔ مالک کہتے ہیں کہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ حضرت عمرؓ ہر سال چالیس ہزار سواریاں مجاہدوں کے لئے مہیّا کرتے تھے۔

ابو عبید: اِن روایات سے ظاہر ہو رہا ہے کہ حضرت عمرؓ نے جو زمینیں رکھت (ممنوعہ علاقہ) قرار دی تھیں وہ صدقہ کے اُونٹوں اور مسافروں کے لئے مشترکہ تھیں۔

(۷۴۳) مالک بن انسؒ "نقیع" سے متعلق مروی حدیث کو سند بناتے ہوئے کہتے تھے: "سُنّت یہ ہے کہ جب ضرورت پڑے نقیع کے علاقہ کو مسلمانوں کے گھوڑوں کے لئے رکھت بنا لیا جائے اور (مسلمانوں کے گھوڑوں کے علاوہ) کسی اور غرض سے اِس علاقہ کو ممنوعہ نہ قرار دیا جائے۔" اِس پر ان سے سوال کیا گیا: "کیا صدقہ (زکوٰۃ) کے اُونٹوں کے لئے بھی نہیں؟" تو انہوں نے

جواب دیا "اُن کے لئے بھی نہیں"۔ اگر یہ جائز ہو جائے تب تو بہت سے علاقے رکھت بنا لیئے جائیں گے"۔

(۷۴۴) - سفیان بن سعید سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا "رکھت بنا لینا جائز ہے"۔

اللہ کے لئے رکھت

ابو عبید: صعب بن جثّامہ سے مروی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی (اس باب میں پہلی) حدیث یہ بتا رہی ہے کہ امام کو حق حاصل ہے کہ وہ اللہ کی زمینوں میں رکھت بنا لے۔ جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عمرؓ نے رکھتیں بنائی تھیں۔ اور یہ سب کچھ اللہ کے لئے رکھت میں داخل ہے۔

اِس حد پر ہمارے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اِس فرمان کی تاویل ختم ہو جاتی ہے کہ لوگ پانی اور گھاس میں برابر کے شریک ہیں۔ اِس میں لوگوں کے اشتراک کی عمومی حیثیت اور خصوصی صورتوں میں جو استثناء آپؐ نے فرمایا، اس کی تاویل شامل ہے۔

مالکِ زمین اپنی ضروریات سے زائد پانی، گھاس اور خود رَو بوٹیوں اور درختوں کو دوسروں سے نہیں روک سکتا،

اب رہا حضورؐ کا فرمان "پانی کا ضرورت سے زائد حصّہ (لوگوں سے) نہیں روکا جائے گا تاکہ اُس کے ذریعے گھاس کے زائد حصّہ سے روکا جائے" سو اس کا مذکورہ بالا مسئلہ سے تعلق نہیں ہے۔ میرے نزدیک اس فرمان کا تعلّق اس زمین سے ہے جس کا کوئی مالک ہو اور اس میں مذکورہ وصف کے مطابق بڑی مقدار میں پانی ہو۔ اور ایسی خود رَو گھاس (اور ہریالی) ہو جس کے لئے نہ پودے لگائے گئے ہوں نہ بیج ڈالے گئے ہوں تو اس حدیث کے منشا کے مطابق اس زمین کے مالک کو اس میں سے صرف اپنی ضرورت بھر مقدار لے لینا ہی زیب دیتا ہے۔ یعنی اپنے پینے

کے لئے، اپنے مویشیوں کو پلانے کے لئے اور اپنی زمین کو سیراب کرنے کے لئے جو مقدار کافی ہو ——— بعدازاں جو مقدار باقی رہتی ہے اُس سے دوسروں کو روکنا اس کے لئے حلال نہیں ہے۔

اس بات کا ثبوت کہ آپؐ نے اس ارشاد سے مالکِ زمین مراد لیا تھا آپؐ کی یہ تصریح ہے: "ضرورت سے زائد پانی اور ضرورت سے زائد گھاس" اس طرح آپؐ نے صرف اتنی مقدار جس سے مفر نہ ہو اور جس کے بغیر اس (مالکِ زمین) کا کام نہ چلے، اس کے لئے جائز قرار دے کر اس کے سوا باقی ماندہ حصّہ سے دوسروں کو باز رکھنے سے اُسے منع فرما دیا۔ ظاہر ہے کہ اگر وہ اس زمین کا مالک نہ ہوتا تو "ضرورت سے زائد" کے الفاظ کا ذکر ہی بے محل ہوتا۔ اور ایسی صورت میں تو تمام لوگ شرعاً اس "پانی یا گھاس" میں برابر کے شریک ہوتے خواہ ان کی مقدار تھوڑی ہوتی یا بہت۔

یہی مفہوم ابیض بن حمال کی اس حدیث کا ہے جسے ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں (دیکھئے نمبر ۶۸۴) اور جس میں انہوں نے حضورؐ سے دریافت کیا تھا: "پیلو کے درختوں میں سے کیا کچھ ممنوع قرار دیا جا سکتا ہے؟" تو آپؐ نے فرمایا: "وہ کچھ جس تک اونٹوں کے پاؤں نہ پہنچ سکیں۔"

اگر یہ حکم اس کی مملوکہ زمین سے متعلق نہ مانا جائے تو پھر اس کے کوئی معنے نہ ہوں گے۔ اگر ملکیت کو نہ مانا جائے تو اُسے یہ حق ہی نہیں پہنچتا کہ وہ کسی چیز کو بھی دوسروں سے بچاتے اور اپنے لئے روک رکھے۔ اس میں اونٹوں کی رسائی یا نارسائی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور یہی وجہ ہے کہ علماء نے گھاس اور پانی کی قیمت لینا مکروہ قرار دیا ہے۔

پانی اور گھاس کی قیمت لینے کی کراہت

(۷۴۵)۔ ابن طاؤس کہتے ہیں کہ میرے باپ اپنی زمین کے گھاس اور پانی کو فروخت کرنا مکروہ سمجھتے تھے۔

(۷۴۶)۔ عمرو راوی ہیں کہ عکرمہ کہتے تھے: "درختوں کی قیمت مت کھانا کیونکہ وہ حرام ہے۔" درختوں سے ان کی مراد گھاس اور اسی قسم کا دیگر سبزہ تھا۔

(۷۴۷)۔ پانی کی قیمت کے بارے میں عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ اُن کی وَھط کی زمین کے ناظم نے انہیں لکھا کہ تمہاری زمین کی سیرابی کے بعد پانی کا وافر حصہ بچ گیا ہے۔ جس کے لئے تیس ہزار درہم کی پیش کش کی گئی ہے۔ تو اس کے جواب میں عبداللہ بن عمرو نے لکھا: "وہ پانی نہ بیچنا بلکہ اپنی زمین سیراب کرنے کے بعد دوسروں کی زمین سیراب کرو۔ اور اس ضمن میں سب سے قریب کو پہلے باری دو۔ پھر اس سے بعد والے کو۔ اس لئے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرورت سے زائد پانی فروخت کرنے سے منع کرتے ہوئے سُنا ہے۔"

ابوعبید: یہاں واضح طور پر ہمیں یہ بات معلوم ہو رہی ہے کہ یہ ممانعت پانی اور زمین کے مالک کے لئے ہے۔ اگر یہ شکل نہ ہوتی تو انہیں مذکورہ قیمت کی پیش کش بھی نہ کی جاتی۔

(۷۴۸)۔ یہ بھی روایت ہے کہ یہ پانی جس کے ضرورت سے زائد حصّہ کو لوگوں سے روکنے اور اسے فروخت کرنے سے منع کیا گیا ہے وہ سدا نکلتے رہنے والا جاری پانی ہے جس کا ذکر ہم پچھلے صفحات میں کر آئے ہیں۔ مثلاً ایسے چشموں اور کنوؤں کا پانی جن کے سوتے ہوتے ہیں۔ اس کی توضیح عبداللہ بن عمرو کی روایت سے ہو رہی ہے جس میں ان کی زمین کی سیرابی کا تذکرہ ہے۔ نیز حضرت عائشہ رضؓ کی یہ حدیث اس کی وضاحت کر رہی ہے:

(۷۴۹): حضرت عائشہ رضؓ کہتی ہیں کہ "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کنوئیں پر، جمع ہو جانے والے پانی سے لوگوں کو روکنے کی ممانعت کرتے ہوئے سُنا۔"

(۷۵۰)۔ **ابوعبید**: اسی تاویل کی بنا پر سفیان بن عیینہ کا خیال تھا کہ پانی سے روکنے کی ممانعت سے مراد وہ پانی ہے جو اپنی جگہ پر (اکٹھا ہو یا بہتا) ہو اور اسے ایک جگہ سے دوسری جگہ اُٹھا کر نہ لایا گیا ہو۔

پانی کی مختلف حیثیتیں اور ان کے اعتبار سے اس کے احکام میں اختلاف

(۷۵۱)۔ سفیان بن سعید اور مالک بن انس دونوں سے یہ قول منقول ہے: "پانی کے مالک کو

یہ حق حاصل نہیں کہ وہ مسافر اور اس کے مویشی کو پانی پینے سے روکے۔" اور زمین کو سیراب کرنے کے بارے میں ان دونوں میں اختلاف ہے:

(۷۵۲)۔ مالک کہتے ہیں: " پانی والے کو یہ حق نہیں کہ اپنی ضرورت سے زائد پانی سے اپنے پڑوسی کو باز رکھے۔"

(۷۵۳)۔ سفیان کہتے ہیں: "زمین کی سیرابی کے لئے (پانی دینا) اس مالک پر واجب نہیں۔"

ابوعبید: عبداللہ بن عمرو کی مذکورہ بالا حدیث سے مالک کے قول کو تقویت پہنچ رہی ہے۔

لیکن جب پانی کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جائے اور وہ برتنوں اور مشکوں وغیرہ میں ڈال لیا جائے تو میرے نزدیک ایسے پانی کا حکم بدل جائے گا، اور پانی کی یہی وہ شکل ہے جسے فروخت کرنے کی علماء اجازت دیتے ہیں۔ اس لئے کہ ایسے پانی میں پانی لانے یا اُٹھانے والے کی محنت شامل ہو جاتی ہے۔ اس بارے میں ایک مرفوع حدیث بھی ہے اگرچہ اس کی سند اس درجہ کی نہیں:۔

(۷۵۴)۔ مُشَیخہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوائے اس پانی کے جس کو اُٹھا کر لایا جائے (ہر) پانی کی فروخت سے منع فرمایا۔

ابوعبید: یہاں کتاب الفئ ختم ہوتی ہے ٭

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

[رَبِّ یَسِّرْ وَاَعِنْ فَلَكَ الْحَمْدُ]

فصل

خمس اور اُس کے احکام و قواعد

باب

اَنفال سے متعلق روایات اور ان کی تاویل نیز اَنفال کی وہ قسم جسے پانچ حصوں میں تقسیم کیا جائیگا

الانفال کا مفہوم قرآن و حدیث اور لُغتِ عرب کی روشنی میں

(۷۵۵)۔ سعد بن ابی وقّاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ معرکۂ بدر میں، مَیں نے سعید بن العاص کو قتل کیا۔ (اُن کے سوا دوسروں کی روایت کے بموجب یہ مقتول عاص بن سعید تھے اور ہمارے نزدیک بھی یہی محفوظ و ارجح ہے) اور اُس کی تلوار لے لی۔ یہ تلوار "ذُوالکَتِیفَہ" کہلاتی ہے۔ اسے لے کر مَیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا۔ قبل ازیں میرے بھائی عُمَیر بھی قتل ہو چکے تھے۔ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ تلوار لے جا کر مالِ غنیمت میں محصلِ غنیمت کے پاس داخل کرا دو۔ مَیں واپس ہو گیا۔ اُس وقت ایک تو میرے

بھائی کے قتل ہو جانے ، دوسرے مجھ سے مقتول کی چھینی ہوئی چیز (تلوار) لئے جانے سے میرے دل کی جو کیفیت تھی وہ اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ ابھی مجھے تھوڑی دیر نہ ہوئی تھی کہ "سورۃ الانفال" نازل ہوگئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا:

"جاؤ اور اپنی تلوار لے لو۔"

ابو عبید: علما رسیرت کا قول ہے کہ عاص کے قاتل حضرت علیؓ بن ابی طالب تھے۔

(۷۵۶)۔ حضرت ابن عباسؓ سے آیتِ کریمہ

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَنْفَالِ | آپؐ سے لوگ انفال کے بارے میں دریافت کرتے ہیں۔ (الانفال ۸ : ۱)

کی تفسیر کے سلسلہ میں منقول ہے کہ انفال سے مراد غنائم (غنیمتیں) ہیں۔

(۷۵۷)۔ زُہری سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابن عباسؓ سے دریافت کیا "انفال کیا چیز ہے؟" انہوں نے کہا: "گھوڑا، زرہ، نیزہ۔" اس شخص نے پھر اپنا سوال دُہرایا تو انہوں نے کہا: مقتول کا چھینا ہوا سامان نَفَل میں سے ہے اور گھوڑا نَفَل ہی سے ہے۔" اس پر اس شخص نے کہا: یہی وہ انفال ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے؟" حضرت ابن عباسؓ نے کہا: "آپ لوگ سمجھے یہ کس قسم کا آدمی ہے؟ بالکل صُبیغ[1] جیسا جسے حضرت عمرؓ نے مارا تھا۔"

(۷۵۸)۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ مقتول کا چھینا ہوا مال نَفَل ہے اور نَفَل میں پانچواں حصّہ ہے۔

(۷۵۹)۔ ایک اور سند سے بھی یہی مضمون ابن عباسؓ ہی سے مروی ہے۔

---

[1] یہ صبیغ عراقی تھا جسے حضرت عمرؓ نے اتنا مارا تھا کہ اس کی ایڑیوں پر خون بہ گیا تھا۔ پورا قصّہ ابن الجوزی سیرۃ عمرؓ صفحہ ۱۲۶ طبع خانجی میں دیکھئے۔

(از حاشیہ کتاب الاموال)

(۷۶۰) - ابن عباس رضؓ سے روایت ہے: "مقتول کا چھینا ہوا مال نَفَل میں سے ہے اور گھوڑا بھی نَفَل میں سے ہے اور نفل میں پانچواں حصّہ ہے۔

(۷۶۱) - عطاء سے مروی ہے جو اکّا دُکّا چیز مشرکوں سے مسلمانوں کو پہنچے وہ غلام ہو یا جانور یا کوئی اور سامان، وہ انفال ہے۔

(۷۶۲) - **ابوعبید**: ان تمام تشریحات کی بناء پر انفال کے معنی غنیمت کے ہوئے اور اس کا اطلاق ان تمام اشیاء پر ہوگا جو اہلِ حرب کے اموال سے مسلمانوں کے ہاتھ لگ جائیں۔ سب سے پہلی انفال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئیں۔ اللہ تبارک تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ؕ

وہ آپؐ سے انفال کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ آپؐ کہہ دیجئے کہ انفال اللہ و رسول کے لئے ہیں۔ (الانفال: ۱)

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگِ بدر میں انفال کو اللہ کی رہنمائی کے مطابق بغیر پانچ حصّے کئے تقسیم فرمایا۔ جیساکہ حضرت سعدؓ کی مذکورہ بالا حدیث (نمبر ۷۵۵) سے معلوم ہو رہا ہے۔ بعدازاں خمس (⅕) والی آیت نازل ہوئی اور اس نے پہلی کو نسخ کر دیا۔ اِس بارے میں مختلف آثار موجود ہیں:

(۷۶۳) - مجاہد اللہ تبارک وتعالیٰ کے ارشاد:

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ: وہ آپؐ سے انفال کے بارے میں دریافت کرتے ہیں (انفال: ۱)

میں انفال سے مراد غنیمت بتانے کے بعد کہتے ہیں کہ اس آیت کو:

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا یَوْمَ الْفُرْقَانِ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ ؕ

اور جان لو کہ مالِ غنیمت میں سے جو کچھ بھی تمہارے ہاتھ لگے، اس کا خُمس (⅕) اللہ کے لئے اور رسولؐ کے لئے اور قرابت داروں نیز یتامیٰ و مساکین و مسافر کے لئے ہے۔ بشرطیکہ تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو اور اس چیز پر جو ہم نے اپنے

بندہ پر روز فرقان، فریقین کے ایک دوسرے کے مقابل صف آرا ہونے کے دن، نازل کیا۔

(الانفال: ۴۱)

نے منسوخ کر دیا۔

(۷۶۴) عبداللہ بن شفیق روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت پہنچا جب آپؐ وادی القریٰ کا محاصرہ کئے ہوئے تھے۔ اس شخص نے دریافت کیا۔ یا رسول اللہ! یہ لوگ جن کا آپؐ محاصرہ کئے ہوئے ہیں کون ہیں؟" آپؐ نے جواب دیا۔ یہ لوگ "مَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ" ہیں۔ یعنی یہود۔ اس نے دریافت کیا۔ تو پھر یہ دوسری جماعت کونسی ہے؟" آپؐ نے فرمایا: یہ ضَالِّیْن کی ہے۔" یعنی نصاریٰ۔ اس شخص نے پھر سوال کیا۔ "غنیمتوں میں کیا کچھ ہوگا۔" آپ نے فرمایا! ایک حصہ اللہ تعالےٰ کے لئے اور چار حصے ان سب لوگوں کے لئے۔" اگر تمہارے پہلو میں کوئی تیر آکر لگے اور تم اسے نکال لو تب بھی تم اپنے مسلمان بھائی سے زیادہ اس تیر کے مستحق نہ ہوگے"

(۷۶۵) عمرو بن شعیب کہتے ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عقبۃ الاریک میں نزول فرمایا تو مسلمان مالِ غنیمت میں سے اپنے اپنے حصے مانگتے ہوئے آپؐ کے پاس اس طرح سمٹ کر جمع ہو گئے کہ انہوں نے آپ کی سواری کو راستہ سے ہٹا دیا حتیٰ کہ آپؐ کی چادر کیکر میں الجھ گئی، اور آپ کی پشت میں خراش آگئی۔ آپؐ نے فرمایا: میری چادر مجھے دے دو۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم لوگ مجھے نہ تو حق کا مخالف پاؤ گے نہ بخیل اور نہ بزدل۔ اگر تمہاری غنیمتوں میں اس کثرت سے اونٹ ہوں جیسے تہامہ میں کیکر کے درخت ہیں تب بھی میں وہ سب تمہارے درمیان تقسیم کر دوں گا۔ اور میرے لئے اس میں سے صرف خمس (⅕) ہی ہوگا اور وہ خمس بھی تمہیں ہی واپس مل جائے گا۔[1]

(۷۶۶) حضرت جبیرؓ سے بھی ایسی ہی یا اس سے ملتی جلتی حدیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مروی ہے۔

---

[1] یہ طائف سے واپسی پر ہوازن کی غنیمتوں کی تقسیم کا واقعہ ہے تفصیل تاریخ ابن کثیر جلد ۴ ۳۵۲ میں دیکھئے نیز اسی کتاب کے نمبر ۱۴۱۴ اور ۸۱۰ دیکھئے۔

ابو عبید: بنیادی طور پر انفال کا اطلاق تمام غنیمتوں پر ہوتا ہے۔ تاہم اس میں سے خمس (۱/۵) ان مستحقین خمس کے لئے مخصوص ہے جن کا تذکرہ قرآن مجید میں آیا ہے اور جس کے مطابق سنت جاری رہی۔

عربی زبان میں انفال کا لفظ ہر اس بھلائی اور احسان کے لئے بولا جاتا ہے جو کرنے والے پر واجب نہ ہو بلکہ وہ تفضلاً (از رہ کرم و فضل و احسان) اسے انجام دے یہی صورت اس نفل کی ہے جسے اللہ نے مومنوں کے لئے ان کے دشمنوں کے اموال سے حلال قرار دے دیا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مومنوں پر خصوصی کرم و عنایت ہے اس لئے کہ ان سے پہلے کی امتوں پر غنیمتیں حرام تھیں۔ گویا غنیمت اللہ عزوجل کی طرف سے اس امت پر ایک فضل و احسان ہے۔

(۷۶۷) ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم سے قبل کسی سیاہ سر (والی مخلوق) کے لئے غنائم حلال نہیں ہوئیں، ہوتا یہ تھا کہ آگ آکر ان (غنائم) کو کھا جاتی تھی، معرکہ بدر میں اس سے پیشتر کہ غنائم حلال کی جائیں لوگ غنیمتوں کو (اپنے استعمال میں) لینے لگے، جس پر اللہ تعالیٰ نے وحی نازل کی۔

لَوْلَا كِتَابٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ○	اگر اللہ کا لکھا پہلے نہ گذر چکا ہوتا تو جو کچھ تم نے لیا اس پر تمہیں بڑا عذاب ملتا۔ (الانفال: ۶۸)

(۷۶۸) ابن عباس کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ایک طویل حدیث میں اس واقعہ کا ذکر کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ بدر میں قیدیوں سے فدیہ قبول فرمالیا۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ دوسرے دن میں حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ دونوں رو رہے ہیں۔ میں نے پوچھا "آپ دونوں کیوں رو رہے ہیں؟" رسول اللہؐ نے ایک نزدیک کے درخت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: مجھے اس درخت سے بھی قریب تر تمہارا عذاب دکھایا گیا۔ پھر یہ آیات مجھ پر نازل ہوئیں:

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ ؕ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ وَ اللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَاۤ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا۔

نبیؐ کے لئے مناسب نہیں کہ وہ زمین میں خوب قتل وکشت کر لینے سے پہلے لوگوں کو قیدی بنا لے، تم دنیوی مال و متاع چاہتے ہو اور اللہ آخرت چاہتا ہے اور اللہ عزیز وحکیم ہے۔ اگر پہلے سے اللہ کا لکھا نہ ہوتا تو جو کچھ تم نے لیا اس پر تمہیں بڑا عذاب ملتا۔ تو اب جو کچھ تم نے غنیمت حاصل کی ہے اسے حلال و پاکیزہ طور سے کھاؤ۔ (الانفال: ۶۷ - ۶۹)

(۷۶۹) سعید بن جبیرؓ سے آیت کریمہ:

لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ

اگر پہلے سے اللہ کا لکھا نہ گزرا ہوتا (الانفال: ۶۸)

کی تفسیر میں منقول ہے کہ یہ اہل بدرؓ کے لئے نازل ہوئی اور یہ کہ:

لَمَسَّكُمْ فِيْمَاۤ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝

تو جو کچھ تم نے لیا اس پر تمہیں بڑا عذاب ملتا۔ (الانفال: ۶۸)

سے مراد ہے وہ "فدیہ" جو تم نے (قیدیوں کے عوض) لیا۔

(۷۷۰) ابن جریجؒ اس آیت کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب غنائم حلال نہیں ہوئی تھیں۔

(۷۷۱) ابن عباسؓ کہتے ہیں پھر یہ آیت نازل ہوئی:

فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا

تو اب جو کچھ تم نے غنیمت حاصل کی ہے اسے حلال و پاکیزہ طور سے کھاؤ۔ (الانفال: ۶۹)

ابو عبید: اس بارے میں بکثرت احادیث موجود ہیں۔ الغرض اللہ تبارک وتعالیٰ نے صرف اس امت پر خصوصی لطف وکرم فرما کر اس کے لئے غنیمت حلال کر دی۔ یہ ہے نفل کا بنیادی مفہوم۔

نفل کا ایک اور ذیلی مفہوم

اور اسی بنا پر وہ عطیہ جو امام فوجی (مجاہد و غازی) کو بخشتا ہے نفل کہلایا کیونکہ اس عمل سے وہ بعض لشکریوں کو ان کے مقررہ حصوں کے علاوہ، بعض لشکریوں پر ترجیح دیتا ہے اور کسی لشکری کے ساتھ امام کا یہ ترجیحی سلوک اُس اعتبار سے ہوتا ہے جس اعتبار سے وہ اسلام کے لئے نمایاں اور مفید خدمت انجام دیتا اور دشمن کے لئے تکلیف دہ ثابت ہوتا ہے۔

اور یہ نفل جو امام از رہ لطف و احسان دیتا ہے۔

ذیلی مفہوم کے اعتبار سے نفل کی چار قسمیں اور ان کا بیان۔

اس کے لئے چار مسنون طریقے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کا اپنا جداگانہ مقام ہے۔

ان میں سے پہلی قسم کی نفل وہ ہے جس میں خمس ($\frac{1}{5}$) نہیں ہوتا، دوسری صورت ایسی نفل کی ہے جو غنیمت میں سے خمس نکالنے کے بعد دی جاتی ہے۔ تیسری صورت ایسی نفل کی ہے جو خود خمس میں سے دی جائے۔ نفل کی چوتھی قسم وہ ہے جو مجموعۂ غنیمت میں سے کسی کا خمس نکالے بغیر دی جائے۔

پہلی قسم (سَلَب)

نفل کی پہلی قسم جس میں خمس نہیں ہوتا۔ وہ "سَلَب" ہے (یعنی مقتول کا چھینا ہوا سامان) اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص تن تنہا کسی مشرک کو قتل کر دے تو اس مشرک کا تمام سامان (مثلاً اسلحہ، گھوڑا وغیرہ) بلا شرکت لشکریاں اور بلا خمس نکالے اسی قاتل کا ہو جائے گا۔

دوسری قسم

وہ نفل جو غنیمت سے خمس نکالنے کے بعد دی جاتی ہے اس کی صورت یہ ہے کہ امام کسی حربی علاقہ میں فوجی دستے بھیجے اور وہ غنیمت لے کر واپس آئیں تو ان فوجی دستوں کو اسی لائی ہوئی غنیمت میں سے خمس نکالنے کے بعد ربع ($\frac{1}{4}$) یا ثلث ($\frac{1}{3}$) دیا جائے۔

تیسری قسم تیسری صورت یہ ہے کہ ساری غنیمت جمع کر کے اس میں سے خمس علیحدہ کر لیا جائے اور اس طرح جب خمس امام کو مل جائے تو وہ اس خمس میں سے بطور احسان (نفل) جسے جتنا مناسب سمجھے دے دے۔

چوتھی قسم مجموعۂ غنیمت میں سے دی جانے والی نفل وہ ہے جو دشمن کے راز بتانے والوں اور مال غنیمت بردار جانوروں کے چرواہوں اور ان کے ہانکنے والوں کو دی جاتی ہے اور یہ اس لئے کہ اس میں تمام لشکریوں کا متفقہ مفاد ہوتا ہے۔ ان میں سے ہر ایک قسم کے بارے میں احادیث آئی ہیں اور اختلافات رونما ہوئے ہیں جو ہم اگلے صفحات میں اپنی جگہ پر درج کر رہے ہیں انشاءاللہ
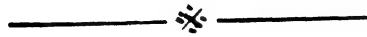
باب

سَلَب (مقتول سے چھینے ہوئے مال) کی نفل جس میں سے خمُس نہیں نکلتا

(۷۷۲) عوف بن مالک اور خالد بن الولید سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ مقتول کا چھینا ہوا مال قاتل کا ہوگا اور آپؐ نے اس چھینے ہوئے مال کو پانچ حصوں میں تقسیم نہیں فرمایا (یعنی اس میں سے خمس نہیں لیا)

(۷۷۳) سَمُرَة بن جندب کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس نے (کسی مشرک کو جنگ میں) قتل کیا تو (اس مقتول کا) چھینا ہوا مال اسی (قاتل) کا ہو جائے گا۔"

(۷۷۴) (۷۷۵) ابو قتادہ سے (دو مختلف اسناد سے) مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ حنین میں فرمایا: "جس نے کسی مقتول کو قتل کیا اور اس کے پاس اس بارے میں ثبوت بھی ہو تو اس مقتول کا چھینا ہوا سامان اسی (قاتل) کا ہوگا۔

(۷۷۶) انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ اس روز (غزوہ حنین میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا: "جس نے کسی شخص کو قتل کیا تو اس کا چھینا ہوا مال بھی اسی کا ہوگا۔" چنانچہ حضرت ابوطلحہؓ نے بیس آدمیوں کو قتل کیا اور ان سے چھینا ہوا مال بھی انہوں نے لے لیا۔

(۷۷۷) سلمۃ بن الاکوعؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کے ساتھ (قبائل) ہوازن پر حملہ کیا اور ایک شخص کو قتل کر دیا تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس مقتول سے چھینا ہوا سارا مال انہی کو دے دیا۔"

(۷۷۸) عکرمہؓ سے مروی ہے کہ حضرت زبیرؓ نے ایک شخص سے مقابلہ کیا اور اسے قتل کر دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس (مقتول) سے چھینا ہوا سامان انہیں بطور نفل عطا فرما دیا۔

(۷۷۹) شبر بن علقمہ کہتے ہیں کہ میں نے جنگ قادسیہ میں ایک شخص کا مقابلہ کیا (اور اسے قتل کر دیا) تو حضرت سعدؓ نے اس کا سامان بطور نفل مجھے دے دیا۔

(۷۸۰) ابن سیرین کہتے ہیں کہ براء بن مالک نے (بحرین کی بڑی بستی) زارہ کے بڑے سردار سے مقابلہ کرتے ہوئے اس کے نیزہ مارا جس سے اس کی ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ گئی اور وہ گر گیا، پھر انہوں نے اتر کر اس کے ہاتھ کاٹے اور ان میں سے دونوں کنگن لے لئے، اس کی دیبا کی عباء اتار لی، اور اس کا پٹکا بھی لے لیا جس میں سونا اور جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا: مقتول سے چھینے ہوئے

حضرت عمرؓ کا نفل میں سے خمس لینا

مال سے خمس نکالنا ہمارے ہاں رائج نہیں۔ لیکن براء کا چھینا ہوا مال بہت زیادہ قیمت کا ہو گیا ہے[1] لہذا میں اس میں سے خمس لے رہا ہوں۔" چنانچہ اسلام میں یہ پہلا چھینا ہوا مال تھا جس میں سے خمس لیا گیا۔

(۷۸۱) ایک اور سند سے ابن سیرین نے ایسی ہی روایت حضرت عمرؓ اور براء کی وساطت سے بھی کی ہے۔

(۷۸۲) ابن سیرین ہی سے مروی ہے کہ براء کا مسلوبہ مال تیس ہزار (درہم) تک پہنچا تھا۔

---

[1] فتوح البلدان (المطبع۔ المصریہ بالازہر) کی تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی قیمت چالیس ہزار (درہم) تک پہنچی تھی۔ دیکھئے تذکرہ البحرین: ۹۶

سلب بطور نفل کب دیا جاتا ہے؟

(۷۸۳) سروق کہتے ہیں۔ جب دونوں لشکر ٹکرا جائیں (اور عمومی جنگ ہونے لگے) تو پھر کوئی نفل نہیں۔ نفل یا تو دونوں لشکروں کے ٹکراؤ سے پہلے ہوتی ہے یا بعد میں۔"

(۷۸۴) ابن جریج کہتے ہیں کہ میں نے نافع کو یہ کہتے سنا "ہم ہمیشہ سے یہ سنتے چلے آرہے ہیں کہ جب مسلمانوں اور کافروں میں ٹکراؤ ہو جائے اور کوئی مسلمان کسی کافر کو قتل کردے تو اس قاتل کو اس (مقتول) کا چھینا ہوا سامان مل جائے گا۔ الایہ کہ قتل کا واقعہ گھمسان کے رن میں یا فوجوں کے تصادم میں ہو۔ کیونکہ ایسی صورتوں میں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کس نے کس کو قتل کیا ہے۔

ابوعبید: مسروق و نافع کے اقوال سے ہماری مذکورہ بالا احادیث رسول اللہؐ و روایاتِ صحابہ رضی کی تفسیر ہو رہی ہے اور ان سب سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ قاتل کو مقتول کا سامان اسی وقت ملے گا جب کہ دونوں آمنے سامنے مقابلے پر نکلیں یا متعین طور پر یہ معلوم ہو سکے کہ قاتل نے صفوں کے اختلاط (ایک دوسری میں گھتھ جانے) سے قبل ہی اسے قتل کیا تھا۔ اندریں صورت مقتول کا چھینا ہوا سامان بغیر خمس نکالے اور بغیر مالِ غنیمت میں داخل کئے قاتل کو سونپ دیا جائے گا۔

سَلَب کے متعلق اوزاعیؒ کا قول اور اہل شام کا عمل

(۷۸۵) اور یہی اوزاعی کی بھی رائے تھی وہ مقتول کے مسلوبہ مال کو قاتل کا حق قرار دیتے تھے خواہ امام نے پہلے سے اس بارے میں اعلان نہ کیا ہو۔

سَلَب کی تعریف

ان کے نزدیک سَلَب (مقتول سے چھینے ہوئے مال) کی تعریف یہ تھی۔ "وہ کپڑے یا ہتھیار جو مقتول پہنے ہوئے ہو۔ نیز گھوڑا مع اپنے ساز و سامان کے۔" انہوں نے سَلَب کی یہ تعریف ابن عباس کی اس روایت کی بناء پر کی جس میں انہوں نے گھوڑا، زرہ اور نیزہ سب کچھ سَلَب میں شامل کر لیا تھا اور یہ

روایت ہم اس باب کے آغاز میں بیان کر آئے ہیں۔

(۷۸۶) خالد بن الولیدؓ سے بھی یہی مروی ہے کہ انہوں نے واثلہ بن الاسقع کو اس مقتول کا گھوڑا جسے انہوں نے قتل کیا تھا۔ مع زین کے دے دیا تھا۔

ابو عبید: یہ اوزاعی کا قول ہے اور یہی شام والوں کا دستور ہے۔

سلب کے متعلق عراقیوں کا نقطۂ نظر

(۷۸۷) لیکن عراقیوں کا کہنا ہے۔ تمام لشکریوں کو محروم کر کے صرف قاتل کو اس کے مقتول کا چھینا ہوا سامان (سَلَب) نہیں دیا جائے گا جبکہ اس سامان میں سارے لشکری برابر کے شریک ہیں۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ قاتل نے تن تنہا اپنی قوت نہیں بلکہ پورے لشکر کی قوت کے بل بوتے پر اسے قتل کیا ہے۔ ان کے قول کے مطابق اس میں ایک استثناء ممکن ہے اور وہ یہ کہ امام جنگ سے پہلے لشکریوں میں سَلَب بطور نفل دینے کا اعلان ان الفاظ میں کر دے "جو (دشمن کے) کسی آدمی کو قتل کرے گا تو اس کا مسلوبہ سامان اسی کا ہو جائے گا۔" ان کا کہنا ہے کہ اس اعلان کے بعد لوگوں کو یہ حق پہنچے گا کہ جو کچھ امام نے انہیں دیا ہے وہ ان کا ہو جائے۔

(۷۸۸) اپنی تائید میں وہ (عراقی) حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے استدلال کرتے ہیں جس میں انہوں نے کہا ہے "مقتول سے چھینا ہوا مال نفل میں سے ہے۔" یہ روایت بھی ہم اس باب کے آغاز میں بیان کر چکے ہیں۔

وہ یہ بھی کہتے ہیں: "ابن عباسؓ نے اسے اسی لئے نفل کہا ہے کہ یہ بھی تمام بقیہ غنیمت میں شامل ہے۔"

ابو عبید: اس باب میں ابن عباسؓ کی یہی رائے معروف ہے۔

(۷۸۹) حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے "مقتول کا مسلوبہ سامان نفل میں سے ہے اور نفل میں سے خُمس ($\frac{1}{5}$) نکالا جائے گا۔"

(۷۹۰) ابوالجویریہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ابن عباسؓ سے اس بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے کہا۔ کوئی غنیمت (غنیمت شمار) نہ ہوگی تاآنکہ اس میں سے

خمس (⅕) نہ نکال لیا جائے اور نہ کوئی نفل نفل ہوگی تا آنکہ اسے تمام کا تمام تقسیم نہ کر دیا جائے۔

(۷۹۱) **ابوعبید**: اہل عراق کے مذہب اور ابن عباسؓ کے قول کے مطابق ہی مالک بن انس کی بھی رائے تھی۔

(۷۹۲) **ابوعبید**: ہم نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تفصیلی حدیث میں غور کیا تو ہم نے اسے اوزاعی اور اہل شام کے قول کی تائید میں حجت و دلیل پایا۔ وہ حدیث یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر پیشگی اعلان کے قاتل کے حق میں فیصلہ کیا کہ وہ مقتول کے مسلوبہ سامان کا مالک ہوگا۔

(۷۹۳) (۷۹۴) دو مختلف اسناد سے ابو قتادہ راوی ہیں کہ ہم غزوۂ حنین کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے جب ہم دشمنوں سے ٹکرائے تو مسلمان ایک مرتبہ پیچھے ہٹنے اور بھاگنے کے بعد پلٹ کر حملہ آور ہوئے۔ میں نے دوران جنگ دیکھا کہ ایک مشرک ایک مسلمان پر چڑھا ہوا ہے۔ میں اس کے پیچھے سے آیا اور اس کے کاندھے پر تلوار کا ایک وار کیا۔ تب وہ مشرک اسے چھوڑ کر میری طرف لپکا اور مجھے اس طرح دبایا کہ مجھے اپنی موت نظر آنے لگی۔ پھر وہ (مشرک) مرگیا۔ اور اس نے اپنی گرفت سے مجھے آزاد کر دیا پھر میں حضرت عمرؓ کے پاس پہنچا اور میں نے کہا۔ "لوگوں کو کیا ہوگیا ہے؟" تو انہوں نے کہا۔ "اللہ کی مرضی ہے۔" پھر ایسا ہوا کہ لوگ (مسلمان) بھاگنے کے بعد واپس آگئے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا۔ "جو کسی مقتول کو قتل کرے اور اس کے پاس اس قتل کا ثبوت ہو تو اس قتیل کا مسلوبہ سامان اسی قاتل کا ہوگا۔" اس پر میں نے کھڑے ہو کر کہا۔ "کون میرے لئے گواہی دے گا؟" پھر میں بیٹھ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ اعلان فرمایا۔ "جس نے کسی مقتول کو قتل کیا تو وہی اس کا مسلوبہ سامان کا مالک ہوگا۔" تب میں پھر کھڑا ہوا، آپؐ نے مجھ سے کہا۔ "اے ابو قتادہ! تمہیں کیا ہوگیا ہے؟" اس پر میں نے آپؐ کو اپنا پورا قصہ کہہ سنایا۔ تو لوگوں میں سے ایک شخص نے کہا۔ "یا رسول اللہ! اس کا بیان سچا ہے اور اس (مقتول) شخص کا مسلوبہ سامان

میرے پاس ہے۔ آپؐ اسے راضی کیجئے کہ وہ سامان میرے پاس ہی رہنے دیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا۔ "اللہ کی قسم ایسا نہیں ہوگا، ایسی صورت میں وُہ اللہ کے شیروں میں سے ایک ایسے شیر کو، جو اللہ اور اس کے رسول کی مدافعت و حمایت میں جنگ کرتا ہے، محروم کر کے اس کا مسلوبہ سامان تجھے دے دیں گے۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "یہ سچ کہتے ہیں۔ جاؤ تم وہ سامان اسے (ابوقتادہ کو) دے دو۔ چنانچہ اس شخص نے وہ سامان" مجھے دے دیا اور میں نے اسے فروخت کر کے اس کی قیمت سے اپنے لئے بنی سلمہ کے محلہ میں کھجور کا باغیچہ خرید لیا اور یہ میری پہلی ملکیت تھی جو میں نے اسلام لانے کے بعد بنائی۔

ابوعبید: اس سے یہ بات ظاہر ہو گئی کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بغیر کسی سابقہ اعلان کے ابوقتادہ کو ان کے مقتول کا سامان دینے کا فیصلہ فرما دیا۔ ملاحظہ فرمایئے کہ اس ضمن میں حضورؐ نے جو کچھ فرمایا وہ ابوقتادہؓ کے قتل کر دینے کے بعد فرمایا۔ ہمارے نزدیک یہ بالکل واضح اور روشن امر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت جاریہ کے بموجب مسلوبہ سامان قاتل کو دینے کا فیصلہ طے شدہ ہے خواہ امام پہلے سے اس بات کا اعلان کرے یا نہ کرے۔

(۷۹۵) بایں ہمہ کچھ لوگوں نے حضرت عمرؓ کی اس روایت کو دلیل بنا لیا ہے کہ انہوں نے براء کے مسلوبہ سامان میں سے خمس لیا، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کے مقابلہ میں کسی کا قول سند نہیں ہو سکتا۔ بایں ہمہ حضرت عمرؓ کی مذکورہ روایت تو خود ان لوگوں کے لئے حجت ہے جو مسلوبہ سامان سے خمس (⅕) لینا صحیح نہیں خیال کرتے نہ ان کے مخالفین کے لئے، کیونکہ حضرت عمرؓ تو کہہ رہے ہیں کہ "ہم مقتول کے مسلوبہ سامان میں سے خمس (⅕) نہیں نکالتے تھے۔" اور خود اس کے راوی کا یہ قول بھی ہماری تائید کر رہا ہے۔ "اسلام کی تاریخ میں پہلا مسلوبہ سامان جس میں سے خمس (⅕) لیا گیا براء کا مسلوبہ سامان تھا۔" حضرت عمرؓ نے یہ فیصلہ اس لئے کیا تھا کہ ان کی نظر میں وہ مسلوبہ سامان بہت زیادہ اور قیمتی ہو گیا تھا چنانچہ انہوں نے اپنے عمل کے جواز میں ثبوت پیش کرتے ہوئے کہا تھا۔"

بذر کا مسلوبہ سامان بہت زیادہ قیمتی ہو گیا ہے، لہذا میں اس کا پانچواں حصہ لے رہا ہوں۔"

ابو عبید : ہمیں اس روایت میں حضرت عمرؓ کی طرف سے جنگ سے پیشتر اس باب میں کسی قسم کا کوئی اعلان نہیں ملتا، نہ ہی حضرت سعد کی اس روایت میں جو ہم اوپر بیان کر آئے ہیں (دیکھئے نمبر ۷۷۵)۔ اسی طرح دیگر تمام احادیث میں بھی اس بارے میں کسی پیشگی اعلان کا سراغ نہیں ملتا۔ ہاں غزوہ حنین کے موقع پر حضرت ابو طلحہؓ سے مروی وہ حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن فرمایا: جس نے کسی قتیل کو قتل کیا تو وہ اس کے مسلوبہ سامان کا مالک ہو جائے گا۔" لیکن اس میں اس بات کی کوئی دلیل نہیں کہ اگر آپ نے پیشگی مسلوبہ سامان قاتل کو دینے کا اعلان نہ کیا ہوتا تو وہ مسلوبہ سامان قاتل کو نہ ملتا۔ ہمارا خیال یہ ہے کہ اس غزوہ میں آپ نے اپنی اس سنت کو جاری فرمایا تھا اور لوگوں کو باخبر کرنے کے لئے اس بات کی تعلیم دی تھی کہ جو کسی قتیل کو قتل کرتا ہے تو قانون یہ ہے کہ اس قاتل کو اس کے مقتول کا مسلوبہ سامان مل جاتا ہے۔ اور اگر آپ اس موقع پر وہاں یہ بیان نہ فرماتے تو آپ کی یہ سنت لوگوں کو معلوم نہ ہوتی۔ میری رائے میں یہ ہے اس حدیث کی توجیہہ[1]

---

[1] سلب قاتل کو دینے کا اختیار امام کو ہے، وہ اس بارے میں حالات اور سلب کی مالیت کو مدنظر رکھتے ہوئے مختلف فیصلے کر سکتا ہے، حضرت عمرؓ کا سلب سے خمس لینا بتا رہا ہے کہ اس بارے میں بنیادی پہلو عوام کا مفاد اور حکومت اسلامی کی خیر خواہی ہے۔ یہی اَلْاَنْفَالُ لِلّٰہِ وَالرَّسُوْلِ کا مفہوم ہے (مترجم)

باب

غنیمت میں سے خمس (⅕) نکال لینے کے بعد ثلث یا ربع بطور نفل دینے کا بیان

(۷۹۶) معن بن یزید رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا۔ "خمس (⅕) نکال لینے سے قبل کوئی نفل نہیں دی جائے گی۔"

(۷۹۷) حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے خمس (⅕) نکال لینے کے بعد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو ایک ثلث (⅓) بطور نفل عطا فرماتے ہوئے دیکھا ہے۔

(۷۹۸) حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثلث (⅓) اور ربع (¼) بطور نفل دیا۔

اس حدیث کے ایک راوی عبید اللہ کہتے ہیں کہ جب سلیمان بن موسیٰ نے مجھے یہ حدیث بیان کرتے سنا تو کہا۔ "ربع (¼) حملہ کے لئے جاتے وقت اور ثلث (⅓) حملہ سے واپسی پر۔"

(۷۹۹) حبیب بن مسلمہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حملہ کی ابتداء کرتے وقت ربع (¼) اور حملہ سے واپسی میں ثلث (⅓) بطور نفل دیا۔

(۸۰۰) عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ میں شرکت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شروع میں ہمیں ربع (¼) اور واپسی پر ثلث (⅓) بطور نفل دیا۔

(۸۰۱) ایک اور سند سے عبادہ رضی اللہ عنہ ہی روایت کرتے ہیں۔ "جب بدر میں لوگوں

میں مقابلہ ہوا تو اللہ نے دشمن کو شکست دی۔ اس وقت ایک جماعت تو شکست خوردہ مشرکین کے تعاقب میں نکل گئی اور انہیں کچلنے اور مارنے لگی۔ دوسری جماعت لشکر پر حملہ کرنے اور غنیمت سمیٹنے میں لگ گئی۔ ایک جماعت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے گھیرے میں لے لیا تاکہ دشمن اچانک آپؐ پر حملہ نہ کر دے۔ حتیٰ کہ رات کو جب تمام لشکر آن ملا تو غنیمت جمع کرنے والے لوگ کہنے لگے کہ ہم نے یہ مال اسباب سمیٹا اور اکٹھا کیا ہے لہذا ہمارے سوا کسی اور کا اس میں کچھ حصہ نہیں ہے وہ لوگ جو دشمن کے تعاقب میں نکلے تھے بولے "تم اس مال غنیمت کے ہم سے زیادہ مستحق نہیں ہو۔ ہم ہی نے تو دشمن کو کچلا اور اسے یہ مال چھوڑ کر بھاگ جانے پر مجبور کیا ہے۔" اور جن لوگوں نے حضورؐ کو اپنے گھیرے میں لے کر آپ کی حفاظت کی تھی وہ بولے "تم لوگ ہم سے زیادہ اس مال غنیمت کے مستحق نہیں ہو۔ ہم نے حضورؐ کو اپنے گھیرے میں لیا۔ کیونکہ ہمیں اندیشہ تھا کہ دشمن اچانک حضورؐ پر حملہ نہ کر دے چنانچہ ہم آپ پر پہرہ دینے میں لگے رہے۔" اس موقع پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ۔ (الانفال ۸ : ۱)	وہ آپؐ سے انفال کے بارے میں دریافت کرتے ہیں۔ آپؐ کہہ دیجئے کہ انفال اللہ اور رسول کے لئے ہیں۔ تم اللہ سے ڈرو۔ اور اپنے باہمی تعلقات ٹھیک کرو۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ مال غنیمت مختلف تناسب سے ایک کو دوسرے پر ترجیح دے کر مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔ آپؐ کا یہ دستور تھا کہ جب دشمن کے علاقہ میں ہوتے تو چوتھائی حصہ بطور نفل دیتے اور جب واپس ہونے لگتے اور سب لوگ آپؐ کے ساتھ ہوتے تو تہائی بطور نفل دیتے تھے۔ آپؐ انفال کو کچھ پسندیدگی کی نظر سے نہ دیکھتے اور اس کے بارے میں آپؐ فرماتے تھے: "طاقتور مومنین اسے اپنے کمزور ساتھیوں کو دے دیا کریں۔"

(۸۰۲) عطاء بن ابی رباح کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
"مسلمان باہم بھائی بھائی ہیں۔ ان کی جانیں ایک دوسرے کی ہم پلہ ہیں۔ ان کے عہد و پیمان کی ذمہ داری ان کا ادنیٰ فرد بھی اٹھا سکتا ہے۔ ان میں سے دور چلے جانے والے بھی اپنا جمع کردہ مال ان کے پاس، واپس لائیں گے۔ اسی طرح ان میں سے وہ لوگ جن کے جانور مضبوط ہیں اپنا جمع کردہ سامان ان لوگوں کے پاس واپس لائیں گے جن کے جانور کمزور ہیں۔ اسی طرح ان میں سے وہ فرد جو لشکر میں شریک ہو رہا ہے اپنے بیٹھے رہنے والے ساتھی کے لئے اپنا جمع کردہ مال واپس لائے گا۔

ابو عبید: فوجی دستوں کی نفل کو یوں سمجھئے کہ جب لشکر دشمن کے علاقہ میں داخل ہوتا ہے تو اس وقت حملہ کے آغاز میں امیر لشکر مختلف فوجی دستوں کو روانہ کرتا ہے جو دائیں اور بائیں جانب کوچ کرتے ہیں اور خود امیر لشکر باقی ماندہ لشکر کو لے کر اپنے سامنے کی طرف (سیدھے) بڑھتا ہے وہ مختلف فوجی دستوں کے سربراہوں کو ایک معینہ مقام پر ایک معینہ مدت تک ملنے کے لئے ہدایت کر دیتا ہے، جہاں پہنچ کر وہ ان کی آمد کا منتظر رہتا ہے، پھر جب وہ مختلف دستے وہاں غنیمتوں کے ساتھ پہنچتے ہیں تو سب سے پہلے وہ ان غنائم میں سے خمس الگ کر لیتا ہے پھر وہ ان میں سے ہر دستہ کو (اپنی لائی ہوئی) غنیمت کے باقی ماندہ میں سے چوتھائی بطور نفل خصوصی دے کر بقیہ حصہ تمام لشکر میں عمومی طور پر تقسیم کر دیتا ہے اور خود یہ دستے بھی اس باقی ماندہ حصہ میں جملہ لشکر کے ساتھ برابر کے شریک ہوتے ہیں۔ واپسی پر پھر امیر لشکر ان کے ساتھ یہی سلوک کرتا ہے۔ فرق یہ ہوتا ہے کہ واپسی پر وہ انہیں خمس نکالنے کے بعد ثلث (⅓) دیتا ہے اور واپسی پر اضافہ اس لئے کرتا ہے کہ حملہ کے شروع میں تو لشکری تازہ دم اور چاق و چوبند اور دشمن پر حملہ کرنے میں تند و تیز ہوتے ہیں لیکن واپسی میں وہ تھکے ماندے، سفر سے بددل اور واپسی کے خواہاں ہوتے ہیں۔

دستوں کی لائی ہوئی غنیمتوں میں سے انہیں نفل دینے کے بعد بقیہ تمام لشکر پر (۱)

کو شریک کر لینے کی وجہ یہ ہے کہ دراصل یہی لشکر تو ان دستوں کا پشت پناہ اور سہارا تھا یہ الگ بات ہے کہ غنیمت دستوں نے جمع کی اور یہ لشکر اس موقع پر موجود نہ تھا اور یہی مفہوم ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کا: "ان میں سے دور چلے جانے والے بھی اپنا جمع کردہ مال ان کے پاس واپس لائیں گے، اسی طرح ان میں سے وہ لوگ جن کے جانور مضبوط ہیں اپنا جمع کردہ سامان ان لوگوں کے پاس واپس لائیں گے جن کے جانور کمزور ہیں، اسی طرح ان میں سے وہ فرد جو لشکر میں شریک ہے اپنے بیٹھے رہنے والے ساتھی کے لئے اپنا جمع کردہ مال واپس لائے گا۔"

یہ ہیں وہ احادیث جو نفل کے بارے میں آئی ہیں۔ اس باب میں اہل شام کا مسلک یہ ہے کہ پہلے دستہ کو کسی قسم کی نفل نہیں دی جائے گی۔ ان کا کہنا ہے کہ وہ دستے اور تمام لشکر پہلی غنیمت میں برابر کے شریک ہوں گے اور یہی مضمون سلیمان بن موسیٰ سے مروی ہے:۔

(۸۰۳) سلیمان بن موسیٰ کہتے ہیں: "جب تک پہلی غنیمت تقسیم نہ ہو جائے کوئی نفل نہیں دی جائے گی۔"

۸۰۴۔ **ابو عبید:** بعض راوی اس مذکورہ بالا روایت کو حضرت عمرؓ سے منسوب کرتے ہیں۔ خود اوزاعی کا بھی یہی فتویٰ تھا۔ لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کی بنیاد کیا ہے؟ وہاں میں نے جس سے بھی اس بارے میں دریافت کیا تو اس کے سوا کوئی جواب نہ ملا کہ وہ اپنے شیوخ واساتذہ کے اتباع میں یہ مسلک اختیار کئے ہوئے ہیں۔ لیکن جہاں تک میرا خیال ہے ان کے اس عمل کی وجہ یہ ہے کہ انہیں کچھ پتہ نہیں ہوتا کہ پہلی غنیمت کے بعد کچھ اور غنیمت بھی ہاتھ لگے گی یا نہیں لہذا وہ یہ پسند کرتے ہیں کہ اسے تمام لشکریوں میں برابر تقسیم کر دیا جائے تاکہ لشکر کا کوئی فرد بھی خالی ہاتھ واپس نہ جائے۔

لیکن ہماری مذکورہ بالا احادیث رسولؐ اور آثار صحابہؓ سے اس بارے میں کوئی خلاص بات نہیں ملتی، اور اسی طرح ان کے بعد تابعین سے بھی مجمل روایات منقول ہیں۔

(۸۰۵) اشعث کہتے ہیں کہ میں نے حسن کو یہ کہتے سنا: میرِ لشکر کی اجازت کے بغیر کوئی دستہ نہیں روانہ کیا جائے گا۔ اور دستوں کو وہی ملے گا جو میرِ لشکر ان کے لئے بطور نفل متعین کر دے۔ اور یہ نفل خمس (⅕) نکالنے کے بعد ثلث (⅓) ہو گی یا خمس (⅕) نکالنے کے بعد ربع (¼) ہو گی۔

(۸۰۶) ابراہیم کہتے ہیں کہ امام دستوں کو جنگ پر ابھارنے اور جوش دلانے کے لئے تہائی یا چوتھائی غنیمت بطور نفل ان کے لئے مقرر کر دیتا تھا۔

(۸۰۷) حسن سے اللہ تبارک وتعالیٰ کے قول:

یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ (الانفال: ۱)	وہ آپ سے انفال کے بارے میں دریافت کرتے ہیں۔

کی شرح میں مذکور ہے کہ انفال کا مسئلہ امام کی صوابدید اور اس کی مرضی پر منحصر ہے۔

باب

اس نفل کا جو خاص طور پر امام کے تصرف میں پہنچنے والے خمس (⅕) میں سے دی جائے

۸۰۸ - مکحولؒ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ حنین میں[1] خمس (⅕) میں سے نفل دیئے۔

۸۰۹ - ابن المسیّب سے مروی ہے کہ لوگوں کو صرف خمس ہی سے نفل عطا کئے جاتے تھے۔

۸۱۰ - عمرو بن شعیب سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ حنین سے واپس ہوئے تو آپؐ نے زمین سے اونٹ کا ایک بال اٹھا کر (لوگوں کو بتاتے ہوئے) فرمایا: جو مال و دولت بھی اللہ تمہارے اوپر (بطور فئے) پلٹا رہا ہے اس میں سے خمس (⅕) کے سوا بال برابر بھی میرے تصرف میں نہیں رہے گا۔ اور یہ خمس (⅕) بھی تمہیں واپس کر دیا جائے گا۔

۸۱۱ - ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک دستہ میں نجد کی جانب روانہ کیا تو بارہ اونٹ ہمارے ہاتھ لگے اور آپؐ نے ہمیں ایک ایک اونٹ بطور نفل دیا۔

۸۱۲ - یحییٰ بن یحییٰ غسانی کہتے ہیں کہ زمانۂ جاہلیت میں عبدالرحمن بن

---

[1] ایک قدیم اصل نسخہ میں بجائے حنین کے خیبر ہے۔ (ماخوذ از حاشیہ کتاب الاموال)

لیلیٰ نامی ایک لڑکی سے عشق ہوگیا جس کا ذکر وہ اپنی شاعری میں کرتے تھے۔ پھر جب وہ یمن میں یعلیٰ بن اُمیّہ کے پاس پہنچے تو اُنہوں نے دیکھا کہ وہ لڑکی قیدیوں میں موجود ہے۔ چنانچہ انہوں نے کہا: "یہ لڑکی مجھے دے دو۔" یعلیٰ نے کہا: "میں اسے تمہارے حوالہ نہیں کر سکتا۔ میں اس کے بارے میں ابوبکرؓ کو لکھتا ہوں۔" چنانچہ اُنہوں نے اس لڑکی کے بارے میں اُنہیں تحریر کیا۔ اُن کا جواب آیا: "وہ لڑکی انہیں دے دو۔" اِس روایت کے ایک راوی ابن عون کہتے ہیں: "میرا خیال ہے کہ اُنہوں نے یہ لڑکی خمس اللہ میں سے اُنہیں دی تھی۔"

۸۱۳: ابوعبید: میں نے دمشق میں یہ روایت ابومسہر غسانی کو سنائی تو اُنہوں نے اِس کا اعتراف کرتے ہوئے کہا: "یہ لڑکی لیلیٰ بنت جودی ہے اور خود غسان میں میری قوم کی عورت تھی۔" لیکن انہوں نے یہ بھی کہا: "یہ لڑکی انہیں حضرت عمرؓ نے شام میں بطور نفل دی تھی۔"

۸۱۴: محمد بن سیرین کہتے ہیں کہ انس بن مالکؓ نے ابن زیاد کے ساتھ حملہ میں شرکت کی تو ابن زیاد نے انہیں عوام کے حصّہ کے قیدیوں میں سے تیس نفر دیئے۔ انسؓ نے کہا: "مجھے یہ تعداد خمس اللہ میں سے دیجئے۔" لیکن ابن زیاد اسی پر مُصر رہے کہ وہ عوام کے حصّہ کے قیدیوں میں سے ہی اُنہیں دے سکتے ہیں۔ اور انسؓ نے یہ کہکر انہیں قبول کرنے سے انکار کر دیا کہ میں صرف خمس اللہ ہی میں سے لوں گا۔"

۸۱۵ - ابن سیرین کہتے ہیں کہ اُمراء میں سے کسی امیر نے انس بن مالکؓ کو فئے میں سے کچھ چیز۔ یا کچھ قیدی۔ دیئے تو انسؓ نے کہا: کیا اس کا پانچواں حصّہ نکال لیا گیا ہے؟" اُنہوں نے کہا: "نہیں۔" تو حضرت انسؓ نے اسے قبول نہ کیا۔

۸۱۶ - مکحول کہتے ہیں: "خمس بمنزلہ فئے ہوتا ہے اور امام اس میں سے

امیر و غریب کو نفل دینے کا مختار ہے۔"

۸۱۷ - عمر بن عبد العزیزؒ سے مروی ہے کہ انہوں نے لکھا: "خمس کا حکم وہی ہے جو فئے کا حکم ہے۔"

۸۱۸ - عبد الرحمٰن بن مہدی، سفیان بن سعید اور مالک بن انس کے متعلق کہتے ہیں کہ ان دونوں کی رائے یہ تھی کہ نفل خمس (۱) ہی میں سے دی جائیگی۔

۸۱۹ - **ابو عبید:**- لیکن اوزاعی کی مشہور رائے یہ ہے کہ وہ نفل کے خمس میں سے دیئے جانے کے قائل نہ تھے بلکہ وہ کہتے تھے کہ خمس تو صرف ان مدّوں میں خرچ ہوگی جن کو اللہ تعالیٰ نے اس فرمان کے بموجب اپنی کتاب میں متعین فرما دیا ہے:-

وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ اِنْ کُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَا اَنْزَلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا یَوْمَ الْفُرْقَانِ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ وَاللّٰهُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝

(الانفال ۸: ۴۱)

اور جان لو کہ جو مالِ غنیمت تمہارے ہاتھ لگے تو اس کا خمس اللہ و رسولؐ کے لئے اور ذی القربیٰ و یتامیٰ و مساکین و ابن سبیل کے لئے ہے۔ اگر تم اللہ پر اور اس وحی پر ایمان لائے ہو جو ہم نے اپنے بندے پر روزِ فرقان نازل کیا جس دن میں فریقین ایک دوسرے سے نبرد آزما ہوئے۔ اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

ابو عبید:- خود حضرت عمرؓ کی وہ روایت جو فئے کی فصل کے شروع میں اصنافِ اموال کے ضمن میں ہم بیان کر آئے ہیں، اوزاعی کی اس رائے کو تقویت دے رہی ہے جس میں مذکور ہے کہ انہوں نے خمس سے متعلق آیت پڑھ کر کہا: "یہ اموال ان تمام مذکورہ لوگوں کے لئے ہے۔"

لیکن آثار و سنن کا بیشتر حصہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ خمس کی تقسیم کا کام امام کو تفویض کر دیا گیا ہے اور اسے حق حاصل ہے کہ وہ جسے چاہے

اس میں سے بطور نفل دے۔

۸۲۰ - اِس ضمن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث ہے جو ہم بیان کر آئے ہیں جس میں آپؐ کا ارشاد ہے: "اللہ تعالیٰ نے تم جو کچھ فے کی شکل میں تمہاری طرف پلٹایا ہے۔ اُس میں سے خُمس کے سوا میرے لئے کچھ نہیں ہے، اور وہ خمس بھی تمہیں پلٹا دیا جائے گا۔"

ظاہر ہے کہ آپؐ نے یہ بات جنگ میں لڑنے والوں سے اُس وقت کہی تھی جب آپ جنگِ حُنین سے واپس ہو رہے تھے۔

۸۲۱ - ابوالزبیر کہتے ہیں کہ حضرت جابر رضؓ سے دریافت کیا گیا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خمس ($\frac{1}{5}$) کا کیا کرتے تھے؟" تو انہوں نے جواب دیا: "وہ اس میں سے ایک آدمی کو جنگی سامان اور سواری فراہم کرتے تھے۔ پھر ایک آدمی کو اور پھر ایک اور آدمی کو۔"

ابوعبید: اِسی کی تائید ہماری بیان کردہ معن بن یزید کی حدیث سے ہوتی ہے۔ جس میں ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا: خمس ($\frac{1}{5}$) نکالنے سے پہلے کوئی نفل نہیں دی جائے گی۔" (دیکھئے نمبر ۷۹۶)

یہی بات ابن عمر رضؓ کی اِس حدیث میں ہے: "ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فوجی دستہ میں روانہ کیا جس میں ہمیں بارہ اونٹ ہاتھ لگے اور آپؐ نے ہمیں ایک ایک اونٹ بطور نفل دیا۔"

یہ نفل حصّے کے دیئے جانے کا انہوں نے حصّہ ملنے کے بعد تذکرہ کیا ہے اس کی کوئی صورت اس کے سوا نہیں ہو سکتی کہ یہ خمس میں سے دی گئی ہو۔

پھر ہماری مذکورہ مکحول کی حدیث (نمبر ۸۰۸) میں یہ بات بالکل وضاحت اور شرح سے بیان ہوئی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلّم نے غزوۂ خیبر[1] میں خمس میں سے نفل دیئے۔"

یہی سعید بن المسیّب کا قول ہے: "وہ خمس کے سوا کسی اور مال میں سے نفل نہیں دیا کرتے تھے۔"

اسی بنا پر عبدالرحمٰن بن ابی بکرہؓ کو جو لڑکی بطور نفل دی گئی تھی اس کی توجیہ بھی یہی کی جاتی ہے کہ وہ خمس (۱/۵) میں سے دی گئی تھی۔ اور اسی کی تائید حضرت انسؓ کی وہ روایت کر رہی ہے جس سے ظاہر ہو رہا ہے کہ انہوں نے خمس کے علاوہ کسی مال میں سے نفل لینے سے انکار کر دیا تھا۔

عمر بن عبدالعزیزؒ اور مکحول کے قول: "خمس کا حکم وہی ہے جو فیٔ کا حکم ہے" سے بھی اس کی تائید ہو رہی ہے۔

اور سفیان و مالک بھی انہی کے ہم رائے ہیں، بلکہ بعض تو یہاں تک رائے رکھتے ہیں کہ امام اگر چاہے تو تمام خمس بطور نفل دے سکتا ہے۔

۸۲۲ ۔ منصور کہتے ہیں کہ میں نے ابراہیم سے دریافت کیا کہ کسی دستہ کو روانہ کرتے وقت امام کیا کچھ حقوق رکھتا ہے؟ انہوں نے کہا: "وہ اگر چاہے تو ان کے ہاتھ لگنے والے اموال میں سے پانچواں حصہ لے لے اور اگر چاہے تو وہ سب کا سب انہیں بطور نفل دیدے۔"

۸۲۳ ۔ مہلب بن ابی صفرۃ کہتے ہیں کہ میں حضرت عمرؓ کے زمانے میں ایک دستہ کی قیادت کر رہا تھا تو میں نے خمس بھی بطور نفل دے دیا تھا۔ یہی مضمون حسن سے آیتِ کریمہ یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ (الانفال ۸: ۱) "وہ آپؐ سے انفال کے بارے میں دریافت کرتے ہیں"، کی شرح میں ہم بیان کر آئے ہیں کہ انفال کی تقسیم امام کی صوابدید پر موقوف ہے۔

ابو عبید: علماء نے خمس (۱/۵) کے سلسلہ میں خاصا کلام کیا ہے اور

---

[1] لیکن نمبر ۸۰۸ میں بجائے خیبر کے حنین ہے۔

انہوں نے اسے قرآن مجید کے معیّن کردہ مدّات کے علاوہ دیگر مدّات میں خرچ کرنا بھی جائز بتایا ہے بشرطیکہ اس خرچ سے اسلام اور مسلمانوں کا بھلا ہو رہا ہو اور انہیں اس خرچ سے زیادہ نفع پہنچ رہا ہو اور عوام کو اس کی زیادہ ضرورت ہو۔ نیز یہ کہ اندریں صورت معیّن کردہ پانچ مدّوں میں اس کی تقسیم سے زیادہ فائدہ اور سدھار ہو رہا ہو تو ایسی شکل میں خمس میں سے نفل دینے کی اجازت ہو گی اور اس کا فیصلہ امام کی صوابدید پر ہو گا۔ اس لئے کہ وہی ان مسلمانوں کا ناظم امور اور ان کے مفاد کا نگران ہوتا ہے۔ لیکن اگر اس تقسیم میں اس کی نفسانی خواہش یا جانب داری کا میلان کارفرما ہو تو پھر یہ ممنوع ہو گا۔

ملہ مطلب یہ ہے کہ اگر ہنگامی حالات متقاضی ہوں اور قرآن میں مذکورہ مدّات سے زیادہ فوری طور پر ان کی اہمیت سمجھی جائے تو امام کو عارضی طور پر عامۃ المسلمین کے مفاد کے مدِّنظر اجازت ہو گی کہ وہ خمس کو دوسری مدّوں میں خرچ کر دے۔ (مترجم)

باب

خمس نکالنے سے قبل مالِ غنیمت کے مجموعہ میں سے نفل دینے کا بیان

(۸۲۴) سلیمان بن موسیٰ سے مروی ہے: "کسی میرِ لشکر کو اپنے رفقاء کی اجازت کے بغیر اموالِ غنیمت سے کچھ بخشنے کی اجازت نہیں ہے۔ فوج کی رہنمائی کرنے والے اور چرواہے اس سے مستثنیٰ ہیں، یا پھر وہ مقتول کا چھینا ہوا مال یا نفل ہو۔ اور نفل کے لئے ضروری ہے کہ اس سے قبل پہلی غنیمت تقسیم ہو چکی ہو۔

(۸۲۵) ابو عبیدؒ:۔ مذکورہ بالا روایت سلیمان بن موسیٰ تک پہنچتی ہے لیکن ایک اور سند سے یہ روایت حضرت عمرؓ سے مروی ہے۔

آج کل لوگ غنیمت کے بارے میں یہی رائے رکھتے ہیں کہ مجموعی غنیمت میں سے خمس نکالے بغیر کوئی نفل نہیں دی جائے گی۔ اور یہ جو راستہ بتانے والوں اور چرواہوں کو خمس نکالے بغیر مجموعی غنیمت میں سے دینے کی اجازت ملی ہے۔ سو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان دونوں گروہوں کی پورے لشکر کو احتیاج ہوتی ہے۔ لہٰذا انہیں نفل بھی لشکروں کے مجموعی مال سے دیا گیا۔ کیونکہ ان کے بغیر لشکریوں کا کام نہیں چل سکتا۔ لیکن ان کے علاوہ کسی اور کو خمس نکالے بغیر مجموعی غنیمت میں سے نفل دئے جانے کا ہمیں علم نہیں۔ اس باب میں اگر کوئی استثناء ہے تو صرف اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی خصوصیت کی بناء پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں آپؐ کے بارے میں کچھ ایسی خصوصیات مروی ہیں جو آپؐ کے بعد کسی اور کے لئے جائز نہیں ہیں:۔

نفل کی تقسیم میں رسول اللہؐ کی خصوصی حیثیت

(۸۲۶) سلمہ بن الاکوع کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے انہیں سوار کا حصہ بھی دیا اور پیادہ کا بھی حالانکہ وہ پیادہ تھے۔ اور انہوں نے رسول اللہؐ کی دودھ دینے والی اونٹنیوں کو دشمن کے ہاتھوں سے نکال لیا تھا۔ اور آپؐ نے فرمایا تھا: "ہمارے سواروں میں سب سے بہتر ابوقتادہ اور ہمارے پیادوں میں سب سے بہتر سلمہ ہیں[1]"

(۸۲۷) عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ میں نے جب یہ حدیث، سفیان کو بتائی تو انہوں نے کہا: "یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی ذات سے مخصوص ہے۔"

ابوعبید:۔ اس سے سفیان کا مقصد یہ ہے کہ حصوں میں ترجیح دینے اور مجموعی غنیمت میں نفل دینے کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے بعد کسی کو حق حاصل نہیں ہے۔ اور ان کی رائے یہ تھی کہ نفل، خمس نکال لینے کے بعد خود خمس میں سے دیا جائے گا۔ اور وہ کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے سلمہ نے جو روایت بیان کی ہے وہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی خصوصیت تھی جو آپؐ کے بعد کسی کو حاصل نہ ہوگی۔

خود سعید بن المسیّب سے بھی سفیان کے مسلک سے ملتی جلتی رائے منقول ہے:۔

(۸۲۸) محمد بن عمرو کہتے ہیں کہ ہم ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن کے پاس تھے تو اُنہوں نے اپنا آدمی بھیج کر سعید بن المسیّب سے نفل کے بارے میں دریافت کیا۔ تو انہوں نے بُرد نامی اپنے ایک لڑکے یا غلام کو یہ جواب دے کر بھیجا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم

---

[1]۔ طبرانی "المعجم الصغیر" میں اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "جب مشرکین مدینہ کے اونٹوں کو لوٹ کر لے گئے تو ابوقتادہؓ نے تعاقب کرکے ان کے سردار مسعدہ کو قتل کردیا اور اس کا سلب خود لے لیا۔ دوسری طرف سلمہ بن الاکوع نے تیزی سے پہاڑ کے ایک کنارہ پر پہنچ کر پتھراؤ کرنا شروع کردیا جس سے مشرکین آگے نہ بڑھ سکے۔ اور پیچھے سے رسول اللہؐ کے سوار دستہ نے انہیں آن لیا۔ (المعجم الصغیر للطبرانی ص: ۲۴۷، ۲۴۸)

ہمارا خیال ہے کہ فوجی قسم کے اہم کارنامے انجام دینے پر سپہ سالار یا سربراہِ مملکتِ اسلامی کو بھی اس قسم کے غیر معمولی حقوق حاصل ہوتے ہیں۔ (مترجم)

کے بعد کوئی نفل نہیں ہے۔"

ابو عبیدؒ:۔ یہاں سعید بن المسیب نے یہ بھی بتانا چاہا ہے کہ حصّوں میں ترجیحی سلوک اور مجموعی غنیمت میں سے نفل دینا، رسول اللہ ؐ کے بعد اب کسی کے اختیار میں نہیں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے غزوۂ حنین میں اقرع بن حابس اور عُیینہ کے ساتھ جو ترجیحی سلوک کیا تھا وہ بھی آپؐ کی اسی خصوصیت پر محمول کیا جائے گا۔

(۸۲۹) انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلّم نے حنین کی غنیمتوں کو تقسیم کرتے وقت اقرع بن حابس کو سو اونٹ دئے اور عُیینہ بن حصن کو سو اونٹ دئیے۔ یہ خبر انصار کو پہنچی۔ تو اس کے بارے میں ان کے درمیان چہ میگوئیاں ہوئیں، جو ایک طویل حدیث میں ہیں [1]

ابو عبیدؒ:۔ میری نظر میں اس حدیث کی دو توجیہیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ آپؐ نے یہ تمام عطیے مجموعی غنیمت میں سے دئے ہوں تو یہ عمل صرف آپؐ کی ذات تک محدود اور آپؐ کی خصوصیت ہوگا جیسا کہ سعید بن المسیبؒ اور سفیانؒ کا مسلک ہے۔

دوسری توجیہ یہ ہوگی کہ آپؐ نے یہ عطیے خمس میں سے دئے۔ جیسا کہ (پچھلے باب میں) ہماری مذکورہ ان احادیث سے مترشح ہوتا ہے جن میں امام کو خمس میں سے نفل دینے کا مجاز قرار دیا ہے۔ اور دونوں توجیہوں میں سے موخرالذکر توجیہ میرے خیال میں زیادہ مناسب اور قرینِ قیاس ہے۔ اس لئے کہ حضورؐ کے اس فعل کو روایت کرتے والے

---

[1] حنین کی فتح پر رسول اللہؐ نے قریش کے بعض سرداروں کو سو سو اونٹ دئے تو انصار آپس میں کہنے لگے کہ ہمیں چھوڑکر قریش کو دیا جا رہا ہے حالانکہ ہماری تلواریں ابھی تک قریشیوں کے خون سے آلودہ ہیں۔ رسول اللہؐ کو جب یہ بات پہنچی تو آپؐ نے انصار کو بلا کر تسلّی دی۔ ان کی تعریف کی، اور انہیں بتایا کہ یہ دنیوی عطیات ان کے ساتھ جائیں گے اور میں تمہارے ساتھ۔ کیا تمہیں یہ پسند نہیں۔ اس پر انصار نے رسول اللہؐ کے فیصلہ کو بدل و جان منظور کرلیا۔ تفصیل کے لئے دیکھئے صحیح مسلم مع شرح نووی ۱: ۳۳۸ مطبع اصح المطابع کراچی)

انس بن مالکؓ ہیں۔ اور یہی وہ شخص ہیں جو امیر سے عوام کے قیدیوں میں سے تیس قیدی لینا منظور نہیں کرتے اور اصرار کرتے ہیں کہ وہ اُسی وقت انہیں قبول کریں گے جبکہ خمس میں سے دئے جائیں گے۔

ابو عبیدؒ:۔ ہم ان کی روایت پہلے بیان کر آئے ہیں (دیکھئے نمبر ۸۱۴) تو گویا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے عملاً اسی حدیث کا اتباع کیا جس کے وہ راوی ہیں، اور ان سے زیادہ کون ان کی روایت کردہ حدیث کے معانی و مطالب سے واقف ہو سکتا ہے؟۔

(۸۳۰) بعض لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تقسیم کی تاویل کرتے ہوئے کہا ہے کہ رسول اللہؐ نے ان لوگوں کو جو حصّے عطا فرمائے تھے وہ آپؐ نے اپنے اس حصّہ میں سے دئے تھے جو مالِ غنیمت میں سے آپؐ کے لئے مخصوص تھا۔ اور وہ حصہ تھا خُمس کا خمس (یعنی کل غنیمت کا ۱/۲۵ واں حصہ)۔ لیکن اگر ایسا ہوتا تو اس میں انصار کو اعتراض کا موقع نہ ملتا۔ نہ ہی وہ اس سے ناواقف رہتے۔ اس لئے کہ اندریں صورت تو وہ مال حضورؐ کی ملکیّت ہوتا اور آپؐ اپنی مرضی سے اس پر تصرّف کرنے میں آزاد ہوتے۔ پھر ایسی صورت میں اس عطیّہ کو نفَل بھی نہ کہا جاتا۔ وہ تو ہبہ یا عطیہ یا بخشش و تحفہ یا اسی قسم کی کوئی چیز کہلاتا۔

باب

خمس میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا حصّہ

(۸۳۱) موسیٰ بن ابی عائشہ کہتے ہیں کہ میں نے یحیٰی بن الجزّار سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حصہ کی بابت دریافت کیا تو انہوں نے کہا: "آپؐ کا حصہ خمسؓ کا خمسؓ تھا (یعنی کل غنیمت کا ۱/۲۵ واں حصہ)

(۸۳۲) یہی مضمون ایک دوسری سند سے بھی موسیٰ بن ابی عائشہ ہی کے ذریعہ یحیٰی بن الجزار سے مروی ہے۔

(۸۳۳) ابن عمرؓ سے مروی ہے: "میں نے دیکھا کہ غنیمتوں کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا جاتا پھر ان کے حصے لگائے جاتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا جو حصہ ہوتا وہ آپ ہی کا ہوتا۔ اسے جمع نہیں کیا جاتا تھا۔"

(۸۳۴) ابن عباسؓ سے روایت ہے "غنیمت کے پانچ برابر حصے کئے جاتے تھے۔ ان میں سے چار حصے تو ان لشکریوں کے ہوتے جن کے لڑنے کی وجہ سے وہ ملتی۔ اور بقیہ ایک خمس چار حصوں میں تقسیم کیا جاتا۔ ان میں سے ایک چوتھائی حصہ (۱/۴) اللہ و رسول اور قرابت داروں

قرابت داروں سے مُراد

کے لئے ہوتا — قرابت داروں سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ کے اقرباء — تو اس میں سے جو رُبع (۱/۴) اللہ و رسول کا ہوتا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت داروں کا ہوتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم خود خمس میں سے کچھ نہ لیتے۔ دوسرا رُبع (۱/۴) حصّہ یتیموں کا ہوتا۔ تیسرا رُبع حصہ مساکین کا اور چوتھا رُبع حصّہ ابن سبیل (مسافروں) کا ہوتا — اور اس سے مراد ہے وہ فقیر مہمان جو مسلمانوں میں اُترتا۔ (اس کی تائید کے لئے دیکھئے نمبر ۳۷)

مالِ غنیمت میں سے بیت اللہ کا حصّہ اور وہی اللہ کا حصّہ ہوتا

(۸۳۵) ابو العالیہ کہتے ہیں: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس جب غنیمت لائی جاتی تو آپؐ اس میں اپنا ہاتھ ڈال کر بھر لیتے۔ اور جو کچھ آپؐ کے ہاتھ میں آتا وہ کعبہ کے نام کا کر دیتے۔ یہ بیت اللہ کا حصہ ہوتا۔ پھر باقیماندہ اموال پانچ حصوں میں تقسیم فرماتے۔ اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے لئے ایک حصّہ ہوتا۔ قرابت داروں کے لئے ایک حصّہ ہوتا۔ یتیموں کے لئے ایک حصہ ہوتا۔ مساکین کے لئے ایک حصّہ ہوتا۔ اور ابن سبیل (مسافر) کے لئے ایک حصہ ہوتا۔ وہ حصّہ جو آپؐ کعبہ کے لئے نکالتے وہی اللہ کا حصہ ہے۔"

ابو عبیدؒ:- یہ اللہ کے حصّہ سے متعلق آیت کریمہ:

وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ — اور جان لو کہ جو کچھ بھی مالِ غنمت حاصل ہو
فَاَنَّ لِلّٰہِ خُمُسَہٗ (الانفال: ۴۱) — تو اس کا خمسؑ اللہ کے لئے ہے۔

کی شرح ہے۔ گویا یہاں اللہ کے لئے سے کعبہ کا حصہ مراد ہے لیکن اس لفظ کی شرح دوسری طرح بھی آئی ہے۔

"لِلّٰہِ" کی ایک اور شرح

(۸۳۶) قیس بن مسلم کہتے ہیں: "میں نے حسن بن محمد بن الحنفیہ سے آیت کریمہ:-

وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ — اور جان لو کہ جو کچھ بھی تمہیں غنیمت میں ملے تو
فَاَنَّ لِلّٰہِ خُمُسَہٗ (الانفال: ۴۱) — اس کا پانچواں حصّہ اللہ کے لئے ہے۔

کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے کہا: "یہ کلام کا آغاز (بات کے شروع کرنے کا طریقہ) ہے، ورنہ یوں تو دنیا و آخرت سب اللہ ہی کے لئے ہیں۔ لیکن پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے بعد لوگوں میں ان دو حصوں (کے تعیّن کے بارے میں اختلاف ہو گیا۔

خمس اور زکوٰۃ کے مصارف کا تقابلی تجزیہ

(۸۳۷) عطاء سے مروی ہے کہ اللہ کا خمس اور اس کے رسول

کا خمس ایک ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس حصہ میں سے جہاد کرنے والے کو سواری وغیرہ مہیا کرتے اور عطیے دیا کرتے۔ نیز اسے اپنی مرضی کے مطابق جہاں چاہتے صرف فرماتے اور جو چاہتے اس سے کرتے تھے۔"

ابو عبیدؒ: - یہ ہے ان احادیث کی رو سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا حصّہ اور خمس کے پانچ حصے۔ نیز ان کی وہ مدیں جن میں وہ بانٹے اور صرف کیئے جائیں گے اسی طرح یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے زمانے میں تقسیم کئے جاتے تھے۔

بعدازاں کچھ ایسی روایات ہیں جن سے خمس میں سے بھی نفل دئے جانے کی اجازت ملتی ہے۔ اور میری نظر میں ان ہر دو وجہ میں سے کسی ایک میں باہم دگر تناقض و تضاد نہیں ہے۔ تاہم میرے نزدیک خمس کے بارے میں بنیادی اصول یہی ہے کہ وہ انہی مدوں میں صرف کی جائے جن کا تعین قرآن مجید نے فرما دیا ہے۔ ان کے علاوہ دیگر مدوں میں نہ خرچ کی جائے۔ الا یہ کہ اس کی لشکریوں میں تقسیم مسلمانوں کے مفاد عامہ کے لئے زیادہ مفید و بہتر ہو تو ایسی صورت میں ان روایات کی رو سے وہ ان (لشکریوں) میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ لیکن اگر صورت یہ ہو کہ معینہ مدوں کے لوگوں کو اس کی زیادہ ضرورت ہو تو پھر اس کا لشکریوں میں تقسیم کرنا ممنوع ہو گا۔

اس موضوع کی مزید شرح وہ روایت کر رہی ہے جو ابن المبارک بیان کرتے ہیں کہ:

(۸۳۸) ابو حفص عمر حمصیؒ[5] کہتے ہیں: "معاویہؓ نے مقدادؓ کو ایک گدھا دیا تو انہوں نے اسے قبول کر لیا۔ اس پر عرباضؓ نے ان سے کہا تھا: "تمہارے لئے یہ مناسب نہ تھا کہ تم اسے لے لیتے۔ نہ انہیں یہ روا تھا کہ وہ تمہیں دیتے۔ مجھے نظر آ رہا ہے کہ تم روزِ قیامت اس (گدھے) کو اپنے اوپر لادے ہوئے آ رہے ہو۔" چنانچہ مقدادؓ نے وہ گدھا واپس کر دیا۔"

اس روایت کی سند کے ایک راوی شعبہ کہتے ہیں کہ میں نے یہ روایت یزید بن خُمَیر کو سُنائی تو انہوں نے اس سے واقفیت کا اعتراف کرتے ہوئے کہا: "وہ (گدھا) اُنہوں نے خمس میں سے انہیں (مقداد کو) دیا تھا۔"

---

[5] - یہ نام حاشیہ میں "ابن ابی حفص اور عمر بن حفص" بھی لکھا ہوا ہے۔

ابوعبیدؒ:۔ اس ناپسندیدگی کے اظہار کی توجیہ میرے نزدیک صرف یہی ہے کہ اس وقت خمس کے متعینہ مستحقین، لشکریوں کے مقابلہ میں اس خمس کے زیادہ ضرورت مند ہوں گے۔

الغرض خمس کے بارے میں حکم یہی ہے کہ اس کی تقسیم کا دارومدار امام کی صوابدید پر ہے اور یہ مد اس کے حوالہ کر دی گئی ہے اس میں سے جتنی مقدار وہ جس کے لئے مناسب سمجھے اسے دے دے گا۔

اب رہا (زکوٰۃ) صدقہ کا مسئلہ تو اس کے بارے میں کسی امام یا عالم و فقیہ کا یہ مسلک ہمیں معلوم نہ ہو سکا کہ اس نے صدقہ (زکواۃ) کو اس کے ان آٹھ معینہ مستحقین کے علاوہ کسی اور مد میں خرچ کرنے کی اجازت دی ہو۔ چنانچہ اس بارے میں خمس کا حکم صدقہ کے حکم سے جدا ہو جاتا ہے۔ اگرچہ ان ہردو کے مستحقین کا تعین کتاب و سنت سے ہو چکا ہے۔ ہمارے خیال میں خمس اور صدقہ کے حکم میں اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ خمس فئے میں سے ہوتا ہے۔ اور فئے اور خمس سب دراصل مشرکوں کے اموال سے ہوتے ہیں لہٰذا ان کی رائے یہ ہوئی کہ جب مسلمانوں کو اس کی ضرورت ہو تو خمس کو اس کے اصل (یعنی فئے) کی طرف پلٹا دینا چاہیئے۔

اور ان ہردو (یعنی خمس اور فئے) کو ایک دوسرے سے جو چیز نزدیک لاتی ہے وہ یہ ہے کہ جہاں قرآن مجید میں ان ہردو کے مستحقین کا تذکرہ ہے وہاں دونوں مقامات پر پہلی مد کے لئے ایک ہی لفظ استعمال کیا گیا ہے، خمس کے بارے میں فرمایا ہے:

وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ : (الانفال: ۴۱)
اور جان لو کہ جو کچھ تمہیں غنیمت سے ملے تو اس میں سے خمس اللہ کے لئے ہے۔

یہاں بات کو شروع ہی اس طرح کیا کہ اسے (اللہ تعالیٰ نے) اپنی ذات کی طرف منسوب فرمایا اور بعد ازاں دیگر مستحقین کو بیان کیا۔ اور یہی طرزِ کلام فئے کے بارے میں بھی اختیار فرمایا چنانچہ ارشاد ہے:۔

مَا اَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ
جو کچھ اللہ تعالیٰ بستیوں والوں کی طرف سے

مِنْ اَهْلِ الْقُرٰی فَلِلّٰهِ (الحشر ۵۹ : ۶) — اپنے رسول کی طرف (بطور فئے) پلٹائے تو وہ اللہ کے لئے ہے۔

چنانچہ یہاں بھی پہلے اسے اللہ جل ثناؤہ نے اپنی ذات کی طرف منسوب فرمایا اور پھر اس کے (دیگر) مستحقین کا بیان فرمایا۔ لہٰذا ان دونوں مدوں میں امام کو اختیار حاصل ہوگا کہ اللہ سے جو کچھ مراد لیا جائے وہ اس کا فیصلہ کرے، کیونکہ وہ اس سے قریب تر ہوگا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے صدقہ (زکوٰۃ) کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَاۗءِ وَالْمَسٰكِيْنِ : (التوبہ ۹ : ۶۰) — صدقات (زکوٰۃ) تو صرف فقراء اور مساکین ..... الخ، کے لئے ہیں۔

یہاں پہلے "اللہ کے لئے" کہنے کے بعد فلاں فلاں مستحقین کا ذکر نہیں فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے صدقات صرف انہیں مستحقین کو دینا ضروری قرار دیا اور اس کی تقسیم میں کسی کو یہ اختیار نہیں دیا کہ وہ اس کے متعینہ مستحقین کو چھوڑ کر کسی دوسرے کو صدقہ (زکوٰۃ) دے دے۔ بایں ہمہ یہ معلوم ہے کہ صدقہ (زکوٰۃ) خصوصی طور پر صرف مسلمانوں کے مال سے لیا جاتا ہے۔ اور اس کے بارے میں حکم یہ ہے کہ اسے مسلمانوں کے امیروں سے لے کر انہی کے فقیروں میں پلٹا دیا جائے۔ لہٰذا اس میں سے نہ تو کسی کو نفل دینا جائز ہے نہ کسی اور قسم کا کوئی عطیہ۔ کیونکہ یہ مسلمانوں کا مال ہے اور وہ (فئے وخمس وغنیمت) کافروں کا۔ لہٰذا ہمارے مذکورہ بالا سبب کی بناء پر خمس اور صدقہ کا حکم الگ الگ ہوگیا۔

(۸۴۰) بایں ہمہ سفیان بن عُیینہ اپنی روایت کے ضمن میں کہا کرتے تھے: "کہ فئے و خمس کے بارے میں کلام کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے اپنی ذات سے اس لئے ابتداء کی کہ یہ دونوں آمدنیاں (فئے وخمس) معزز ترین کمائی ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ ہر بزرگ و برتر و باشرف چیز اللہ کی طرف منسوب کی جاتی ہے اور صدقہ (زکوٰۃ) کو اللہ تعالیٰ نے اس لئے اپنی طرف منسوب نہ فرمایا کہ وہ لوگوں کا میل کچیل ہوتا ہے۔

ابو عبیدؒ :- ان کی اس توجیہ سے ہمارے مسلک کی تردید نہیں ہوتی بلکہ وہ ہمارے مسلک کی مزید تائید کرتا ہے اس لئے کہ جہاں تک ہمارا خیال ہے اللہ تعالیٰ نے فئے اور خمس کو بلا تمیز و تفریق ایک سمجھتے ہوئے ملا دیا ہے۔ اور صدقہ کو اس کے سوا کسی اور مفہوم و مراد کی وجہ سے علیحدہ کر دیا ہے۔ واللہ اعلم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رب یسر و اعن فلک الحمد

باب

خمس میں سے قرابتداروں کے حصہ کا بیان

(۱۴۸) ابن شہاب کہتے ہیں کہ مجھے عبداللہ بن حارث بن نوفل ہاشمی نے بتایا کہ انہیں عبدالمطلب بن ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب نے بتایا کہ ان کے والد ربیعہ بن حارث، نیز عباس بن عبدالمطلب، دونوں نے عبدالمطلب بن ربیعہ بن حارث اور فضل بن عباس سے کہا: "تم دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں پہنچ کر آپ سے درخواست کرو کہ یا رسول اللہ آپ سے پوشیدہ نہیں کہ ہماری عمریں خاصی بڑی ہوگئی ہیں اور ہم شادی کرنے کے خواہشمند ہیں۔ یا رسول اللہ آپ بڑے مجیر و کرم فرما اور سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والے ہیں۔ ہمارے والدین کے پاس اتنا سرمایہ نہیں کہ وہ ہماری طرف سے مہر ادا کر دیں۔ لہٰذا یا رسول اللہ آپ ہمیں صدقات کی وصولی کی خدمات سونپ دیجئے۔ اور جس طرح دیگر عاملین آپ کو محصولات ادا کرتے ہیں ہم بھی ادا کرتے رہیں گے اور اس خدمت کے معاوضہ میں جو سہولت و آسائش ہے وہ بھی ہمیں پہنچتی رہے گی"۔ ابھی ہم اسی حال میں تھے کہ حضرت علی بن ابی طالبؓ تشریف لے آئے اور انہوں نے ہم سے کہا: "واللہ: تم میں سے کسی کو رسول اللہ صدقہ (زکواۃ) وصول کرنے کی خدمت پر مامور نہ فرمائیں گے۔" اس پر ربیعہ بن حارث

نے ان سے کہا: "تم اپنے حسد اور سرکشی کی بناء پر یہ کہہ رہے ہو۔ حالانکہ ہم نے باوجود اس کے کہ تمہیں رسول اللہؐ کی دامادی حاصل ہو چکی ہے تم سے حسد نہیں کیا"۔ اس پر حضرت علیؓ نے اپنی چادر ڈال دی اور اس پر بیٹھتے ہوئے کہا: "میں ابوحسن، اور قوم کا بہی خواہ ہوں۔ واللہ جب تک تمہارے بھیجے ہوئے دونوں بیٹے رسول اللہؐ کے پاس سے اس استفسار کا جواب لے کر تمہارے پاس نہ آجائیں میں اپنی جگہ سے نہ اُٹھوں گا۔"

عبدالمطلب کہتے ہیں کہ میں اور فضل روانہ ہوئے۔ ہمیں ظہر کی جماعت کھڑی ملی۔ چنانچہ ہم نے لوگوں کے ساتھ نماز ادا کی۔ پھر میں اور فضل جلدی سے نکل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے کمرہ کے دروازہ پر پہنچ گئے۔ اس دن آپ کی باری حضرت زینب بنت جحشؓ کے ہاں تھی۔ چنانچہ ہم اس دروازہ پر کھڑے ہو گئے تاآنکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم تشریف لے آئے۔ آپؐ نے میرا اور فضل کا کان پکڑتے ہوئے فرمایا: "اپنے دل کی بات کہہ ڈالو"۔ پھر آپؐ اندر تشریف لے گئے اور مجھے اور فضل کو اندر طلب فرمایا چنانچہ ہم دونوں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ تھوڑی دیر ہم نے آپس میں ایک دوسرے پر مدعا پیش کرنے کی ذمہ داری ڈالی۔ پھر میں نے آپؐ سے بات کی[1] اور ہم نے آپؐ سے اس موضوع پر گفتگو کی جس کے لئے ہمیں ہمارے والدین نے بھیجا تھا۔ ہماری بات سُن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم گھڑی بھر کے لئے خاموش ہو گئے اور آپؐ نے اپنی نگاہ گھر کی چھت کی طرف اُٹھالی۔ ہمیں اس عالم میں خاصی دیر ہو گئی اور ہم خیال کرنے لگے کہ آپؐ ہمیں کوئی جواب نہ دیں گے۔ اسی عالم میں ہم نے دیکھا کہ حضرت زینبؓ پردہ کی آڑ سے اپنا ہاتھ ہلا رہی ہیں جس کا مطلب یہ تھا کہ تم لوگ جلدی نہ کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم تمہارے ہی معاملہ میں غور فرما رہے ہیں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنا سر نیچے کرتے ہوئے ہم سے فرمایا: "یہ صدقہ تو لوگوں کا میل کچیل ہے۔ اور یہ نہ محمدؐ کے لئے حلال ہے نہ آلِ محمدؐ کے لئے۔ تم نوفل بن حارث کو میرے پاس بُلا لاؤ"۔ چنانچہ نوفل کو بُلا کر آپؐ کی خدمت میں حاضر کیا گیا۔ آپؐ نے فرمایا: "اے نوفل! عبدالمطلب کی

---

[1] یہاں عبداللہ کو شک ہے کہ "فضل" نے بات کی۔

شادی کرادو"، چنانچہ انہوں نے میری شادی کرادی۔ بعدازاں آپؐ نے فرمایا: "مَحمِیہ بن جزءؓ کو میرے پاس بلا لاؤ"۔ پھر آپؐ نے محمیہ سے کہا: "فضل کی شادی کرادو"۔ چنانچہ انہوں نے ان کی شادی کرادی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: "جاؤ اور ان دونوں کی طرف سے اتنا اتنا مہر خمس میں سے ادا کردو۔

ابن شہاب کہتے ہیں کہ عبداللہ بن حارث نے یہ رقم معین مقدار میں مجھے نہیں بتائی۔

ابوعبیدؒ: محمیہ بن جزء، ہمارے ہاں جزّء ("ز" پر تشدید کے ساتھ) مشہور ہے۔ لیکن راوی نے اسی طرح یہ نام لیا تھا۔ یہ بنی زُبید کا ایک شخص تھا جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے خمس کے اموال پر عامل مقرر فرما رکھا تھا۔

ذی القربیٰ کا حصہ بنی ہاشم و بنی المطلب میں

(۸۴۲) جُبیر بن مطعمؓ کہتے ہیں: "جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ذی القربیٰ (رشتہ داروں) کا حصہ بنی ہاشم و بنی المطلب میں تقسیم فرمایا تو میں اور عثمانؓ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور میں نے کہا: یا رسول اللہؐ! جہاں تک بنو ہاشم کا تعلق ہے ان کے فضل و برتری کا انکار نہیں کیا جاسکتا اس لئے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی وجہ سے ایک خاص مقام عطا فرما دیا ہے۔ لیکن یہ فرمایئے کہ بنی المطلب میں کونسی خصوصیت ہے کہ آپؐ نے ان کو تو دیا اور ہمیں محروم فرما دیا؟ حالانکہ آپ کی رشتہ داری کے اعتبار سے ہم اور وہ ایک حیثیت رکھتے ہیں"۔ تو آپؐ نے فرمایا: "انہوں نے مجھے — یا ہمیں — نہ زمانہ جاہلیت میں چھوڑا نہ اسلام میں، پھر آپؐ نے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو باہم گر داخل کرتے ہوئے فرمایا! بلاشبہ وہ سب — بنو ہاشم اور بنو المطلب — ایک چیز ہیں۔

(۸۴۳) ایک دوسری سند سے سعید بن المسیب ہی جبیر بن مطعمؓ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ اور حضرت عثمانؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے — پھر مذکورہ بالا حدیث بیان کرتے ہوئے اس میں یہ اضافہ کیا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے بنو ہاشم اور بنو المطلب کی طرح بنی عبد شمس اور

بنی نوفل کو اس خمس میں سے کچھ تقسیم نہیں کیا۔"

(۸۴۴) ابن شہاب کہتے ہیں: "حضرت ابوبکرؓ خمس میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر تقسیم کرتے اور حضرت عمرؓ بھی انہیں خمس میں سے دیتے رہے اور ان کے بعد حضرت عثمانؓ بھی۔"

(۸۴۵) مذکورہ بالا حدیث (نمبر ۸۴۲) ایک اور سند سے جبیر بن مطعم رضی ہی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔

(۸۴۶) قیس بن مسلم کہتے ہیں کہ میں نے حسن بن محمد سے آیۂ کریمہ:-

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی۔ (الانفال: ۴۱)

اور جان لو کہ جو چیز بھی تم کو غنیمت میں ملے تو اس میں سے خمس اللہ کے لئے ہے اور رسول کے لئے اور قرابت داروں کے لئے۔

کے بارے میں دریافت کیا تو اُنہوں نے کہا: "یہ تو کلام شروع کرنے کا طریقہ ہے۔ ورنہ دُنیا اور آخرت (سب ہی) اللہ کے لئے ہیں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد لوگوں میں ان دو حصوں کے بارے میں اختلاف ہوگیا۔ کچھ لوگوں نے کہا:

ذی القربیٰ کے بارے میں اختلاف

"قرابت داروں کا حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت داروں کے لئے رہے گا۔" اور کچھ لوگوں نے کہا کہ یہ حصہ خلیفہ کے رشتہ داروں کو ملے گا۔" اسی طرح کچھ لوگوں نے کہا کہ رسول اللہ کا حصہ آپؐ کے بعد خلیفہ کو ملے گا۔" پھر ان میں اس بات پر اتفاق ہوگیا کہ وہ یہ دونوں حصے گھوڑوں اور راہِ خدا میں جہاد کی تیاری میں صرف کر دیں۔ چنانچہ حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے عہدِ خلافت میں یہ دونوں حصے اسی مد میں صرف کئے جاتے تھے۔

(۸۴۷) محمد بن اسحٰق کہتے ہیں کہ میں نے ابو جعفر محمد بن علی سے دریافت کیا: "جب حضرت علیؓ نے خلیفہ ہو کر لوگوں کے معاملات اپنے ہاتھ میں لئے تو اُنہوں نے رشتہ داروں کے حصّہ کو کس طرح تقسیم کیا تھا؟" تو اُنہوں نے جواب دیا: "حضرت علیؓ نے اس بارے

میں حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی اقتداء کی تھی۔" میں نے کہا "یہ کیسے ہو سکتا ہے جبکہ تم اس بارے میں بہت کچھ کہتے رہتے ہو؟" اس پر انہوں نے کہا: "ان کے اہل جو کچھ کرتے تھے وہ انہی کی رائے کے مطابق ہوتا تھا۔" میں نے کہا: "تو انہیں اپنی رائے پر عمل کرنے سے کس چیز نے منع کیا تھا؟" انہوں نے جواب دیا: "واللہ! انہیں یہ پسند تھا کہ ان پر حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے عمل کی مخالفت کا الزام لگ جائے۔"

(۸۴۸) شعبی سے روایت ہے کہ حضرت علی رضؓ نے فرمایا: "میں یہاں اس لئے نہیں آیا ہوں کہ کوئی ایسی گرہ کھول دوں جسے حضرت عمر رضؓ نے پختگی سے باندھا ہو۔"

(۸۴۹) عبیدہ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضؓ نے فرمایا: "تم لوگ پہلے جس طرح فیصلے کرتے تھے ویسے ہی کرتے رہو۔ اس لئے کہ مجھے اختلاف ناپسند ہے۔ یہ اس لئے کہ لوگوں کی ایک جماعت ہو جائے یا پھر میں بھی اسی طرزِ عمل پر مرجاؤں جس پر میرے ساتھیوں نے جان دے دی۔"

(۸۵۰) سعید بن ابی سعید کہتے ہیں کہ نجدہ نے حضرت ابن عباس رضؓ کو سوالنامہ بھیجا: "ذوالقربیٰ (رشتہ داروں) سے کون لوگ مراد ہیں؟ اور کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنگ میں حصّہ لینے والے غلام یا عورت کو حصّہ دیا کرتے تھے؟ اور کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بچّوں کو قتل بھی کر دیا کرتے تھے؟" اس پر حضرت ابن عباس رضؓ نے یزید بن ہرمز کو بلا کر یہ جواب لکھوایا: "عبداللہ بن عباس کی جانب سے نجدہ بن عویمر کے نام۔ اما بعد۔ تم نے مجھ سے رشتہ داروں کے متعلق دریافت کیا ہے کہ وہ کون ہیں تو ہم لوگ کہتے تھے کہ ہم بنو ہاشم وہ رشتہ دار ہیں۔ لیکن ہماری قوم نے ہماری نہ مانی اور کہا کہ سارا قبیلۂ قریش رشتہ دار ہے۔ اور تم نے سوال کیا ہے کہ جنگ میں حصّہ لینے والے غلام یا عورت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم حصّہ دیا کرتے تھے؟ تو میں بتاتا ہوں کہ آپؐ ان دونوں میں سے کسی کو حصّہ نہیں دیتے تھے۔ البتہ کچھ معمولی سی بخشش دے دیا کرتے تھے۔ اور تم نے پوچھا ہے کہ کیا آپ بچوں کو قتل کر دیتے تھے؟ سو تم بچوں کو قتل نہ کرنا الا یہ کہ تمہیں خضرؑ کی طرح کا علم غیب حاصل ہو جس کی بناء پر انہوں نے لڑکے کو قتل کر ڈالا تھا

(۸۵۱) یزید بن ہرمز کہتے ہیں کہ نجدہ نے ابن عباسؓ کو ایک سوالنامہ بھیجا کہ یتیم سے کس عمر میں یتیم کا لفظ ختم ہو جاتا ہے؟ اور یہ کہ کیا بچوں کو قتل کیا جا سکتا ہے؟ اور یہ کہ کیا عورتیں جنگ میں حصہ لیتی تھیں؟ اور یہ کہ خُمس کن کے لئے ہے؟ تو ابن عباسؓ نے کہا: " اگر مجھے اس کی طرف سے کسی احمقانہ حرکت کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں اسے جواب نہ دیتا پھر اسے یہ جواب لکھ بھیجا: " کہ یتیم سے اس وقت یتیم کا لفظ ہٹا لیا جائے گا جبکہ وہ بالغ ہو جائے اور اس میں سوجھ بوجھ اور ہوشیاری نظر آنے لگے۔ اور بچوں کو صرف اسی صورت میں قتل کیا جا سکتا ہے کہ ان کے بارے میں وہ علم رکھو جو خضرؑ کو معلوم تھا۔ اب رہا غلام سو اس کو کچھ بخشش دے دی جاتی تھی۔ اور عورتیں (جنگ میں) مریضوں کی دیکھ بھال اور دوا دارو کرتی تھیں اور پانی پلانے کی خدمت انجام دیتی تھیں۔ اور خمس کے بارے میں ہمارا کہنا ہے کہ وہ ہمارا حصہ ہے اور ہماری قوم کہتی ہے کہ وہ ہمارا حصّہ نہیں ہے۔"

(۸۵۲) ابن شہاب کہتے ہیں کہ ان سے یزید بن ہرمز نے روایت کی کہ نجدہ نے حضرت ابن عباس کو رشتہ داروں کے حصّہ کے متعلق تحریری سوال بھیجا تو انہوں نے اسے جواب میں لکھا: وہ حصّہ ہمارا ہے۔ خود حضرت عمرؓ نے ہمارے سامنے یہ تجویز رکھی تھی کہ اس حصہ میں سے وہ ہمارے غیر شادی شدہ افراد کی شادی کرا دیں گے۔ اور ہمارے عیالدار کے لئے خادم فراہم کر دیں گے۔ لیکن ہم نے ان کی یہ تجویز منظور نہ کی اور اصرار کیا کہ وہ پورا کا پورا حصہ ہمارے حوالہ کر دیا کریں۔ لیکن انہوں نے ہماری یہ بات تسلیم نہ کی۔"

ابن ہرمز کہتے ہیں کہ میں نے ابن عباسؓ کی طرف سے ان کا یہ جواب نَجدۃ کو لکھا تھا۔

(۸۵۳) حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں: " حضرت عمرؓ ہمیں خمس میں سے وہ مقدار دیا کرتے تھے جس کے متعلق وہ سمجھتے تھے کہ یہ ہمارا حصّہ ہے۔ لیکن ہم نے یہ کہہ کر اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا کہ رشتہ داروں کا حصہ خمس کا خمس ($\frac{1}{25}$) ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا: " اللہ تعالیٰ نے یہ خمس معینہ مدوں میں تقسیم فرمائی ہے لہٰذا ان معینہ مدوں میں سے انہی کو اس خمس کا زیادہ حصّہ ملے گا جو تعداد میں زیادہ

اور ضرورتمندی کی بنا پر زیادہ مستحق ہوں گے۔" چنانچہ ہم میں سے کچھ لوگوں نے تو اس میں سے لیا اور کچھ لوگوں نے چھوڑ دیا۔"

(۸۵۴) زہری کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے فرمایا: "اگر میرے پاس عراق کا خمس آگیا تو میں کسی ہاشمی کو شادی کے بغیر نہ چھوڑوں گا اور (ان میں سے) جس کے پاس خدمت گار کنیز نہ ہوگی اسے خدمت گار مہیّا کر دوں گا"۔ زہری کہتے ہیں کہ وہ (اس میں سے) حضرات حسن وحسین رضی اللہ عنہما کو دیا کرتے تھے۔

(۸۵۵) ابن شہاب ہی ایک اور سند سے اس باب کی پہلی حدیث (نمبر ۸۴۱) کے مضمون کی روایت کرتے ہیں۔ لیکن اس روایت میں اُنہوں نے نوفل بن حارث کی جگہ ابوسفیان بن حارث کا نام لیا ہے۔ نیز اس میں مندرجہ ذیل عبارت کا اضافہ ہے :-

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے مَحمیہ سے کہا: "تم اپنی بیٹی سے اس لڑکے۔ یعنی فضل — کا عقد کر دو۔ اور ابوسفیان بن الحارث سے فرمایا: "تم اپنی بیٹی کو اس لڑکے — یعنی عبدالمطلب — سے بیاہ دو۔

ابو عبیدؒ :- لیکن پہلی حدیث میں مذکورہ نام "نوفل بن حارث" ہی ہمارے نزدیک محفوظ وارجح ہے۔

———×———

باب

معدنیات، اور مدفون اشیاء میں سے خمس (۱/۵) لینے کا بیان

(۸۵۶) حضرت ابوہریرۃ رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "(بے زبان) جانوروں سے زخمی ہونے پر کوئی تاوان نہیں۔ کنوئیں میں (ڈوب یا دب مرنے پر) کوئی تاوان نہیں۔ کان میں (دب مرنے پر) کوئی تاوان نہیں۔ اور (زمین کے اندر سے نکلے ہوئے خزانوں) مدفون مال میں سے خمسؑ لیا جائے گا۔"

(۸۵۷) حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "زمین کے مدفون مال میں سے خمس (۱/۵) لیا جائے گا۔"

(۸۵۸) عمرو بن شعیب سے روایت ہے کہ مُزنی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس گری پڑی چیز کے متعلق دریافت کیا جو آباد راستہ میں ملے۔ یعنی ایسا راستہ جس پر بکثرت آمد و رفت رہتی ہو۔ تو آپؐ نے فرمایا: "اس (گمشدہ) پڑی ملی ہوئی چیز کو ایک سال تک لوگوں کو اعلان کے ذریعہ پہنچواتے رہو۔ اس اثناء میں اگر اس کا مالک آجائے تو فبہا، ورنہ وہ تمہاری ہوگئی" پھر اس شخص نے دریافت کیا: "یا رسول اللہؐ! قدیم ویرانوں سے جو کچھ ملے اس کا کیا حکم ہے؟" آپؐ نے فرمایا: "اس میں نیز زمین کے مدفون مال میں سے خمس (۱/۵) دیا جائے گا۔"

(۸۵۹) ابو عبیدؒ:۔ مذکورہ بالا حدیث میں راوی نے عمرو بن شعیب کے

بعد رسول اللہؐ تک رواۃ کا سلسلہ نہیں دیا۔ لیکن ایک اور لمبی حدیث میں یہ سند عمرو بن شعیب اپنے باپ اور اپنے دادا کی وساطت سے رسول اللہؐ تک پہنچاتے ہیں۔ اسی طرح ابن عجلان سے بھی یہ سند مروی ہے:۔

(۸۶۰) یعنی عمرو بن شعیب اپنے باپ اور اپنے دادا کی وساطت سے مذکورہ بالا حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے بیان کرتے ہیں۔

معدن (کان) اور رِکاز (دفینہ) کے معنی

ابو عبیدؒ:۔ زمین میں دبے ہوئے مال (رِکاز) کے معنی میں علماء کا اختلاف ہے:

(۸۶۱) اہلِ عراق کہتے ہیں کہ "رِکاز" جامع لفظ ہے اور اس سے مُراد کان بھی ہے نیز وہ مال بھی جو زمین میں مدفون ملے۔ اور ان دونوں میں سے ہر ایک قسم میں سے حاصل شدہ مال پر خمس (⅕) ہے۔

(۸۶۲) اہلِ حجاز کہتے ہیں کہ "رِکاز" کا لفظ صرف دفینہ (کے مال) کے لئے مخصوص ہے اور صرف ایسے ہی زمین میں دبے ہوئے مال سے خمس (⅕) لیا جائے گا۔ لیکن جہاں تک کان (معدن) کا تعلق ہے وہ جُداگانہ چیز ہے اسے "رِکاز" نہیں کہا جاسکتا۔ لہٰذا اس میں سے حاصل ہونے والے مال سے خمس (⅕) نہیں لیا جائے گا۔ اس میں سے صرف زکوٰۃ لی جائے گی۔

اور ان میں سے ہر فریق اپنے مسلک پر حدیث و تاویل سے استدلال کرتا ہے۔

(۸۶۳) ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن متعدد علماء (صحابہؓ) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے بلال بن حارثؓ کو (حجاز کے مشہور علاقہ) قَبَلِیہ کی کانیں (بطور جاگیر) عطا فرما دی تھیں۔ اور یہ علاقہ مقامِ فُرُع کی جانب ہے۔ چنانچہ آج تک ان کانوں سے صرف زکوٰۃ ہی لی جا رہی ہے۔ (نیز دیکھئے نمبر ۶۷۷)

(۸۶۴) ابو عبیدؒ:۔ یہی حدیث ایک دوسری سند سے یوں مروی ہے:۔

"آپؐ نے انہیں قَبَلِیَّہ کے غوری اور جَلسی علاقہ کی کانیں (بطور جاگیر) بخش دی تھیں۔"

(۸۶۵) اور یہ مذکورہ بالا روایت کثیر بن عبداللہ مزنی اپنے باپ اور اپنے دادا کی وساطت سے بیان کرتے ہیں۔

ابو عبیدؒ:۔ غوری علاقہ سے مراد ہے وہ (نشیبی) علاقہ جو تہامہ میں واقع ہے اور جَلسی علاقہ سے وہ (بالائی) علاقہ مراد ہے جو نجد میں واقع ہے۔

(۸۶۶) بلالؓ بن حارث مُزَنی کے مولیٰ ابو عِکرِمہ راوی ہیں کہ رسول اللہؐ نے فلاں زمین فلاں علاقہ سے فلاں علاقہ تک مع اس کے پہاڑوں اور کانوں کے بلالؓ بن حارث کو (بطورِ جاگیر) بخش دی تھیں۔ بعد میں بلالؓ کی اولاد نے اس میں سے ایک قطعہ عمر بن عبدالعزیز کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ اور اس قطعہ میں دو عدد کانیں نکل آئیں۔ اس پر بلال کی اولاد نے کہا: "ہم نے کاشت کی زمین آپ کے ہاتھ فروخت کی تھی اور کان آپ کو فروخت نہیں کی ہے۔ ساتھ ہی وہ لوگ عمر بن عبدالعزیز کے پاس وہ جاگیر نامہ بھی لے آئے جو رسول اللہؐ نے ان کے باپ کو کھجور کی شاخ پر تحریر فرمایا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز اس لکھی ہوئی شاخ کو اپنی آنکھوں پر پھیرنے لگے۔ اور انہوں نے اپنی زمین کے کارندہ سے کہا: "معلوم کرو کہ تم نے کتنا کچھ اس زمین سے نکالا ہے اور کتنی رقم اس پر لگائی ہے؟ اور ان لوگوں سے اپنا خرچہ نکالنے کی شرط پر صلح کر لو۔ اور جو کچھ لاگت سے زیادہ ہو وہ انہیں واپس دے دو۔"

کانوں کی پیداوار سے زکوٰۃ، دفینہ میں سے خمس اور اس بارے میں اختلاف،

ابو عبیدؒ:۔ کانوں کے متعلق عمر (بن عبدالعزیز) کی یہی رائے ہے کہ ان سے حاصل ہونے والے مال پر زکوٰۃ لی جائے جیسا کہ "قَبَلِیَّہ" کی روایت میں مذکور ہے۔

(۸۶۷) عبداللہ بن ابی بکر سے مروی ہے کہ عمر بن عبدالعزیز نے کانوں (کی پیداوار)

لہ۔ ان کی شرح نمبر ۸۶۵ کے تحت ملاحظہ کیجئے۔

سے زکواۃ لی۔

(۸۶۸) عبداللہ بن ابی بکر کہتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز نے لکھا تھا: "کانوں (کی پیداوار) سے زکواۃ لو اور اس میں سے خمس نہ لو۔"

ابو عبیدؒ:۔ اور یہی مالک بن انس کی بھی رائے تھی:

(۸۶۹) یحیٰی بن عبداللہ بن بکیر راوی ہیں کہ مالک نے کہا: "کان بمنزلہ کھیت ہے اور اس (کی پیداوار) میں سے اسی طرح زکواۃ لی جائے گی جس طرح کھیت کاٹنے پر اس (کی پیداوار) سے زکواۃ لی جاتی ہے۔ اور کان "رکاز" (زمین میں مدفون خزانہ) نہیں ہے۔ "رکاز" تو زمانہ جاہلیت کا وہ دفینہ ہے جو بغیر سرمایہ لگائے ہاتھ لگ جائے اور جس کے حاصل کرنے میں بڑی محنت نہ کرنا پڑے۔ یہ ایسا مسئلہ ہے جس میں ہمارے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اور جب تک کان سے نکلنے والی شے کی مالیت بیس۲ دینار یا دو سو درہم نہ ہو جائے اس میں سے کچھ نہیں لیا جائے گا۔ جب مذکورہ مالیت کو پہنچ جائے تو اس میں سے زکواۃ لی جائے گی۔ اور جوں جوں پیداوار میں اضافہ ہوگا اسی حساب سے اس سے لیا جائے گا۔ یہ ایسی صورت میں کہ کان سے مسلسل پیداوار جاری رہے لیکن اگر اس کی پیداوار کا یہ سلسلہ بند ہو جائے اور بعد ازاں پھر سے اس کی پیداوار ہونے لگے تو اس کے ساتھ پھر پہلا عمل کیا جائے گا یعنی جس طرح پہلی مرتبہ زکواۃ شروع کی گئی تھی اسی طرح از سرِ نو زکواۃ شروع کی جائے گی۔"

ابو عبیدؒ: یہ ہے مالک اور اہلِ مدینہ کی رائے۔

(۸۷۰) لیکن دیگر علماء کی رائے میں "کان" بھی "رکاز" (دفینہ میں شامل) ہے اور جس طرح وہ غنیمت میں خمس لینے کے قائل ہیں اسی طرح وہ کان کی پیداوار میں سے بھی خمس لینے کے قائل ہیں۔

ابو عبیدؒ:۔ اور یہی مؤخر الذکر مسلک میرے نزدیک اس مرفوع حدیث کی تاویل سے زیادہ مشابہ ہے جسے ہم عبداللہ بن عمرو کی سند سے بیان کر چکے ہیں اور وہ ہے:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے دریافت کیا گیا کہ اس مال کا کیا حکم ہے جو قدیم

زمانہ کے ویرانہ میں ملے ؟" تو آپؐ نے فرمایا: "اس میں اور رِکازہ (زمین سے نکلنے والے مال) میں سے خمس (۱/۵) لیا جائے گا۔"

ابوعبیدؒ:۔ اس سے یہ بات صاف ہوگئی کہ رِکاز زمین میں دبے ہوئے مال کے علاوہ کسی اور چیز کا نام ہے۔ اس لئے کہ حضورؐ نے فرمایا: "اس میں اور رِکازہ میں سے خمس لیا جائے گا۔" اس طرح آپؐ نے رِکاز کو اس مال کے علاوہ (جو قدیم زمانہ کے ویرانہ سے ملے) بتایا۔ معلوم ہؤا کہ "رکاز" سے مراد "کان" ہے۔

خود حضرت علی بن ابی طالبؓ سے ایک روایت ہے جس میں انہوں نے "کان" کو "رکاز" کہا ہے۔ یہ حدیث اس طرح ان سے بالتشریح مروی ہے۔

(۸۷۱) حارث بن ابی الحارث ازدی کہتے ہیں کہ میرے باپ کو معدنیات سے متعلق سب سے زیادہ معلومات تھی۔ وہ ایک شخص کے پاس گئے جس نے ایک دھات کھود کر نکالی تھی اور انہوں نے وہ "دھات" اس سے یکصد بچوں والی بکریوں کے عوض خرید لی۔ پھر وہ اپنی والدہ کے پاس گئے اور انہیں اپنے اس سودے کا بتایا تو انہوں نے کہا: "بیٹے! یہ یکصد تو تین صد ہیں۔ یکصد تو مائیں، یکصد اُن کے بچے، یکصد ان کے خدمتگار[1]۔ جس سے تم نے یہ سودا کیا ہے ان کے پاس واپس جاکر اس سے یہ سودا ختم کر ڈالو۔ چنانچہ وہ اس شخص کے پاس گئے اور اس سے درخواست کی کہ اس تعداد میں سے پندرہ کم کردو، لیکن وہ شخص اس پر رضامند نہ ہؤا۔ چنانچہ اس (خریدار) نے دھات لے لی اور اسے پگھلا کر اس سے ہزار بکریوں کی قیمت نکال لی۔ تب اس کان کو فروخت کرنے والے شخص نے خریدار سے کہا: "مجھے سودا واپس کردو۔" اُس نے کہا: "میں ایسا نہیں کروں گا۔" اس شخص نے کہا: "میں حضرت علی بن ابی طالبؓ کے پاس جاکر تیری شکایت کردیتا ہوں۔" چنانچہ وہ حضرت علیؓ کی خدمت میں پہنچ گیا اور ان سے کہا: "ابوالحارث کو قیمتی دھات مل گئی ہے۔" چنانچہ حضرت علیؓ اُن کے پاس گئے اور ان سے پوچھا: "وہ (رِکاز) دفینہ جو تمہیں ملا ہے کہاں ہے؟" انہوں

---

[1] ہمارے خیال میں اس سے مطلب یہ ہے کہ ان بکریوں کے ساتھ جو خدام دئے جائیں گے وہ بھی تقریباً سو بکریوں کی قیمت کے مساوی ہوں گے۔ واللہ اعلم

نے کہا "مجھے (رکاز) دفینہ نہیں ملا بلکہ اس شخص کو یہ ملا تھا اور میں نے اس سے یہ یکصد بچوں والی بکریوں کے عوض خرید لیا۔ تب حضرت علیؓ نے اس شخص سے کہا: "اب تو خمس تجھ سے لیا جائے گا"۔ اور پھر ان سو بکریوں میں سے خُمس لے لیا۔

ابو عبیدؒ:۔ ملاحظہ فرمایا آپ نے اس روایت میں حضرت علیؓ نے زمین سے نکالی جانے والی دھات کو (رکاز) دفینہ کہا اور پھر اس پر اپنا حکم صادر فرمایا اور اس میں سے خمس لے لیا۔

اور یہی رائے (ابن شہاب) زُہری کی تھی۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے بارے میں حدیث بیان کرتے تھے جس میں یہ حکم تھا کہ "رکاز" میں سے خمس لیا جائے گا۔

(۸۷۲) یونس کہتے ہیں کہ ابن شہاب (زہری) سے دفینہ (رکاز) اور "معادن" (کانوں) کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہا: "ان سب چیزوں سے حاصل ہونے والے مال پر خمس (۱/۵) نکالا جائے گا۔

ابو عبیدؒ:۔ اور میرے نقطۂ نظر سے بھی یہی درست معلوم ہوا کہ کھیت (کی پیداوار) کے مقابلہ میں دفینے اور کانوں کی پیداوار، مالِ غنیمت سے زیادہ مشابہت رکھتی ہے۔ اس لئے کہ جس طرح کانوں سے مال نکالنے میں اخراجات کرنے پڑتے ہیں اور جان جوکھوں میں ڈالی جاتی ہے اسی طرح دشمن سے مقابلہ وجہاد میں بھی انہی حالات سے واسطہ پڑتا ہے بلکہ جہاد زیادہ سخت اور خطرناک تزین ہے۔ بایں ہمہ اللہ تبارک و تعالےٰ نے مجاہدین پر ان کے حاصل کردہ مال غنیمت میں خمس (۱/۵) مقرر کیا ہے۔ اس لحاظ سے کانوں پر کم سے کم جو ٹیکس لگایا جا سکتا ہے وہ اتنا تو ہونا چاہیئے جو دُشمن سے حاصل کردہ مال پر ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ کھیتوں (کی پیداوار) اور

غلہ اور سونا چاندی پر زکوٰۃ واجب ہونے اور اُن کے نصابوں میں اختلاف

سونے چاندی کے احکام جُدا جُدا ہیں۔ کھیتوں (کی پیداوار) پر تو صرف ایک بار کٹائی کے وقت ہی زکوٰۃ لی جاتی ہے اور بعد ازاں اس غلّہ وغیرہ پر کچھ نہیں لیا جاتا خواہ وہ غلّہ وغیرہ

برسوں مالک کے پاس پڑا رہے لیکن اس کے برخلاف سونے چاندی پر جو نفع حاصل ہوتا ہے اس پر (فوری طور سے) کوئی زکوٰۃ نہیں لی جاتی تا آنکہ ان پر ایک سال نہ گذر جائے۔ اور اس مدت کے بعد ہی سونے اور چاندی پر مسلسل ہر سال زکوٰۃ ادا کی جاتی ہے۔ ان وجوہ کی بناء پر میں سمجھتا ہوں کہ ان ہر دو اشیاء (یعنی کھیت اور سونا چاندی) کے حکم میں نہ صرف اصلاً اختلاف ہے بلکہ فرعاً بھی اختلاف ہے۔

اس سے بھی زیادہ نمایاں فرق ان ہر دو اشیاء میں یہ ہے کہ کھیت (کی پیداوار) سے عُشر (۱/۱۰) یا نصف عُشر (۱/۲۰) زکوٰۃ لی جاتی ہے جبکہ سونے اور چاندی سے رُبع عشر (۱/۴۰) زکوٰۃ لی جاتی ہے۔ اور یہ بڑا نمایاں اور واضح فرق ہے جس کی موجودگی میں ہم کیونکر معدن (سے نکالے ہوئے مال) کو کھیت (کی پیداوار) سے مشابہ سمجھ سکتے ہیں؟ پھر اس کے ساتھ ہماری مذکورہ وہ حدیث بھی سامنے رکھیئے جسے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کر رہے ہیں۔ نیز اس باب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایت اور اس مسئلہ میں ابن شہاب (زہری) کا اپنا فتویٰ جس کے ساتھ ان کی مرسل حدیث بھی ہے، ملحوظ رکھیئے۔

اب اس قَبَلِیَّہ والی حدیث (نمبر ۸۶۳) کو بھی جسے ربیعہ (بن ابی عبدالرحمٰن) روایت کر رہے ہیں۔ اولاً تو اس کی اسناد نہیں ہے ثانیاً اس میں یہ مذکور نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اس بات (زکوٰۃ لینے) کا حکم دیا تھا۔ اس میں تو صرف اس قدر ہے:

چنانچہ آج تک ان کانوں سے صرف زکوٰۃ ہی لی جا رہی ہے"۔ اگر اس جملہ کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو جائے تو یہ ایک ناقابلِ تردید ثبوت بن جائے گا۔

(۸۷۳) اب جو حضرات کان (معدن) اور رِکاز (دفینے) کے بارے میں اس مسلک کے قائل ہیں وہ کانوں سے برآمد ہونے والی جملہ دھاتوں: تانبہ، سیسہ اور لوہے (وغیرہ) کے بارے میں وہی رائے رکھتے ہیں جو وہ سونے اور چاندی کے متعلق رکھتے ہیں لیکن جو (معدن و رکاز) میں زکوٰۃ کا قائل ہے تو اسے اپنے بیان میں یہ بھی اضافہ کر لینا چاہیئے کہ "سوائے چاندی سونے کے معدن و رکاز سے حاصل ہونے والے کسی مال پر زکوٰۃ نہیں لی جائے گی۔

⁂

باب

دفینہ (گاڑے ہوئے مال) میں سے خمس لینے کا بیان

(۸۷۴) شعبی سے روایت ہے کہ ایک شخص نے مدینہ کی حدود سے خارج علاقہ کے کسی دفینہ میں ایک ہزار دینار پائے۔ وہ انہیں لے کر حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا چنانچہ اُنہوں نے اس میں سے خمس یعنی دو سو دینار لے کر بقیہ اسی شخص کو دے دئے۔ پھر حضرت عمرؓ وہ دو سو دینار اپنے پاس موجود مسلمانوں میں تقسیم کرنے لگے حتیٰ کہ ان میں سے کچھ بچ گئے۔ حضرت عمرؓ نے کہا "وہ دیناروں والا کہاں ہے؟" اس پر وہ شخص کھڑا ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے اس سے کہا: "لو یہ (بقیہ) دینار بھی تمہارے ہیں۔"

(۸۷۵) شعبی سے مروی ہے کہ ایک آدمی جسے سواد (عراق) کے ویران علاقہ میں ایک ہزار پانچ صد درہم ملے تھے حضرت علیؓ کی خدمت میں پہنچایا گیا۔ حضرت علیؓ نے کہا: "اس جھگڑے کا میں بالکل صاف و واضح فیصلہ سناؤں گا۔ اگر تم نے یہ رقم ایسے ویرانہ میں پائی ہے جس کا خراج آباد بستی ادا کرتی ہے تو یہ رقم اس بستی کے باشندوں کی ہے۔ اور اگر وہ ویرانہ ایسا ہے جس کا خراج وہ بستی ادا نہیں کرتی تو اس رقم میں سے پانچواں حصہ (خمس) ہمارا ہے اور باقی چار حصے تمہارے ہیں۔ اور میں یہ سب کا سب بھی تمہارے لئے پاکیزہ و خوشگوار بنا دوں گا۔"

حضرت دانیالؑ کے مزار میں رکھی ہوئی دولت

(۸۷۶) قتادہ کہتے ہیں کہ جب (ایرانی علاقہ) سُوس فتح ہوا تو اس فاتح لشکر کے قائد ابو موسیٰ اشعریؓ تھے۔ اُنہوں نے حضرت دانیالؑ کو ایرن میں پایا۔[۱] جہاں ان کے بازو میں مال رکھا ہوا تھا اور ایک تحریر تھی جس میں درج تھا: "جو چاہے اس میں سے معینہ مدت

---

[۱] فتوح البلدان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کسی قلعہ کے ایک پردہ پڑے ہوئے مکان میں حضرت دانیالؑ کا جسد تھا۔

نک کے لئے قرض لے لے۔ اگر وہ معینہ مدت میں قرض واپس کر دے تو فبہا ورنہ اسے برص ہو جائے گا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضؓ نے اس تحریر کو (احتراماً) بدن سے لگایا اور اسے بوسہ دیا اور کہا: "ربِ کعبہ کی قسم، یہی دانیال ہیں۔ پھر اس کے بارے میں حضرت عمر رضؓ کو لکھا جس کے جواب میں حضرت عمر رضؓ نے لکھا: انہیں کفناؤ، ان کی لاش کو ممی لگاؤ۔ پھر ان پر نماز (جنازہ) پڑھو۔ پھر انبیاء صلوات اللہ علیہم کے اعزاز کے مطابق انہیں دفنا دو۔ اور ان کے پاس سے جو مال ملا ہے اسے مسلمانوں کے بیت المال میں داخل کر دو"۔ چنانچہ انہوں نے اس لاش کو سفید قباطی کپڑے سے کفنا کر، اس پر نماز جنازہ ادا کرنے کے بعد اسے دفن کر دیا۔

قبر میں سے نکلنے والا مال

(۸۷۷) ریاح کہتے ہیں کہ ہمیں مدائن میں ایک قبر ملی جس میں ایک مرد کی لاش تھی جس پر سونے (کے تاروں) سے بنا ہوا کپڑا تھا۔ نیز اس قبر میں اور بھی مال تھا۔ ہم لوگ یہ سب کچھ لے کر عمار بن یاسر رضؓ کے پاس پہنچے۔ چنانچہ اس بارے میں انہوں نے حضرت عمر رضؓ بن الخطاب کو لکھا تو انہوں نے جواب بھیجا: "یہ سب مال ان لوگوں کو دے دو (جو اسے لائے ہیں) اور ان سے چھین نہ لو"

دفینوں کے متعلق حضرت عمر رضؓ کے مختلف فیصلے اور ان کی توجیہ

ابو عبیدؒ: حضرت عمر رضؓ سے زمین میں مدفون خزانے کے بارے میں یہ تین مختلف فیصلے مروی ہیں:۔

(۱) انہوں نے اس میں سے خمس (۱/۵) لے کر بقیہ اس کے پانے والے کے حوالے کر دیا۔

(۲) اُنہوں نے پانے والے کو اس خزانہ میں سے کچھ نہ دیا اور وہ سارے کا سارا خزانہ بیت المال میں داخل کرا دیا۔

(۳) اُنہوں نے وہ تمام کا تمام دفینہ پانے والے کو دے دیا۔ اور اس میں سے کوئی حصہ بھی بیت المال کے لئے الگ نہ رکھا۔

میرے نزدیک مندرجہ بالا ہر سہ فیصلوں کی ایک دوسرے سے مختلف توجیہ ہے:

(۱) جس میں سے اُنہوں نے خمس لیا۔ تو وہ اصل قاعدہ پر عمل تھا جو دفینہ سے متعلق سنت طریقہ ہے کہ دفینہ میں سے خمس لے کر بقیہ پانے والے کو دے دیا جائے

اور لوگوں میں اسی پر عمل ہوتا ہے۔

(۱۱) حضرت دانیال ؑ کے پاس جو مال ملا تھا اسے تمام کا تمام بیت المال میں داخل کرنے اور اسے پانے والوں کو اس میں سے کچھ حصّہ نہ دینے کی وجہ یہ تھی کہ یہ مال لوگوں سے چھپا ڈھکا نہ تھا۔ سب ہی اسے جانتے تھے اور اس میں سے قرض لیتے رہتے تھے جس کی طرف روایت میں اشارہ ملتا ہے۔ ایسی صورت میں (جبکہ اس کا پانے والا کوئی نہ تھا) وہ یہ مال کیسے دیتے؟ سب ہی اسے جانتے تھے اور اس بارے میں برابر کی حیثیت رکھتے تھے۔ بناء بریں بیت المال اس کا زیادہ مستحق ٹھہرا تاکہ اس سے سب کو عمومی نفع پہنچے۔

دفینہ کی تعریف

دفینے کا اطلاق تو ان خزانوں پر ہوتا ہے جو ان کے پانے والوں سے قبل پوشیدہ اور نا معلوم ہوں۔ اندریں صورت ان میں سے خمس نکال کر بقیہ ان کے پانے والوں کا ہو گا۔

(۱۱۱) اب رہا وہ دفینہ جس میں سے خمس نکالے بغیر ہی اُنھوں نے تمام کا تمام پانے والوں کو دے دیا۔ سو اس کی وجہ یہ ہے کہ خمس کا فیصلہ غنیمت کے خمس کی طرح امام کے اختیار میں ہے۔ جسے چاہے وہ دے دے۔ حضرت عمر رضؓ نے اس واقعہ میں یہی مناسب خیال فرمایا کہ وہ (۵/۱) پانے والوں کو واپس دے دیا جائے اور یہ صورت ایسے مواقع پر ہوتی ہے جبکہ لوگ بعض وجوہ کی بناء پر خمس میں سے نفل (عطیے) کے مستحق ہو جاتے ہیں: مثلاً یہ کہ انھوں نے مسلمانوں کی مصلحت و منفعت میں ان کی جانشینی کرتے ہوئے گراں قدر خدمات انجام دی ہوں یا دشمن کا بہادرانہ مقابلہ کر کے ان کی سرکوبی کی ہو۔ اسی وجہ سے حضرت عمر رضؓ نے انھیں مستحق گردانا ہو گا۔ اسی طرح وہ مختار تھے کہ اگر چاہتے تو اُن کے بجائے دوسروں کو وہ مال دے دیتے۔ گویا اندریں صورت حضرت عمر رضؓ کے نزدیک وہی لوگ اس مال کے زیادہ اہل تھے۔ اور یہی توجیہ مذکورہ بالا حضرت علی رضؓ والی روایت (نمبر ۸۷۵) کی ہو گی جس میں اُنھوں نے دفینہ پانے والے سے کہا تھا: "اور میں یہ سب کا سب بھی تمہارے لئے خوشگوار و پاکیزہ بنا دوں گا۔"

اور یہی تاویل خمس کے اس بقیہ مال کی تقسیم کے متعلق بھی کی جائے گی جو حضرت عمرؓ نے کی تھی جو از روئے روایت اول (نمبر ۸۷۴) اُنہوں نے پانے والے ہی کو دے دیا۔ دیا تھا۔

اور اسی اساس پر درج ذیل روایت کی بھی توجیہ کی جائے گی جس میں مذکور ہے کہ اُنہوں نے غلام کو دفینہ پانے پر اس میں سے اسے بھی دیا تھا۔

خزینہ پانے والے غلام کا حصّہ

(۸۷۸) عمرو بن شعیب راوی ہیں کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں کسی غلام کو ایک دفینہ ملا تو حضرت عمرؓ نے اسے آزاد کر دیا اور اس دفینہ میں سے اسے کچھ دے کر بقیہ تمام مال بیت المال میں داخل کر دیا۔

(۸۷۹) **ابو عبیدؒ**: کسی غلام کے دفینہ پا لینے پر سفیان اور اوزاعی دونوں بھی اسی فیصلہ کے قائل ہیں۔

(۸۸۰) اس کی تائید میں مالک کے سوا اور کسی کا قول میرے علم میں نہیں۔ وہ بھی کہتے ہیں: کہ خزینہ پانے والے غلام کو اس میں سے کچھ دیا جائے گا۔ اور یہ اس لئے کہ غلام کا مال اس کے مالک کا ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں مالک خود خزینہ پانے والا نہیں، بلکہ دفینہ اس کا ہو گا جس کے لئے غلام نے اسے پایا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ وہ تمام کا تمام دفینہ غلام کو نہیں دیا جائے گا۔

اس کی مثال اس غنیمت کی سی ہے جو غلام کو ملے۔ اس غنیمت میں سے اسے حصّہ نہیں ملے گا بلکہ کچھ بطور بخشش و عطیّہ دے دیا جائے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم سے اس باب میں یہی فیصلہ مروی ہے:۔

(۸۸۱) آبی اللحم غفاری کے آزاد کردہ غلام عمیرؓ کہتے ہیں: "میں معرکۂ خیبر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھا۔ اُس وقت میں غلام تھا۔ میں نے حضورؐ سے عرض کیا کہ مجھے بھی (غنیمت سے حصہ) تقسیم کیا جائے لیکن آپؐ نے ایسا کرنے سے انکار فرمایا اور مجھے کچھ معمولی سا چھوٹا موٹا سامان عطا فرما دیا۔"

(۸۸۲) حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں: "مالِ غنیمت میں غلام کا کوئی حصہ نہیں ہے۔"

باب

سمندر سے نکلنے والی اشیاء مثلاً عنبر، قیمتی جواہر اور مچھلی وغیرہ پر خمس (۵/۱) لئے جانے کا بیان

(۸۸۳) جابر بن عبداللہ رضؓ سے روایت ہے کہ عنبر کا شمار غنیمت میں نہیں ہوگا، بلکہ جو شخص اسے اُٹھالے گا وہ اسی کا ہو جائے گا۔

ابو عبیدؒ:۔ وہ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ عنبر میں سے خمس نہیں لیا جائے گا۔ اسی کی تائید میں حضرت ابن عباس سے بھی ایک روایت ہے۔

(۸۸۴) ابن عباس رضؓ سے مروی ہے: "عنبر میں سے خمس نہیں لیا جائے گا۔ اس لئے کہ اسے سمندر (ساحل پر) ڈال دیتا ہے۔"

(۸۸۵) اسی مضمون کی روایت ایک دوسرے راوی ابن عباس رضؓ ہی سے اسناد کے اختلاف سے بیان کرتے ہیں۔

ابو عبیدؒ:۔ گویا یہ دونوں صحابی (حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت ابن عباسؓ) اس (عنبر) پر کوئی ٹیکس لگانے کی رائے نہیں رکھتے ہیں۔

اگرچہ بعض تابعین سے اس رائے کے خلاف آثار بھی ملتے ہیں:۔

(۸۸۶) حسن سے روایت ہے کہ عنبر میں سے خمس لیا جائے گا اور اسی طرح موتیوں میں سے بھی۔

(۸۸۷) یونس روایت کرتے ہیں کہ ابن شہاب سے سمندر میں سے نکالے جانے والے موتیوں اور عنبر کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہا: "اس میں سے خمس لیا جائے گا۔"

(۸۸۸) ابن عون کہتے ہیں کہ ابو الملیح اُبُلّہ کے عامل تھے، تو اُن کے پاس موتیوں سے بھرا ہوُا ایک چرمی تھیلا لایا گیا جسے چنگی سے بچانے کے لئے غیر راستہ سے لایا گیا تھا۔ چنانچہ اُنہوں نے اس کے بارے میں حجاج کو لکھا تو انہوں نے جواب بھیجا کہ اس میں سے خمس لیا جائے گا۔"

مچھلی پر زکوٰۃ؟

(۸۸۹) یونس بن عبید کہتے ہیں کہ عمر بن عبد العزیز نے اپنے عمّان کے گورنر کو لکھا: "مچھلی پر اُس وقت تک کچھ (ٹیکس) نہ لو تا آنکہ اس کی قیمت دو سو درہم تک پہنچ جائے۔" اس سند کے ایک راوی عبد الرحمٰن کہتے ہیں جہاں تک مجھے معلوم ہے اُنہوں نے اس میں یہ بھی کہا تھا: "جب اُس کی قیمت دو سو درہم تک پہنچ جائے تو اس پر زکوٰۃ لو۔"

ابو عبیدؒ:- ہمارا خیال ہے کہ عمر (بن عبد العزیز) سمندر سے نکلنے والے مال کو خشکی اور کانوں سے نکلنے والے مال پر قیاس کر رہے ہیں۔ وہ کانوں سے نکلنے والے مال پر زکوٰۃ لینے کے قائل تھے۔ ان کا یہ خیال ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اُنہوں نے سمندر سے نکلے ہوئے مال کو خشکی اور کانوں سے نکلنے والے مال سے تشبیہ دی۔ لیکن مچھلی کے بارے میں لوگ اس فیصلہ پر قائم نہیں ہیں اور ہمیں ایک بھی ایسا نہیں ملتا جو اس پر عمل پیرا ہو۔
بلاشبہ لوگوں نے عنبر اور موتیوں کے بارے میں اختلاف کیا ہے اور علماء کی اکثریت کا خیال ہے کہ ان دونوں پر کوئی ٹیکس نہیں لیا جائے گا۔ جیسا کہ حضرات ابن عباسؓ و جابرؓ سے مروی ہے نیز سفیانؒ و مالک سب کی بھی یہی رائے ہے۔

(۸۹۰) بایں ہمہ یہ حقیقت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے عہد میں کچھ اشیاء سمندر سے نکلتی تھیں۔ لیکن چونکہ اس بارے میں ہمارے پاس نہ تو رسول اللہؐ کی کوئی واضح سنت آئی ہے اور نہ آپؐ کے خلفاء کا کوئی طرزِ عمل صحیح روایت سے ملا ہے لہٰذا ہمارا خیال ہے کہ یہ ان اشیاء میں ہیں جن کا ٹیکس اسی طرح معاف کر دیا گیا ہے جیسے گھوڑوں اور غلاموں پر زکوٰۃ معاف ہے۔

(۸۹۱) اب جن علماء نے سمندر کی پیداوار پر خمس واجب بتایا ہے انہوں نے اس

سمندری پیداوار کو خشکی اور کانوں کی پیداوار سے مشابہ سمجھتے ہوئے یہ حکم لگایا ہے اور انہوں نے ان ہر دو پیداوار کو ایک حیثیت کا خیال کیا ہے۔

لیکن جو اس خیال سے اتفاق نہیں کرتے وہ ان دونوں پیداواروں کو الگ الگ خیال کرتے ہیں اور کہتے ہیں :۔

(۸۹۲) ان دونوں پیداواروں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت نے ایک دوسری سے جُدا قرار دیا ہے۔ اور اس پر دلیل یہ ہے کہ آپؐ نے زمین سے پائے جانے والے دفینوں پر خمس مقرر فرما دیا لیکن سمندر کی پیداوار کے بارے میں کچھ نہ فرمایا اور سکوت اختیار کیا۔

ابو عبید :۔ اور ان ہر دو پیداوار کے متعلق یہی ہماری بھی رائے ہے۔ ہماری نظر میں یہ دونوں برابر کی حیثیت نہیں رکھتی ہیں۔ اور ہماری یہ رائے اس وجہ سے ہے کہ ہمیں

سمندر اور خشکی کے احکام میں اختلاف

ایک دو امور میں نہیں بلکہ متعدد امور میں سمندر اور خشکی کے احکام میں اختلاف نظر آتا ہے۔ مثلاً :

(۸۹۳) اللہ تعالیٰ نے احرام باندھے ہوئے حاجیوں پر خشکی کے جانوروں کا شکار نہ صرف حرام قرار دیا ہے بلکہ اس شکار کو مارنے والے پر جرمانہ و عوضانہ مقرر کیا ہے لیکن سمندر کے شکار کی رخصت دے دی ہے اور اس پر ان کے لئے نہ کوئی مضائقہ و حرج بتایا اور نہ کوئی کفّارہ مقرر کیا۔

اسی طرح مردار کو لیجیئے۔ اللہ تعالیٰ نے خشکی کا جانور جو بغیر ذبح کئے مر جائے حرام قرار دیا ہے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی سنّت دریائی مردہ کے متعلق بتاتی ہے: "سمندر کا پانی پاکی وطہارت حاصل کرنے کا ذریعہ ہے اور سمندر کا مردہ حلال ہے۔"

الغرض کتاب و سنت خشکی اور دریا کے احکام کو ایک دوسرے سے جُدا کر رہے ہیں۔ ان کی رُو سے سمندر کی چیزیں بہر حال لینے والے کے لئے مباح ہیں اسی

طرح بقیہ تمام سمندر سے نکلنے والی چیزوں کو ہم اسی پر قیاس کریں گے۔

اگرچہ حضرت عمرؓ سے اس بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے سمندری اشیاء پر کچھ ٹیکس متعین کیا تھا لیکن یہ کچھ ان سے صحیح طور پر ثابت نہیں ہے:۔

(۸۹۴) یعلی بن امیہ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے مجھے لکھا تھا "سمندر سے نکلنے والے زیورات اور عنبر پر عُشر (۱/۱۰) لو۔"

ابو عبیدؒ:۔ اس روایت کی اسناد ضعیف و غیر معروف ہے۔ اور اس کمزوری کے باوصف اس میں وہ "عُشر" متعین کر رہے ہیں۔ حالانکہ یہاں عُشر (۱/۱۰) کی کوئی توجیہ ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ اس لئے کہ اُنہوں نے نہ تو اس سمندری پیداوار کو دفینہ کی حیثیت دے کر اس پر خمس (۱/۵) لگایا اور نہ اُنہوں نے اسے کان (سے برآمد ہونے والی دھات) پر قیاس کر کے اہلِ مدینہ کے قول کے مطابق اس پر زکواۃ لینے کو کہا — کہ اہلِ مدینہ کانوں (کی پیداوار) پر زکواۃ کے قائل ہیں — بلکہ ان دونوں سے ہٹ کر اُنہوں نے اس میں سے عشر لینے کا حکم دیا۔ حالانکہ اس میں عُشر کی کوئی وجہ اس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ اسے زمین کی پیداوار غلّہ اور پھل سے مشابہ نہ قرار دیتے اور مجھے کوئی عالم ایسا نہیں معلوم جس نے سمندری پیداوار کو غلوں اور پھلوں سے تشبیہ دی ہو۔

یہاں کتاب الخمس ختم ہوئی۔ اور اسی کے ساتھ ہم کتاب الاموال کا حصۂ اوّل ختم کرتے ہیں۔ ان شاء اللہ حصۂ دوم میں زکواۃ کے موضوع پر تفصیلات پیش کی جائیں گی

(ضمیمہ)

فہرست امکنہ

مقامات کی تحدید و تعین میں بیشتر پہلی دو صدیوں کے جغرافیہ کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ کہیں کہیں موجودہ زمانہ میں ان کے محلِ وقوع کی تصریح بھی کردی گئی ہے

(الف)

آبادان :- دیکھئے "عبّادان"

اُبُلَّہ :- عراق میں بصرہ کے قریب ساحلِ دجلہ پر ایک شہر ہے- یہ علاقہ نہایت زرخیز تھا-

اُحُد :- مدینہ کے قریب شمالی سمت ایک پہاڑ کا نام ہے-

اِخنَا :- مصر میں سکندریہ کے قریب ایک ریاست تھی جو ساحلی علاقہ میں واقع تھی-

اَذرُح :- فلسطین کے علاقہ میں یرموک کے پاس ایک شہر ہے یہ ملک شام میں شامل تھا-

اَذرِعات :- شام میں اذرح کے قریب ایک علاقہ ہے آج کل یہ اردن میں "درعا" کے نام سے مشہور ہے-

اِرمِینیا- اَرمِینِیَۃ :- شام کے شمال مشرق میں شرقاً غرباً پھیلا ہوا تھا- وسیع و عریض صوبہ (علاقہ) جس میں بہت سے شہر تھے اس کے دو حصے ارمینیہ صغریٰ اور ارمینیہ کبریٰ تھے- اس کے بیشتر علاقے اب ترکی اور روس میں چلے گئے ہیں-

اِسکَندَرِیّہ :- مصر میں بحیرہ روم پر ایک مشہور شہر یہ اسکندریۃ العظمیٰ بھی کہلاتا تھا-

اَصفَہان :- اسی کو اصبہان بھی کہتے ہیں- یہ ایران کا ایک صوبہ اور اس میں بڑا شہر بھی ہے-

اُلَّیش :- عراق کی سرحد سے متصل دیا انبار کی بستیوں میں (یا جزیرہ میں) ایک شہر

اَنطَابُلُس :- افریقہ میں اسکندریہ اور برقہ کے درمیان ایک شہر-

اَہوَاز :- ایران میں خوزستان کے صوبہ میں ایک بڑا علاقہ اور شہر-

اَوطَاس :- (قبیلہ) ہوازن کی بستیوں میں ایک وادی ہے یہاں معرکۂ حنین ہوا تھا-

ایران :- مملکتِ فارس

اَیلَہ :- بحرِ قلزم کے شمال میں خلیج ایلہ کے سرے پر ایک ساحلی شہر، یہاں پہلے حجاز اور شام کی سرحدیں ملتی تھیں-

اِیلِیَاء :- القدس- المقدس اور یروشلیم سب ایک ہی شہر کے مختلف نام ہیں-

(ب)

بَانِقیَا :- کوفہ سے ورے نجف کا ایک علاقہ-

بَحرَین :- خلیج فارس کے مغربی ساحل پر ایک مشہور ریاست-

بَدْر:- مدینہ سے مکہ کے راستہ میں اٹھائیس فرسخ کے فاصلہ پر ایک سرسبز وشاداب وادی۔

بَرَدیٰ:- (نہر) شام کا ایک مشہور دریا۔

بَرْقَہ:- شمالی افریقہ میں اسکندریہ اور طرابلس کے درمیان بحیرہ روم پر ایک بڑا علاقہ ہے، آج کل لیبیا کا ایک صوبہ ہے۔

بَصْرَہ: عراق کا ایک مشہور بندرگاہ۔

بُعَاث:- مدینہ کے مضافات میں ایک مقام کا نام ہے جہاں بنی قریظہ کی بستی تھی۔

بَعْلَبَک:- شام کا مشہور اور قدیم شہر۔

بُوَیْرَہ:- بنو نضیر (یہود) کی وہ بستی جہاں ان کے باغات اور کھیتیاں تھیں۔

بَیْت لَحْم:- بیت المقدس کے قریب ایک چھوٹا سا شہر جہاں حضرت عیسیٰؑ کی ولادت ہوئی تھی۔

بیت اللہ:- خانہ کعبہ، مکہ مکرمہ میں۔

بیت المقدس:- مشہور شہر جو نصف فلسطین میں اور نصف اردن میں ہے۔ مسجد اقصیٰ اردن میں ہے۔ اس شہر کو یروشلم (اورشلم) اور القدس بھی کہا جاتا ہے۔

(ت)

تَبُوک:- وادی القریٰ اور شام کے درمیان ایک علاقہ۔

تُسْتَر:- خوزستان کا ایک بڑا شہر ہے۔

تَفْلِیْس:- (طفلیس) ارمینہ کا ایک شہر ہے۔

تِہامہ:- عرب کا ایک بڑا علاقہ جو شمال میں سیناء، جنوب میں اطراف یمن مشرق میں حجاز اور مغرب میں ساحل سمندر تک پھیلا ہوا ہے۔ نجران، مکہ، جدہ اسی میں تھے۔

(ث)

ثُغُور:- شمالی شام کا وہ وسیع سرحدی علاقہ (صوبہ) جہاں مسلمانوں نے دشمن کے حملوں سے بچاؤ کے لئے قلعے وغیرہ بنائے تھے۔ اس میں طرسوس، اذنہ، ملطیہ مرعش، قابل ذکر شہر تھے۔

(ج)

جَابِیَہ:- شام میں دمشق کے جنوب مغرب میں ایک مقام۔ دمشق میں ایک دروازہ کا نام بھی "باب الجابیۃ" تھا۔

الجَبَل :۔ عراق عجم کا ایک بڑا علاقہ جس میں بہت سے شہر قلعے اور باغات وغیرہ ہیں

الجبَال :۔(۱) فرات کے آگے دیلم وخوزستان کے درمیان کا علاقہ (۲) آذربیجان کے مشرق میں ایرانی علاقہ ہے۔

جرزان : ارمینیہ کا ایک ضلع جس کا صدر مقام تفلیس ہے۔

الجزیرہ :۔ دجلہ وفرات کے درمیان کا علاقہ (دوآبہ) اس کا شمال مغربی علاقہ الجزیرہ اور جنوب مشرقی علاقہ عراق کہلاتا تھا۔

جعرّانہ :۔ (جعرَانَہ) طائف ومکہ کے درمیان طائف کے مقابلہ میں مکہ سے قریب تر ایک وادی۔

جَلُولاء :۔ سواد (عراق) کے قصبوں میں سے ایک قصبہ جو حلوان کے جنوب میں واقع ہے۔

ح

حُبَل :۔ یمامہ میں ایک جگہ

الحَبْل :۔ بصرہ میں ایک جگہ

حِجاز :۔ جزیرہ عرب کا ایک بڑا کوہستانی علاقہ جو مغرب میں بحرِ احمر جنوب میں تہامہ، مشرق میں نجد اور شمال میں خلیج عقبہ تک پھیلا ہوا ہے۔ آج کل سعودی عرب کا ایک صوبہ ہے۔

حَرّان :۔ الجزیرہ میں رہا کے جنوب میں دیار مُضر کا قدیم دارالحکومت اور مشہور شہر۔

حَفْن :۔ مصر کے علاقہ صعید کی ایک بستی۔

حُلْوان :۔ عراق عجم کا ایک شہر ہے۔

حُنَیْن :۔ طائف اور مکہ کے درمیان (طائف سے قریب تر) ایک وادی۔

حِیرَہ :۔ عراق میں دریائے فرات کے مغربی ساحل پر مشہور علاقہ جو نجف وقادسیہ تک پھیلا ہوا تھا۔

خ

خُراسان :۔ فارس (ایران) کا ایک بڑا اور مشہور ضلع۔

خِضْرِمَۃ (یا خِضْرامہ) :۔ یمامہ کا ایک علاقہ۔

خَوَرْنَق :۔ حیرہ کے مضافات میں نعمان کا مشہور محل اور قلعہ۔

خَیْبَر :۔ مدینہ کے شمال میں تین دن کی مسافت پر یہودیوں کی ایک بستی۔ یہ سرسبز علاقہ تھا۔

دارابجرد (درابجرد) :۔ فارس میں اصطخر کے جنوب مشرق میں ایک شہر۔

دِجْلَہ :- ایک مشہور دریا جو دریائے فرات سے مل کر خلیج فارس میں گرتا ہے۔

دِمَشق :- شام کا دارالخلافہ اور ایک ضلع

دُوْمَۃ الجَنْدَل :- شام اور مدینہ کے راستے میں تبوک و مؤتہ کے درمیان (مؤتہ سے زیادہ قریب) ایک بڑا علاقہ جس میں قلعے اور بستیاں تھیں۔

دَیرجَماجم :- کوفہ سے سات فرسخ پر ایک مقام

دیلم :- آذربیجان کے جنوب میں ایک مشہور علاقہ۔

ذ

ذُوالحُلَیْفَہ :- مدینہ سے سات میل کے فاصلہ پر ایک مقام جو اہلِ مدینہ کے لئے میقات حج ہے۔

ذُوالمَجَاز :- ایک مقام جہاں جاہلیت میں عرب میلہ لگاتے تھے۔

ذِی القَصَّہ :- مدینہ سے عراق کے راستہ پر ایک مقام۔

ر

رَاذَان :- (۱) سوادِ عراق کی ایک بستی (۲) مدینہ کے نواح میں ایک بستی۔

رَبَذَۃ :- مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر حجاز کی جانب ایک بستی

رُعَاش :- نجران کا ایک مقام

رُہاء :- جزیرہ (دجلہ و فرات کے دوآبہ) میں حران کے شمال میں ایک وسیع علاقہ

رُوْم :- (بیزنطینی حکومت) روم کا علاقہ شام، ترکی، بحر روم پر واقع شمالی افریقہ نیز مغربی یورپ کے بعض ممالک تک پھیلا ہوا تھا۔

ز

زُرَارَہ :- کوفہ کی ایک مضافاتی بستی۔

زَارَۃ :- بحرین میں ایک بڑی بستی ہے۔

س

سَقِیفَہ بَنِی سَاعِدَہ :- یہ مدینہ میں بنی ساعدہ نے ایک چبوترہ پر چھت ڈال کر جماعت خانہ بنا رکھا تھا۔

سِلْسِلَہ :- واسط میں ایک جگہ کا نام جہاں چنگی کی چوکی قائم تھی۔

سَوَاد (سوادِ عراق) ایک وسیع وعریض علاقہ جو طول میں موصل سے نہر کے کنارے کنارے

دجلہ کے مشرق سے ہوتا ہوا عبادان تک پہنچتا تھا اور عرض میں حلوان میں جبل کے علاقہ سے قادسیہ کے آخری سرے پر سرزمین عرب کی حدود عذیب سے جا ملتا تھا۔

(دیکھئے ترجمہ کتاب الاموال نمبر ۱۸۲)

سُوس:۔ فارس کا وہ علاقہ جسے بعد میں اہواز کہا گیا۔ یہ بصرہ کے مشرق میں واقع ہے۔

سِیرَاف:۔ ایران کے جنوب میں ایک مشہور بندرگاہ۔

ش

شَام:۔ آج کے مقابلہ میں پہلے ایک بہت بڑا ملک تھا۔ اس کی حدود فرات سے مصر اور قبیلہ طے کے دو پہاڑ (اجا و سلمی) سے بحیرہ روم تک پھیلی ہوئی تھیں۔ اس میں بڑے صوبے قنسرین، دمشق، اردن فلسطین حمص اور ثغور تھے۔

شطّ عثمان:۔ بصرہ میں ایک بنجر علاقہ تھا جسے عثمان بن ابی العاص نے آباد کیا تھا۔

ص

صَعِید:۔ مصر کا ایک وسیع صوبہ جس کا ایک ضلع اسوان بھی ہے۔

صَفا:۔ مسجد حرام اور بطحا و مکہ کے درمیان ایک پہاڑی۔

ط

طَائِف:۔ مکہ کے جنوب مشرق میں ایک سرسبز و شاداب شہر۔

طفلیس (تفلیس):۔ دیکھئے تفلیس۔

ع

عَبَّادان (آبادان):۔ خلیج فارس پر بصرہ کے جنوب مشرق میں ایک قلعہ جو بعد میں ایک بڑا شہر بن گیا۔ یہ آج کل ایران کی بندرگاہ ہے۔

عُذَیب:۔ کوفہ کے مضافات میں ایک وادی۔

عراق: پہلے دجلہ و فرات کی جنوبی وادی پر مشتمل یہ ایک وسیع علاقہ تھا اور اس کے مشرق و جنوب میں دور دور تک جہاں اسلامی حکومت پہنچتی تھی اسے بھی "عراق" کہہ دیا جاتا تھا۔ موجودہ عراق تقریباً سواد عراق کہلاتا تھا اور اس کا مشرقی پہاڑی حصّہ جو اب ایران میں ہے عراق عجم کہلاتا تھا۔ اس کے ساتھ ہی "سواد عراق" اور "جزیرہ" دیکھئے۔

عرَبَسُوس (عرب السوس):۔ ثغور کے علاقہ میں ایک بستی جو اسلامی حکومت اور رومن حکومت کے درمیان تھی۔

عَقِیق (وادی):۔ مدینہ منورہ کے قریب ایک وادی کا نام۔

عُکاظ:۔ نخلہ وطائف کے درمیان ایک نخلستان جہاں زمانۂ جاہلیت میں ہر سال ماہِ شوال میں میلہ لگتا تھا۔ یہ بمقام اثیداء مکہ سے تین راتوں کی مسافت اور طائف سے ایک رات کی مسافت پر واقع تھا

عُمان:۔ عرب کے جنوب مشرقی سرے پر ایک زرخیز و وسیع علاقہ اس کے ساحل پر خلیج عمان اور بحر ہند واقع ہیں۔

عَینُون:۔ شام میں بیت المقدس کے مضافات کی ایک بستی۔

غ

غُرَابہ:۔ یمامہ میں سیاہ پہاڑوں پر مشتمل ایک علاقہ۔

غوْرَم:۔ یمامہ کے قریب ایک جگہ

غوُطَہ:۔ شام کا ایک سرسبز وسیع علاقہ جس میں شہر دمشق واقع ہے۔

ف

فَارِس:۔ ایران۔ عرب مشرقی علاقہ کو فارس کہتے تھے۔ یہ بڑا وسیع علاقہ تھا اس کی حدود دارجان سیرجان سیراف اور مکران تک پھیلی تھیں۔

فَدک:۔ مدینہ سے ایک شب کی مسافت پر شمالی سمت ایک سرسبز و شاداب بستی۔

فُرَات:۔ عراق کا مشہور دریا۔

فُرُع:۔ ربذہ کے اطراف میں ایک بستی ہے۔

فُسْطاط:۔ مصر میں عمرو بن العاص کا بنایا ہوا شہر۔ یہ قاہرہ کے قریب واقع تھا۔ آج کل یہ امبابہ کہلاتا ہے

فِلَسْطِین:۔ پہلے یہ شام کا ایک صوبہ تھا جس کا صدر مقام بیت المقدس تھا اس میں عسقلان، رملہ، غزۃ، قیصریہ، نابلس، اریحا، عمان، یافہ، بیت جبرین قابلِ ذکر شہر تھے۔

ق

قَادِسِیّہ:۔ عراق میں نجف کے جنوب میں ایک شہر

قبرُص (قبرس) :- بحیرہ روم میں شام سے مغرب کی طرف ترکی کے جنوب میں ایک مشہور جزیرہ ہے

قَبَلِّیَہ :- ایک علاقہ جو فرُع کے مضافات میں ہے۔

قَرَن :- یمن میں ایک علاقہ جس میں سات بڑی وادیاں ہیں۔

قُرَیٰ عربیۃ :- حجاز میں مدینہ سے شمالاً شام کے راستہ میں متعدد بستیاں (جن میں فدک بھی شامل تھا)

قِنَّسْرِین :- شام میں حمص کے شمال میں ایک بڑا علاقہ اور ایک شہر۔ پہلے حمص بھی قنسرین کے علاقہ میں شامل تھا۔

قَیْسَارِیَّہ (قَیْصَرِیَّہ) :- (۱) حیفا کے جنوب میں سابقہ شام کے سرحدی صوبہ (ثغور) میں بحیرہ روم کے ساحل پر ایک شہر۔
(۲) ایک مشہور شہر جو اب ترکی میں ہے اور قیصری کہلاتا ہے۔

ک

کُوْفَہ :- فرات کے کنارے عراق کا ایک مشہور شہر۔

ل

لِیَّۃ :- طائف کے مضافات میں ایک مقام

م

مَأْرِب :- صنعا کے مشرق میں یمن کا ایک شہر۔

مَاوَرَاءُالنَّہر :- خراسان کے شمال مشرق میں وہ علاقہ جو دریائے جیحون کے اُس پار ہے۔ اسی علاقہ میں سمرقند و بخارا تھے۔

مَدَائن :- عراق میں سات شہروں کا مجموعہ جو بغداد کے جنوب میں دریائے دجلہ پر واقع تھا۔

مَدِیْنَہ (منورہ) :- مشہور شہر جسے یثرب بھی کہا جاتا تھا جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر قیام پذیر ہو گئے تھے۔

مِرْبَد :- بصرہ کے مضافات کا ایک مشہور مقام جہاں پہلے اونٹوں کی منڈی لگتی تھی اور بعد میں مشاعروں کے اکھاڑے لگتے رہے۔

مَرْجُ الصُّفرّ :۔ دمشق کے ایک مقام کا نام۔

مَرْوالرُّوذ :۔ بلخ کے جنوب میں ایک شہر۔

مِصْر :۔ افریقہ میں ایک مشہور ملک

مَغْرِب (افریقہ) :۔ عرب یہ لفظ تمام افریقہ کے لئے استعمال کرتے ہیں اور اس میں ہسپانیہ کو بھی شامل کر لیا جاتا ہے۔ لیکن بیشتر اس کا استعمال مصر سے آگے شمالی افریقہ کے ساحلی علاقوں پر ہوتا تھا۔ مصر سے قریب علاقہ مغرب اوسط اور دور کا مغرب اقصیٰ۔

مَکّہ (مُکرّمہ) :۔ عرب کا مشہور مقدس شہر۔

مَنَاذِر :۔ ایران کے صوبہ خوزستان میں دو بستیاں جن میں سے ایک "مناذر الکبریٰ" اور دوسری "مناذر الصغریٰ" کہلاتی تھی۔

مَیْسَان :۔ بصرہ و واسط کے درمیان ایک وسیع ضلع جس کا صدر مقام بھی میسان نام کا تھا۔

ن

نَجْد :۔ جزیرہ عرب کے شمال میں ایک وسیع کوہستانی علاقہ۔

نَجْرَان :۔ جزیرہ عرب میں یمن سے متصل ایک علاقہ۔

نَجْرَانِیّہ :۔ ایک بستی جو نجران سے بیدخل کئے جانے والے عیسائیوں نے عراق میں کوفہ کے قریب بنالی تھی اسے نجران بھی کہتے تھے۔

نُخَیْلَہ :۔ کوفہ سے مغرب کی طرف ایک مقام۔

نَقِیْع :۔ مدینہ کے قریب متعدد وادیوں پر مشتمل ایک علاقہ جس میں جنگلات تھے۔

نَہَاوَنْد :۔ ایران میں ہمذان کے جنوب میں ایک شہر۔

نَہْرِ سَعِیْد :۔ بصرہ میں ایک نہر۔

نَہْرُ المَلِک :۔ بغداد میں نہر عیسیٰ کے بعد کا ایک وسیع قصبہ جس میں تین سو ساٹھ گاؤں تھے۔

و

وَادِیِ جَہَنّم :۔ بیت المقدس کے جنوب مغرب

میں ایک گھاٹی۔

وَادِیٔ عَقیق :۔ مدینہ کے قریب ایک زرخیز وادی۔

وَادِیُ القُریٰ :۔ مدینہ کے شمال میں شام تک پھیلی ہوئی وادی جس میں بہت سی بستیاں یکے بعد دیگرے آباد تھیں۔

وَاسِط :۔ دوابہ دجلہ و فرات میں بغداد اور بصرہ کے درمیان ایک شہر جو تقریباً بصرہ، کوفہ، اور مدائن سے یکساں فاصلوں پر تھا۔

وَجّ :۔ وہ وادی جس میں طائف واقع ہے اور خود طائف کو بھی کہتے تھے۔

وَہْط :۔ طائف کے علاقہ میں ایک بستی جس میں انگوروں کے بڑے بڑے باغات تھے۔

ھ

ہَجَر :۔ بحرین کا ایک شہر جو بحرین کا دارالخلافہ بھی تھا۔ یہ لفظ بحرین کے لئے بھی بولا جاتا تھا۔

ہرمز :۔ ایران میں خلیج فارس کے ساحل پر ایک بندرگاہ۔

ہمذان (ہمدان) :۔ ایران کا ایک صوبہ جس میں ایک شہر کا نام بھی ہمذان ہے۔

ی

یَمَامَہ :۔ جزیرہ عرب کے وسط میں ایک وسیع علاقہ۔

یَمَن :۔ عرب کے جنوب مغربی گوشہ میں ایک مشہور ملک۔